

دعوتِ دین میں مصروف خواتین کے لیے راہنما کتاب

ذاتِ المبلغات

www.KitaboSunnat.com



تالیف

محترمہ ام عدنان بشری قرظی

تسلیم و تصدیق

فضیلہ شیخ مولانا محمد منیر قرظی



مکتبہ کتاب و سنت
ریحانِ حیمہ
ڈسکہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی رومہ

معدنہ البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

دعوتِ دین میں مسرف خواتین کے لیے راہنما کتاب

تَاكُ الْمَبْلَغَاتِ

تالیف

محترمہ اُمّ عدنان بشریٰ قمرؓ

تفقیح و مراجعت

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمرؒ

مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ
ڈسکہ



اشاعت 2020ء

ذات المبلغات

تالیف: محمدہ ام عدنان بشری قریشی

نظر ثانی: فضیلہ شیخ مولانا محمد منیر قریشی

اشاعت: فروری 2020ء

کیوزنگ: حسان قرہ، نائلہ قرہ، نادیہ قرہ سلمہ اللہ

سینک: ابوسفیان عزیز

اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں ہمارے ساتھ ہمارے دوست انجینئر محمد نسیم رحمۃ اللہ علیہ ولد محمد مرسلین رحمۃ اللہ علیہ (انجیر، سعودی عرب، بحرین۔ ٹی پورہ منو، انڈیا) نے اپنے مرحوم والدین غفر اللہ لہما اور اہل بیت مرحومہ عابدہ نسیم رحمۃ اللہ علیہا بنت ڈاکٹر عبدالمجاہد لاری رحمۃ اللہ علیہ کے صدقہ جاریہ کے لیے تعاون کیا ہے۔

غفر اللہ لہما ولو الدینا ولو الذیہ ووزو وجہہ، وجزاہ اللہ خیر افی الدنیا و الاخرۃ۔

ابو عدنان محمد منیر قریشی

ناشر



Umm ul Qura
پبلشرز، انڈیا
0321-6466422



مکتبہ کتاب و سنت
ریجنل چیمبر، ڈسکہ



بیت السلام پبلسٹنگ پریس

042-37141518, 0321-7351350

فہرست مضامین

29 * تقدیم فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ

32 * کلمۃ تشکر... محترمہ ام عدنان بشری قمر رحمۃ اللہ علیہ

درس نمبر 1

تخلیق کائنات کا آغاز (1)

35 * 1- خالق کائنات:

35 * 2- مدت تخلیق:

36 * 3- زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے:

37 * 4- مخلوق اول؟

38 * 5- تخلیق عرش و کرسی:

41 * اللہ کی کرسی کی وسعت:

42 * 6- لوح محفوظ:

42 * 7- آسمانوں، زمین اور ان کے مابین کائنات کی تخلیق:

44 * 8- آغاز تخلیق کا پہلا دن؟

47 * آسمانوں کی تخلیق:

درس نمبر 2

تخلیق کائنات کا آغاز (2)

52 * (سات زمینوں) اور پہاڑوں کی تخلیق:

55 * دریائے نیل و فرات:

55 * دریائے نیل اور کرامت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

57 * بڑی و بحری مخلوقات:

- 57 آسمانوں اور آسمانی مخلوقات کی آفرینش: ❀
- 58 سات آسمان: ❀
- 59 کہکشاں اور قوسِ قزح (دھنک): ❀
- 59 ملائکہ (فرشتوں) کی تخلیق و صفات: ❀
- 61 الہیت المعمور کس آسمان پر ہے؟ ❀
- 61 تین ملائکہ: ❀
- 62 1- جبرائیل: ❀
- 62 2- میکائیل: ❀
- 62 3- اسرافیل: ❀
- 62 4- عزرائیل: ❀
- 64 5، 6- منکر و نکیر: ❀
- 64 7- پہاڑوں کے فرشتے: ❀
- 65 فرشتوں کی بعض دیگر اقسام: ❀
- 65 8، 9- حملۃ العرش اور کربون: ❀
- 66 10- خازنِ جنت (داروغۃ جنت): ❀
- 66 11- الزبامیۃ: ❀
- 67 12- معقبات (نگہبانی کرنے والے): ❀
- 68 13- کراماً کاتبین: ❀
- 69 14- قرین: ❀
- 69 15- جمعہ کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹی: ❀
- 69 16- لعنت بھیجنے کے لیے مقرر فرشتے: ❀
- 70 17- آمین کے لیے: ❀
- 70 18- سیاح فرشتے: ❀
- 71 19- حلقاتِ ذکر کو گھیرے میں لینے والے: ❀

درس نمبر 3

تخلیق کائنات کا آغاز (3)

- 73 جئات کی تخلیق: ❀
- 73 ابلیس، ابوشیطین: ❀
- 74 تخلیقِ آدم ﷺ کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ: ❀
- 75 مختصر وضاحت: ❀
- 77 آدم ﷺ کی فرشتوں پر علمی برتری: ❀
- 78 تخلیقِ آدم ﷺ احادیث کی روشنی میں: ❀
- 79 تخلیقِ آدم و حواء ﷺ اور فرشتوں کا سجدہ: ❀
- 80 کیفیتِ تخلیقِ آدم ﷺ: ❀
- 81 آدم ﷺ کی عزت و تکریم: ❀
- 82 سجدہ کرنے والے فرشتوں کا بیان: ❀
- 82 ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد: ❀
- 84 ابلیس کا اعلانِ جنگ: ❀
- 85 حضرت حواء ﷺ کی تخلیق: ❀
- 86 آدم اور حواء ﷺ دخولِ جنت تک: ❀
- 90 حضرت آدم ﷺ کی توبہ: ❀
- 90 کس درخت سے روکا گیا تھا؟ ❀

درس نمبر 4

تخلیق کائنات کا آغاز (4)

- 92 آدم و حواء ﷺ کا مسکن کس جنت میں تھا؟ ❀
- 93 وہ جنت کہاں تھی؟ ❀
- 95 آدم ﷺ جنت میں کتنا عرصہ رہے؟ ❀
- 96 اولادِ آدم ﷺ اور قصہ ہابیل و قابیل: ❀

- 98 نسلِ انسانی کی ابتدا: ❀
- 102 قاتیل کو سزا: ❀
- 102 ہابیل کا خون کہاں ہوا تھا؟: ❀
- 102 آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت: ❀
- 103 آدم علیہ السلام کی وفات کا دن: ❀
- 104 آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟: ❀
- 106 شیطان... انسان کا جانی دشمن: ❀

درس نمبر 5

ہجری تقویم اور محرم الحرام حقیقت کے آئینے میں

- 109 ماہِ محرم کی فضیلت: ❀
- 112 1- ہجری تقویم کا شرف و فضیلت: ❀
- 112 2- دائمی تقویم: ❀
- 113 3- مسلمانوں کے لیے انعام: ❀
- 114 4- سالِ نو کی مبارک دینا؟: ❀
- 115 5- اللہ کا مہینا: ❀
- 115 6- محرم کے روزے کی اہمیت: ❀
- 118 سالِ نو کے پیغامات: ❀
- 118 محاسبہٴ نفس: ❀
- 122 پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے قبل غنیمت: ❀

درس نمبر 6

نوجوانانِ جنت کے سردار... حسین رضی اللہ عنہما (1)

- 127 1- تاریخ ولادتِ حسن رضی اللہ عنہ: ❀
- 128 2- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت: ❀
- 129 3- نبی ﷺ کا پیغام امت کے نام: ❀

- 129 4- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ: ❀
- 130 5- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے رب سے مناجات (سرگوشی) کرنا: ❀
- 130 6- عجیب منظر: ❀
- 131 7- پاکیزہ زبان: ❀
- 132 8- خلافت کی ذمہ داری: ❀

درس نمبر 7

سیرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا (2)

- 136 مقام و مرتبہ شہداء: ❀
- 137 حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے شہداء کا مقام: ❀
- 138 حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت: ❀
- 138 نبی ﷺ کی محبت کا عالم: ❀
- 140 حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ رسول ﷺ کی محبت: ❀
- 141 آپ کی عبادت: ❀
- 142 شہادت حسین رضی اللہ عنہ: ❀
- 144 واقعہ کربلا کی حقیقت: ❀

درس نمبر 8

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفی کی طرف روانگی اور شہادت (3)

- 153 شہادت حسین رضی اللہ عنہ: ❀
- 154 پانی کی بوند کے لیے ترسنا؟ ❀
- 155 خواتین کی بے حرمتی: ❀
- 155 نوشہہ تقدیر: ❀
- 156 شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید: ❀
- 156 حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے ساتھ یزید کا رویہ: ❀
- 156 یزید کون تھا؟ ❀

163 قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ دنیا کے لیے نشانِ عبرت بن گئے:

درس نمبر 9

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اور مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم (4)

165 مقامِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

168 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ؟:

169 شہادتِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

171 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب:

172 شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ:

174 شہادتِ علی رضی اللہ عنہ:

176 خوراج کا تعارف:

178 ایک سوال:

179 سراسر بدعت:

درس نمبر 10

ماہِ صفر کی بدعات

184 1- ماہِ صفر کو اپنی جگہ سے آگے پیچھے کرنا:

185 پہلا قول:

185 دوسرا قول:

186 تیسرا قول:

187 2- ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا:

187 کیا کسی چیز میں نحوست ہے؟:

188 نحوست کے متعلق کافروں کا نظریہ:

191 ((وَلَا هَامَةَ)) کا مفہوم:

192 ((لَا عَذْوَى)) کا مفہوم:

192 ((وَلَا طَيْرَةَ)) کا مفہوم:

- 193 نحوست نہیں توکل اختیار کیجیے: ❁
- 199 صفر کے مہینے کو برا، یا منحوس سمجھنے کے اسباب: ❁
- 200 محرم کی حرمت صفر میں منتقل کرنے کا دوسرا سبب: ❁

درس نمبر 11**نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ سیرت نگاروں کی نظر میں (1)**

- 205 عید میلاد النبی ﷺ: ❁
- 207 مکان ولادت: ❁
- 208 عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت: ❁
- 208 تنازعات کو ہوانہ دو: ❁
- 209 اختلاف کا حل: ❁
- 211 عید میلاد رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں: ❁
- 212 عید میلاد النبی ﷺ تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کی نظر میں: ❁
- 212 ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم: ❁
- 212 شیخ ابن باز رضی اللہ عنہ کا فتویٰ: ❁

درس نمبر 12**عید میلاد النبی ﷺ... اس بدعت کی ایجاد کب ہوئی تھی؟ (2)**

- 218 محفل میلاد: ❁
- 219 دلیل نمبر 1: ❁
- 219 دلیل نمبر 2: ❁
- 220 دلیل نمبر 3: ❁
- 221 دلیل نمبر 4: ❁
- 221 دلیل نمبر 5: ❁

درس نمبر 13

ماہِ رجب کے فضائل و احکام

- 227 ماہِ رجب کی خاص فضیلت: ❀
- 228 ماہِ رجب کی بدعات: ❀
- 228 صلاة الرغائب: ❀
- 229 ۲۲ رجب کے کوٹے: ❀
- 230 اصل حقیقت: ❀
- 231 شبِ معراج: ❀

درس نمبر 14

معراجِ مصطفیٰ ﷺ (1)

- 234 1- قرآن مجید میں ذکرِ معراج: ❀
- 235 2- ملکِ شام کی برکتیں: ❀
- 237 3- راویانِ حدیثِ معراج: ❀
- 237 4- واقعہِ معراج کی تاریخ: ❀
- 238 5- معراجِ روحانی ہوا یا جسمانی؟ ❀
- 240 اسراء و معراج کے روح اور بدن کے ساتھ ہونے کے چند مزید دلائل: ❀
- 240 معراج کے حوالے سے ایک عظیم نکتہ: ❀

درس نمبر 15

معراجِ مصطفیٰ ﷺ (2)

- 243 6- واقعہِ معراج کا پس منظر: ❀
- 245 7- شقِ صدر: ❀
- 247 براق کی سواری: ❀
- 247 جانور کی سواری: ❀
- 248 بیت المقدس کا سفر: ❀
- 249 فطرت کا انتخاب: ❀

- 249 نبی ﷺ کی اگلی پرواز: ❀
- 250 حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات: ❀
- 251 دوسرا آسمان: ❀
- 251 تیسرا آسمان: ❀
- 252 چوتھا آسمان: ❀
- 252 پانچواں آسمان: ❀
- 252 چھٹا آسمان: ❀
- 253 ساتویں آسمان پر: ❀
- 254 حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام امت محمدیہ ﷺ کے نام: ❀

درس نمبر 16

معراج مصطفیٰ ﷺ (3)

- 256 سدرۃ المنتہیٰ تک: ❀
- 257 حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اصل حالت میں مشاہدہ: ❀
- 258 نہر کوثر: ❀
- 259 نہر بیدج: ❀
- 260 نمازوں کی فرضیت: ❀
- 261 معراج کے تین تحفے: ❀
- 263 جنت و جہنم کی سیر: ❀
- 265 معراج سے واپسی اور انبیاء علیہم السلام کی امامت: ❀
- 265 اہل مکہ کے سامنے اعلان: ❀
- 266 کفار مکہ کا ردِ عمل: ❀
- 267 ایمان صدیق ﷺ کا ظہور: ❀

درس نمبر 17

ماہ شعبان کی بدعات

- 270 بدعت کیا ہے؟ ❀

- 270 1- ماہ شعبان کے روزے: ❀
- 271 2- ماہ شعبان کے بکثرت روزے رکھنے کی وجہ: ❀
- 272 3- خاص پندرہ شعبان کا روزہ: ❀
- 272 4- شعبان کے آخری ایک دو دنوں کا روزہ: ❀
- 272 5- شبِ قدر، یا شبِ براءت کیا ہے؟ ❀
- 274 مروّجہ شبِ براءت منانے کے طریقے: ❀
- 282 بعض دیگر احادیث: ❀

درس نمبر 18

رمضان المبارک کے فضائل (1)

- 284 1- رمضان کے روزوں کی فرضیت: ❀
- 288 2- نبی ﷺ کا عمل مبارک: ❀
- 289 3- روزے کی فضیلت: ❀
- 290 4- مہمانِ خصوصی: ❀
- 291 5- رمضان میں عمرے کا ثواب: ❀
- 291 6- روزے دار کے منہ کی بو: ❀
- 292 7- روزے دار کی سفارش: ❀
- 292 8- جہنم کی ڈھال: ❀
- 292 9- ماہِ رمضان کی ہر رات کو اللہ تعالیٰ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں: ❀
- 293 10- رمضان میں شیطان کے جکڑے جانے کے باوجود گناہ کیوں ہوتے ہیں؟ ❀
- 294 11- ماہِ رمضان ماہِ قرآن: ❀
- 295 12- رمضان میں سخاوت اور قرآن کا دور: ❀

درس نمبر 19

رمضان المبارک کے فضائل اور روحانی و جسمانی فوائد (2)

- 297 مومن کی قوتِ ایمانی: ❀
- 302 13- عہدِ ابلا عذر روزہ چھوڑنے کا شرعی حکم: ❀

- 302 14- بے نماز کے روزے کا حکم: ❀
- 303 15- صرف رمضان میں نمازیں پڑھنے والوں کے روزوں کا حکم: ❀
- 305 16- کیا بچے روزہ رکھ سکتے ہیں؟ ❀
- 306 17- روزے کے برابر کوئی چیز نہیں: ❀
- 307 روزے کے میڈیکل (طبی) فوائد: ❀
- 308 18- افطاری میں جلدی کرنا: ❀
- 308 19- کھجور کے روحانی و طبی فوائد: ❀
- 310 20- نبیذ (کھجور کا شربت): ❀
- 311 نبیذ... یعنی کھجور کا شربت بنانے کا طریقہ: ❀

درس نمبر 20**رمضان المبارک کے بعد...؟**

- 318 عمل صالح پر پیشگی: ❀

درس نمبر 21**عمل صالح کے دنیوی فوائد (1)**

- 323 عمل صالح کے دنیوی فوائد: ❀
- 323 1- اللہ کا قرب حاصل کرنا: ❀
- 324 2- جبریل علیہ السلام کی محبت: ❀
- 324 3- لوگوں کے دلوں میں محبت: ❀
- 325 4- رزق کی ضمانت: ❀
- 325 5- دنیا و آخرت کی نعمتوں کی خوش خبری: ❀
- 326 6- آزمائشوں سے چھٹکارے: ❀
- 326 عمل صالح کا وسیع دائرہ کار: ❀
- 328 کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانیں: ❀
- 328 محبت اللہ کے لیے: ❀
- 328 گناہوں کی معافی: ❀

329 گناہوں کا نیکوں میں بدل جانا: ❀

331 فرشتوں کی دعا: ❀

درس نمبر 22

عمل صالح کے اُخروی فوائد (2)

335 حسنِ خاتمہ: ❀

336 حسابِ آخرت میں آسانی: ❀

337 اعمالِ صالحہ کی درجہ بندی: ❀

337 جنت کا داخلہ اعمالِ صالحہ سے نہیں، بلکہ رحمتِ الہی سے: ❀

338 جنت میں داخلہ: ❀

338 جنت کے میوے ہم شکل: ❀

339 جنتیوں کا ویکم: ❀

339 جنتیوں کا فرشتوں کو جواب! ❀

340 جنت کے دروازے اور ان کی چوڑائی: ❀

340 جنت میں سب سے پہلے جانے والے: ❀

340 جنت میں جنتیوں کی حالت: ❀

341 جنتیوں کی بیویاں کیسی ہوں گی؟ ❀

341 ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ: ❀

342 تمنائیں پوری ہونے کا ذریعہ: ❀

342 جن اعمال کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: ❀

344 جنت میں خزانہ اور باغات: ❀

درس نمبر 23

ذوالحج کے پہلے دس دنوں اور قربانی کی فضیلت

347 حرمت والا مہینہ: ❀

350 فریضہ حج ادا کرنے میں جلدی کرنا: ❀

- 350 ترک حج پر وعید: ❀
- 351 گناہوں سے کئی طہارت: ❀
- 351 اللہ کے مہمان: ❀

درس نمبر 24

تقویٰ کی اہمیت (1)

- 362 تقوے کے شرعی معنی: ❀
- 362 1- اللہ تعالیٰ کا تمام انسانیت کو تقوے کا حکم: ❀
- 363 2- تمام رسولوں ﷺ کو حکم تقویٰ: ❀
- 364 3- نبی ﷺ کو تقوے کا حکم: ❀
- 364 4- انبیاء ﷺ کا دعوت تقویٰ دینے کا اہتمام: ❀
- 365 5- ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو تقوے کا حکم: ❀
- 366 6- نبی کریم ﷺ کا تقوے کی دعوت کے لیے اہتمام: ❀
- 367 7- صحابہ رضی اللہ عنہم کو کثرت سے تقوے کی وصیت: ❀
- 369 8- اہل ایمان کو تقوے کا حکم: ❀
- 370 9- نبی ﷺ کا اللہ سے تقوے کا سوال کرنا: ❀
- 371 10- نیکی کا صرف متقیوں سے قبول کیا جاتا: ❀
- 371 11- تقویٰ: بہترین زادِ راہ: ❀

درس نمبر 25

تقویٰ کی قدر و منزلت (2)

- 373 12- بہترین لباس تقویٰ: ❀
- 374 13- متقین کو کھانا کھلانے کا حکم: ❀
- 375 14- عزیمت والے کام: ❀
- 379 تقوے کی برکات: ❀
- 379 15- اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و تکریم پانا: ❀
- 380 16- اللہ تعالیٰ کی دوستی کا حصول: ❀

- 382 17- محبوبِ الہی بننا: ❀
- 384 18- رسول کریم ﷺ کی دوستی کا حصول: ❀
- 385 19- آسمان اور زمین والوں کی محبت: ❀
- 385 20- اللہ تعالیٰ کا منتقوں کے ساتھ ہونا: ❀

درس نمبر 26

تقویٰ کے ذریعے رحمتِ خاصہ پانے والوں کی صفات (3)

- 388 21- گناہوں کی معافی: ❀
- 388 22- دشمنوں کے مکر سے بچاؤ: ❀
- 389 23- رزق کی فراوانی و نعم سے نجات: ❀
- 390 اس آیت کے حوالے سے تین باتیں: ❀
- 390 24- کاموں کا سدھرنا: ❀
- 391 25- ہر معاملے میں آسانی: ❀
- 391 26- فرقان و نور: ❀
- 393 پل صراط کی کچھ تفصیل: ❀
- 394 27- جہنم سے نجات: ❀
- 395 28- قابلِ تعریف انجام: ❀
- 396 29- جنت کی وراثت: ❀
- 397 30- فرضیتِ تقویٰ کو پیش نظر رکھنا: ❀
- 397 31- برکاتِ تقویٰ کو پیش نگاہ رکھنا: ❀

درس نمبر 27

اسلام میں نماز کا مقام و مرتبہ اور اس کے طبی فوائد (1)

- 401 لفظِ صلاۃ کا شرعی مفہوم: ❀
- 402 دعا کی اقسام: ❀
- 402 فرضیتِ نماز: ❀

- 403 قرآن کریم کے دلائل: ❀
- 403 نماز اور شرائع قدیمہ: ❀
- 411 10- نمازیوں کی تعریف اللہ نے فرمائی: ❀
- 412 11- نماز، جسمانی و نفسیاتی راحت ہے: ❀
- 413 12- نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک: ❀
- 413 13- نماز اسلام کا آخری کڑا: ❀
- 414 14- فرضیت نماز بلا واسطہ: ❀
- 414 15- نمازوں میں تخفیف: ❀
- 414 16- نماز کی ایک خاص شان: ❀
- 414 17- نبی ﷺ کی آخری وصیت: ❀
- 415 18- نماز اور قیامت: ❀
- 415 19- نماز میں اطمینان اور چوری: ❀
- 416 20- نقش و نگار والے اور ریشمی کپڑے میں نماز: ❀
- 418 نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت: ❀
- 418 صحیح عبادت کے لیے حصول علم: ❀
- 420 نماز میں خشوع: ❀
- 423 جو شخص کوئی نماز بھول جائے: ❀
- 424 فوت شدہ نمازوں کی ترتیب: ❀
- 425 غشی طاری ہونے کی صورت میں: ❀

درس نمبر 28

وضو و نماز کے طبی فوائد و ثمرات (2)

- 426 میڈیکل اور سائنسی نقطہ نظر: ❀
- 427 1- وضو کی برکات: ❀
- 428 نبوی نسخہ: ❀
- 428 طبی نقطہ نظر سے: ❀

- 430 2- نماز کے فوائد: ❀
- 430 تکبیر، اللہ اکبر کہنا: ❀
- 434 3- تلاوت قرآن کے فوائد: ❀
- 436 4- رکوع کے فوائد: ❀
- 437 5- سجدہ قرب الہی کا ذریعہ: ❀
- 439 6- رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ: ❀
- 439 7- نورِ جبین: ❀
- 440 8- شیطان کا رونا: ❀
- 440 9- سجدے کے طبی فوائد: ❀
- 441 کچھ تحقیقات ڈاکٹر ذاکر ناسک کی: ❀
- 442 10- یہ ہے نماز کی روح اور اس کی معنویت اور حقیقت: ❀
- 442 11- نمازِ فجر و عصر: ❀
- 444 12- نمازِ ظہر کی فضیلت: ❀
- 444 13- نمازِ عصر: ❀
- 445 14- نمازِ مغرب: ❀
- 445 15- نمازِ عشا: ❀
- 446 بے نماز کا انجام: ❀

درس نمبر 29

انسان خسارے میں ہے... مگر!

- 451 سورۃ العصر کی مختصر تفسیر: ❀
- 451 1- زمانے کی قسم: ❀
- 452 2- انسان خسارے میں: ❀
- 453 3- خسارے سے محفوظ لوگ: ❀
- 453 1- ایمان لانا: ❀
- 453 اللہ پر ایمان: ❀

- 453 فرشتوں پر ایمان لانا: ❀
- 454 آسمانی کتابوں پر ایمان لانا: ❀
- 454 رسولوں پر ایمان لانا: ❀
- 455 یومِ آخرت پر ایمان لانا: ❀
- 455 تقدیر پر ایمان لانا: ❀
- 456 2- نیک اعمال: ❀
- 456 ایک خطرناک مغالطہ: ❀
- 457 ایمان کی قیمت: ❀
- 458 انسان کے لیے دو مضر چیزیں: ❀
- 458 3- حق کی وصیت: ❀
- 459 4- صبر کی وصیت: ❀

درس نمبر 30**ویلنٹائن ڈے کی تاریخ و حقیقت**

- 461 ویلنٹائن ڈے کی شرعی حیثیت: ❀
- 468 شریعتِ اسلامیہ کا اس بارے میں موقف: ❀

درس نمبر 31**اسلام کی بہادر بیٹیاں اور ان کے کارنامے (1)**

- 477 اسلام کا مقصد: ❀
- 478 اسلام سے پہلے عورت کا مقام: ❀
- 478 عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے حدیثِ رسول ﷺ: ❀
- 481 عورت اور دعوت و تبلیغ: ❀
- 481 عورت صاحبِ حیثیت و صاحبِ رائے ہے: ❀
- 484 عورت اور سیاست: ❀
- 484 عورت اور علم: ❀

486 عورت اور امانت: ❁

486 عورت اور شاعری: ❁

درس نمبر 32

اسلام کی بہادر بیٹیاں اور ان کے کارنامے (2)

488 عملی کارنامے: ❁

488 عورت اور تجارت: ❁

488 عورت اور کاشتکاری: ❁

489 عورت اور کتابت: ❁

489 مذہبی خدمات: ❁

490 عورت اور طب و جراحی: ❁

492 ایک مسلمان پردہ نشین عورت: ❁

494 بہادر اور صابر مائیں: ❁

درس نمبر 33

نیک عورت: بہترین متاعِ دنیا (1)

498 قدیم معاشرے میں عورت کا مقام: ❁

498 اسلام میں بیٹی کی حیثیت: ❁

500 عورت بحیثیت بیوی: ❁

503 عورتوں کے لیے باہر نکلنے کے شرعی آداب: ❁

505 عورت صنفِ نازک ہے: ❁

درس نمبر 34

نیک عورت: بہترین متاعِ دنیا (2)

508 عورتوں کی چند اچھی اور بعض بُری صفات: ❁

511 قدیم زمانے کی ماں کی نصیحت: ❁

512 ماں کی نصیحت: ❁

513 عورت بحیثیت ماں: ❁

513 جنت ماں کے قدموں کے نیچے: ❁

درس نمبر 35

پردہ... امہات المؤمنین اور قریشی عورتوں ﷺ کا (1)

518 پردہ: ❁

519 لعنت کے اسباب کیا تھے؟ ❁

521 مسلمان عورت کا لباس: ❁

525 قریشی عورتوں کا ذوقِ رفیع: ❁

527 انصاری عورتوں کا کردار: ❁

528 اس امت کا مزاج: ❁

درس نمبر 36

فتنوں کا ظہور اور پردہ (2)

533 لباس والی برہنہ عورتیں: ❁

534 سونے والیوں کو جگا دو: ❁

534 پردہ کیسا ہونا چاہیے؟ ❁

536 تین چیزوں سے پرہیز: ❁

537 پردے کا تذکرہ ایک شاعر کی زبانی: ❁

537 انگریز عورتوں کا اسلام کی طرف رجحان: ❁

538 ہدایت کی کرنیں یورپ میں: ❁

540 اسلام میں امن و سکون ہے: ❁

541 مغربی عورت کی زندگی: ❁

درس نمبر 37

پردہ... حسرتیں اور عبرتیں (3)

545 باکردار عورت بنیں: ❁

548 آزادی نسواں: ❁

درس نمبر 38

پردہ... فطرت کی آواز (4)

- 552 تصویر کا پہلا رخ: ❁
- 553 تصویر کا دوسرا رخ: ❁
- 556 فیشن کی حقیقت: ❁
- 558 توبہ کرنے والی عورتیں: ❁
- 558 منیرہ: ❁
- 559 حصہ کا پیغام: ❁
- 560 ایمان کی بلندی: ❁

درس نمبر 39

جنات کا انسانی زندگی میں عمل دخل

- 563 جنات کی تخلیق: ❁
- 564 جن کی تعریف: ❁
- 564 جنات ایک حقیقت ہے: ❁
- 565 جنات کا نسلی سلسلہ وغیرہ: ❁
- 566 جنات کی خوراک: ❁
- 566 انسان پر جنات کا عاشق ہونا: ❁
- 566 انسان و جن کی شادی؟ ❁
- 568 جنات کی رہائش: ❁
- 568 جنات کی محبوب چیزیں: ❁
- 569 جنات کی اقسام: ❁
- 569 جنات کے منتشر ہونے کے اوقات: ❁
- 571 جنات کے سبب لاحق ہونے والے امراض اور نقصانات: ❁
- 572 انسان پر جنات کے مسلط ہونے اور ایذا پہنچانے کے اسباب: ❁

- 573 نسوانی امراض: ❀
- 573 جنسی امراض: ❀
- 574 نیند کی حالت میں پیش آنے والے عوارض و حالات: ❀
- 574 جن کا انسان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنا: ❀
- 575 جن کا انسان پر حملہ کرنا: ❀
- 576 بلا سبب آگ بھڑک اٹھنا: ❀
- 576 جن کی حاضری کی علامات: ❀
- 577 روحانی و طبی علاج اور دوائیں: ❀

درس نمبر 40**اللہ کی بے پایاں نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت... زبان**

- 582 1- زبان اللہ کی نعمت ہے: ❀
- 584 بہترین مسلمان: ❀
- 590 2- زبان سے ادا ہونے والے کلمات: ❀
- 590 3- خاموشی کے فوائد: ❀
- 591 4- خاموشی کی خوبیاں: ❀
- 591 5- آدابِ مجلس: ❀
- 594 5- گفتگو کے چند اہم آداب: ❀

درس نمبر 41**آفاتِ لسان میں سے ایک آفت... چغل خوری**

- 598 قرآن کریم میں چغل خوری کی مذمت: ❀
- 599 حدیث کے حوالے سے: ❀
- 599 چغل خوری کیا ہے؟: ❀
- 600 چغل خور کے ساتھ سچے مسلمان کا رویہ: ❀
- 601 چغل خوری کے نتائج: ❀

- 602 دورخاپن: ❁
- 603 مومنین کی صفات: ❁
- 603 منافقین کی صفات: ❁

درس نمبر 42**آفات اللسان میں سے دوسری آفت... غیبت**

- 608 غیبت کیا ہے؟ ❁
- 608 بہتان کیا ہے؟ ❁
- 609 غیبت کی شکلیں: ❁
- 610 غیبت میں شرکت کرنا: ❁
- 611 غیبت کے اسباب: ❁
- 612 غیبت کی جائز شکلیں: ❁
- 613 غیبت کا حکم اور دلائل: ❁
- 613 غیبت کی ممانعت: ❁
- 614 اپنے عیوب پر نظر: ❁
- 614 بدگمانی کرنا: ❁
- 615 جاسوسی کرنا: ❁
- 616 غیبت گھاٹے کی تجارت: ❁
- 617 غیبت سے توجہ کرنا: ❁

درس نمبر 43**آفات اللسان میں سے... مذاق**

- 620 مذاق: قرآن کریم کے حوالے سے: ❁
- 621 مذاق کی تعریف: ❁
- 621 مذاق کے اسباب: ❁
- 624 دوسرا سبب: ❁

- 625 تیسرا سبب: ❀
- 626 نبی ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مذاق: ❀
- 627 امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا مذاق: ❀
- 628 مذاق اڑانے کی ممانعت: ❀
- 629 شرعی پردے کا مذاق اڑانا: ❀
- 630 کپڑے اور ڈاڑھی کا مذاق: ❀
- 631 علم کی فضیلت: ❀
- 632 کثرت مذاق: ❀
- 634 دوسروں کا مذاق اڑانے والے کا قیامت کے روز مذاق اڑایا جائے گا: ❀
- 635 خاص بات: ❀

درس نمبر 44

آفاتِ لسان میں سے لعنت ملامت کرنا (1)

- 636 قرآن کریم کی روشنی میں ❀
- 636 ابلیس لعنت کا مستحق کیوں؟ ❀
- 637 1- سجدے کا حکم بطور تعظیم: ❀
- 637 2- ابلیس کے انکار کی وجہ: ❀
- 638 3- شیطان فرشتہ نہیں تھا۔ ❀
- 639 فرشتوں، آدم علیہ السلام اور شیطان کی تخلیق: ❀
- 640 لعنت کا مفہوم: ❀
- 640 1- لعنت کے مستحق: ❀
- 641 2- رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا: ❀
- 641 3- کتاب اللہ کی باتیں چھپانا: ❀
- 642 4- مؤمن کا قتل: ❀
- 642 5- اپنے بھائی کو ڈرانا: ❀

- 643 6- پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا:
- 644 7- منافق مرد اور منافق عورتیں:
- 645 8- کفر کی حالت میں موت:
- 646 9- اپنے باپ کے علاوہ دوسروں کی طرف نسبت:
- 647 10- وعدہ خلافی و بدعہدی:
- 648 11- صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کی ممانعت:
- 652 12- مدینہ منورہ والوں پر ظلم کرنے والے:
- 652 13- مدینہ منورہ میں بدعت کی ایجاد اور بدعتی کو پناہ دینا:
- 652 14- غیر اللہ کے نام ذبح کرنا:
- 653 15- قبروں کو سجدہ گاہ بنانا:
- 654 16- کفار و مشرکین اور منافقین:

درس نمبر 45

آفاتِ لسان میں سے لعنت ملامت کرنا (2)

- 655 17- صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنے والے:
- 656 18- کفن چور:
- 656 19- عام چور کی سزا اور لعنت:
- 657 20- دھوکا و فریب دینے والے:
- 657 21- سود کھانے والے:
- 660 22- رشوت لینا:
- 661 23- جانور کو باندھ کر نشا نہ بنانا:
- 661 24- جانوروں کے منہ پر داغ لگانا:
- 662 لعنت کیا گیا جانور:
- 662 25- حلالہ کرنا یا کروانا:
- 664 26- شراب سے متعلقہ لعنتی لوگ:

- 665 27- ماتم کرنے والے لوگ: ❀
- 665 28- اللہ کی تخلیق کو بدلنا: ❀
- 666 29- شوہر کو ناراض کرنے والی: ❀
- 666 30- باریک لباس: ❀
- 667 31- طعنہ دینا، لعن و تشنیع: ❀
- 667 32,33,34,35- خون کی قیمت لینا، کتے کی قیمت لینا، بدکار عورت کی کمائی کھانا،
تصویر سازی کرنا: ❀
- 668 36- پناہ توڑنے والا: ❀
- 668 37- عمل قوم لوط (غلام بازی): ❀
- 669 38- صرف دنیا کی خاطر بھاک دوڑ کرنا: ❀
- 671 نبینا محمد ﷺ: ❀
- 671 لعنت کی ممانعت: ❀
- 672 لعنت کرنے کی سزا: ❀
- 672 بعض گناہوں کی وجہ سے لعنت: ❀
- 673 لعنت کرنے کی تلافی: ❀

درس نمبر 46

آفات اللسان میں سے... جھوٹ! (1)

- 676 1- سچ کی تعریف: ❀
- 677 2- سچائی کی برکات: ❀
- 677 3- شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدق بیانی: ❀
- 678 4- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ: ❀
- 679 5- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول: ❀
- 679 6- سچ کی فضیلت: ❀
- 680 7- تین چیزیں: ❀
- 680 8- مومن کی شان: ❀

- 681 9- گفتگو میں جھوٹ: ❀
- 682 10- جھوٹ کے نتائج: ❀
- 682 11- شک و شبہ کو جنم دینا: ❀
- 683 12- باہمی اعتماد کا ختم ہونا: ❀
- 683 13- جھوٹ حقیقت کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے: ❀
- 683 14- جھوٹ کی کئی قسمیں ہیں: ❀
- 685 15- جھوٹ کی ایک اور قسم: ❀
- 686 16- کسی کی حق تلفی کرنے کے لیے جھوٹ بولنا: ❀
- 688 17- جھوٹ سے برکت کا ختم ہو جانا: ❀
- 688 18- سامان کو مشہور کرنے کے لیے جھوٹ: ❀

درس نمبر 47

آفات اللسان میں سے... جھوٹ کی بربادیاں (2)

- 691 19- جھوٹے کی بربادی: ❀
- 692 20- جھوٹ کی بدترین قسم: ❀
- 692 21- جس جھوٹ سے کسی کو تکلیف ہو: ❀
- 693 22- جھوٹی قسم کے ذریعے لوگوں کا مال ہتھیانا: ❀
- 694 23- جھوٹا خواب بیان کرنا: ❀
- 695 24- جھوٹ کی بنیاد پر ایک خطرناک رسم: ❀
- 697 25- جھوٹی افواہیں: ❀
- 698 26- جھوٹ کے انسانی جسم پر اثرات: ❀
- 699 27- جھوٹ کی اجازت کہاں تک ہے؟ ❀
- 700 28- موت کے بعد جھوٹے کا انجام: ❀
- 700 29- جھوٹ سے نجات: ❀



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقدیم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

اما بعد: قارئین کرام و قارئات محترمت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے سلسلے میں ہمارے تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ اس عمل کا دوطرفہ فائدہ ہوتا ہے۔ حاضرین و سامعین کوئی نہ کوئی نئی بات سنتے یا بھولی ہوئی بات کو تازہ کر لیتے اور اس پر عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوارنے میں لگے رہتے ہیں اور مدرس یا واعظ و مبلغ اپنے خطبے، درس یا لیکچر کی تیاری کرتا ہے اور اپنے موضوع سے متعلق مواد جمع کرتا ہے، جس سے خود اسے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ نئی باتیں اس کے سامنے آتی ہیں یا بھولی بسری باتیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح روز بروز اس کے علم میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یوں واعظ و مبلغ ساری عمر طالب علم بھی رہتا ہے اور دوسروں کی تعلیم و تدریس کا فریضہ بھی انجام دیتا رہتا ہے۔ یہ استفادہ و افادہ کا عمل اس کی شخصیت کو صیقل کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے علم کو بھی جلا بخشتا ہے۔ لیکن ان مفادات کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے درس، خطبے، وعظ یا لیکچر کی خوب تیاری کرے۔ ورنہ چند رٹنی رٹائی باتوں کو ساری عمر بھی دہراتے رہیں گے تو ان سے کیا علمی فائدہ ہوگا۔

علمائے سلف و مشائخ کرام کے ایسے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ صرف ایک درس کی تیاری کے لیے سو سے زیادہ کتابوں کے متعلقہ مقامات کا مطالعہ کرتے تھے۔ وعظ ایک خداداد ملکہ و فن ہے اور واعظ کا ہتھیار اس کا علم ہے۔

زمانہ طالب علمی میں ہمارے منشی فاضل (فاضل فارسی) کے کورس کی ایک کتاب ”چهار مقالہ“ تھی۔ پہلے پہل اس میں اور پھر بعد میں کئی کتب میں ایک بات پڑھی کہ جہالت یا جہل کی دو قسمیں ہیں: 1- جہل مفرد 2- جہل مرکب

جہل مفرد یہ ہے کہ کسی کو کسی بات کا علم نہیں اور اگر سائل اس کے بارے میں سوال کرے تو وہ کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ یعنی علم نہیں اور علم نہ ہونے کا اقرار بھی ہے۔ ایسا شخص اس مسئلے میں اور اسی طرح پیش آمدہ دیگر مسائل میں بحث و تحقیق کرے گا اور عالم ہوتا جائے گا۔ جبکہ جہل مرکب یہ ہے کہ جانتا بھی نہیں اور نہ جاننے کا اعتراف بھی نہیں، بلکہ سائل کے سوال کو جیسے تیسے بھگتا دے گا۔ اللہ اللہ اور خیر سلہ!

ایسا آدمی عمر بھر عالم نہیں بن سکے گا، کیوں کہ اس میں از دیا د علم کی جستجو ہی نہیں۔ لہذا مدرسین و واعظین اور خطبائے کرام سے ہماری درخواست ہے کہ دروس و خطبات کے لیے خوب تیاری کیا کریں، روز بروز آپ کا علم بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ ان شاء اللہ

زیر نظر کتاب ”زاد المبلغات“ ہماری اہلیہ ام عدنان بشری قمر۔ وَفَقْنَا اللَّهُ وَإِيَّاهَا لِكُلِّ خَيْرٍ۔ کے ہفتہ وار دروس کا مجموعہ ہے جو سعودی عرب کے مشرقی صوبے اور بالخصوص الخبر شہر میں خواتین کے حلقوں میں دیے گئے۔ ان کے ہر ہفتے میں عموماً دو درس اور کبھی کبھی تین درس ہوتے ہیں جن کے دو مجموعے پہلے بجز اللہ ”گلدستہ دروس خواتین“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور اب یہ تیسرا مجموعہ ہے۔ تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَ مِنْهَا صَالِحَ الْأَعْمَالِ۔

مولفہ رحمۃ اللہ علیہا نے دروس کی تیاری کے دوران ہی میں اس بات کا التزام کیا کہ ان میں واعظانہ قصے کہانیاں، من گھڑت و ضعیف اور لا اصل و منکر روایات نہ آنے پائیں، کیوں کہ ان سے گریز میں ہی سلامتی اور صحیح و حسن درجے کی احادیث میں ہی خیر و برکت ہے۔

ہم نے کتاب کے مضامین کی ترتیب و تبویب اور زبان کی قدرے تنقیح و تہذیب کر کے اس کی نوک پلک سنوارنے کا کچھ کام کیا ہے۔ کتاب میں وارد تمام احادیث و مضامین باحوالہ ہیں۔ جہاں کہیں کچھ کمی تھی اسے بھی ہم نے پورا کر دیا ہے اور جناب حافظ شاہد رفیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی) کی معاونت نے کتاب کے معیار و اعتبار میں چار چاند لگا دیے ہیں، اور انھوں نے ہی اپنے ادارے ام القرئی پبلی کیشنز کی طرف سے اس کی طباعت و اشاعت کا اہتمام بھی کیا ہے۔ جَزَاهُ اللَّهُ خَيْرًا۔

اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں دامے درمے قدمے سخی کسی بھی طرح حصہ لینے والے تمام احباب اور خصوصاً جناب انجینئر محمد نسیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم شکر گزار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو قبول فرمائے۔ آمین

ہم اپنی لُحْتِ جگر نائلہ قمر اور نادیہ قمر۔ سلمہما اللہ۔ اور عزیزم حسان قمر۔ سلمہ اللہ تعالیٰ کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے ان دروس کی کمپوزنگ کا کام سرانجام دیا۔ تَقَبَّلَ اللہُ مِنْهُمْ وَوَفَّقَهُمْ لِأَكْثَرِ.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجموعے کی مولفہ ام عدنان قمر رحمۃ اللہ علیہا کی یہ علمی خدمت قبول فرمائے، انہیں مزید توفیق سے نوازے، صحت و عافیت سے رکھے اور اس کتاب کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور قارئین کرام و قارئین محترمت، خصوصاً خواتین اور بالائے خصل دعوت و ارشاد اور تعلیم و تدریس کے شعبے سے منسلک واعظات و مدرّسات کے لیے دروس کی تیاری میں تعاون کا باعث بنائے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابو عدنان محمد منیر قمر نواب الدین

مترجم شرعی کورٹ انجیر و داعیہ متعاون

بمکاتب الجالیات (دعوت سنٹرز) بالانجیر والراکہ والدمام۔ سعودی عرب

بروز سوموار۔ ۱۴۴۱/۱۱/۱۰ھ = 2019\9\9 ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلمہ تشکر

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا،
وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

اما بعد: معزز قارئین کرام و قارئات محترمت! السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

اپنے اس تیسرے مجموعہ دروس و محاضرات کے لیے نئے سرے سے کچھ لکھنے کے بجائے میں
پہلے مجموعہ کے لیے لکھے گئے کلمات کو ہی کافی سمجھتے ہوئے معمولی ترمیم کے بعد یہاں دوبارہ درج کر
رہی ہوں۔ اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان و کرم ہے مجھ پر اور اس پاک ذات کا شکر ادا کرنے
سے میری زبان قاصر ہے کہ جس نے مجھ ناچیز کو اس چھوٹی سی سعادت کی توفیق بخشی۔ بے شک
اس کی رحمت و کرم اور توفیق کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں۔ الحمد للہ

رب رحمن کا شکر ادا کرنے کے بعد میں اپنی آپا استاذہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا (آسودہ خاک بمبائوالہ، سیالکوٹ)
کے لیے بھی دعا گو ہوں جن سے دیگر ہزاروں طالبات کی طرح میں نے بھی اللہ تعالیٰ کے پاک
کلام قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے
شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی قبر کو تاجہ نگاہ و سبوح فرمادے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد میں اپنے رفیق حیات اور استاذ محترم ابو عدنان محمد منیر قمر صاحب
کی بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام کے لیے مجھے تیار کیا اور پھر میری ہمت افزائی
کی۔ چونکہ درس کے متعلق مواد جمع کرنا، لکھنا اور پھر اس کو حوالوں کے ساتھ تیار کرنا میرے لیے کافی مشکل تھا
اگرچہ ناممکن نہ تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب رحمت کرتا ہے تو اپنے بندوں پر آسانیاں فرمادیتا ہے۔ والحمد للہ
اللہ رب العزت ابو عدنان قمر کو احسن جزا دے کہ انہوں نے آج سے تقریباً گیارہ سال پہلے
ایک درس کا کچھ حصہ میرے لیے تیار کیا اور پھر مجھے خود سے لکھنے کے لیے کہا اور ساتھ ساتھ اپنے مفید

اور ماہرانہ مشوروں سے میری راہنمائی فرمائی، اور پھر میرے ان درسوں کی کتابی شکل کے بارے میں اپنی قیمتی رائے اور تجویز کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے اپنے قیمتی وقت اور انتہائی مصروفیات کے باوجود نہ صرف یہ کہ درسوں کو کتابی شکل دینے کے لیے ترتیب دیا، بلکہ کئی بار ان پر نظر ثانی فرمائی اور میری اس کوشش کی بطریقہ احسن اصلاح فرمائی اور میرے ان درسوں کی نوک پلک کو سنوارا اور ان کے لیے مقدمہ بھی لکھا۔

یہ میرے لیے ایک عظیم اعزاز ہونے کے علاوہ باعثِ حوصلہ و ہمت افزائی بھی ہے۔ میں اپنے رب کریم کا شکر ادا کرنے کے بعد ان کی بھی بے حد شکر گزار ہوں، انھوں نے اس کتاب کے لیے قدم قدم پر میری راہنمائی فرمائی ہے اور ان کی لکھی ہوئی کتابوں سے بھی میں نے بہت استفادہ کیا ہے۔ میں ان کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کی صحت و عمر اور علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور انھیں ان کے لیے فلاح و نجات کا ذریعہ بنائے۔ اللھُمَّ آمین۔

میں اپنی لختِ جگر نالکھ قمر اور اپنے بیٹے حسان قمر کی بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میرے ان درسوں کو کمپوز کیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ اسی طرح میں اپنی لختِ جگر نادیہ قمر کی بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے ہمارے درسوں کے مسودے کو نہ صرف مرتب کیا، بلکہ کافی حصہ کمپوز بھی کیا ہے۔ میری ان سب کے لیے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بیش از پیش توفیقِ خیر سے نوازے اور انھیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلے سے نوازے اور ان کے اس عمل کو ذریعہ سعادت و نجات بنائے۔ آمین میں اُن تمام کرم فرماؤں کا بھی شکر یہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان کے لیے ذریعہ فلاح و نجات بنائے۔ اللھُمَّ آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاؤں کی طلب گار

ام عدنان بشریٰ قمر بنت محمد صادق دہلوی۔

الخبر۔ سعودی عرب

۱۰/ محرم ۱۴۳۱ھ = ۹/ ستمبر ۲۰۱۹ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تخلیق کائنات کا آغاز

(1)

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. أَمَّا بَعْدُ:

1- خالق کائنات:

میری بہنو اور بھائیو! آج کا درس بہت ساری بہنوں کے اصرار پر میں نے تیار کیا ہے اور درس کا عنوان ”تخلیق کائنات کا آغاز“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں اور زمینوں کو، ان کے اوپر نیچے اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے، ان تمام مخلوقات کی تخلیق فرمائی ہے، اور اس بات کا ثبوت قرآن کریم کی سورۃ الزمر (آیت: ۶۲) میں ہے، جہاں اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ [الزمر: ۶۲]

”اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

یعنی ہر چیز کا خالق اور مالک وہی رب کائنات ہے، وہ جس طرح چاہے تصرف اور تدبیر کرے، ہر چیز اسی کے ماتحت اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو اس کے حکم سے سرتابی یا انکار کی مجال نہیں، وکیل بہ معنی محافظ اور مدبر، یعنی ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الزمر: ۶۳، الشوریٰ: ۱۲]

”اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔“^①

2- مدتِ تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں سات آسمانوں اور سات زمینوں اور ان کے اندر کی تمام کائنات کی مدتِ تخلیق بھی بتادی ہے کہ ان کے تیار کرنے میں کتنا وقت لگا ہے، چنانچہ سورۃ الحدید (آیت: ۴) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

”وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔“

عرشِ الہی جو تحت الثریٰ تک کی تمام مخلوقات کے لیے چھت کی جگہ ہے اور جو کچھ بھی جامد و ناطق ہے وہ سب اللہ کی مخلوق، اس کی ملکیت، اس کے بندے، اسی کے قہر و قدرت کے تابع اور اسی کی مشیت و تصرف کے تحت ہیں۔

3- زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے:

کیا زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے بھی کچھ تھا یا نہیں؟ اس بات میں دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں، ان میں سے بعض متکلمین کی جماعتوں کا کہنا ہے کہ کچھ نہیں تھا، جبکہ دوسروں نے کہا ہے کہ ان سے قبل بھی بعض مخلوقات موجود تھیں، خصوصاً پانی کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ سورت ہود (آیت: ۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾

”اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔“

اس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ ﷺ سے دین سیکھنے اور اس دنیا کے آغاز کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرَهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ﴾

كُلَّ شَيْءٍ وَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ﴿١﴾
 ”اول اللہ کی ذات تھی، اس کے سوا کوئی چیز نہیں تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں اس نے ہر چیز لکھ دی تھی، اور اس نے ہی زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔“

4- مخلوقِ اول؟

اللہ رب العالمین نے پانی اور عرش کو پیدا فرمایا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق فرمائی تھی، اس سلسلے میں بھی کئی اقوال ہیں:

1- ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے قلم کی تخلیق فرمائی، یہ امام المفسرین ابن جریر اور علامہ ابن الجوزی وغیرہما کا اختیار ہے، اور علامہ ابن جریر کہتے ہیں کہ قلم کے بعد باریک بادلوں کی تخلیق فرمائی اور پھر عرش بنایا، اور ان کی دلیل ابو داؤد و ترمذی اور مسند احمد کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: اُكْتُبْ، فَخَبَرَنِي فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»^②

”بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا، پھر اسے کہا: لکھ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات کی خبر دی کہ قلم نے تب سے لے کر قیامت تک جو ہوگا وہ لکھ دیا۔“

2- جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش کی تخلیق فرمائی، یہ ابو العلاء الہمدانی نے نقل کیا ہے، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ابن جریر سے روایت ہے۔^③

اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

« كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ »^④

① صحیح البخاری (۳/۳۹۱) کتاب بدء الخلق.

② مسند أحمد (۳۳۷۰۵) صحیح لغیرہ

③ ابن جریر (۱/۳۹)

④ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶، ۲۶۵۳)

”اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔“

ان کا کہنا ہے کہ اس تقدیر سے مخلوقات کی تقدیروں کو قلم سے لکھوانا مراد ہے۔^①
اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ قلم کی تخلیق سے بھی پہلے عرش کی تخلیق ہوئی اور یہی جمہور علمائے امت کا مسلک ہے۔

5- تخلیق عرش و کرسی:

عرش الہی کا ذکر قرآن کی بکثرت آیات میں آیا ہے، جیسا کہ سورۃ المؤمن (آیت: ۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾

”عرش اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو انھیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔“

سورۃ المؤمن (آیت: ۱۱۶) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾

”اللہ سچا بادشاہ ہے، وہ بڑی بلندی والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے۔“

سورۃ النمل (آیت: ۲۶) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔“

① شرح صحیح مسلم (۲۶۵۳) کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیؑ.

سورة البروج (آیت: ۱۴-۱۵) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝۱۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴾

”وہ بڑا بخشنے کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک، عظمت والا ہے۔“

سورة الحاقة (آیت: ۱۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ وَالْمَلِكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ ﴾

” (جب آسمان پھٹ جائے گا) اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے، اور تیرے پروردگار

کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔“

سورة الاعراف (آیت: ۵۴) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ﴾

”بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا

ہے، پھر عرش پر قائم ہوا۔“

قرآن کریم کی طرح ہی بکثرت احادیث شریفہ میں بھی عرشِ الہی کا ذکر موجود ہے، مثلاً

صحیح بخاری و مسلم کی ایک معروف دعا یوں ہے:

﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ

إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴾^①

”اللہ صاحبِ عظمت اور بردبار کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کا

رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور عرشِ کریم کا رب ہے۔“

یہ وہ دعا ہے جس کو نبی ﷺ حالتِ پریشانی میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح صحیح بخاری

شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿ إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ الْجَنَّةَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُ الْجَنَّةِ

وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ ﴾^②

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۳۶۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۳۰)

② صحیح البخاری، کتاب الجہاد و السیر، رقم الحدیث (۲۷۹۰)

”جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیوں کہ وہ جنت کے سب سے بلند درجے پر ہے اور اس کے اوپر پروردگار کا عرش ہے۔“

عرش کے حوالے سے ہی بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿إِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ﴾^①

”حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت پر عرشِ رحمان ہل گیا تھا۔“

امام ابن ابی شیبہ نے کتاب ”صفة العرش“ میں بعض سلف صالحین سے نقل کیا ہے کہ عرش مخلوق ہے جو سرخ یا قوت سے تیار کروایا گیا ہے اور اس کے دونوں کنارے ایک دوسرے سے اتنی دوری پر ہیں کہ جسے طے کرنے کے لیے 50 ہزار سال کا عرصہ درکار ہے۔

اسی طرح امام ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ عرشِ الہی اور ساتویں زمین تک مسافت 50 سال کی ہے اور اس کی وسعت بھی اتنے ہی سالوں کا سفر ہے۔^②

عرشِ الہی ساری مخلوقات کے لیے چھت کی طرح اور دنیا بھر کے لیے ایک گنبد کی مانند ہے، اور اسے فرشتوں نے گھیرا اور اٹھایا ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحاقہ (آیت: ۱۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَالْمَلِكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ﴾

”اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے، اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔“

یعنی آسمان تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر آسمانی مخلوق یعنی فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ”وہ آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔“^③

عرشِ الہی کو اٹھانے والے فرشتوں کی جسامت و ضخامت کا اندازہ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أُذِنَ لِي أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ مَلِكٍ مِّنْ مَّلَائِكَةِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ،

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، رقم الحدیث (۳۸۰۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۶۶)

② تہذیب البدایة و النہایة (25/1) طبع دار السلام و تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ المعارج [آیت: ۴]

③ فتح القدر.

﴿إِنَّ مَا بَيْنَ شَحْمَةِ أُذُنِهِ إِلَىٰ عَاتِقِهِ مَسِيرَةَ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ﴾^①
 ”مجھے اجازت دی گئی کہ میں حاملینِ عرش میں سے ایک فرشتے کے متعلق بیان کروں،
 بلاشبہ اس کے کانوں کی لو سے اس کے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کے سفر کے
 برابر ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند اور مستقر ہے، لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان
 نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس کیفیت کا ہمیں علم ہی نہیں، نہ کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے ہیں۔
اللہ کی کرسی کی وسعت:

میری بہنو اور بھائیو! عرشِ الہی کی طرح ہی قرآن کریم میں اللہ رب العالمین کی کرسی کا ذکر
 بھی موجود ہے اور وہ کتنی بڑی ہے؟ اس کی وسعت کا اندازہ قرآن کریم کی سورۃ البقرة (آیت: ۲۵۵)
 کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے:

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾

”اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے۔“

قرآن کریم کی طرح ہی حدیثِ رسول ﷺ میں اللہ کی کرسی کا ذکر موجود ہے، جیسا کہ
 مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿الْكُرْسِيُّ مَوْضِعُ الْقَدَمَيْنِ وَالْعَرْشُ لَا يَقْدَرُ قَدْرَهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ﴾^②

”کرسی (اللہ تعالیٰ کے) دونوں قدموں کی جگہ ہے، اور عرشِ الہی کی وسعتوں کا اندازہ
 اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔“

حضرت ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿مَا الْكُرْسِيُّ فِي الْعَرْشِ إِلَّا كَحَلَقَةِ مَنْ حَدِيدٍ أَلْقَيْتُ بَيْنَ ظَهْرِي فَلَاةٍ مِنَ
 الْأَرْضِ﴾^③

① سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في الجهمية، رقم الحديث (۴۷۲۷) بسند صحيح

② مستدرک حاکم (۲/۳۱۰، رقم الحديث ۳۱۱۶) بسند صحيح موقوفاً.

③ سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث (۱۰۹) ابن جرير في تفسيره (۱۰/۳) بسند صحيح بمجموع طرقه.

”کرسی کی حیثیت عرشِ الہی کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے زمین کے کسی کھلے میدان میں لوہے کا کوئی حلقہ (چھلہ) پھینک دیا گیا ہو۔“

﴿كُرْسِيُّهُ﴾ سے بعض نے موضعِ قدیمین (قدم رکھنے کی جگہ)، بعض نے علم، بعض نے قدرت و عظمت، بعض نے بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح قرآن کریم و حدیث شریف میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے، ان پر ایمان رکھا جائے، اس لیے یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش کے علاوہ چیز ہے، اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر اللہ رب العالمین کی ذات کس طرح مستوی ہے؟ اسے ہم بیان نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔

6- لوح محفوظ:

عرشِ الہی و کرسی کی طرح ہی لوحِ محفوظ کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے، لوحِ محفوظ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ لَوْحًا مَّحْفُوظًا مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ صَفَحَاتِهَا مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ، وَقَلَمَهُ نُورًا، وَكِتَابَهُ نُورًا...﴾^①

”اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتی سے بنایا، اُس کے درتے سُرخ یاقوت کے ہیں، اور قلم اس کا نور ہے، اور تحریر اس کی نور ہے،...“

یہ تھی عرشِ الہی، کرسی اور لوحِ محفوظ کی مختصر تفصیل۔

7- آسمانوں، زمین اور ان کے مابین کائنات کی تخلیق:

اب ہم زمین و آسمان کے درمیان کی کائنات کی تخلیق کے متعلق بات کریں گے، سورۃ الانعام (آیت: ۱) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾

① معجم طبرانی کبیر (۱۵/۲۶۰) برقم: ۱۰۶۰۵) بسند ضعیف.

”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تارکیوں اور نور کو بنایا۔“

اسی طرح سورة الاعراف (آیت: ۵۴) میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان والی اشیاء کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ يُغْشِي السَّمَاءَ اللَّيْلَ نَهَارًا ۗ يُطَلِّبُهَا حَاشِيًا ۗ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسْحَرَاتٍ ۗ بِأَمْرِ ۗ لَا لَهُ الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ ۗ تَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

”بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا ہے، پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ رات سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ رات اس دن کے پیچھے لپکی چلی آتی ہے اور سورج چاند اور دوسرے ستاروں کو بنایا، ایسے طور پر کہ سب اسی کے تابع ہیں۔ یاد رکھو! اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔“

اسی موضوع کی قرآن کریم میں بکثرت آیات موجود ہیں، مثلاً: سورت یونس (آیت: ۳) میں ارشاد الہی ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ﴾

”بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا، پھر (اپنے) تخت پر مستوی ہوا۔“

سورت ہود (آیت: ۷) میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾

”اللہ وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔“

سورة الفرقان (آیت: ۵۹) میں ارشاد الہی ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

”وہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان سب چیزوں کو چھ دن میں بنایا پھر (اپنے) تخت پر مستوی ہوا۔“

اسی طرح سورۃ السجدہ (آیت: ۴)، سورت ق (آیت: ۳۸) اور سورۃ الحدید (آیت: ۴) میں بھی ہے۔ پہلی آیت کو چھوڑ کر باقی تمام آیات میں ارض و سماوات کی اور ان کے درمیان موجود کائنات کی تخلیق کی مدت چھ دن آئی ہے۔

اس بات پر تو تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان اور ان میں موجود تمام مخلوقات کو چھ دنوں میں تخلیق فرمایا۔ ان دنوں سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ دن ایسے تھے جیسے ہماری دنیا کا دن جو طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے؟ یا پھر یہ دن ہزار سال کا تھا جس طرح کہ اللہ کے یہاں دن کی گنتی ہے یا پچاس ہزار سال کا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے، بظاہر دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ایک تو اس وقت سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد ہی یہ نظام قائم ہوا۔

دوسرا یہ عالم بالا کا واقعہ ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اسی لیے اس دن کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہم قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ تو لفظ ”کُنْ“ سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا، اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔^①

8- آغاز تخلیق کا پہلا دن؟

تخلیق کائنات کے چھ دنوں میں سے آغاز تخلیق کے پہلے دن کے سلسلے میں امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تین اقوال ذکر کیے ہیں:

1- ابن اسحاق کا کہنا ہے:

”اہل تورات یہود کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا آغاز اتوار سے کیا۔“

2- جبکہ اہل انجیل نصاریٰ (عیسائیوں) کے نزدیک وہ پیر (سوموار) کا دن ہے۔

① تفصیل کے لیے دیکھیں: ابن کثیر، تفسیر سورۃ الحج [آیت: ۴۷] و انظر سورۃ السجدہ [آیت: ۵]

3- تیسرا قول ہم مسلمانوں کا ہے اور ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی رو سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ دن ہفتہ کا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم و مسند احمد میں یوں مروی ہے:

« خَلَقَ اللَّهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ، وَخَلَقَ فِيهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْأَحَدِ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ، وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ وَخَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِيمَا فِي آخِرِ الْخَلْقِ، فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ »⁽¹⁾

”اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن مٹی کو پیدا کیا، اتوار کے دن زمین میں پہاڑ، پیر کے دن درخت (پیڑ پودے)، منگل کے دن تکلیف، مسائل، دکھ اور بیماریاں، بدھ کے دن نور کو، اور جمعرات کے دن زمین میں جانوروں کو پھیلا دیا، اور جمعہ کے دن کی آخری گھڑی میں تمام مخلوقات کے بعد یعنی عصر سے رات کے درمیان میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔“

ارشاد الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرة: 29]

”وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو بنایا، پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“

سورۃ الملک (آیت: 3) میں ارشاد الہی ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۗ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَوُّتٍ ۗ فَأَرْجِعِ الْبَصَرَ ۚ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُتُوْرٍ﴾

”جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا، (اے دیکھنے والے!) رحمن کے پیدا کرنے

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (2789) کتاب صفة القيامة، باب ابتداء الخلق...، و مسند أحمد (814)

میں تو کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا، دوبارہ دیکھ لے کیا کوئی شکاف بھی نظر آ رہا ہے۔“
یعنی کوئی نقص اور کوئی خلل نہیں، بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں، بعض دفعہ دوبارہ غور کرنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو کہ کیا تمہیں کوئی شکاف نظر آتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ آپ کی نگاہیں عاجز ہو کر تھکی ہوئی واپس لوٹ آئیں گی۔ مگر کوئی تفاوت، کجی، شکاف، خلل اور عیب نہیں ملے گا۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ”اللہ نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا ہے۔“ یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے، فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا، اس سے مراد ہیں: یوم الاحد (اتوار) اور یوم الاثنین (پیر)، سورۃ النازعات میں کہا گیا ہے:

﴿وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ [النازعات: ۳۰] ”اور زمین کو اس کے بعد (ہموار) بچا دیا۔“

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا گیا ہے جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور ”دَحَى“ (ہموار کرنا) اور چیز۔ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے پہلے ہوئی، یہاں ہموار کرنے یا پھیلانے میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ زمین کو ہموار آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا اور ”دَحَى“ کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، اسی سورت کی (آیت: ۳۱-۳۲) میں اللہ تعالیٰ نے پانی اور پہاڑوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءًهَا وَمَرْعَاهَا ۝ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا﴾

”اس میں سے پانی اور چارہ نکالا، اور پہاڑوں کو خوب گاڑ دیا۔“

اس میں پہاڑ، ٹیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دنوں میں کیا گیا، یوں زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق چار دنوں میں مکمل ہوئی۔^①
جیسا کہ سورۃ حم السجدہ (آیت: ۱۰) میں اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۸۱۶)

﴿ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَاسِيًا مِنْ قُوتِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلنَّاسِ لِيُنذِرَ ﴾

”اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکت رکھ دی اور (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی (صرف) چار دن میں ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر۔“

یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو ان کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر حرکت نہ کر سکے۔ اور یہ برکت رکھنا اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف، یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

أَقْوَاتٌ، قُوتٌ (غذا، خوراک) کی جمع ہے، یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے یا بندوبست کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلکولیٹر اسے گن نہیں سکتا، بعض علما نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ زمین کے ہر حصے میں کچھ ایسی چیزیں پیدا کر دیں، جو زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں، تاکہ ہر علاقے کی یہ پیداواریں ان ان علاقوں کی تجارت و معیشت کی بنیاد بن جائیں، چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

زمین کی تخلیق کے پہلے دو دن اور دُحیٰ کے دو دن سارے دن ملا کے یہ کل چار دن ہوئے جن میں تخلیق زمین کا سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔

آسمانوں کی تخلیق:

اب آسمانوں کی تخلیق کے متعلق غور کریں جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ حم السجدہ (آیت: ۱۱-۱۲) میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴾

”پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا، پس اُسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا: ہم بخوشی حاضر ہیں۔“

یہ آنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی، یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا، بعض نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں، چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم دیا: سورج چاند، اور ستارے نکال اور زمین کو کہا: اپنی نہریں جاری کر دے اور اپنے پھل نکال دے۔^① یا یہ مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آ جاؤ۔ اور وحی کر کے خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور وظائف کا پابند کر دیا۔ اسی سورت کی (آیت: ۱۲) میں فرمایا:

﴿فَقَضَيْنَهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۗ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۗ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾

”پس دونوں میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اُسی کے مناسب وحی بھیج دی، اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی، یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے۔“

ستاروں کی تخلیق کے کئی مقاصد ہیں، پہلا یہ کہ زینت ہیں، اور دوسرا مقصد ہے شیطانوں سے نگہبانی، جیسا کہ سورۃ الملک (آیت: ۵) میں ہے:

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ ۗ وَاعْتَدْنَا لَهُمُ عَذَابَ الْسَعِيرِ﴾

”بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت والا بنا دیا اور انھیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا، اور شیطانوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر دیا۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے دو مقصد بیان فرمائے ہیں: ایک آسمان کی زینت، کیوں کہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں، دوسرا یہ کہ شیطان اگر آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد ”إِهْتِدَاءٌ“ (راستہ

① ابن کثیر.

معلوم کرانا) بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ سورۃ النحل کی (آیت: ۱۶) میں ہے:

﴿وَعَلَّمَتْهُمُ بِاللَّجْوَةِ لِيَهْتَدُوا﴾

”ان کی اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں، اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں۔“

یعنی جن کے ذریعے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔ اسی طرح سورۃ الانعام (آیت: ۹۷) میں بھی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَحْرِ﴾

”اور تمہارا رب ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعے

اندھیروں میں خشکی میں، اور دریاؤں میں راستہ معلوم کر سکو۔“

میری بہنو! ستاروں کے حوالے سے ایک اور بات بھی آپ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں، وہ یہ کہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ حم السجده (آیت: ۱۲)، سورۃ الملک (آیت: ۵) اور سورۃ الانعام

(آیت: ۹۷) میں ستاروں کے تین مقاصد بیان فرمائے ہیں: ایک آسمانوں کی زینت، دوسرا مقصد

شیطانوں کی مرمت، اور تیسرا یہ کہ ان سے راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یعنی لوگ راستہ معلوم کر سکتے ہیں۔

بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی

اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے، اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ

علم نجوم کا دعویٰ کرتے ہیں جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا

کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی،

چنانچہ حدیث میں اسے جادو ہی کا ایک شعبہ (حصہ) بتلایا گیا ہے۔^①

یہ تفصیل اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی، کیوں کہ اس کی حیثیت

ایسے ہی تھی جیسے کہ کسی عمارت کی اساس و بنیاد ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً﴾ [المؤمن: ۶۴]

”اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنا دیا۔“

① حسنہ الألبانی فی تحقیق سنن أبی داود، رقم الحدیث (۳۹۰۵)

سورة النبا (آیت: ۱۲-۱۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبَيَّنَّا فَوْقَكُمُ سَبْعًا سِدَادًا ۝۱۳ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَاجًا ۝۱۴ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ

مَاءً نَّجَّاجًا﴾

”اور ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے، اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ بنایا، اور بدلیوں

سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا۔“

سورة الانبياء (آیت: ۳۰) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾

”اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔“

مطلب یہ کہ ہوائیں چلیں، بارشیں ہوئیں، چشمے ابلے، نہریں رواں ہو گئیں اور حیوانات پیدا ہو گئے۔ غرض زمین کی تخلیق کے بعد آسمان کی تخلیق اور زمین میں قوت کا مکمل انتظام فرمایا، یعنی زراعت و باغبانی کے لیے کھیت بنائے، زمین سے چشمے نکالے اور نہریں چلائیں، جیسا کہ سورة احم السجدہ کی آیات میں ان کا ذکر آیا ہے۔^①

گویا جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان یا عالم علوی و سفلی کی تخلیق فرمائی تو پھر زمین کو قوت و رزق کے لیے تیار کیا اور اس میں ودیعت کیے گئے خزانے نکالے، حتیٰ کہ چشمے ابلنے لگے، پانی کی نہریں بننے لگیں، رنگا رنگ غلے اگنے لگے اور طرح طرح کے پھل اور درخت رونما ہو گئے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھانے کی تفسیر و تشریح پانی چلانے، کھیتی نکالنے اور پہاڑوں کو گاڑنے سے فرمائی ہے۔ سورة الذاریات (آیت: ۴۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

”اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا پیدا کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کے مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے، جیسے نور اور ظلمت یا روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی

① تہذیب البداية والنهاية (۱/ ۲۹) دار السلام و تفسیر ابن کثیر أيضاً.

اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل جمادات، اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو، یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔

مصادر ومراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ البدایہ والنہایہ: تالیف ابن کثیر
- ✽ قصص الانبیاء: تالیف ابوالفداء ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ ترجمہ: مولانا عطاء اللہ ساجد رحمۃ اللہ علیہ

تخلیق کائنات کا آغاز (2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

(سات زمینوں) اور پہاڑوں کی تخلیق:

میری بہنو اور بھائیو! آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں جس کی پہلی دلیل تو قرآن کریم کی سورۃ الطلاق (آیت: ۱۲) کا یہ ارشادِ الہی ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۚ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْنَ
أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان کی مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے۔“

اس آیت میں لفظ ﴿مِثْلَهُنَّ﴾ اسی بات کا پتا دیتا ہے کہ جتنے آسمان ہیں اتنی ہی زمینیں بھی ہیں۔ اور اس بات کی تائید متعدد صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظَلَمًا فَإِنَّهُ يَطْوِقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ﴾^①

”جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم سے ہتھیالی تو قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔“

اور صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

﴿حُسْفَ بِهِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ﴾^② ”اسے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔“

اس بات کا پتا دینے والی احادیث بکثرت ہیں۔ زمینوں کا سات ہونا تو قرآن و سنت کے ان

① صحیح مسلم، رقم الحدیث: (۱۴۰-۵-۶)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۴۵۴)

دلائل سے واضح ہو گیا، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ سب آپس میں جڑی ہوئی ہیں یا ان میں سے ہر دو کے مابین فاصلہ ہے؟ ایسا ہی اختلاف افلاک کے بارے میں بھی ہے جبکہ آسمانوں کی طرح ہی زمینوں کے بارے میں بھی اظہر قول یہی ہے کہ ان میں سے ہر دو کے مابین فاصلہ ہے اور اس بات کا سورۃ الطلاق کی (آیت: ۱۲) سے بظاہر پتا چلتا ہے کہ جو ذکر کی جا چکی ہے۔ جو یہ کہا جاتا ہے:

1- پہلی زمین مٹی کی، دوسری لوہے کی، تیسری چتھماق کے پتھر کی، اور چوتھی کسی اور چیز کی، یعنی اپنی طرف سے ہر زمین کو نام دے رکھا ہے، جبکہ ان کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔

2- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے اور متکلمین نے اسے اپنا رکھا ہے کہ یہ سات زمینیں دراصل سات اقالیم، یعنی ہماری دنیا کی طرح کی ہی سات دنیائیں ہیں اور ہر دنیا میں آدم علیہ السلام کی طرح کا ایک آدم اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح کا ایک ایک ابراہیم بھی ہے۔ یہ بات امام ابن جریر و ابن کثیر اور بیہقی نے ذکر کی ہے، البتہ اسے امام ابن کثیر نے اسرائیلیات میں سے شمار کیا ہے۔^①

اسی طرح ہی ہیئت دانوں نے پہاڑوں کے بارے میں بھی طول طویل تفصیلات ذکر کی ہیں کہ دنیا کے شرق و غرب میں کہاں کہاں کون کون سا پہاڑ ہے، ان میں سے ہر ایک کا طول و عرض اور سطح سمندر سے بلندی کتنی کتنی ہے، جن کا تذکرہ باعثِ طوالت ہے، لہذا ہم ان سے صرف نظر کر رہے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿الْم تَرَأَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۗ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَعَرَابِيٌّ سُودٌ﴾ [الفاطر: ۲۷]

”کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے، اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔“

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی مفسرین نے کہا ہے کہ جُدَد (جو جُدہ کی جمع

① ابن جریر، البیہقی فی الاسماء و الصفات و ابن کثیر فی البدایة، تہذیب (۱/ ۳۳)

(ہے) سے مراد راستے یا لکیریں ہے۔^① امام عکرمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کہا ہے الغرابیب سے مراد لمبے چوڑے سیاہ پہاڑ ہیں (غرابیب، غریب کی جمع) اور سُود اسود (سیاہ) کی جمع ہے اور جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غریب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اسود غریب، یعنی بہت گہرا سیاہ۔

غرض پہاڑوں اور ان کے حصوں یا راستوں اور خطوط کے مختلف رنگ، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں اور مختلف رنگوں کے پہاڑوں کے علاوہ خاص کوہِ جودی کا ذکر قرآن کی سورت ہود (آیت: ۴۴) میں کیا ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جارکی تھی، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَأَسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ ”اور کشتی جودی (پہاڑ) پر جا کر ٹھہری۔“

یہ جودی ایک بہت بڑا پہاڑ ہے جو عراق میں موصل کے قریب دریائے دجلہ کی جانب جزیرہ ابن عمر کے مشرق میں واقع ہے۔ اس پہاڑ کا طول شمالاً جنوباً تین دنوں کی مسافت اور اس کی بلندی ڈیڑھ دن کی مسافت ہے۔ یہ سبز و شاداب پہاڑ ہے جس پر بلوط کا درخت بکثرت ہے، اس کے پاس ہی ایک گاؤں ہے جس کا نام ”قریۃ الثمانین“ ہے، کیوں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں نجات پانے والے اسی (۸۰) افراد یہیں پر آباد ہوئے تھے، اسی مناسبت سے گاؤں کا نام یہی چلا آ رہا ہے اور اس بات کا ذکر متعدد مفسرین قرآن نے کیا ہے۔^②

پہاڑوں میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے طورِ سیناء کا بھی ذکر فرمایا ہے جسے کوہِ طور بھی کہا جاتا ہے، اور یہ ”غلط العام“ کی ایک مثال ہے، طور کا معنی بھی پہاڑ ہے اور کوہ بھی پہاڑ ہے، کیوں کہ فارسی زبان میں پہاڑ کو ہی کوہ کہا جاتا ہے اور اگر کوہ طور کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تو بن جاتا ہے ”پہاڑ پہاڑ“، اس کا نام دراصل سیناء یا سینین ہے، تو طورِ سیناء یا طورِ سینین کہیں یا کوہ سیناء و کوہ سینین کہیں، لیکن اس کے برعکس ترکیب ”کوہ طور“ کو ”غلط العام“ ہونے کے باعث اتنی شہرت حاصل ہے کہ اب یہ بات کرنا بھی ”غلط سا“ لگتا ہے۔

① فتح القدیر للشوکانی.

② ویکس: تفسیر ابن کثیر و البدایۃ لابن کثیر.

دریائے نیل و فرات:

پہاڑوں کی طرح دنیا میں سمندروں کے بھی بکثرت نام ہیں، مثلاً: بحرِ عرب، بحرِ احمر اور بحرِ میت وغیرہ، اسی طرح دریاؤں کے بھی بکثرت نام اور کثیر تعداد ہے جن میں سے چند نام پیش خدمت ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سدرة المنتہی کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا:

«فَإِذَا يَخْرُجُ مِنْ أَصْلِهَا نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَأَمَّا الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالْنَيْلُ وَالْفُرَاتُ»^①

”اس کی جڑ سے چار نہریں جاری تھیں: ان میں سے دو باطنی اور دو ظاہری ہیں، باطنی نہریں تو جنت کی ہیں اور ظاہری نہریں دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔“
صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«سَيِّحَانٌ وَجَيْحَانٌ وَالْفُرَاتُ وَالنَّيْلُ كُلُّهُ مِنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ»^②

”سیحان، جیحان، فرات اور نیل، سب جنت کی (طرف سے آنے والی) نہریں (دریا) ہیں۔“

دریائے نیل اور کرامتِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

دریائے نیل و فرات میں سے دریائے نیل جبال القمر سے شروع ہو کر حبشہ و سوڈان سے ہوتا ہوا مصر میں داخل ہوتا ہے اور مصر سے آگے گزر کر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے جو آگے چل کر سمندر میں جا گرتے ہیں۔ یہ دریائے نیل وہ دریا ہے کہ جب حضرت عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما نے مصر کو فتح کیا تو اہل مصر ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ”اے امیرِ محترم! ہمارے اس نیل کی عادت ہے جسے پورا کیے بغیر یہ جاری نہیں ہوتا“، انھوں نے ان سے پوچھا: ”وہ کیا عادت ہے؟“ تو انھوں نے کہا:

”ہر سال جب اس ماہ کی بارہ تاریخ ہوتی ہے تو ہم کسی ماں باپ کی اکلوتی لڑکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے ماں باپ کو کسی نہ کسی طرح راضی کر لیتے ہیں، پھر اس لڑکی کا اعلیٰ ترین سوٹ اور زیورات سے بناؤ سنگھار کر کے اسے دریائے نیل میں پھینک دیتے

① صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائكة، رقم الحدیث (۳۲۰۷) صحیح مسلم (۱۶۴)

② صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب ما فی الدنيا من أنهار الجنة، رقم الحدیث (۲۸۳۹)

ہیں۔“ (اور اس بھینٹ یا قربانی کے بعد دریائے نیل چل پڑتا ہے)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اب مصر و نیل پر اسلام کی حکمرانی ہے اور اس عہد مبارک میں اس رسم پر ہرگز عمل نہیں ہوگا، کیوں کہ اسلام ایسی تمام رسوم کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔“

اس بات کے تین ماہ بعد تک دریا کم یا زیادہ کچھ نہیں چلا، اور لوگوں نے وہاں سے جلا وطنی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا، تب حضرت عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اپنے اس مکتوب کے ساتھ ہی ایک بطاقہ (یعنی دریائے نیل کے نام خط) بھیج رہا ہوں، اسے نیل میں پھینک دو، جب خط پہنچا تو حضرت عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ نے دریا میں پھینک دیا۔ مکتوب کے ساتھ آنے والے اس لیٹر میں امیر المؤمنین نے لکھا تھا:

”اللہ کے بندے اور مومنوں کے امیر عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام، اللہ کی حمد و ثناء کے بعد: اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے ہی چلا کرتا ہے تو پھر نہ چلو اور اگر اللہ الواحد القہار تمہیں اپنے حکم سے چلاتا ہے تو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں چلا دے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خط دریائے نیل میں پھینکا تو صبح دیکھا جو کہ ہفتے کا دن تھا، اللہ تعالیٰ نے نیل کو جاری فرما دیا اور راتوں رات پانی کی سطح 16 ہاتھ تک بلند ہو گئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے اہل مصر سے یہ رسم ہمیشہ کے لیے ختم فرمادی۔^①

دریائے فرات کا اصل مقام اجراء روم ہے اور وہاں سے نکل کر مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا یہ عراق میں آتا ہے۔ اور اس سے کئی نہریں نکلتی ہیں جو عراق کے بہت بڑے علاقے کو سیراب کرتی ہیں اور بالآخر یہ دریائے فرات بحر بصرہ میں گر کر ختم ہو جاتا ہے۔

دریائے سیحان جسے سیحون بھی کہا جاتا ہے یہ بھی اصلاً روم ہی سے جاری ہوتا ہے اور شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف چلتا ہے اور ایک جگہ جا کر دریائے جیحان یا جیحون سے مل جاتا ہے اور پھر یہ دونوں اکٹھے ہی بحر روم میں گر کر ختم ہو جاتے ہیں۔

① کتاب البداية و النهاية: أحداث سنة ۲۰ للهجرة.

جبکہ جیمان یا جیون جسے عوام الناس جاہان کہتے ہیں یہ بھی روم ہی سے جاری ہوتا ہے اور اس کا طول و عرض اور گہرائی دریائے فرات جتنی ہی ہے، اور دریائے سیحون سے مل کر بحر روم میں گرتا ہے۔
بڑی و بحری مخلوقات:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے مختلف مقامات پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین میں پہاڑوں، باغوں درختوں، پھلوں، وادیوں اور جنگلوں کی تخلیق فرمائی، اسی طرح دیگر مخلوقات بھی بے شمار ہیں جن میں سے ہی جمادات و حیوانات ہیں جو جنگلوں، بیابانوں اور بڑ و بحر میں رہتے ہیں، یہ سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس سے اس بات کا پتا بھی چلتا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے ساتھ کتنا رحیم و کریم ہے، کیوں کہ اس نے ہر جاندار کے دن رات، گرمی و سردی اور صبح و شام کی ضروریات زندگی مہیا کر رکھی ہیں، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَمَا مِنْ ذَاتِ نَفْسٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي

كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ [ہود: ۶]

”اور زمین پر جو جانور چلتا پھرتا ہے اس کی روزی اللہ پر ہے اور وہی جانتا ہے کہ کہاں رہے گا اور کہاں مرے گا، سب کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔“

یعنی وہ سب کا کفیل اور ذمہ دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری، ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔^①

آسمانوں اور آسمانی مخلوقات کی آفرینش:

سورة الملك (آیت: ۵) میں آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہے ہیں کہ یہ اتنی عظیم و بلند، وسیع و عریض، حسین و جمیل اور باکمال و روشن مخلوق ایسی ہے تو اس کا خالق کتنا صاحبِ عظمت و کمال ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما سے سورة الملك کی (آیت: ۵) کی تفسیر بیان

① مزید بڑی و بحری مخلوقات سے متعلقہ تفصیلات کے لیے سورة الرعد (آیات: 2 تا 4) سورة النمل (آیات 60-61) سورة النحل (آیات: 10 تا 13) اور دیگر مقامات دیکھے جاسکتے ہیں۔

کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ ستارے تین مقاصد کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں:

1- یہ آسمان کی زینت ہیں۔

2- یہ شیاطین کے لیے شرارے کی مار ہیں۔

3- ان سے بڑ و بحر میں راستوں کی ہدایت و نشان دہی ہوتی ہے۔

اور یہ تینوں مقاصد سورۃ الانعام (آیت: ۹۷)، سورۃ النحل (آیت: ۱۶) اور سورۃ الملک (آیت: ۵) میں بھی وارد ہوئے ہیں، جیسا کہ آسمانوں کی تخلیق کے ضمن میں تفصیل گزری ہے۔^①

سات آسمان:

زمینوں کی طرح آسمان بھی سات ہیں، کیا ساتوں آسمان آپس میں جڑے ہوئے ہیں یا الگ الگ ہیں؟ اس سلسلے میں ہیئت دانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ ساتوں آسمان ایک دوسرے کے اوپر نیچے مگر ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر الگ الگ ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم سمیت تمام کتب حدیث میں واقعہ معراج کی تفصیلات موجود ہیں جس کے ضمن میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آسمان دنیا پر نبی اکرم ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، پھر آپ ﷺ دوسرے آسمان پر۔ پھر تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں تک گئے اور مختلف انبیاء و رسل علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آسمان الگ الگ ہیں۔^② شب و روز اور چاند و سورج کی آمد و رفت اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْيَلُّ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ [حم السجدة: ۳۷]

”اور اللہ تعالیٰ کی (بہت سی قدرت کی) نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج

اور چاند ہیں۔“

غرض آسمانوں میں چاند، سورج، ستارے، اور بی شمار مخلوقات ہیں اور یہ سب اللہ کی آیات اور اس کی ذات و قدرت کی دلیل و نشانی ہیں۔

① صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب في النجوم، تعليقا في ترجمة الباب.

② صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قوله ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ۱۶۴]، رقم الحدیث

(۷۵۱۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (162)

کہکشاں اور قوس قزح (دھنک):

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ہرقل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اگر مسلمانوں میں ابھی کچھ آثارِ نبوت باقی ہوئے تو جو میں پوچھنے جا رہا ہوں اُس کا جواب دے دیں گے، اور اس نے تین سوال لکھے:

- 1- مجرّہ (کہکشاں) کے بارے میں سوال کیا۔
- 2- اور قوس قزح کے بارے میں پوچھا۔
- 3- زمین کا وہ کون سا حصہ ہے جس نے صرف ایک مرتبہ گھڑی بھر کے لیے سورج دیکھا نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی دوبارہ دیکھا؟!

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں سے بات کی کہ ان سوالوں کا جواب کون دے گا؟ ان سب نے انھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رجوع کا مشورہ دیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سوالوں کے جواب کے متعلق خط لکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ارسال کر دیا، اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

- 1- ”قوس و قزح اہل زمین کے لیے غرق ہونے سے امان کا باعث ہے۔
- 2- اور مجرّہ (کہکشاں) آسمان کا وہ دروازہ ہے جس سے زمین پھٹے گی۔
- 3- اور زمین کا وہ ٹکڑا جس نے ایک گھڑی کے سوا سورج کبھی نہیں دیکھا، وہ بحرِ نیل کا وہ حصہ ہے جس کی راہ سے بنی اسرائیل کو نجات عطا کی گئی تھی، مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے پانی میں بنایا جانے والا راستہ ہے“^①

ملائکہ (فرشتوں) کی تخلیق و صفات:

قرآن کریم کے بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ بڑے قوی، انتہائی خوبصورت و خوش منظر ہیں، ان کی شکلیں بہت عظیم ہیں اور متعدد صورتوں میں ان کی شکل کی

① معجم طبرانی الكبير (۱۰/ ۲۴۴) وقال ابن كثير: و سندہ صحیح إلی ابن عباس، تهذيب البداية (۱/ ۴۸) مجمع الزوائد (۱۵۲۲۴) وقال: رجاله رجال الصحيح.

قوت نظر آتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے قرآن کریم کی سورت آل عمران (آیت: ۱۸)، سورت النساء (آیت: ۱۶۶)، سورت الانبیاء (آیات: ۲۶ تا ۲۹)، سورت الشوری (آیت: ۵)، سورت المؤمن (آیات: ۷-۸) سورت الفاطر (آیت: ۱)، سورت الفرقان (آیات: ۲۵-۲۶) اور سورت التحریم (آیت: ۶) کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، ہم یہاں صرف ان کی تخلیق کا ذکر کریں گے:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے بنایا ہے، جیسا کہ معروف حدیث ہے:

«خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ»^① ”فرشتوں کو نور سے بنایا گیا۔“

یہ بڑے قوی ہیں اور ان کی قوتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں:

1- سورت ہود کی (آیت: ۷۷-۷۸) کی تفسیر کے ضمن میں امام ابن کثیر نے کئی اہل علم کے اقوال بیان کیے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی طرف فرشتے خوبصورت نوجوان لڑکوں کی شکل میں نازل ہوئے تھے۔

2- حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس مختلف اشکال میں آیا کرتے تھے۔ کبھی حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے۔^② اور کبھی کسی اعرابی (بدو) کی صورت میں رونما ہوتے۔^③

3- اور کبھی اپنی اصل صورت میں نظر آتے۔^④

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اصل شکل و صورت اور عظمت کا اندازہ اُس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ۶۰۰ پر تھے اور ہر دو پروں کے مابین اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ مشرق و مغرب کے مابین ہے۔^⑤

نبی ﷺ نے انھیں دو مرتبہ اس شکل میں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ آسمان سے زمین کی طرف نازل ہو رہے تھے اور ایک مرتبہ جبکہ وہ سدرة المنتہی اور جنت المأویٰ کے پاس تھے۔ اور اس بات کا

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۹۶) صحیح ابن حبان (۶۱۵۵) مجمع الزوائد (۱۳۷ / ۸)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۶۳۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۴۵۱)

③ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الإسلام...، رقم الحدیث (۸)

④ صحیح مسلم، کتاب الإیمان باب معنی قول اللہ عز و جل، رقم الحدیث (۱۷۷)

⑤ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث (۴۷۵۷) مسند أحمد، رقم الحدیث (۳۹۰۵) بسند حسن.

ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے:

﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ﴾ [النجم: ۱۲-۱۳]

”(اے میرے نبی!) تو نے اس (جبرائیل) کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا، سدرۃ المنتہی کے پاس۔“

ان آیات میں لیلۃ المعراج کا ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ اس رات کو نبی ﷺ نے دوسری بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی حالت میں دیکھا تھا۔

البیت المعمور کس آسمان پر ہے؟

اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ البیت المعمور ساتویں آسمان پر واقع ہے، اور وہ کعبہ شریف کے عین اوپر ہے، آسمانوں میں اس کی وہی حرمت و مقام ہے جو زمین پر بیت اللہ شریف کا ہے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جنہیں دوبارہ کبھی بھی داخل ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ اور اس کا شاہد صحیح بخاری رقم الحدیث (۳۲۰۷) اور صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۴) میں بھی ہے^①۔

فرشتوں کی تعداد کا اندازہ مسند امام احمد کی اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمانوں میں چار انگلی کی جگہ بھی خالی نہیں، جگہ جگہ فرشتے موجود ہیں، کسی پر قیام اور کسی پر رکوع ہے اور کوئی سجدہ ریز ہیں۔^②

تین ملائکہ:

بعض ملائکہ کا نام بنام جس طرح قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی آیا ہے، مثلاً ایک دعا کا آغاز ہی ان فرشتوں کے نام سے ہوتا ہے:

﴿اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَ مِيكَائِيْلَ وَ إِسْرَافِيْلَ...﴾^③

”اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب...“

① شعب الإيمان للبيهقي (۳/ ۴۳۷)

② سنن الترمذي، رقم الحدیث (۲۳۱۲) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (۴۱۹۰) مسند أحمد، رقم الحدیث (۲۱۰۰۵) مستدرک حاکم (۴/ ۶۲۲) مرفوع کے حکم میں موقوف بسند حسن.

③ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب الدعاء في صلاة الليل و قيامه، رقم الحدیث (۷۷۰)

1- جبرائیل:

حضرت جبرائیل علیہ السلام تمام رسولوں اور نبیوں علیہم السلام کی طرف آنے والے امینِ وحی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے۔

2- میکائیل:

حضرت میکائیل علیہ السلام بارش و نباتات کے ذمہ دار ہیں جن سے اس دنیا کے لیے روزی روٹی پیدا ہوتی ہے، اور پھر اللہ کی طرف سے ان کے کئی معاونین بھی ہیں جو ہواؤں اور بادلوں کو چلاتے ہیں۔

3- اسرافیل:

حضرت اسرافیل علیہ السلام عرشِ الہی کو اٹھانے والوں میں سے ہیں، اور قیامت کے دن وہی صور پھونکیں گے۔ پہلا صور نغمۃ الفرع ہوگا جس سے سب لوگ گھبرا اٹھیں گے، دوسرا نغمۃ الصعق ہوگا کہ سب غشی کی حالت میں آجائیں گے اور مرجائیں گے اور تیسرا نغمۃ البعث ہوگا جس سے سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ ان تین نغمات کے علاوہ بھی بعض کا ذکر ملتا ہے مگر وہ متفق علیہ نہیں۔

4- عزرائیل:

جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے، ان کا صریح نام قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں تو نہیں ملتا، البتہ بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل علیہ السلام آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ سورة السجده (آیت: ۱۱) میں اس فرشتے کے متعلق اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ ثُمَّ أَلِيكُمْ تَرْجَعُونَ﴾

” (اے میری نبی!) کہہ دیجیے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ سمیٹ لے گا جو تم پر مقرر کیا

گیا ہے، پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آجائے تو وہ آکر روح قبض کر لے، اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے بکثرت فرشتے معاونین ہوتے ہیں جو بندوں کی روہیں ان کے جسموں سے نکالتے ہیں اور جب وہ جسم کی تمام رگوں، شریانوں اور پٹھوں سے نکل کر حلق تک پہنچ جاتی ہیں تو ملک الموت انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور پھر فوراً ہی اس سے دوسرے معاونین پکڑ لیتے

ہیں اور ان کے مناسب حال کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں۔ پھر وہ ان روحوں کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ اگر نیک آدمی کی روح ہو تو اسے علیین تک لے جانے کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں ورنہ دروازے نہیں کھلتے اور وہ انھیں سجدین تک پہنچانے کے لیے زمین کی طرف پھینک دیتے ہیں:

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۗ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۗ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسَيْنِ ﴾ [الأنعام: ٦١-٦٢]

”اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں کے اوپر (عرش معلیٰ پر) اور تم پر چوکیدار (فرشتے) مقرر کرتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی جان اٹھا لیتے ہیں اور وہ (حکم میں) کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر (یہ سب بندے) اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا حقیقی مالک ہے۔ سن لو، اسی کا حکم چلتا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“

جن فرشتوں کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے انھیں میں سے دو فرشتے ہاروت و ماروت بھی ہیں۔ اور سلف صالحین کی ایک بہت بڑی جماعت نے ان کے بارے میں یہی کہا ہے، تاہم ان کے قصے کے بارے میں بہت سارے آثار و اقوال ہیں جن میں سے اکثر وغالب اسرائیلیات میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں سورۃ البقرۃ (آیت: ۱۰۲) میں فرمان الہی ہے:

﴿ وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مَلِكِ سُلَيْمَانَ ۗ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۗ وَمَا يُعَلِّمَنِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۗ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۗ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾

”اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیطان سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے، سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور وہ

شہرِ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا، وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے، جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں، تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں، اور دراصل وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو، اس لیے اسے سیکھنے کا کیا فائدہ؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔

5، 6- منکر و نکیر:

اسی طرح جن فرشتوں کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے، ان میں سے ہی دو فرشتے منکر و نکیر بھی ہیں۔ اور وہ مردے کے پاس اس کی قبر میں آتے ہیں اور اس سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں سے 3 سوالات بخاری و مسلم سمیت متعدد کتب میں آئے ہیں:

1- ((مَنْ رَبُّكَ؟)) ”تیرا رب کون ہے؟“

2- ((مَا دِينُكَ؟)) ”تیرا دین کیا ہے؟“

3- ((مَنْ نَبِيُّكَ؟)) ”تیرا نبی کون ہے؟“

ان کی تفصیلات تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ ابراہیم (آیت: ۲۷) کے تحت دیکھی جاسکتی ہیں۔

7- پہاڑوں کے فرشتے:

اسی طرح پہاڑوں کے فرشتے بھی ہیں جن کا ذکر صحیح بخاری و مسلم، دیگر کتب حدیث اور کتب سیرت النبی ﷺ میں نبی اکرم ﷺ کے سفر طائف کے واقعہ میں بالتفصیل مذکور ہے، انہی کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ملک الجبال (پہاڑوں پر مامور فرشتے) نے مجھے سلام کیا اور کہا:

((اِنْ شِئْتَ لَأُطِيقَ عَلَيْهِمُ الْأُخْشَبِينَ؟))

”اگر آپ چاہیں تو میں اہل طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔“

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿بَلْ أَرَجُوا أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا﴾^①

”نہیں (بلکہ) میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“

فرشتوں کی بعض دیگر اقسام

8، 9- حملۃ العرش اور کرّ و بیون:

میری بہنو اور بھائیو! اللہ نے کئی اقسام کے فرشتے تخلیق فرمائے ہیں:

ان میں سے کچھ حملۃ العرش (عرش کو اٹھانے والے) ہیں۔ اور کچھ فرشتے وہ ہیں جو عرش الہی کے ارد گرد ہیں جو ”کرّ و بیون“ کہلاتے ہیں، وہ بھی حملۃ العرش فرشتوں کی طرح اشرف الملائکہ ہیں اور یہی ملائکہ مقرّبین ہیں۔ جن کا تذکرہ سورۃ المؤمن (آیت: ۷) میں آیا ہے:

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾

”جو (فرشتے) عرش کو اٹھانے والے ہیں اور اس کے آس پاس کے فرشتے، اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں (کہتے ہیں): اے پروردگار ہمارے! تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، بس جو لوگ توبہ کرتے ہیں اور تیری (بتائی ہوئی) راہ پر چلتے ہیں، ان کو بخش دے اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔“

سورۃ المؤمن (آیت: ۷ تا ۹) میں ارشاد الہی ہے:

﴿رَبَّنَا وَاذْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَّحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ

① صحیح البخاری، کتاب بدأ الخلق، باب إذا قال أحدكم آمین، رقم الحدیث (۳۲۳۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب ما لقی النبی ﷺ، رقم الحدیث (۷۹۵)

وَذُرِّيَّتَهُمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۸۱ وَفِيهِمُ السَّيِّئَاتُ ۚ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ يُؤْمِنِ
فَقَدْ رَحِمْتَهُ ۚ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۸۱﴾

”اے ہمارے رب! تو ان کو اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں ان کو بیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔ اور (قیامت کے دن) ان کو تمام برائیوں سے بھی محفوظ رکھ اور جس کو تو نے اس دن برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے بڑا رحم کیا اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔“

ان آیات میں ایک تو ملائکہ مقررین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، اور اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے رہتے ہیں، دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔
جَعَلْنَا اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحِقُهُمُ اللَّهُ بِآبَائِهِمُ الصَّالِحِينَ .

آسمان پر رہنے والے فرشتوں میں سے ہی ساکنینِ سماوات یعنی سات آسمانوں کے باسی فرشتے بھی ہیں جن کی کہیں جانے کی ڈیوٹی نہیں ہوتی اور وہ صبح و شام عبادت میں گزارتے اور آسمانوں کو اپنی عبادت سے آباد رکھتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الانبیاء (آیت: ۲۰) میں ارشادِ الہی ہے:
﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾

”وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں اور سست نہیں ہوتے۔“

10- خازنِ جنت (داروغہ جنت):

فرشتوں میں سے جنت کے فرشتے بھی ہیں، ان میں سے ایک خازن یا داروغہ کا نام رضوان ہے اور اس کا ذکر بعض احادیث میں آیا ہے۔^①

11- الزبانیہ:

کچھ وہ فرشتے ہیں جو جہنم پر مقرر کیے گئے ہیں، ان میں سے ۱۹ فرشتے خاص اہمیت والے

① مسند الشہاب (۲/۱۳۰) دار قطنی، کما فی الدر المنثور (۸/۳۵۵)

ہیں اور ان سب کے خازن یا داروغہ کا نام مالک ہے، وہ تمام داروغوں کے سردار ہیں اور ان کا ذکر سورۃ المؤمن (آیت: ۴۹) میں یوں آیا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَتِهِمْ جَهَنَّمَ أَدْعُوا رَبَّكُمْ يُحَقِّفُ عُنُقًا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ﴾

” (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے: تم ہی اپنے پروردگار سے عرض کرو کہ وہ ایک دن کے لیے ہم پر سے کچھ عذاب ہلکا کر دے۔“

سورۃ الزخرف (آیت: ۷۷-۷۸) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَنَادُوا يٰئِيلٰكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ اِنَّكُمْ لَمُكْتٰوِنٌ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنْ اَكْثَرَكُمْ لٰيْحِقُّ كِرْهُوْنَ ﴾

” اور جہنمی (جہنم کے داروغہ کو) پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! (کچھ ایسا کر) کہ ہمارا

پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ کہے گا: تم کو تو ہمیشہ (اسی حال میں) رہنا ہے، ہم تو

تمہارے پاس حق لے کر آئے، لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت رکھنے والے تھے۔“

اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ جہنم میں جہنمی اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ اللہ

ہمیں موت ہی دے دے، تاکہ عذاب سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ مگر وہاں موت کہاں؟

12- معقبات (نگہبانی کرنے والے):

فرشتوں میں سے ہی معقبات بھی ہیں جن کا ذکر سورۃ الرعد (آیت: ۱۱) میں آیا ہے:

﴿ لَهُ مُعَقَّبَاتٌ قُبْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

” اس کے پیہرے دار انسان کے آگے اور پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی

نگہبانی کرتے ہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ﴿ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

”معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندے کی اس کے آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے

ہیں، لیکن جب اللہ کا حکم (تکلیف کا وقت) آجائے تو یہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔“

امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ فرشتے بندے کی نیند و بیداری ہر حال میں حفاظت کرتے ہیں

اور جن و انس اور زہریلے جانوروں بچھو وغیرہ کے نقصان پہنچانے سے اسے بچائے رکھتے ہیں الا یہ کہ اللہ کا امر آجائے۔^①

13- کراماً کاتبین:

فرشتوں میں سے ہی وہ بھی ہیں جو بندوں کے اعمال خیر و شر کو محفوظ کرتے رہتے ہیں جنہیں کراماً کاتبین کہا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

﴿ اِذْ يَتَلَفَّى الْمُتَكَلِّفِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشَّمَالِ قَعِيدًا ۝۱۴ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ [ق: ۱۷- ۱۸]

”جب دو (لکھ) لینے والے (فرشتے) دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے (لکھتے جاتے) ہیں۔ منہ سے بات نکالنے کی دیر ہے اس کے پاس ایک (فرشتہ) تیار ہے جو راہ دیکھ رہا ہے۔“
نیز فرمایا:

﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝۱۱ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴾ [الانفطار: ۱۰- ۱۲]

”حالانکہ تم پر (ہمارے) چوکیدار مقرر ہیں۔ عزت دار لکھنے والے (فرشتے)۔ جو تم کرتے ہو ان کو خبر ہے۔“

یہی وہ فرشتے ہیں جن کی فجر و عصر کے وقت ڈیوٹی چینیج ہوتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”فرشتے لگاتار ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے ہیں، کچھ فرشتے رات کو آتے ہیں اور کچھ دن کے وقت اترتے ہیں۔ یہ سب نمازِ فجر اور نمازِ عصر میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جو فرشتے تمہارے ساتھ رات بھر رہتے ہیں وہ اللہ کے حضور جاتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حالت پر چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم نے ان کو (فجر کی) نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے تب بھی وہ نماز (عصر) پڑھ رہے تھے۔“^②

① تفسیر ابن کثیر، و تہذیب البدایة و النہایة (۱/ ۵۸)

② صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة، رقم الحدیث (۳۲۳۳)

14- قرین:

ایک حدیث میں ہر انسان کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتے کا ذکر بھی آیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے ساتھ اللہ نے جنوں میں سے اس کا ایک ساتھی مقرر نہ کر دیا ہو (جو اسے برائی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے) انھوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہاں میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے، اس لیے (اب) وہ مجھے خیر کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔“^①

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ فرشتہ اور قرین حفاظت پہ مامور دو فرشتوں کے علاوہ ہوں اور اس فرشتے کی ڈیوٹی صرف یہ ہو کہ بندے کو اللہ کے حکم سے رشد و ہدایت کی راہ دکھلاتا اور سبیل خیر پر چلاتا رہے جبکہ شیطان یا جن اس کے برعکس اسے بہکانے، پھسلانے اور گمراہ کرنے پر لگا رہتا ہے، لیکن فیصلہ خود اسی کو کرنا ہوگا۔

15- جمعہ کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹی:

کچھ فرشتے وہ ہیں جو جمعہ کے دن ہر جامع مسجد کے ہر دروازے پر کھڑے ہوتے اور اول باول آنے والوں کے نام لکھتے جاتے ہیں، اور جب امام منبر پر آکر بیٹھ جاتا ہے تو وہ فرشتے اپنے رجسٹر لپیٹ لیتے، یعنی بند کر لیتے ہیں، اور ذکر و خطبہ سننے لگتے ہیں۔^②

16- لعنت بھیجنے کے لیے مقرر فرشتے:

اسی طرح کچھ فرشتے وہ ہیں جو اُس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں جسے اس کا شوہر اپنے بستر پر (مباشرت کے لیے) بلائے اور وہ انکار کر دے اور اس کا شوہر اُس پر ناراضی کی حالت میں رات گزارے تو وہ اُس پر صبح ہونے تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔^③

① صحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب: تحريش الشيطان...، رقم الحديث (2814) مسند أحمد (3770)

② صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة، رقم الحديث (3211) و کتاب الجمعة، باب الاستماع إلى الخطبة، رقم الحديث (929) صحیح مسلم، رقم الحديث (850)

③ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة، رقم الحديث (3237)

17- آمین کے لیے:

فرشتوں کی ایک جماعت وہ بھی ہے جو امام کے آمین کہنے پر آمین کہتے ہیں، انہی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَلَمِنُوا، فَإِنَّ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَأْمِينِ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ »^①

”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیوں کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔“

18- سیاح فرشتے:

مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں فرشتوں کی ایک اور جماعت کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ »^②

”اللہ کے کچھ فرشتے دنیا بھر کی گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں جو کہیں بھی درود و سلام پڑھیں۔“

« إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ »

”اللہ کے کچھ فرشتے وہ بھی ہیں جو روئے زمین پر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔“

آگے یوں ہے: ”اور جہاں کہیں کوئی ذکر و تلاوت اور درس و تدریس یا تحفیظ و تعلیم قرآن کا حلقہ دیکھتے ہیں تو وہ اپنے باقی ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے بلا لیتے ہیں کہ آؤ تمہیں تمہاری مطلوبہ پونجی کے پاس لے چلیں۔“^③

ذکر و دعا، حمد و ثنا اور تمجید الہی کے حلقوں میں شرکت کے بعد جب وہ آسمان کی طرف جاتے

① صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين، رقم الحديث (۷۸۰، ۷۸۱) صحیح مسلم، رقم الحديث (۴۱۰)

② مسند أحمد، رقم الحديث (۴۱۹۸) صحیح ابن حبان (۹۱۶)

③ صحیح سنن الترمذی، رقم الحديث (۳۶۰۰) مسند أحمد، رقم الحديث (۷۳۷۶)

ہیں تو اللہ ان سے کئی سوالات پوچھتا ہے جن کا وہ جواب دیتے ہیں، اس قدرے طویل حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:

((إِنَّ فِيهِمْ فُلَانًا الْخَطَاءَ، لَمْ يُرِدْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ))

”ان میں فلاں آدمی اس مجلس میں بیٹھے نہیں، بلکہ اپنے کسی کام سے آیا ہے۔“

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسٌ^①)

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم و نامراد نہیں ہوگا۔“

19- حلقااتِ ذکر کو گھیرے میں لینے والے:

فرشتے وہ ہیں جن کا ذکر حدیث میں کچھ یوں آیا ہے:

((... وَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ ذَكَرَ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ...^②)

”اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر مسجد میں لوگوں کا کوئی گروہ اکٹھا ہوتا ہے، وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کا درس و تدریس کرتے ہیں تو ان پر سکینت (اطمینان و سکون قلب) کا نزول ہوتا ہے اور (اللہ کی) رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقررین میں جو اس کے پاس ہوتے ہیں ان کا ذکر کرتا ہے۔“

غرض فرشتوں کی انواع و اقسام اور ان کی ذمے داریوں یا ڈیوٹیوں کے بارے میں بکثرت احادیث ہیں، لیکن ہم انہی چند احادیث پر اکتفا کر رہے ہیں۔

① صحیح الترمذی، رقم الحدیث (۳۶۰۰) مسند أحمد، رقم الحدیث (۷۳۷۶)

② صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء، باب فضل الاجتماع، رقم الحدیث (۲۶۹۹) مسند أحمد، رقم

الحدیث (۷۳۷۹)

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر ❁
- تفسیر احسن البیان ❁
- صحیح بخاری ❁
- صحیح مسلم ❁
- البدایہ والنہایہ: ❁
- تالیف: ابن کثیر
- تالیف: ابوالفداء ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ ترجمہ: مولانا عطاء اللہ ساجد رحمہ اللہ
- قصص الانبیاء: ❁

تخلیقِ کائنات کا آغاز (3)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

جنات کی تخلیق:

جنات کی تخلیق کے متعلق سورۃ الحجر (آیت: ۲۷) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السُّمُورِ﴾

”اور ہم نے جنوں کو اس سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔“

اور ایک آیت میں یہ بھی ہے:

﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ [الرحمن: ۱۵]

”اور جنوں کو آگ کے شدید گرم شعلے سے بنایا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جن آگ کے شعلے سے پیدا کیے گئے اور آدم علیہ السلام مٹی

سے پیدا کیے گئے، جو تمھیں بتا دی گئی ہے۔“^①

ابلیس، ابوشیاطین:

ابلیس تمام شیطانوں کا باپ ہے۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، اپنی سرکشی، تکبر اور حسد کی وجہ سے

اس کی الگ پہچان بنی، جیسا کہ سورۃ الکہف (آیت: ۵۰) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿إِلَّا ابْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾

”سوائے ابلیس کے، یہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔“

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ابلیس ایک لحظہ بھر بھی فرشتہ نہیں رہا۔“^②

① صحیح مسلم، کتاب الزہد، رقم الحدیث (۲۹۹۶) مسند أحمد، رقم الحدیث (۲۴۸۲۶)

② تفسیر ابن کثیر (۳/۹۳) تفسیر سورۃ الکہف [آیت: ۵۰]

جّات کی تخلیق کے متعلق علمائے تفسیر کی کثیر تعداد کا کہنا ہے کہ جّات کی تخلیق آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل ہوئی۔ اور ابلیس اصلاً ناری مخلوق میں سے تھا، لیکن عبادت کی وجہ سے اس کا شمار فرشتوں میں سے ہونے لگا تھا۔ لہذا جن ذی عقل مخلوق ہیں، انسانوں کی طرح جن بھی شریعت کے پابند ہیں۔ چونکہ یہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کے مادی جسم نہیں ہیں، اس لیے ہم انھیں دیکھ نہیں سکتے، جبکہ وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت: ۲۷) میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّكَ يَرُوكُمْ هُوَ وَقَدِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾

”وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔“

انسانوں کی طرح ہی جنوں میں بھی نیک و بد ہوتے ہیں۔ نیک جن شریعت کے پابند اور نیک کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ شریر شیطان کے چیلے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ جنوں کی زبانی ارشادِ باری ہے:

﴿وَأَنَا مِنَ الظَّالِمِينَ وَمَتَادُونَ ذَلِكَ ۖ كُنَّا طَرِيقَ قَدَادًا﴾ [الجن: ۱۱]

”اور یہ کہ (بے شک) بعض تو ہم میں نیکو کار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں۔ ہم

مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے تھے۔“

تخلیقِ آدم علیہ السلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ:

قرآن مجید میں بیان ہونے والے بہترین قصوں میں سے ایک قصہ بنی نوع انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ (آیت: ۳۰) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۗ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ

فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا

تَعْلَمُونَ﴾

”اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ

میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب

بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ

تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [البقرة: ۳۱]

”اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ؟“

نیز فرمایا:

﴿قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۗ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَِّّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ [البقرة: ۳۰-۳۳]

”انہوں نے کہا: تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ نے (آدم کو) حکم دیا: آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ! جب انہوں نے ان کے نام بتائے (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا: کہو! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔“

مختصر وضاحت:

اب ہم یہاں صرف ان آیات کا مختصر مفہوم بیان کریں گے جن میں فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ ”میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تخلیق کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تخلیق کی خبر دی، جس طرح کسی بھی عظیم کام کو وجود میں لانے سے پہلے خبر دی جاتی ہے۔ فرشتے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں مزید معلومات اور اس کی حکمت جاننے کے

خواہش مند تھے اس لیے انھوں نے عرض کی:

﴿ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ﴾

”تو ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟“

فرشتوں کے اس سوال کا مقصد نہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا تھا نہ بنی آدم کے مقام و مرتبہ کا انکار مقصود تھا اور نہ انھیں انسانوں سے حسد تھا، بلکہ اس سوال کا مقصد محض اس کی حکمت معلوم کرنا اور مزید معلومات حاصل کرنا تھا۔ اس لیے انھوں نے کہا کہ اے رب! اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے؟ اب سوال یہ ہے کہ ذریتِ آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کریں گے؟ اس سلسلے میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

”فرشتوں کو معلوم تھا کہ یہ صورت حال پیش آنے والی ہے، کیوں کہ انھوں نے آدم علیہ السلام

سے پہلے زمین میں آباد ہونے والی مخلوقات (مثلاً جنات) کے حالات دیکھے تھے۔⁽¹⁾

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”جن آدم سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سے زمین پر آباد تھے۔ انھوں نے قتل و غارت کی

تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنھوں نے ان (فسادی جنوں) کو سمندروں کے

(دور دراز) جزیروں کی طرف دھکیل دیا، یعنی جنات کو زمین بدر کر دیا۔⁽²⁾

اور اس تجربے کے پیش نظر انھوں نے کہا:

﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ ”اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے

والے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں۔ تمہید و تقدیس میں مصروف

رہتے ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی تیرے حکم سے سرتابی، نافرمانی نہیں کرتا۔ ہم دن رات کسی کوتاہی یا

اکتاہٹ کے بغیر تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جوئی مخلوق سے

متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

(1) تفسیر ابن کثیر (1/ 129) تفسیر سورة البقرة (آیت: 30)

(2) المستدرک للحاکم (2/ 261)

﴿رَبِّ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے ان کی تخلیق کی وہ حکمت معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ یعنی ان میں سے انبیاء، رسول، صدیق، شہدا اور نیک لوگ بھی پیدا ہوں گے۔

آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی فرشتوں پر علمی برتری:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی علمی فوقیت واضح فرمائی: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ ”اور آدم کو تمام نام سکھا دیے۔“ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”اس سے مراد ان چیزوں کے نام ہیں، جن سے لوگ ان چیزوں کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھاتے ہیں۔“ (یعنی وہ چھوٹی بڑی اشیا جن سے روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے، مثلاً: انسان، حیوان، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، اونٹ اور گدھا گھوڑا وغیرہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”اللہ نے انھیں رکابی اور ہنڈیا کا نام بھی سکھایا۔ ہر جانور، ہر پرندے اور ہر چیز کا نام سکھایا۔“

حضرت سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر علماء رضی اللہ عنہم نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے انھیں فرشتوں کے نام سکھائے۔“ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ان کی اولاد کے نام سکھائے۔“^①

زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ انھیں چھوٹی بڑی اشیا اور ان کے افعال و حرکات کے نام سکھائے گئے۔ جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”قیامت کے دن مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ اگر ہم کسی سے اللہ کے سامنے سفارش کروائیں (تو اس مشکل مرحلے سے نجات مل جائے)، چنانچہ وہ آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ تمام انسانوں کے جد امجد ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا، اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام اشیا کے نام

① تفسیر ابن کثیر (۱/ ۱۳۰-۱۳۱) تفسیر سورة البقرة [آیت: ۳۱-۳۳]

سکھائے، اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش فرمائیے تاکہ ہمیں اس مرحلے سے نجات نصیب ہو۔^①

پھر یہی اشیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے پیش کیں اور فرمایا: ﴿أَتُنۡوِنِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔“ اس کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ جو مخلوق بھی پیدا فرمائے گا، ہمارے پاس اس سے زیادہ علم ہوگا، چنانچہ ان کا امتحان لیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اگر تم سچے ہو۔“

جواب میں فرشتوں نے کہا: ﴿قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ پورے علم و حکمت والا تو تُو ہی ہے۔“ اس کا مطلب یہ ہے: اے اللہ! تو پاک ہے۔ کوئی بھی تجھ سے علم حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو تو نے انھیں سکھایا۔ اس فرمان الہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر اور پوشیدہ امور کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ایک قول کے مطابق: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ [البقرة: ۲۳۳] سے فرشتوں کے اس خیال کی تردید مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو ہم (فرشتوں) سے زیادہ معزز ہو۔^②

تخلیقِ آدم علیہ السلام احادیث کی روشنی میں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع کی گئی مٹی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (طرح طرح کی) مٹی کے مطابق پیدا ہوئی۔ ان میں سفید فام بھی ہیں، سرخ بھی اور سیاہ فام بھی اور درمیانے رنگوں کے بھی ہیں، (اسی طرح) نیک اور بد، نرم خور اور سخت طبع اور درمیانی طبیعت والے۔“^③

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۴۷۶)

② تفسیر ابن کثیر (۱/۱۳)

③ مسند أحمد، رقم الحدیث (۴۰۶/۴)

تخلیق آدم وحواء علیہما السلام اور فرشتوں کا سجدہ:

اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدٰتٍ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجِعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا اِبْلِیْسَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ ۗ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ تَرَابٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ﴾ [ص: ۷۱-۷۶]

”جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔“

اللہ تعالیٰ نے مجبور ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا تاکہ ابلیس آدم علیہ السلام سے بڑائی کا دعویٰ نہ کرے۔ چنانچہ اس نے آدم علیہ السلام کو انسانی صورت میں بنایا۔ جمعہ کا دن تھا جس کی مقدار چالیس سال تک تھی، مٹی کے بنے ہوئے ایک جسم کی صورت میں پڑے رہے۔ فرشتے پاس سے گزرتے تھے تو اس جسم کو دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ تھا۔ وہ گزرتے وقت اسے ضرب لگاتا تو جسم سے اس طرح آواز آتی جس طرح مٹی کے بنے ہوئے برتن سے کوئی چیز ٹکرائے تو آواز آتی ہے۔ اسی لیے وہ کہتا تھا:

﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴾ [الرحمن: ۱۴]

”انسان کو ٹھکیری کی طرح بجنے والی مٹی سے بنایا ہے۔“

تو کہتا: ”تجھے کسی خاص مقصد سے پیدا کیا گیا ہے۔“ وہ اس خاک کی بدن میں منہ کی طرف سے

داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل گیا اور اس نے فرشتوں سے کہا: ”اس سے مت ڈرو تمہارا رب ”صمد“ ہے، لیکن یہ تو کھوکھلا ہے، اگر مجھے اس پر قابو دیا گیا تو اسے ضرور تباہ کر دوں گا۔“ وہ وقت بھی آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں روح ڈالنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے ارشاد فرمایا: ”جب میں اس میں روح ڈال دوں تو اسے سجدہ کرنا۔“ جب روح ڈال دی گئی تو وہ سر کی طرف سے داخل ہوئی۔ تبھی آدم علیہ السلام کو چھینک آگئی۔ فرشتوں نے کہا: ”کہیے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾“ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔“ انھوں نے فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ اللہ نے فرمایا: ﴿رَحِمَكَ رَبُّكَ﴾“ تیرے رب نے تجھ پر رحمت فرمائی ہے۔“ جب روح آنکھوں میں داخل ہوئی تو آدم علیہ السلام کو جنت کے پھل نظر آئے۔ جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ جلدی سے جنت کے پھلوں کی طرف لپکے جبکہ روح ابھی آپ کی ٹانگوں میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ [الأنبياء: ۳۷]

”انسان تو جلد بازی کا بنا ہوا ہے۔“ (یعنی جلد بازی اس کی فطرت میں شامل ہے)۔^①

کیفیت تخلیق آدم علیہ السلام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بنایا تو جب تک چاہا انھیں (بلا روح جسم کی حالت میں) پڑا رہنے دیا۔ ابلیس آپ کے ارد گرد چکر لگاتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ جسم کھوکھلا ہے تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے گی۔“^②

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب آدم علیہ السلام میں روح ڈالی گئی اور روح سر تک پہنچی تو آپ کو چھینک آگئی۔ آپ نے فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾“ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَرْحَمُكَ اللَّهُ﴾“ اللہ تجھ پر رحمت فرمائے گا۔“^③

① تفسیر الطبری، تفسیر سورة الأنبياء [آیت: ۳۷]

② مسند أحمد (۱۵۲/۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۱۱) مستدرک للحاکم (۲/۵۴۲، رقم: ۳۹۹۲)

③ صحیح ابن حبان۔ الإحسان (۸/۱۴، رقم الحدیث: ۶۱۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بنایا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر فرمایا: جا کر ان فرشتوں کی جماعت کو سلام کہیے اور سنیے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ تیرا اور تیری اولاد کا یہی سلام (کا طریقہ) ہوگا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: «الْسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» فرشتوں نے کہا: «الْسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ» یعنی جواب میں ”رَحْمَةُ اللَّهِ“ کا اضافہ کیا۔ جنت میں جو بھی داخل ہوگا، وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر (یعنی ساٹھ ہاتھ کا) ہوگا۔ اس کے بعد اب تک مخلوق (کے قد کاٹھ) میں کمی ہوتی آئی ہے۔^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، اس دن آدم علیہ السلام کو بنایا گیا، اس دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن انھیں اس سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جمعہ کے دن آخری گھڑی میں پیدا کیے گئے۔^③

آدم علیہ السلام کی عزت و تکریم:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست مبارک سے تخلیق فرما کر بلند مرتبہ عطا کیا، پھر فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروا کر اس شرف و منزلت کا اظہار فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی بہت بڑی عزت افزائی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان میں اپنی روح ڈالی، جیسا کہ سورۃ الحجر (آیت: ۲۹) میں ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾

”اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں (جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔“

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۳۲۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۴۸۲)

② صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، رقم الحدیث (۸۵۴)

③ صحیح ابن حبان۔ الإحسان (۱۱/۸)، رقم الحدیث: (۶۱۲۸)

آدم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے چار انداز سے عزت افزائی فرمائی ہے:

- 1- اپنے دستِ مبارک سے بنانا۔
 - 2- اپنی روح ڈالنا۔
 - 3- فرشتوں کو حکم دینا کہ انہیں سجدہ کریں۔
 - 4- چیزوں کے ناموں کی تعلیم دینا۔
- یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملاءِ اعلیٰ میں (یعنی آسمان پر) ایک دوسرے سے ملاقات کی اور آپس میں بات چیت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:
- ”آپ آدم ہیں، جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور آپ کے اندر اپنی روح ڈالی، آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔“^①
- قیامت کے دن میدانِ محشر میں موجود لوگ بھی آدم علیہ السلام سے بات کرتے ہوئے ان کی یہی صفات بیان کریں گے، جیسے کہ پہلے بیان ہوا اور آئندہ بھی ہوگا۔

سجدہ کرنے والے فرشتوں کا بیان:

- آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم کن فرشتوں کے لیے تھا؟ اس بارے میں علما کی دو آرا ہیں:
- 1- اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حکم تمام فرشتوں کے لیے تھا۔ آیات کے الفاظ میں جو عموم پایا جاتا ہے، اس سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے۔
 - 2- بعض علما کا کہنا ہے کہ اس سے مراد صرف زمین کے فرشتے ہیں، لیکن آیات کے سیاق و سباق سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں بھی عموم ہے: ”وَ أَسْجَدَ لَكَ مَا لَمْ يَكُنْ لَهُ“ ”اللہ نے آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔“ واللہ اعلم۔^②

ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد:

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، فرشتوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور ابلیس نے حسد کی وجہ سے آدم علیہ السلام کے مقامِ عز و شرف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور ان

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۴۰۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۵۲) سنن أبي داود (۴۷۰۲)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۴۷۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۳)

سے دشمنی رکھتے ہوئے اور حکم الہی کو پس پشت ڈالتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ مَا مَنَّكَ إِلَّا تَسْجُدًا إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ

مِنْ طِينٍ﴾ [الأعراف: ۱۲]

”جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ

میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے تخلیق کیا ہے اور اُسے مٹی سے بنایا ہے۔“

حسد و فتنج و شنیع گناہ ہے جس کے ذریعے سے آسمان میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی۔ جس کی جزا میں ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے عذاب الہی کے مستحق ٹھہرے۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ”ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے اسی نے قیاس کیا۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا اور آدم علیہ السلام کا موازنہ کرتے ہوئے اپنے آپ پر نظر ڈالی، اسے اپنی ذات آدم علیہ السلام سے افضل معلوم ہوئی، اس لیے وہ انہیں سجدہ کرنے سے رک گیا۔ حالانکہ تمام فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نص کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ قیاس تو ویسے بھی غلط ہے، کیوں کہ مٹی آگ سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔ مٹی میں چٹنگی، بردباری، تحمل اور بڑھنے پھولنے کی صفات پائی جاتی ہیں، جب کہ آگ میں جذباتیت، ہلکا پن، جلد بازی اور جلانے کی خصوصیات ہیں، لہذا اس نے اپنے اس عمل بد کی انتہائی فتنج دلیل پیش کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار دے کر نکل جانے کا حکم دے دیا اور اس کا مقام و مرتبہ بھی چھین لیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ [الأعراف: ۱۳] ”اس (جنت) سے اتر جاؤ!“

نیز فرمایا: ﴿أُخْرِجْ مِنْهَا﴾ [الأعراف: ۱۸] ”اس (جنت) سے نکل جا۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان پر تھا، وہاں سے اسے نیچے اتر جانے کا حکم دیا گیا اور اس مقام و مرتبہ سے بھی محروم کر دیا گیا جو اسے عبادت کی وجہ سے اور اطاعت و عبادت میں فرشتوں سے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ اس کے تکبر، حسد اور نافرمانی کی وجہ سے اس سے یہ مرتبہ سلب کر کے اسے ذلت و لعنت کے ساتھ زمین پر پھینک دیا گیا۔

ابلیس کا اعلانِ جنگ:

جب ابلیس تکبر کی وجہ سے ذلت و خواری کا مستحق بنا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا:

﴿أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ [الأعراف: ۱۴] ”مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجیے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ﴾ [الأعراف: ۱۵] ”تجھ کو مہلت دی گئی۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مہلت عطا فرمادی جو اس کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق ہے جس کا پورا علم اسی کو ہے، تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کرے گا کہ کون رحمن کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا بچاری؟ اسی لیے اللہ نے بنی نوع انسان کو ابلیس کی دشمنی پر متنبہ کیا اور اس کے انجامِ بد سے ڈرایا، سورۃ الاعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فِيمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَا تَجِدَهُم مِّن بَلَدٍ

أَيِّدِيهِمْ وَمِن خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۝۱۷ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾

[الأعراف: ۱۶-۱۷]

” (ابلیس نے) کہا چونکہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں کہتا ہوں کہ میں ضرور ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر حملہ کروں گا، ان کے پاس آگے سے اور ان کے پیچھے سے آؤں گا، اور ان کی دائیں طرف سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار (موحد) نہ پائے گا۔“

اور انھیں گمراہ کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اسی لیے رسول ﷺ نے فرمایا:

”شیطان انسان کے ہر راستے پر (گمراہ کرنے کے لیے) بیٹھا ہوا ہے۔“^①

مطلب یہ کہ میں ہر خیر اور شر کے راستے پر بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔ مگر خوش نصیب وہی انسان ہوگا جو اس کی مخالفت کرے گا اور اس کے مکر و فریب سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ اور بد نصیب وہ ہے جو اس کی

بات مان کر اس کے جال میں پھنس جائے گا۔ اس نے اپنا یہ کام فی الواقع سچا کر دکھایا اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔ اسی لیے احادیث میں شیطان سے پناہ مانگنے کے لیے کہا گیا ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کے مکر و فریب سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

ابلیس نے دھتکارے جانے پر یہ عہد کیا کہ وہ بنی آدم کو بھٹکائے گا، لیکن اللہ نے فرمایا کہ میرے بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا۔ تب سے شیطان اپنا تخت سمندر کے پانی پر رکھے اپنے چیلوں کے ذریعے بنی آدم کو بہکانے میں مصروف ہے، جیسا کہ صحیح مسلم و مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر وہ اپنے لشکر روانہ کرتا ہے اور وہ لوگوں کو فتنوں میں ڈالتے ہیں۔ اس کے نزدیک ان میں سے سب سے بڑے مرتبے والا وہ ہوتا ہے جو زیادہ بڑا فتنہ ڈالتا ہے۔“⁽¹⁾

حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق:

حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش کے متعلق سورۃ الاعراف (آیت: ۱۸۹) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا ایک جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرے۔“

حضرت حوا حضرت آدم علیہما السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں؟ اس میں اختلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے

آدم علیہ السلام کو فرمایا:

﴿اَسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ [البقرة: ۳۵] ”تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔“

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے

سے پہلے تخلیق کیا جا چکا تھا۔ لیکن امام سدی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن

مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸۱۳) مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۴۶۹۹، ۱۴۴۰)

”ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا، اور آدم ﷺ کو وہاں آباد کر دیا گیا۔ آپ جنت میں اکیلے گھومتے پھرتے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے انھیں تسکین حاصل ہوتی۔ ایک بار وہ سوئے ہوئے تھے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ ان کے سر کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ انھیں اللہ نے آدم ﷺ کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا: تو کون ہے؟ انھوں نے کہا: عورت ہوں۔ فرمایا: تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: اس لیے تاکہ آپ مجھ سے تسکین حاصل کریں۔ فرشتوں نے، جو آدم ﷺ کے علم کی وسعت معلوم کرنا چاہتے تھے، کہا: آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ”حواء“ انھوں نے کہا: اس کا نام حواء کیوں ہے؟ فرمایا: کیوں کہ وہ ایک زندہ وجود سے پیدا کی گئی ہے۔“^①

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا کہ حواء علیہا السلام کو آدم ﷺ کی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا، جب کہ آپ سو رہے تھے اور پسلی کی جگہ کو گوشت سے پر کر دیا گیا۔^② اس کے متعلق ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو، کیوں کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور سب سے ٹیڑھی پسلی وہ ہے جو سب سے اوپر والی ہے۔ اگر تو اس (پسلی) کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے چھوڑے رکھے گا تو ٹیڑھی رہے گی، اس لیے عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو۔“ (یعنی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں سے نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو)۔^③

آدم اور حواء علیہما السلام دخول جنت تک:

حضرت آدم ﷺ کی ایک فضیلت یہ بھی تھی کہ جنت کو ان کا مسکن بنا کر ان کو عطا کی گئی، جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت: ۱۹ تا ۲۲) میں فرمان الہی ہے:

﴿وَيَأْتِيهِمْ مِنْ رَبِّكَ فَكُلُوا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمْ وَلَا تَقْرَبُوا هَذِهِ الشَّجَرَةَ

① تفسیر الطبری (۱/۳۲۸، رقم الحدیث: ۵۹۵)

② تفسیر الطبری (۱/۳۲۸، رقم الحدیث: ۵۹۵)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۳۳۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۴۶۶/۵۹)

﴿تَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”اور (ہم نے) آدم کو حکم دیا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوشِ جان کرو مگر اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔“

یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کر جہاں سے جتنا چاہو کھاؤ۔ اس درخت کا پھل نہ کھانے کی پابندی آزمائش کے طور پر عائد کر دی گئی۔ مگر ابلیس نے اپنی دشمنی کی ابتداء وسوسہ سے شروع کی۔ وسوسہ اس کو کھا جاتا ہے جو شیطان دل میں بُری باتیں ڈالتا ہے۔

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِحِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ﴾

[الأعراف: ۲۰]

”پھر شیطان نے دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔“

ابلیس جو ناپاک فطرت کا مالک ہے اس نے انھیں جھوٹی قسم کھا کر کہا:

﴿وَقَاَسَبَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ [الأعراف: ۲۱]

”اور ان دونوں کے روبرو قسم کھا کر کہا یقین جانے میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے آدم و حواء عليهما السلام کو جنت کا رہائشی بنایا، صرف ایک درخت کو چھوڑ کر ساری جنت کا مالک بنا دیا تو حسد کی آگ میں جلتے ہوئے شیطان کو یہ جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم و حواء عليهما السلام کو حاصل ہوئی تھیں، اسے یہ ساری بخششیں کانٹے کی طرح چھ رہی تھیں، لہذا اس نے دونوں کو بہکایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تمہیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اسی لیے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس کی تاثیر ہی یہی ہے کہ جو اسے کھا لیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا اُسے دائمی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا جس سے حضرت آدم و حواء عليهما السلام متاثر ہو گئے، اس لیے کہ اللہ والے اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

﴿فَدَلَّهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ
وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾ [الأعراف: ۲۲]

”سوان دونوں کو (شیطان نے) فریب سے (معصیت کی طرف) مائل کر ہی لیا، پس جب انھوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے رو برو ظاہر ہو گئیں اور دونوں جنت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چکانے لگے (یعنی اپنے ستر کو چھپانے لگے)۔“
لعین نے اس ممنوعہ درخت کے پھل کی طرف راغب کر کے انھیں مرتبہ علیا سے نیچے اتار ہی لیا جو مقام اللہ نے انھیں عطا کیا تھا۔

﴿وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ
مُبِينٌ﴾ [الأعراف: ۲۲]

”تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟“
اسی ابلیس کے متعلق سورۃ طہ (آیت: ۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یوں ارشاد فرمایا ہے:
﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾
”تو ہم نے کہا: اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔“

اس آیت کے آخر میں ﴿فَتَشْقَى﴾ لفظ ہے، یہ لفظ شقاء و محنت و مشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سہولتیں بغیر کسی محنت کے حاصل ہیں۔ جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑے گی جس طرح کہ ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑ رہی ہے۔

یہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو کہا گیا کہ تو محنت و مشقت میں پڑ جائے گا۔ یہ بات دونوں کو نہیں کہی گئی حالانکہ کہ پھل کھانے والے آدم و حواء دونوں ہی تھے، مگر اس کے اصل مخاطب آدم ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس

محنت و مشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے، لیکن آج کی مغرب زدہ عورت کو یہ ”اعزازِ الہی“، ”طوقِ غلامی“ نظر آتا ہے جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروفِ جہد ہے، آہ! اغوائے شیطانی بھی کتنا منوثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دل فریب ہے۔

میری بہنو! اس تشبیہ کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور دلفریب ہوتے ہیں جن سے بچنے کے لیے بڑی کاوش و محنت کرنے اور ہر وقت اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت میں یہ بات واضح ہے کہ شیطان کے بہکاوے کا مقصد حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو اس لباسِ جنت سے محروم کر کے انھیں شرمندہ کرنا تھا جو انھیں جنت میں پہننے کے لیے دیا گیا تھا۔ یہ اس معصیت، یعنی اس نافرمانی کا اثر ظاہر ہوا جو آدم و حوا علیہما السلام سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ کر اپنی شرمگاہ چھپانے لگے۔ امام وہب بن منبہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس سے پہلے انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نوری لباس ملا ہوا تھا جو غیر مرئی تھا، لیکن ایک دوسرے کی شرمگاہ کے لیے ساتر تھا۔ وہ شرمگاہ جس کو ظاہر کرنے کو برا سمجھا جاتا ہے، جبکہ شیطان انسان کو لباس سے محروم کر کے بے شرمی اور بے حیائی کو فروغ دیتا ہے اور آج دنیا میں شہوت پرستی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اور انسانیت جس شرمندگی سے دوچار ہے وہ شیطانی چال کے انتہائی کامیاب ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ غرض جب آدم و حوا علیہما السلام کا لباس اتر گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾

[الأعراف: ۲۴]

” (اللہ نے) فرمایا: تم سب نیچے اسی حالت میں اتر جاؤ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر رہنے کی جگہ اور نفع حاصل کرنا ہے۔“

مزید فرمایا:

﴿قَالَ فِيهَا تَجِبُونَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾ [الأعراف: ۲۵]

”فرمایا: تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے، اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔“

اللہ کے اس حکم کے بعد حضرت آدم علیہ السلام جب پشیمانی میں ڈوبے اس دنیا میں تشریف لائے تو توبہ و استغفار میں مصروف تھے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی و دست گیری فرمائی اور کلمات معانی سکھا دیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ:

اللہ تعالیٰ نے جب انھیں جنت اور راحت و سکون والی جگہ سے نکال کر مشقت اور محنت والی زندگی مہیا کی تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ دونوں اللہ کی طرف متوجہ ہوئے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الاعراف (آیت: ۲۳) میں موجود ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا، کہنے لگے:

﴿قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

”دونوں عرض کرنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

جب انھوں نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار اور بارگاہ الہی میں توبہ و استغفار کا اہتمام کیا تو یہ اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے۔

میری بہنو اور بھائیو! آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جس شخص کو بھی یہ راز سمجھ میں آگیا، اس کی دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی سنور جائے گی۔

کس درخت سے روکا گیا تھا؟

وہ کس چیز کا درخت تھا جس کے قریب جانے سے روکا گیا تھا؟ اس کے متعلق اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا هَذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ ”اس درخت کے قریب نہ جانا۔“ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آرا ہیں۔ بعض علما کے نزدیک وہ انگور کی بیل تھی۔ یہود کی رائے میں وہ گندم تھی۔ امام وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس کا دانہ مکھن سے نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔“ ابو مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت تھا۔“ مجاہد رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ کوئی ایسا درخت تھا کہ اس کو کھانے سے قضائے حاجت کی ضرورت پیش

آتی تھی اور جنت کی زمین میں قضاے حاجت مناسب نہیں۔¹

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا تعین نہیں فرمایا۔ اگر اس کے تعین میں کوئی حکمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ متعین طور پر بیان فرما دیتا، لہذا اس رائے زنی سے اجتناب ہی بہتر ہے، کیوں کہ اس کا نام معلوم کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہے۔

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ البدایہ والنہایہ: تالیف: ابن کثیر
- ✽ قصص الانبیاء: تالیف: ابوالفداء ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ: مولانا عطاء اللہ ساجد رحمۃ اللہ علیہ

¹ تفسیر ابن کثیر (۱/ ۸۲-۸۳) تفسیر سورة البقرة (آیت: ۳۵)

تخلیق کائنات کا آغاز

(4)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

آدم و حواء عليهما السلام کا مسکن کس جنت میں تھا؟

اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ آدم عليه السلام کو جس جنت میں ٹھہرایا گیا تھا، کیا وہ آسمان والی جنت ہے یا وہ زمین میں کوئی باغ تھا؟ اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں ہے اور اس کا نام ”جنت الماویٰ“ یا ”جنت الخلد“ ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ کے الفاظ کا ظاہری مفہوم اسی کی تائید کرتا ہے۔ جیسے ارشادِ الہی ہے:

﴿ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ [البقرة: ۳۵]

”ہم نے کہا! اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔“

اس صورت میں اس سے مراد وہی جنت ہو سکتی ہے جو شریعت نے بتائی ہے، یعنی ”جنت الماویٰ“۔ آدم اور موسیٰ عليهما السلام کے درمیان بات چیت کے دوران میں موسیٰ عليه السلام نے فرمایا: ”آپ نے اپنے آپ کو اور ہم کو جنت سے کیوں نکلوادیا؟“^①

اس حدیث میں بظاہر ایک قوی دلیل موجود ہے کہ وہ جنت الماویٰ ہی تھی جس سے آدم عليه السلام کو نکالا گیا۔ تاہم اس استدلال پر بھی تنقید کی گنجائش موجود ہے۔

دوسرے علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس جنت میں آدم عليه السلام کو رکھا گیا تھا وہ ”جنت الخلد“، ”ہمیشہ کی زندگی والی جنت“ نہیں تھی، کیوں کہ انھیں ایک درخت کا پھل کھانے سے باز رہنے کا مکلف کیا گیا تھا، وہ اس جنت میں سوتے بھی تھے اور اس سے نکال بھی دیے گئے، نیز اس جنت میں ان کے پاس ابلیس آیا، ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت الماویٰ نہیں تھی۔ اس قول کی

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۷۳۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۵)

تائید میں موجودہ تورات کے ایک بیان کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ جنت جس میں آدم وحواء علیہما السلام تھے، اس کے بارے میں دو آراء ہیں:

❁ وہ جنت الخلد ہے۔

❁ یا کوئی اور جنت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی اور اس میں ان کی آزمائش ہوئی۔ لہذا

وہ جنت الخلد نہیں، اس لیے کہ جنت الخلد دار الامتحان نہیں، دار الجزاء ہے۔

وہ جنت کہاں تھی؟

اس میں پھر اختلاف ہے: ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے نیچے اتارا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے طور پر انہیں ایک خاص درخت سے منع فرمایا تھا، دوسرے درختوں کے پھلوں سے نہیں۔ اور یہ واقعہ ابلیس کو سجدے کا حکم دیے جانے کے بعد کا ہے۔ واللہ أعلم۔

دوسرے قول والوں کی طرف سے ایک سوال اٹھایا گیا ہے جس کا جواب دینے کی ضرورت

ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”یقینی بات ہے کہ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم ”قانونی حکم“ کی حیثیت رکھتا تھا، جس کی عدم تعمیل اور اس سے سرتابی ممکن نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿اُخْرِجْ مِنْهَا﴾ ”نکل جا

یہاں سے۔“ [الأعراف: ۱۸]

نیز فرمایا:

﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ [الأعراف: ۱۳]

”اس سے اتر جا، تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں رہ کر تکبر کرے۔“

ان آیات میں ﴿مِنْهَا﴾ ”اس سے۔“ مراد جنت یا آسمان یا درجہ ہے؟ بہر حال مطلب جو

بھی لیا جائے وہ اس جگہ میں موجود نہیں رہ سکتا، جس سے نکال دیا گیا۔ وہ حکم الہی کے مطابق نہ تو وہاں رہ سکتا ہے اور نہ اس کا وہاں سے گزر ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور

انھیں مخاطب کر کے کہا:

﴿هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى﴾ [طہ: ۱۲۰]

”بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور ایسی بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔“

﴿فَدَلُّهُمَا بِغُرُورٍ﴾ [الأعراف: ۲۲]

”غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو معصیت کی طرف کھینچ ہی لیا۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی جنت میں ان کے ساتھ موجود تھا۔ کچھ مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ عین ممکن ہے کہ وہ جنت میں سے گزرتے ہوئے ان سے ملا ہو، اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بھی جنت میں ٹھہرا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر یا آسمان کے نیچے سے آدم و حواء عليهما السلام کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہو۔ واللہ أعلم۔

آدم اور حواء عليهما السلام کے خلاف شیطان نے دشمنی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں جنت سے نکلوا دیا، نہایت مکر سے انھیں گمراہ کیا اور اپنے رب کی نافرمانی پر آمادہ کیا۔ جس کی سزا میں آدم عليه السلام کو جنت اور اس کی نعمتوں سے محرومی اور دکھوں کی جگہ زمین میں آباد ہونا پڑا۔ اس ممنوعہ درخت کا پھل آدم عليه السلام سے پہلے حواء عليها السلام نے کھایا اور انھیں بھی اس کے کھانے کی ترغیب دی۔ واللہ أعلم۔ ممکن ہے صحیح بخاری کی اُس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہو جسے حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه نے روایت کیا ہے جس میں ہے کہ نبی صلى الله عليه وسلم نے فرمایا:

”اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی خراب ہو کر بدبودار نہ ہوتا، اور اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے خیانت نہ کرتی۔“^①

اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ گوشت میں خراب ہونے کی خاصیت بنی اسرائیل کے بعد پیدا ہوئی، ایسا ہرگز نہیں! بلکہ خراب ہونے کی خاصیت تو پہلے بھی تھی، لیکن اس کا ظہور بنی اسرائیل کی اس حرکت سے ہوا کہ انھوں نے من و سلویٰ کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دی تھی، انھیں منع کیا گیا، لیکن وہ باز نہ آئے تو انھیں سزا دی گئی کہ ان کا کھانا اور گوشت گل سڑ جاتا تھا، ان سے پہلے کسی نے بھی گوشت

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۳۳۰)

کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی تھی اور نہ گوشت کی اس خصوصیت کا اظہار ہوا۔ اسی طرح حضرت حواء علیہا السلام نے شیطان کی چکنی چڑی باتوں سے متاثر ہو کر درخت کا پھل کھا لیا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کیا، چونکہ وہ بناتِ آدم کی والدہ ہیں تو ولادت کی وجہ سے بیٹیاں اس کے مشابہ ہو گئیں۔ وہ بھی بات کو بنا سنوار کر اپنے خاوند کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ اور کوئی عورت ایسی نہیں (الا ماشاء اللہ) جو اپنے قول و فعل سے خاوند کو بات ماننے پر آمادہ نہ کر لیتی ہو، یہی اس کی خیانت ہے۔ اس خیانت سے مراد بے حیائی اور بے شرمی نہیں، صرف ایسی بات کا مشورہ دینا مراد ہے جو خاوند کے لیے نقصان دہ ہو، یہ عورت کی سرشت میں داخل ہونے کی وجہ سے حواء کی تمام بیٹیوں میں موجود ہے۔^①

آدم علیہ السلام جنت میں کتنا عرصہ رہے؟

علمائے کرام کا اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں کتنا عرصہ رہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن نکالا گیا۔“^②

اگر مذکورہ بالا حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ جس دن ان کو پیدا کیا گیا، اسی دن انھیں نکالا گیا اور یہ سمجھا جائے کہ جنت کے ایک دن سے مراد موجودہ دنوں جیسی مدت ہے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ دنیا کے دن جیسے ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے، لیکن یہ رائے محلِ نظر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تخلیق اور دن ہوئی اور وہ جنت سے کسی اور دن نکلے، یا یہ کہا جائے کہ دن سے مراد چھ ہزار سال کی مدت ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور ابن جریر رحمہم اللہ نے چھ ہزار سال کی مدت کو ترجیح دی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنت میں طویل عرصہ ٹھہرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ”وحنا“ نامی مقام پر اتارا گیا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا، حواء علیہا السلام کو جدہ میں، ابلیس کو بصرہ سے چند میل دور دستیمان نامی جگہ میں اتارا گیا۔ جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

① فتح الباری (۶/۴۴۴)

② صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، رقم الحديث (۸۵۴)

”آدم علیہ السلام کو صفا پہاڑی اور حواء علیہا السلام کو مروہ پہاڑی پر اتارا گیا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا:

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو آپ کو ہر چیز بنانا سکھایا اور جنت کے کچھ پھل عطا فرمائے۔ اور کہا تمہارے یہ (زمینی) پھل، جنت کے پھلوں میں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان میں تبدیلی آتی ہے۔ (یعنی خراب بھی ہو جاتے ہیں) اور (جنت کے پھلوں) میں تبدیلی نہیں آتی۔“^①

اولادِ آدم علیہ السلام اور قصہ ہابیل و قابیل:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو کثیر اولاد عطا فرمائی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (آیت: ۱) میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا

بنایا۔ پھر ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔“

اولادِ آدم علیہ السلام کے متعلق سورۃ الاعراف (آیت: ۱۷۲) میں مزید فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا ۗ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾

”اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ہی

ان کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار ہوں کہ نہیں؟ کہنے لگے: کیوں نہیں، ہم

سب گواہ ہیں (کہ تو ہی ہمارا پروردگار ہے)۔“

یہ عہد ”أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کہلاتا ہے جو ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ سے بنی ترکیب ہے۔ یہ عہد حضرت

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

① مصنف عبد الرزاق، المستدرک للحاکم (۲/ ۵۴۳، رقم الحدیث: ۳۹۹۶)

”اللہ تعالیٰ نے اس دن ان سب کو جمع کیا جو آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ ان کو پیدا کر کے اور ان کی صورتیں بنا کر انھیں بولنے کی طاقت دی۔ جب وہ بولنے لگے تو ان سے عہد و پیمان لیا اور انھیں خود ان پر گواہ ٹھہرایا۔ فرمایا: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ انھوں نے کہا: ﴿بَلَىٰ شَهِدْنَا﴾ ”کیوں نہیں، تیرے رب ہونے کی ہم سب گواہی دیتے ہیں۔“^①

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں، قیامت کے دن یہ نہ کہنا: ہمیں اس کا علم نہ تھا۔ یاد رکھو میرے سوا تمہارا کوئی معبود ہے اور نہ کوئی مالک، میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلا کر تمہیں (اس کی خلاف ورزی کی سزا سے) ڈرائیں گے اور میں تم پر اپنی کتاب نازل کروں گا۔“ انھوں نے کہا: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب یا معبود نہیں۔“

چنانچہ اس دن انھوں نے تعمیل احکام کا اقرار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ آدم علیہ السلام کو ان پر بلند کیا، انھوں نے ان سب کو دیکھا، تو ان میں امیر، غریب، خوبصورت اور بدصورت افراد نظر آئے۔ انھوں نے عرض کی: ”یا رب! کاش! تو ان سب کو برابر کر دیتا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔“^②

آدم علیہ السلام کو ان میں پیغمبر بھی نظر آئے جو روشن چراغوں کی طرح منور تھے۔ ان سے رسالت و نبوت کا ایک خاص وعدہ بھی لیا گیا۔ اسی دوسرے میثاق انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا﴾ [الأحزاب: ۷]

”اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم

① مسند أحمد (۲۷۲/۱)

② تفسیر ابن کثیر (۲/ ۲۷۴) تفسیر سورة نور، سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، رقم الحديث (۴۷۰۳)

جامع ترمذی، تفسیر القرآن باب و من سورة الأعراف، رقم الحديث (۳۰۷۵) صحیح ابن حبان (۱۴/۸)

کے بیٹے عیسیٰ سے، عہد بھی ان سے پکا لیا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تب قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان آپ کی پشت سے ظاہر ہوگی۔ اللہ نے ہر ایک کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔ انھیں دیکھ کر آدم علیہ السلام نے کہا: یا رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیری اولاد ہے۔“ آپ کو ان میں ایک آدمی نظر آیا جس کی پیشانی کی چمک آپ کو بہت اچھی لگی۔ فرمایا: یا رب! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیری اولاد میں آخری زمانے کی قوموں میں سے ایک آدمی ہے، جس کا نام داود علیہ السلام ہوگا۔“

”فرمایا: یا رب! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ساٹھ سال“ آدم علیہ السلام نے فرمایا: یا رب! اسے میری عمر میں سے چالیس سال عطا فرمادے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر مکمل ہوئی تو موت کا فرشتہ آ گیا۔ انھوں نے فرمایا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں؟ اس نے کہا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو نہیں دے دیے تھے؟ آدم علیہ السلام نے انکار کیا، تو آپ کی اولاد میں بھی انکار کی عادت رہی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے، آپ کی اولاد بھی بھولنے والی ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی، آپ کی اولاد بھی غلطیاں کرنے والی ہوئی۔“^(۱)

نسل انسانی کی ابتدا:

کیا آدم وحواء علیہما السلام کے ہاں جنت میں اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے: ایک قول یہ ہے کہ ان کی سب اولاد زمین ہی پر پیدا ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق کچھ جنت میں بھی پیدا ہوئے تھے، جن میں قابیل اور ان کی بہن بھی شامل تھے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اولادِ آدم علیہ السلام میں سے ہابیل اور قابیل کا واقعہ یوں ذکر فرمایا:

﴿وَاتَّخَذَ عَلَيْهِمُ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَهُ يُنْقَبَلُ

مِنَ الْآخِرِ قَالَ لَا قُتِلْتَلْكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَنْتَقِبُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ [المائدة: ۲۷]

”(اے میرے نبی!) ان کو آدم کے دونوں بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات ٹھیک

ٹھیک پڑھ کر سنا دو، کہ جب ان دونوں نے اللہ کے لیے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں

{1} جامع الترمذی، أبواب التفسیر، باب و من سورة الأعراف، رقم الحدیث (۳۰۷۶) وقال: حسن صحیح.

سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی، (تب قابیل، ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا، اس نے کہا: اللہ تقویٰ والوں کا عمل قبول کرتا ہے۔“

اس سلسلے میں علمائے سلف کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ ان کے ہاں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور انھیں یہ حکم تھا کہ ہر لڑکے کی شادی، دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں اور دوسرے لڑکے کی شادی پہلے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں۔^(۱)

یعنی اس لڑکی سے شادی کرنا جائز نہ تھا جو لڑکے کے ساتھ پیدا ہوئی، لہذا اسی اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کو حکم دیا کہ اس سے نکاح کرے۔ لہذا ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، تو اس نے انکار کر دیا، کیوں کہ قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کے بجائے اپنی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی خود اس سے نکاح کر لے، حضرت آدم علیہ السلام نے اُسے سمجھایا، لیکن وہ نہ سمجھا، بالآخر آدم علیہ السلام نے دونوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔ ہابیل بھیڑ بکریاں پالتا تھا، اس نے ایک موٹا تازہ جانور قربان کیا۔ قابیل نے اپنی بھیتی میں سے نکلی فصل کا ایک گٹھا قربانی کے طور پر پیش کیا۔ آسمان سے آگ اتری، اس نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا، لیکن قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہو گیا، اس نے کہا: ”میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔ ہابیل نے کہا: اللہ تعالیٰ پر ہمیزگاروں کی (قربانی) قبول فرماتا ہے۔“^(۲)

ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب وہ دونوں قربانی دے رہے تھے تو آدم علیہ السلام بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی ہے، قابیل کی نہیں ہوئی۔ تب قابیل نے آدم علیہ السلام سے کہا: اس کی قربانی اس لیے قبول ہوئی ہے کہ آپ نے اس کے حق میں دعا کی تھی اور آپ نے میرے حق میں دعا نہیں کی۔ اس کے بعد اس نے تنہائی میں ہابیل کو دھکی دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

(۱) تاریخ الطبری (۱/ ۹۲)

(۲) تفسیر ابن کثیر (۲/ ۴۳- ۴۴) تفسیر سورة المائدة [آیت: ۲۷]

کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکی دی تو ہابیل نے کہا:

﴿لَيْنٌ بَسَطْتَ اِيَّيْكَ لِتَقْتُلَنِي مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَدَيَّ اِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۗ اِنَّ اِيَّيَّ اَخَافُ

اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [المائدة: ۲۸]

”اگر تو قتل کرنے کے لیے مجھ پر دست درازی کرے گا، لیکن میں تیرے قتل کرنے کے

لیے اپنا ہاتھ ہرگز نہیں بڑھاؤں گا، مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔“

اس سے ہابیل کے اچھے اخلاق، خدا خونی اور خشیتِ الہی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس سے اس کا تقویٰ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بھائی نے جو زیادتی کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس نے بدلے میں ایسی برائی کرنے سے پرہیز کیا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب دو مسلمان تلواریں لے کر (لڑنے کے لیے) ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں

(پھر جنگ کرتے ہیں) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے

عرض کی: ”اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے (اس لیے سزا کا مستحق ہے) مقتول کا کیا

معاملہ ہے (کہ اس مظلوم کو بھی سزا ملی)؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی بھی شدید

خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔“^①

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول! یہ فرمائیے کہ اگر کوئی مجھے قتل کرنے کے لیے

میرے گھر میں گھس آئے تو میں کیا کروں؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

”آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح بن جانا۔“^②

غرض ہابیل نے قابیل کو کہا: میں تجھ سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا، حالانکہ میں تجھ سے زیادہ قوی

اور مضبوط ہوں، باوجودیکہ تو نے ایک غلط کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو نے پہلے

جو گناہ کیے ہوئے ہیں ان کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی تیرے سر ہو، جیسا کہ سورۃ المائدۃ

(آیت: ۲۹) میں ہے:

﴿اِنَّ اِيَّيَّ اُرِيدُ اَنْ تَبُوَاْ بِاَيْمِيْ وَ اَيْمِيْكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ ۗ وَ ذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ﴾

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۷۰۸۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸۸۸)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸۸۶) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث (۴۲۵۶، ۴۲۵۷)

”میں چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ بھی اپنے سر پر رکھ لے۔ اور اہل دوزخ میں شامل ہو جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔“

حسد کی وجہ سے اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل کے لیے اُکسا ہی لیا:

﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِينَ﴾ [المائدة: ۳۰]

”پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا۔“

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک رات ہابیل کو جانور چراتے ہوئے (واپس آنے میں) دیر ہو گئی۔ آدم علیہ السلام نے اس کے بھائی قابیل کو بھیجا کہ معلوم کرے اسے کیوں دیر ہوئی ہے۔ وہ گیا تو اسے ہابیل مل گیا۔ اس نے کہا: تیری قربانی قبول ہو گئی ہے، میری نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔ اس پر قابیل کو غصہ آ گیا۔ اس کے پاس لوہے کی کوئی چیز تھی، اس نے وہ مار کر ہابیل کو قتل کر دیا۔^①

بعض علما نے فرمایا: ”ہابیل سو رہا تھا، قابیل نے ایک بڑا پتھر اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھیل دیا۔“ بعض علما فرماتے ہیں: ”اس نے زور سے اس کا گلا گھونٹا اور درندوں کی طرح اسے دانٹوں سے کاٹا، جس سے وہ فوت ہو گیا۔“ واللہ اعلم.

﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُورِثُ سُوءَ مَا أَخْبَاهُ ۗ قَالَ يُؤْتِكُنِي

أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِثِي سُوءَ مَا أَخْبَاهُ ۗ فَأَصْبَحَ مِنَ الْثٰمِرِينَ﴾

[المائدة: ۳۱]

”پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوئے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن دیتا؟ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔“

حضرت مجاہد، سدی، ابن جریر اور دیگر علماء رحمہم نے اس کی یہی تشریح کی ہے۔ حضرت عبد اللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① تفسیر ابن کثیر (۲/ ۴۴) تفسیر سورة المائدة [آیت: ۲۷، ۳۰]

”جو انسان بھی ظلماً قتل ہوتا ہے، اس کے (قتل کے) گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو بھی ملتا ہے، کیوں کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے قتل کیا تھا۔“⁽¹⁾

قائیل کو سزا:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جس دن قائیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا، اسی دن اسے سزا مل گئی، چنانچہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے چپک گئی۔ اس کو یہ سزا بھی دی گئی کہ سورج جس طرف ہوتا قائیل کا چہرہ اسی طرف رہتا۔ اس طرح اسے دوسروں کے لیے عبرت بنا دیا گیا اور اسے جلدی سزا مل گئی، کیوں کہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، سرکشی کی تھی اور اپنے سگے بھائی سے حسد کیا تھا۔“⁽²⁾

ظلم و زیادتی، اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ ہیں اور قائیل میں یہ دونوں گناہ جمع ہو گئے تھے۔ ”ان سے بڑھ کر کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دنیا میں بھی دے اور آخرت کا عذاب بھی اس کے لیے محفوظ ہے۔“ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ⁽³⁾

ہائیل کا خون کہاں ہوا تھا؟:

اس واقعہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شام کے دار الخلافہ دمشق کی شمالی جانب جبل قاسیون میں ایک غار ہے جسے ”مغارة الدم“ یعنی ”خونی غار“ کہا جاتا ہے اور یہ مشہور ہے کہ یہیں پر قائیل نے اپنی بھائی ہائیل کا خون بہایا تھا۔ یہ تو اہل کتاب سے ملنے والی روایات کے حوالے سے مشہور ہے ورنہ حقیقت کیا ہے، اُسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیت علیہ السلام کو وصیت:

ہائیل کے قتل ہو جانے کے بعد اللہ نے آدم و حواء علیہما السلام کو اس کا نعم البدل بیٹا عطا فرمایا، اور

{1} مسند أحمد (1/ ۳۸۳، رقم الحدیث: ۳۶۲۳) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۳۳۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۷۷)

{2} تفسیر ابن کثیر (۲/ ۴۸) تفسیر سورة المائدة [آیت: ۳۳] تہذیب البدایة لابن کثیر: (۹۱/ ۱)

{3} جامع ترمذی، رقم الحدیث (۲۵۱۱) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۲۱۱)

انہوں نے اس کا نام ”شیث“ رکھا، شیث کا معنی ہے: ”اللہ کا دیا ہوا تحفہ و ہدیہ“، اور یہ بھی نبی گزرے ہیں۔ محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹے ”شیث“ کے حق میں وصیت کی۔ انہیں رات اور دن کے اوقات اور ان اوقات میں ادا کی جانے والی عبادات کی تعلیم دی اور انہیں بتایا کہ ایک طوفان آنے والا ہے۔

کہتے ہیں کہ آج کل جتنے انسان موجود ہیں، ان کا نسب شیث علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد ختم ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

آدم علیہ السلام کی وفات کا دن:

جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے اس دن جمعہ تھا۔ فرشتے اللہ کے پاس سے جنت کی خوشبو اور جنت کا کفن لے کر آئے اور ان کے بیٹے اور خلیفہ شیث علیہ السلام سے تعزیت کی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: ”بیٹو! میرا جنت کے پھل کھانے کو جی چاہتا ہے۔“ وہ تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں سامنے سے فرشتے آتے ملے، جن کے پاس آدم علیہ السلام کا کفن اور خوشبو تھی اور ان کے پاس کلبھاڑے، کسیاں اور ٹوکریاں بھی تھیں۔ انہوں نے کہا: ”آدم کے بیٹو! تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟“ یا کہا: ”تم کیا چاہتے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہمارے والد صاحب بیمار ہیں اور جنت کے میووں کی خواہش رکھتے ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ”واپس چلے جاؤ! تمہارے والد تو فوت ہونے والے ہیں۔“ فرشتے جب (آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے) آئے تو حواء علیہا السلام نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ آدم علیہ السلام سے چٹ گئیں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھ سے الگ ہو جاؤ، (پہلے بھی) مجھے تمہارے ذریعے سے ہی مصیبت پہنچی تھی۔ مجھے میرے رب کے فرشتوں کے ساتھ رہنے دو۔“ فرشتوں نے ان کی روح قبض کی، غسل دیا، کفن پہنایا، خوشبو لگائی، آپ کی قبر کھودی اور لحد تیار کی۔ پھر انہوں نے آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی، پھر انہیں قبر میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر انہوں نے کہا: ”آدم علیہ السلام کے بیٹو! تمہارے لیے یہی طریقہ ہے۔“^①

① مسند أحمد (۵/۱۳۵) موقوفاً علیٰ أبی ابن کعب رضی اللہ عنہ۔

آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟:

حضرت آدم علیہ السلام کہاں دفن ہوئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ انھیں ہندوستان (کے پاس سری لنکا) میں اس پہاڑ کے قریب دفن کیا گیا جہاں انھیں جنت سے اتارا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں جبل ابی فنیس پر دفن کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے موقع پر ان کی اور حضرت حواء علیہا السلام دونوں کی میتوں کو ایک تابوت میں ڈال کر کشتی میں رکھ لیا تھا، پھر (طوفان ختم ہونے کے بعد) انھیں بیت المقدس میں دفن کر دیا تھا۔^①

اسی طرح آپ کی عمر کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوع حدیث ہے کہ لوح محفوظ میں ان کی عمر ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔^②

اس کے مقابلے میں تورات کے اس بیان کو اختیار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نو سو تین سال زندہ رہے۔ اہل کتاب کا یہ بیان ناقابل قبول ہے، کیوں کہ یہ اس صحیح بیان کے خلاف ہے جو معصوم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہم تک قابل اعتماد طریقے سے پہنچا ہے، ویسے ان کے قول اور حدیث میں مطابقت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ تورات کا بیان اگر غلطی اور تبدیلی سے محفوظ رہ گیا ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آنے کے بعد نو سو تین شمسی سال زندہ رہے۔ قمری حساب سے یہ مدت نو سو ستاون سال بنتی ہے۔ اس میں تینتالیس سال کی وہ مدت شامل کر لی جائے جو انھوں نے زمین پر آنے سے پہلے جنت میں گزاری تھی تو کل مدت ہزار سال ہو جائے گی، لہذا حضرت آدم علیہ السلام اپنی طبعی عمر گزار کر اور روئے زمین پر اپنی سوگوار بیوہ اور اولاد کو چھوڑ کر وفات پا گئے، اس طرح دنیا میں آنے والے پہلے جوڑے (آدم و حواء علیہما السلام) میں سے آدم علیہ السلام عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے، البتہ ان کی اولاد و احفاد کا سلسلہ جاری ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے فوت ہونے تک ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ کی تعداد چار لاکھ افراد تک پہنچ چکی تھی۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیت علیہ السلام نے ان کے کام (رشد و ہدایت اور

① تاریخ الطبری (۱/ ۱۰۵)

② مسند أحمد (۲۵۲/ ۱) صحیح ابن حبان ترتیب ابن بلبان (۴۱/ ۱۴)، رقم الحدیث: (۶۱۶۷)

تبلیغ) کی ذمے داری اٹھائی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو انھوں نے اپنے بیٹے ”انوش“ کے حق میں وصیت کی۔ چنانچہ انھوں نے یہ ذمہ داری اٹھائی۔ ان کے بیٹے ”قمین“ اور پھر ان کے بیٹے ”مابل ایل“ نے یہ منصب سنبھالا۔ ان کے بارے میں اہل فارس کا کہنا ہے کہ وہ ہفت اقلیم کے بادشاہ تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے درخت کاٹے، شہر بسائے اور بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بابل اور سوس (ایران) کے شہر انھوں نے ہی تعمیر کیے تھے۔ انھوں نے اہلیس کے لشکروں کو شکست دے کر زمین کے دور دراز علاقوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں منتشر کر دیا۔ انھوں نے بہت سے سرکش جن اور بھوت قتل کیے۔ وہ لوگوں سے خطاب فرماتے تھے۔ ان کی حکومت چالیس سال قائم رہی۔ ان کی وفات پر ان کے بیٹے ”یارد“ نے ان کا منصب سنبھالا۔ انھوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے ”انخون“ کے حق میں وصیت کی۔ مشہور قول کے مطابق انہی کو ”ادریس علیہ السلام“ کہا جاتا ہے۔

سورۃ الصافات (آیت: ۱۳۰-۱۳۱) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ الیاس، حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام مصر کے شہر ”منفیس“ یعنی ”معف“ میں پیدا ہوئے۔ لوگ انھیں ”ہرمس الہرامسہ“ کہتے تھے۔

ہرموس سریانی زبان کا ایک لفظ ہے۔ ہرموس کا معنی ”تجربہ کار مضبوط رائے والا“، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ بابل شہر میں پیدا ہوئے، پھر ہجرت کر کے مصر پہنچے۔ علم انساب کے اکثر علما کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام نبی ﷺ کے سلسلہ نسب میں شامل ہیں۔ آدم اور شیث علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے انھیں نبوت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَسْمِعِلْ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۗ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿۸۵﴾ وَادْخُلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۗ

[الأنبياء: ۸۵-۸۶]

”اور (اے نبی!) اسماعیل، اور ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔

ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا، بلاشبہ یہ نیک لوگ تھے۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت یوں فرمایا:

﴿وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۗ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ [مریم: ۵۶-۵۷]

”اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے۔ بلاشبہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔“

ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ یا ان کے دادا ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، ان کا زمانہ نبوت نویں صدی قبل مسیح ہے۔ ان کا تبلیغی مرکز بعلبک نامی شہر ہے جو شام میں واقع ہے، ان کی قوم بعل نامی بت کی پوجا کرتی تھی۔ اس کے معنی خاوند اور سردار کے ہیں۔ گویا اس بت کو انھوں نے دیگر تمام بتوں کا سردار مقرر کیا ہوا تھا۔

میری بہنو اور بھائیو! قرآن کریم میں بیان کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ اس کی اصل تخلیق مٹی اور نطفے کی طرف توجہ دلاتا ہے، تاکہ وہ اپنی اصل کو یاد رکھے اور اپنی حدود سے تجاوز کر کے اپنے مالک و رازق کا نافرمان اور ناشکر نہ بنے۔ اس کی نعمتوں کا شکر گزار رہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر کفر و سرکشی کا مرتکب نہ ہو۔

جب سے شیطان نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا ہے، اس وقت سے نیکی اور بدی، خیر اور شر، بھلائی اور برائی کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ شیطان اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ رات دن بنی آدم کو گمراہ کرنے، انھیں اپنے رب کا نافرمان بنانے، برائی میں ملوث کرنے، نیکی سے دور اور بدی میں مبتلا کرنے کے لیے سرگرم ہے۔

شیطان... انسان کا جانی دشمن:

آدم علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کا ازلی، کھلا اور جانی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظمت و رفعت عطا فرمائی تو یہ حسد کی آگ میں جل اٹھا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود، لعنتی اور جہنمی قرار پایا تو اس نے تا قیامت مہلت طلب کر لی، تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کر کے جہنم رسید کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی دشمنی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ [البقرة: ۱۶۸]

”اور شیطانی راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی ہے۔ یہ دونوں صفات انسان سے اعلیٰ اخلاق، جیسے: عدل و انصاف، خیر خواہی، بھلائی، سخاوت، دیانت، محبت و ایثار اور نرم روئی

کا مطالبہ کرتے ہیں، جبکہ انسان کا ازلی دشمن اسے برائی، بے حیائی، بخل، کنجوسی، غرور، تکبر، جھوٹ، لالچ، ہوس، کینہ اور حسد جیسے برے اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ حق اور باطل، خیر اور شر، نیکی اور بدی کی اسی جنگ میں انسان کی آزمائش، ابتلاء اور امتحان ہے۔ اگر خیر کو اپناتا ہے تو جنت اس کا مقدر ہے۔ اور اگر شیطانی مکر و فریب کا شکار ہوتا ہے تو اس کا ٹھکانا شیطان کے ساتھ جہنم کی گہائیاں ہوں گی۔ جس طرح آدم و حواء علیہما السلام شیطانی مکر کا شکار ہوئے، اسی طرح ان کی اولاد بھی شیطان کے فریب میں آسکتی ہے، انھیں بھی اپنے اس مرض کا علاج اس طرح کرنا چاہیے جس طرح ان کے والدین نے کیا تھا، لہذا ہمارے لیے بھی وہی طریقہ ہے، قرب الہی کے حصول، گناہوں کی بخشش، اور اپنے رب کی رضا اور انعامات کے حصول کی خاطر ہمارے لیے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ آج ہمارے پاس وقت ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی سیاہ کاریوں کو نیکیوں میں تبدیل کروالیں اور اپنے رب سے اس جنت کا سوال کریں جس کی چوڑائی زمینوں و آسمانوں کے برابر ہے۔ اور وہ ہی ہمارا آبائی گھر ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس چھوٹی سی محنت کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین

آخر میں انسان کی عزت و تکریم کے حوالے سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔

انسان کی عزت و تکریم: انسان کو مختلف کیڑے مکوڑوں یا بندر کی ارتقائی شکل قرار دینے والے کم عقل مستشرقین، اسلام کے چاند جیسے منور چہرے کو دھندلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”اسلام نے ابتدا ہی سے انسانی قدر و منزلت کا اعتراف نہیں کیا، جبکہ قرآن انسانی اصل کو حقیر و ذلیل گردانتا ہے۔“

قرآن حکیم میں بیان کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ اس کی اصل تخلیق مٹی اور نطفے کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصل کو یاد رکھے اور اپنی حدود سے تجاوز کر کے اپنے مالک و رازق کا نافرمان اور ناشکرانہ بنے۔ اس کی نعمتوں کا شکر گزار رہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر کفر و سرکشی کا مرتکب نہ ہو۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے کفر اور تکبر اور شیطان کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

هَذَا آخِرُ مَا أَرَدْنَا جَمْعَهُ حَوْلَ خَلْقِ الْعَالَمِ.

وصلی اللہ وسلم علی نبینا و انبیاء اللہ و رسلہ صلاۃً و تسلیماً.

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر ❁
- تفسیر احسن البیان ❁
- صحیح بخاری ❁
- صحیح مسلم ❁
- البدایہ والنہایہ: ❁
- تالیف: ابن کثیر
- تالیف: ابوالفداء ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ ترجمہ: مولانا عطاء اللہ ساجد رحمہ اللہ
- قصص الانبیاء: ❁

ہجری تقویم اور محرم الحرام حقیقت کے آئینے میں

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

ماہِ محرم کی فضیلت:

ماہِ محرم بہت ہی عظیم اور بابرکت مہینا ہے، یہ ہجری سال کا پہلا اور حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا سورۃ التوبہ (آیت: ۳۶) میں فرمان ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾

”بے شک مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں، یہی درست دین ہے۔“

﴿فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ یعنی ابتدائے کائنات کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں، ان میں قتال و جدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

”زمانہ گھوم گما کر پھر اس حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔“
اسی کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایک سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، تین پے درپے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا رجب ہے جو جمادئ الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔“^①

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۶۶۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹-۱۶۷۹)

اور زمانہ اسی حالت پر آ گیا ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت مشرکین عرب اپنے مقصد کے لیے مہینوں میں جو تقدیم و تاخیر کرتے تھے یہ اس کے خاتمے کا اعلان ہے۔ یعنی ان مہینوں کا اسی ترتیب سے ہونا جو اللہ نے رکھی ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں اور یہی حساب صحیح اور ان کا عدد مکمل ہے اور اب یہ گھوم گھما کر اسی ترتیب پر آ گئے ہیں جو ابتدائے کائنات کے وقت تھی۔

ان مہینوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا تَزِلُّوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ۖ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ [التوبة: ۳۶]

”تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔“

ان حرمت والے مہینوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرو۔ اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں، لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد، الا یہ کہ مشرکین آپ کو لڑنے پر مجبور کریں، پھر حرمت والے مہینوں میں بھی تمہارے لیے لڑنا جائز ہوگا۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی کفر و زیادتی اور گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُجَلِّونَهُ عَامًا وَيُحْمِلُونَهُ عَامًا

لِيُؤْطِئُوا عِدَّةَ مَا حَزَمَ اللَّهُ فَيُجَلِّوْا مَا حَزَمَ اللَّهُ﴾ [التوبة: ۳۷]

”مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں، پھر اسے حلال بنا لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔“

﴿النَّسِيءُ﴾ کے معنی پیچھے کرنے کے ہیں، عربوں میں بھی حرمت والے مہینوں میں قتال و جدال اور لوٹ مار کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا، لیکن مسلسل تین مہینوں کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قتل و غارت سے اجتناب ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے اس کا حل انہوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے

کہ اس کی جگہ فلاں مہینا حرمت والا ہوگا، مثلاً: محرم کے مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینا قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے مہینوں میں وہ تقدیم و تاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے، اسی کو نسی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے، کیوں کہ اس ادل بدل سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے خاتمے کا اعلان یہ کہہ کر فرما دیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آ گیا ہے، یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آرہی ہے۔

ایک مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے تھے، لیکن اللہ نے قتال و جدال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا اس کی انہیں کوئی پروا نہ تھی، بلکہ انہیں ظالمانہ کارروائیوں کے لیے ہی وہ ادل بدل کرتے تھے۔ اللہ کی کتاب میں مہینوں کی کل تعداد بارہ ہے، نبی ﷺ کی تعیین کے مطابق اسلامی سال کا پہلا مہینا محرم انہی چار مہینوں میں سے ایک ہے۔^①

اسی ماہ سے تمام مسلمانوں کے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اور تاریخ اسلام کا تمام تر سرمایہ انہی قمری مہینوں اور ہجری تاریخ ہی سے وابستہ ہے۔

میری بہنو! ہجری سنہ کا استعمال رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شروع ہوا، اس سے پہلے لوگ رسول ﷺ کے عہد میں ہجرت اور وفات کے درمیانی سنین کو خاص خاص ناموں سے موسوم کیا کرتے تھے، مثلاً ہجرت کے بعد والے سال کو ”سنہ اذن“ دوسرے کو ”سنہ امر بالقتال“ تیسرے کو ”سنہ تمحیص“ چوتھے کو ”سنہ ترفہ“ پانچویں کو ”سنہ الزلزال“ چھٹے کو ”سنہ استیناس“ ساتویں کو ”سنہ استغفار“ آٹھویں کو ”سنہ استوار“ نویں کو ”سنہ براءۃ“ دسویں کو ”سنہ وداع“ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے لیکن ظاہر ہے اس طرح سنین کا تسلسل قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔

لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سنہ ۱۷ ہجری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور

① تفسیر ابن کثیر (۳/۳۹۴)

حضرت علیؓ کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے واقعہ کو اسلامی سنہ کی ابتدا قرار دے کر اسلامی سنین کا شمار شروع کیا۔ چونکہ سنہ ۱۳ نبوت کے ماہ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا عزم کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند نکلا وہ محرم کا تھا اس لیے حضرت عثمانؓ کے مشورے سے محرم کو ہجری سال کا پہلا مہینا قرار دیا گیا۔^(۱)

1- ہجری تقویم کا شرف و فضیلت:

میری بہنو! دین کی حفاظت و صیانت اور اس کی سر بلندی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنا آبائی وطن مکہ مکرّمہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اس کی ابتدا آپ ﷺ کے جان نثار صحابہؓ نے کی تھی، یہ ہجری سنہ اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے اور اگر دینی حس بیدار ہو تو دین کی بقا اور سر بلندی کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

2- دائمی تقویم:

اسلامی یا ہجری تقویم کو یہ شرف و فضیلت بھی حاصل ہے کہ یہ جب سے تجویز ہوئی ہے اس میں کوئی ایک بھی تبدیلی نہیں لائی گئی جو دوسرے کیلنڈروں میں ہوتی رہتی ہے، کیوں کہ یہ انسانی دماغوں کی اختراع ہیں، اور ان کی بنیاد بھی کسی مضبوط چیز پر نہیں۔ مگر اسلامی کیلنڈر یعنی ہجری تاریخ میں خلافتِ حضرت عمرؓ سے آغاز ہونے سے لے کر آج تک کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اور نہ ہی رہتی دنیا تک اس میں کسی ترمیم و تہذیب کی ضرورت پیش آنے والی ہے، کیوں کہ اس تقویم کی بنیاد منشاء الہی کے عین مطابق چاند پر ہے اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے سنہ و سال کی تعیین کا ذریعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ سورت یونس (آیت: ۵) میں ارشاد الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرًا مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾

”وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ اس کے ذریعے سالوں کی تعداد اور حساب کتاب معلوم کر سکو۔“

(۱) فتح الباری، کتاب مناقب الأنصار، باب التاريخ، رقم الحديث (۳۴ ۳۹) رحمة للعالمين (ج: ۳)

اللہ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں بنائیں۔ وہ یہ دلائل اُن لوگوں کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو عقل رکھتے ہیں۔ اور ایک جگہ سورۃ البقرۃ (آیت: ۱۸۹) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ قُلُوبِهِمْ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَيِّجِ﴾

” (اے میرے نبی!) لوگ آپ سے چاند کی مختلف حالتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، انھیں بتادیں کہ یہ لوگوں کے لیے (کاروبار کے) اوقات اور حج کا وقت معلوم کرنے کے لیے ہے۔“

ارکانِ اسلام، حج و روزہ کا حساب اسی اسلامی کیلنڈر سے شروع کیا جاتا ہے۔ اور عیدین و قربانی جیسے شعائرِ اسلام کا تعلق بھی اسی اسلامی تقویم کے ساتھ ہی ہے۔ اس آیت سے اور مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ سال کے ۱۲ ماہ اور ہر ماہ کے آغاز اور تاریخ کا پتا چلانے کا ربانی ذریعہ چاند [ہلال] ہے، تمام شرعی امور، مثلاً: رمضان، حج، یومِ عرفہ، یومِ نحر و قربانی، یومِ عاشوراء، ایامِ تشریق اور ایامِ بیض چاند ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

3- مسلمانوں کے لیے انعام:

اس ہجری کیلنڈر کی ایک فضیلت و صفت یہ بھی ہے کہ اس میں عدل و انصاف اور مساوات و ہمہ گیری پائی جاتی ہے، مثلاً: اگر شمسی یا عیسوی تقویم کے حساب سے گرمی یا سردی کے کسی مہینے کو رمضان کی جگہ روزے کا مہینا قرار دے دیا جاتا تو یقیناً آدھی مسلم دنیا کو آسانی اور آدھی ہمیشہ کے لیے مشکل میں مبتلا ہو جاتی، کیوں کہ دسمبر کا مہینا جو نصف شمالی دنیا کے لیے سب سے سرد اور چھوٹے دنوں والا ہوتا ہے یہی مہینا نصف جنوبی دنیا کے لیے سب سے گرم اور طویل دنوں والا ہوتا ہے، مگر اسلام کی ہمہ گیری کا تقاضا یہ تھا کہ تمام عالمِ اسلام کو اس سلسلے میں برابری میسر آئے اور ہجری کیلنڈر کے حساب سے ماہِ رمضان کے روزوں کو یہ سہولت میسر ہے کہ پورے عالم کے مسلمانوں کو کبھی گرمی اور کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں میں پورے روزے رکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ (البحرہ - احمد عبدالغفور عطار)

میری بہنو! مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتنا بڑا انعام ہے، مگر آج کا مسلمان اپنی اس شناخت اور شاندار ماضی کی روایات کو نظر انداز کرتا جا رہا ہے۔ لوگ اپنی اصلی تاریخ سے نا آشنا ہو رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان آپ کو ایسے ملیں گے جنہیں ہجری تاریخ کا پتا تو درکنار، ہجری

سال کے بارہ مہینوں کے نام ہی آتے ہوں، اس سے بڑھ کر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ انگلش کیلنڈر کے پہلے مہینے کا آغاز ہو تو ہم ”پپی نیو ایئر“ کہتے ہوئے ایک دوسرے کو ملتے ہیں، لیکن اس کے برعکس جب ہمارا اپنا اسلامی سال شروع ہوتا ہے تو ”سال نو مبارک“ یا ”پپی نیو ایئر“ کہنا تو کجا، یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا، یعنی مسلمانوں کا سال شروع ہو چکا ہے۔ ہاں تاریخ کے ایک المناک سانچہ و حادثہ [شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ] کی وجہ سے صرف اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ محرم شروع ہو گیا ہے۔

4- سال نو کی مبارک دینا؟

نئے سال کی مبارک کے حوالے سے میں ایک بات کہتا چاہوں گی اور وہ یہ کہ اشیخ ابن باز، اشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہما اللہ، اشیخ صالح الفوزان رحمہما اللہ۔ ان سے پوچھا گیا کہ نئے ہجری سال کی مبارک باد دینے کا حکم کیا ہے؟ کیا ہمارے لیے ایک دوسرے کو نئے ہجری سال پر مبارک باد دیتے ہوئے خیر و برکت کی دعا دینا یا یہ کہنا کہ سال بھر تم خیریت سے رہو یا اسی طرح کا مسیح وغیرہ لکھنا جائز ہے؟ اگر کوئی ہمیں مبارک باد دے تو اسے جواب دینا چاہیے؟ اگر جواب دیں تو کیسے دیں؟ اس سوال پر شیخ رحمہما اللہ کا جواب تھا: صحیح یہی ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کو مبارک باد دیتا ہے تو اسے جواباً مبارک باد دو، لیکن نئے سال کی مبارک باد دینے میں خود پہل نہ کرو، مثلاً: اگر کوئی شخص آپ کو کہتا ہے: ہم آپ کو نئے سال کی مبارک باد دیتے ہیں، تو آپ اسے جواب میں یہ کہیں: اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و بھلائی عطا فرمائے اور اسے ہم سب کے لیے خیر و برکت کا سال بنائے، لیکن آپ خود پہل نہ کیجیے، کیوں کہ میرے علم میں نہیں کہ سلف رحمہما اللہ میں سے کسی ایک سے یہ ثابت ہو کہ وہ نئے سال پر کسی کو مبارک باد دیتے ہوں۔ اور ہاں یہ بات بھی آپ کے علم میں ہونا ضروری ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محرم کے مہینے کو نئے سال کی ابتدا نہیں بنایا، بلکہ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شروع ہوا تھا۔^①

اسی طرح امام احمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ میں نئے سال کی مبارک باد دینے میں ابتدا نہیں کروں گا، لیکن اگر مجھے کوئی مبارک دے تو میں جواب ضرور دوں گا، کیوں کہ جواب دینا ضروری ہے، لیکن مبارک دینے کی ابتدا کرنا سنت نہیں اور نہ ہی اس کا حکم دیا گیا ہے اور نہ ہی اس سے روکا گیا ہے۔

① موسوعة اللقاء الشهري و الباب المفتوح، سوال نمبر (۸۵۳) طبع اول، ناشر مکتب الدعوة و الإرشاد عنيزة القصيم.

5- اللہ کا مہینا:

اسلامی سال کا یہ پہلا مہینا بڑی فضیلت و عظمت والا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہِ محرم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے اسے ”شہرُ اللہ“، یعنی ”اللہ کا مہینا“ قرار دیا ہے۔^①

اس مہینے کی حرمت کی تاکید کے لیے اسے محرم کا نام دیا گیا۔ چنانچہ ان حرمت والے چار مہینوں میں گناہوں سے خصوصی طور پر پرہیز کریں، کیوں کہ ان مہینوں میں گناہ دیگر مہینوں کی نسبت زیادہ سنگین ہے۔ اگرچہ ظلم کسی بھی وقت ہو وہ جرم ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں میں ظلم کو مزید سنگین قرار دیا ہے۔ اس لیے ہمیں بھی ان کی عظمت کا اعتراف کرنا چاہیے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے عظمت بخشی ہے اور مسلمانوں کے اسلامی سالِ نو کا آغاز بڑے ہی مہذب و مقدس انداز سے ہونا چاہیے۔

6- محرم کے روزے کی اہمیت:

ماہِ محرم کے ساتھ ہی ہم چونکہ اپنی عمر عزیز کے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں، لہذا ہمیں اس نئے سال کا پُر جوش اور بھرپور استقبال کرنا چاہیے۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سالِ نو کا افتتاح روزے رکھ کر کیا جائے جو عبادت کے ساتھ ساتھ شکرانِ نعمت بھی ہوگا۔ ماہِ محرم کا روزہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے، ماہِ محرم کے روزوں کے بارے میں صحیح مسلم اور سننِ اربعہ: ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا:

«أَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ؟»

”رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افضل روزے کون سے ہیں؟“

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«شَهْرُ اللَّهِ الَّذِي تَدْعُونَهُ الْمُحَرَّمَ»^②

”اللہ کے اس مہینے کے روزے جسے تم محرم کہتے ہو۔“

اگر زیادہ نہ ہو سکیں تو کم از کم ایامِ محرم کے سرتاج دن ”یومِ عاشوراء“ کا روزہ تو ضرور ہی رکھنا

چاہیے، کیوں کہ اس کی فضیلت کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

① مختصر صحیح مسلم للمنذري بتحقيق الباني (ص: ۱۶۰)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۵۵، ۲۰/۱۱۹۳)

”میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ یومِ عاشوراء کا روزہ گذشتہ پورے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔“^①

بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا تو پوچھا:

« مَا هَذَا الْيَوْمِ الَّذِي تَصُومُونَ؟ »

”تم لوگ جس دن کا روزہ رکھتے ہو یہ کیا ہے؟“

تو انھوں نے بتایا کہ یہی وہ مبارک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ان کے دشمن [فرعون اور اس کے لشکر] سے نجات دلائی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا تو اس پر بطور شکرانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا، لہذا ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَىٰ بِمُوسَىٰ »^②

”حضرت موسیٰ علیہ السلام پر [بحیثیتِ نبی] میرا حق تم سے زیادہ ہے۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، لیکن یہودیوں کے روزے کی مشابہت دور کرنے کے لیے یومِ عاشوراء سے ایک دن پہلے نو محرم کا روزہ بھی رکھو۔^③

لہذا نو کا روزہ رکھنا مسنون ہے، کیوں کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

« لَيْسَ عِشْتُ إِلَىٰ قَابِلٍ لِأَصُومَنَّ الْيَوْمَ التَّاسِعَ »

”اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو میں نو محرم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔“

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشادِ گرامی ہے:

”کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔“^④

چنانچہ دس محرم کے ساتھ نو محرم کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ کسی وجہ سے نو محرم کا روزہ نہ رکھا جاسکے

① صحیح مسلم مع نووي (٤٩ / ٨ / ٤)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (٢٠٠٤)

③ مصنف عبد الرزاق (١٥ / ٢٨٧، رقم الحدیث ٧٨٣٩) و سندہ صحیح، السنن الكبرى للبيهقي (١٠ / ٢٨٧)

④ صحیح مسلم (١ / ٧٩٨) و شرحه للنووي (٨ / ١٢)

تو دس اور گیارہ محرم کا روزہ رکھنا چاہیے۔

میری بہنو! محرم کے مہینے میں نبی ﷺ کی احادیث میں روزے کے علاوہ اور کچھ ثابت نہیں، جو کچھ بھی ہے باطل ہے، مثلاً:

- 1- یوم عاشوراء کو اس نیت سے سرمہ لگانا کہ سارا سال ہماری آنکھیں ٹھیک رہیں گی۔
- 2- اسی طرح اچھا لباس پہننا۔
- 3- اپنے گھر والوں کے لیے کھانے میں کشادگی کرنا۔
- 4- مخصوص نماز ادا کرنا، ان کاموں کے فضائل میں ایک بھی حدیث ثابت نہیں۔
یہ بدعت اور غیر مشروع ہے۔^①

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یوم عاشوراء کو جو کھانے پکانے اور تقسیم کرنے کے طور پر منایا جاتا ہے، یہ بدعت ہے، یہ اصل میں ناصبیوں یعنی اہل بیت کی شان میں تنقیص کرنے والوں کی بدعت ہے۔ اور جو اس میں ماتم کیا جاتا ہے یہ اس سے بھی بدترین بدعت ہے، اور یہ رافضیوں یعنی صحابہ کرام کی شان میں تنقیص کرنے والوں کی معروف بدعت ہے۔“^②

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”جس نے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑا اور جاہلیت والے بول بولے، وہ ہم میں سے نہیں۔“^③

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ ادنیٰ مشابہت سے بھی بچنا چاہیے، خواہ وہ عبادت میں ہو یا عقائد ہو، عادات و اطوار میں ہو یا رسم و رواج میں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))^④

”جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔“

① شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ، المجموع للفتاویٰ (۲۶ / ۲۵۲)

② منہاج السنۃ (۸ / ۱۵۳)

③ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۳)

④ صحیح البخاری معلقاً، رقم الحدیث (۲۹۱۶) صحیح أبي داود، رقم الحدیث (۴۰۳۱) صحیح الجامع، رقم الحدیث (۲۸۳۱) مسند أحمد، رقم الحدیث (۵۱۱۴)

سالِ نو کے پیغامات:

میری بہنو! اسلامی سالِ نو اپنے ساتھ کئی پیغامات لاتا ہے:

سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عمر کا ایک اور سال مکمل کر دیا ہے، یعنی ہماری کل عمر میں سے ایک سال اور کم ہو گیا ہے۔ اس لیے ہمیں فکر مند ہونا چاہیے کہ ہماری عمر کا ٹیلنس کم ہو رہا ہے۔ اور سالِ نو کے آغاز کو موقعِ غنیمت سمجھتے ہوئے یہ دعائیں مانگنا چاہیے:

اے اللہ! ہمارے اچھے ہوئے پیچیدہ انفرادی، جماعتی اور ملکی و عالمی مسائل کو سلجھا دے۔

اے ہمارے رب! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! اسلام اور ہمارے مقدس مقامات

کا تحفظ فرما۔ اے اللہ! شام، یمن اور برما سمیت تمام مسلمانوں کو جہاں جہاں بھی مسلمان پریشان ہیں

ان سب کی پریشانیوں کو دور فرما دے۔ اے اللہ! ہمیں صحت و عافیت اور جانی و مالی خوشی عطا فرما۔

اے اللہ! اس نئے سال میں ہمیں سالِ ماضی کی نسبت کارِ خیر اور نیکی و تقویٰ کی زیادہ سے زیادہ توفیق

سے نواز۔ اللہ! ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی

کوشش کرنی چاہیے۔

محاسبہٴ نفس:

اسلامی سال کے آغاز پر ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی ہمت و فکر کے مطابق اپنے سالِ ماضی کا

بھرپور جائزہ لے کہ میں نے ارکانِ اسلام اور اللہ و رسول ﷺ کے احکام میں کہاں کہاں کوتاہی کی

ہے؟ اور کن کن نیک کاموں میں حصہ لیا ہے؟ اور ہم نے نیکیاں کر کے کیا کمایا، اور برائیوں میں پڑ

کر کیا گنوا یا ہے، کیوں کہ نامہٴ اعمال کے میزان پر رکھے جانے سے پہلے ہمیں خود اپنے اعمال کا

جائزہ لیتے رہنا چاہیے، کیوں کہ اللہ والے تو ہر رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں

کہ آج ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ چنانچہ اپنی سوچ و فکر اور ترجیحات کا معیار بلند کریں۔ اور توجہ ان

چیزوں پر دیں جو ہمارے دین و دنیا کے لیے نفع بخش ہوں، کیوں کہ انسان خود عظیم نہیں ہوتا، بلکہ

اس کا کردار عظیم ہوتا ہے۔

بہت ہی خوش نصیب ہے وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا موقع مل جائے، یہ

اس کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ اطاعت گزاری کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے اوپر عائد ہونے والے اللہ رب العزت کے حقوق پہچان لیں، کیوں کہ اطاعت گزاری انسان کو بلند یوں تک لے جاتی ہے، اور اطاعت گزاری والا شخص دنیا و آخرت میں معزز و مکرم ہوتا ہے، بلکہ برگزیدہ ترین شخصیات کی رفاقت بھی پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور یہی جنت میں جانے کا باعث بھی ہے۔

میری بہنو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری سے انسان اپنے مستقبل سے بے خوف ہو جاتا ہے اور اس سے دل کی اصلاح بھی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں پورا جسم صحیح رہتا ہے۔ اطاعت گزاری شیطان کے خلاف محاذ آرائی میں کارگر ہتھیار ہے، اور مومن ان سے بھرپور استفادہ کرتا ہے، اسی لیے مومن اپنے رب سے اطاعت گزاری پر ثابت قدمی کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوں ہی بے کار پیدا نہیں کیا اور یہ کہ ہم جو چاہیں کرتے پھریں! اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں، اللہ نے ہمیں پیدا کیا پھر ہماری طرف رسول بھیجے، اپنی کتابیں اتاریں اور پھر ان کے ذریعے ہمیں زندگی گزارنے کا ضابطہ بتایا ہے۔ تاکہ ہم ان کے طریقے کے مطابق اللہ کی اطاعت و بندگی کریں، کیوں کہ یہ دنیا جائے امتحان اور فانی ہے اور آخرت نتائج کی جگہ اور دائمی ہے۔ اور اچھے نتائج کے بدلے تو جنت ہی ہے۔

ہم تو جنت کے رہائشی ہیں، وہ جنت جہاں پر ہمارے باپ حضرت آدم ﷺ رہا کرتے تھے۔ ہمیں تو وقتی طور پر زمین پر اتارا گیا تاکہ ہم ایک چھوٹا سا امتحان پاس کر کے دوبارہ اپنے آبائی وطن لوٹ سکیں۔ اس زمین پر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے آبائی وطن، یعنی جنت کے لیے بھرپور کوشش کرے۔ تاکہ وہاں سب ایک ساتھ جنت میں رہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک کو جنت سے نوازا جائے اور دوسرے کا ٹھکانا جہنم ہو۔ چنانچہ دنیاوی رعنائیوں میں دل مت لگائیں، کیوں کہ ہرگز رتا لمحہ آپ کو قبر اور حساب کے قریب دھکیل رہا ہے۔

زندگی جس قدر بھی لمبی ہو جائے آخرت کے مقابلے میں انتہائی مختصر ہے اور خواہشات لازوال ہیں۔ لہذا مختصر زندگی کو لازوال زندگی کے لیے غنیمت سمجھیں اور اپنی باقی سانسوں کو کامیابی کا ضامن بنالیں۔ اگر آج ہم اپنا محاسبہ کرتی رہیں گی تو کل قیامت کے دن حساب دینا آسان ہوگا۔

ورنہ اس دن یہ آرزوئیں کوئی فائدہ نہ دیں گی:

﴿يَلِيَّتَنِي كُنْتُ تُرَبًّا﴾ [النبا: ٤٠] ”کاش! میں مٹی ہوتا۔“

﴿يَلِيَّتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي﴾ [الفجر: ٢٤]

”اے کاش! کہ میں نے اپنی اُس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا۔“

﴿يُوَيْلِيُنِي لَيْتَنِي لِمَ اتَّخَذْتُ لِفُلَانٍ خَلِيلًا﴾ [الفرقان: ٢٨]

”ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔“

﴿يَلِيَّتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ٧٣]

”کاش! کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔“

﴿يَلِيَّتَنِي لِمَ أَشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ [الكهف: ٤٢]

”کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا۔“

﴿يَلِيَّتَنَّا تَرَدُّدٌ وَلَا نَكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الأَنْعَام: ٢٧]

”ہائے افسوس! کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو

ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔“

مگر ایسی آرزوئیں اور ارمان موت کے بعد پورے ہونا ناممکن ہے، لہذا اسی زندگی میں اپنی

اصلاح یعنی محاسبہ نفس بہت ضروری ہے، کیوں کہ یہ وہ دن ہے جس کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ تَعْرِضُونَ لَا تُخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ [الحاقة: ١٨]

”جس دن تم بارگاہِ الہی میں پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز اس دن چھپا نہیں رہ سکے گا۔“

یہ وہ کتاب ہوگی جس کو دیکھ کر انسان کہے گا:

﴿وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَىٰ الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَتَنَا مَا لِ هَذَا

الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾ [الكهف: ٤٩]

”اور نامہ ہائے اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے، پس تم مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ اس کی

تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہونگے اور کہہ رہے ہونگے: ہائے افسوس! ہماری کم بختی! یہ کیسی

کتاب ہے جس میں کوئی چھوٹا بڑا عمل شمار کیے بغیر نہیں چھوڑا گیا۔“

اور سورۃ الحاقۃ (آیت: ۱۹ تا ۲۴) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِرَبِّهِ فَ يَقُولُ هَذَا مَا أَدْرَعُوا كِتَابِيَهُ﴾

”سو جسے اُس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔“

جو اُس کی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہوگا۔

﴿إِنِّي كُنْتُ مِنَ الْمُلِقِ حَسَابِيَهُ﴾

” (وہ کہے گا) مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔“

یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔

﴿فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾

”پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا، بلند و بالا جنت میں۔“

﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۲﴾ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾

”جس کے میوے (پھل) جھکے پڑے ہوں گے۔ اُن سے کہا جائے گا مزے سے کھاؤ،

پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔“

یعنی دنیا میں جنہوں نے اعمالِ صالحہ کیے ہوں گے جنت ان کا صلہ ہے، وہ جنت جس میں

مختلف درجات ہوں گے، ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہوگا۔^①

جنت کے پھل جنتیوں کے اتنے قریب ہوں گے کہ اگر کوئی لیٹے لیٹے بھی توڑنا چاہے گا تو

ممکن ہوگا۔ اور اس سے اگلی آیت میں اس کے برعکس لوگوں کا ذکر کیا ہے:

﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لِمَ أُوتِيَ كِتَابِيَهُ﴾ [الحاقۃ: ۲۵]

”اور اگر کسی کو اُس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا کہ کاش! مجھے میری

کتاب دی ہی نہ جاتی۔“

کیوں کہ نامہ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا بدبختی کی علامت ہوگا۔

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۷۹۰)

﴿وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَّةٌ﴾ ”اور میں جانتا ہی نہ کہ میرا حساب کیا ہے۔“

یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا، کیوں کہ سارا حساب ان کے خلاف ہوگا۔

﴿يَلْبِثُهَا كَأَنِّ الْقَاضِيَةَ﴾ ”کاش! کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی۔“

یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تا کہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

﴿مَا أَخْلَى عَيْنِي مَا لِيَّةٌ﴾ ”میرے مال نے بھی مجھے کچھ فائدہ نہ دیا۔“

آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا، اور میں اکیلا ہی یہاں سزا بھگتتے پر مجبور ہوں۔

﴿هَلَكَ عَيْنِي سُلْطَانِيَّةٌ﴾ ”مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی۔“

﴿حُدُودٌ فَخْلُودٌ﴾ ”(حکم ہوگا) اسے پکڑ لو، پھر اسے طوق پہنا دو۔“

﴿ثُمَّ أَلْجِئِمَ صَلْوَةٌ﴾ ”پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔“

اللہ تعالیٰ یہ حکم ملائکہ جہنم کو دے گا۔

﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾

”پھر اسے ایسی زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے، (اس سے) جکڑ دو۔“

﴿إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾

”بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔“

یہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اس دن کے لیے کچھ تیاری

کر لیں، تاکہ اللہ کے حضور شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ان تمام سزاؤں سے جو جہنم کی ہیں ان سے اپنے

آپ کو بچالیں اور جنت کے مالک بن جائیں۔

پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے قبل غنیمت:

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”پانچ چیزوں سے قبل پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھیں:

1- بیماری سے قبل صحت و تندرستی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ جب تک آدمی تندرست ہوتا ہے کشادہ دلی

اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے، لیکن بیماری کی حالت میں گرانی محسوس ہونے لگتی ہے۔

2- فقر و تنگدستی سے قبل خوشحالی۔

3- مصروفیت سے قبل فرصت۔“

میری بہنو! وقت اور سمجھ ایک ساتھ خوش نصیب لوگوں کو ملتے ہیں، کیوں کہ اکثر وقت پر سمجھ نہیں آتی اور سمجھ آنے تک وقت نہیں رہتا۔ آج اللہ نے آپ کو وقت دیا ہے اور وقت اللہ کی وہ بیش بہا نعمت ہے جو اپنے مخصوص انداز اور مقررہ رفتار کے ساتھ گزرتا چلا جا رہا ہے۔ اور ہر آنے والا سال گذشتہ سال کو ماضی بنا دیتا ہے۔ سال تو اللہ کے حکم کے مطابق آتے اور گزرتے رہیں گے مگر اس وقت کو انسان نے کس طرح اور کن حالات میں گزارا، وہ باقی رہ جائے گا۔

4- بڑھاپے سے قبل جوانی کو۔

اس لیے کہ اپنے ماضی کے آئینے میں جھانک کر مستقبل کے لیے بہترین پروگرام مرتب کریں، اور اپنے اللہ سے تجدیدِ عہد کریں کہ اے میرے رب! میں آج سے ہی سابقہ تمام کوتاہیوں کا یکے بعد دیگرے ازالہ کرتی رہوں گی۔

5- موت سے قبل مہلتِ زندگی کو۔

کیوں کہ موت کے ذریعے انسان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اور جب انسان اور عمل کے درمیان موت رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے تو انسان دنیا کی طرف واپس آنے کی تمنا کرنے لگتا ہے، تاکہ اسے عمل کا دوبارہ موقع مل سکے، لیکن اُس وقت حسرت و ندامت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔^(۱)

میری بہنو! میرے اور آپ کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر انھیں اپنی طرف متوجہ کر کے یہ حدیث ارشاد فرمائی: اے عبد اللہ بن عمر! اپنے نفس کا محاسبہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم سے اللہ کے حقوق میں کتنی کوتاہی ہوئی ہے اور بندوں کے حقوق میں کتنی؟ کیوں کہ اس سے حالات درست ہو سکتے ہیں، اور نفس کا دنیا کی طرف میلان ختم کر کے اسے عبادت میں لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”جب شیطان کو جنت سے نکالا جا رہا تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسم میں روح رہے گی۔“

{1} شعب الإيمان للبيهقي (۱۰۲۴۸) صحيح الجامع الصغير (۱۰۷۷) مشکاة بتحقيق الألباني (۵۱۰۲)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”میں اپنے بندوں کو اس وقت تک بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔“^①

چنانچہ یہ ماہ محرم (سنہ ۱۲۴۰ھ) ہمیں پیغام دے رہا ہے کہ اپنی زندگی کو مفید، بامقصد اور صحیح کاموں میں استعمال کیا جائے اور اچھے اعمال کے ذریعے ان گھڑیوں کو اپنے حق میں حجت بنایا جائے تاکہ کل آنے والے وقت میں کامیابی نصیب ہو اور اللہ رب العزت کے سامنے مایوسی اور محرومی سے بچ سکیں اور اس کے لیے ذہنی و عملی طور پر تیاری کرنی چاہیے، مثلاً:

✿ سب سے پہلے اللہ کے حقوق ادا کرنے میں کوئی سستی یا غلطی نہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کے تعلق کو مضبوط بنائیں۔ اور اس کی ظاہری و باطنی نعمتوں کا اعتراف کریں۔

✿ اسی طرح ہر قسم کی عبادات کو شوق و رغبت اور اتباع رسول ﷺ کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اور اتباع رسول ﷺ میں ہی مسلمانوں کی کامیابی ہے۔

✿ ایسے ہی اپنے والدین کی خدمت اور رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے میں بہتری لانے کی کوشش کریں۔ یعنی حقوق والدین اور حقوق عباد کا خیال رکھیں۔ کیوں کہ اتفاق سے رہنا مسلمان کی خاص شان ہے اور جو میاں بیوی ہمیشہ ناراض رہتے ہیں، انھیں خوش اسلوبی کے ساتھ رہنے کا عہد کرنا چاہیے جسمانی اور ذہنی طور پر ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔

میری بہنو! منزل پر وہی پہنچتا ہے جس کو حق کی تلاش ہو۔ شوہر ہو یا بیوی ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا معاملہ کریں۔ مرد کے لیے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”مومن مرد کو چاہیے کہ وہ مومنہ عورت سے بغض نہ رکھے، اگر اس کی کسی ایک عادت تم ناپسند کرتے ہو تو دوسری خوبی تمہارے لیے رضا مندی اور خوشی کا سبب ہو سکتی ہے۔“^②

✿ اہل خانہ اور بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دینا اپنا فرض سمجھیں۔

✿ نفع مند علم حاصل کرنا، ذاتی اصلاح کی منصوبہ بندی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیمار کی

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۵۴۲)

② صحیح مسلم (۱۰۹/۲)

تیار داری کرنا بھی اجر و ثواب کے کاموں میں سے ہے۔

❁ اسی طرح معاشرے کے پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کرنا اور اعمال خیر میں بیش از پیش حصہ لینے کی کوشش کرنا اجر کے کام ہیں۔ لہذا ہر انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو نیکی کی کاموں میں مصروف رکھے، تاکہ آپ کا تعلق آپ کے رب کے ساتھ مضبوط بنا رہے۔

❁ محرم حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ اس کی حرمت کا لحاظ رکھیں اور اس مہینے میں ہر ایسا کام کرنے سے بچیں جو کسی بھی طرح سے اس کی حرمت کو پامال کرتا ہو۔ ہر قسم کے جھگڑے اور فتنہ و فساد سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

❁ اپنی بہنوں اور بھائیوں کی جان، مال اور عزت کی حرمت کا خیال رکھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع

پر فرمایا:

”تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت ہے۔“^①

❁ لہذا زبان اور عمل دونوں سے ہر ایسے کام سے بچیں جو دوسروں کی اذیت اور تکلیف کا باعث بنے یا جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
ہمیں فکرِ دین کی توفیق سے نوازے اور ہم سب کو صحیح دین اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۷۳۹، ۶۷۸۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۷۹)

مصادر ومراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر (جلد: ۳)
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ ماہ محرم
- ✽ صدیق اکبر
- ✽ چند بدعات اور ان کا تعارف
- ✽ محرم الحرام
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: مولانا محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادی
- ✽ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- ✽ تہذیب: ابو عدنان محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ ومولانا عبدالسلام رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

نوجوانانِ جنت کے سردار... حسین رضی اللہ عنہما

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اللہ کے نزدیک شہدا کا بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ شہادت اور اس کے فضائل کی تفصیل میں جانے سے پہلے میں نوجوانانِ جنت کے سرداروں کی مختصر سیرت بیان کرنا چاہتی ہوں۔

« قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رِيحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا »^①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حسن اور حسین دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔“

اس حدیث کی ترجمانی شاعر نے بڑے پیارے انداز میں فرمائی ہے:

کیا بات ہے رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہراء ہے کلی جس میں حسن اور حسین پھول

1- تاریخِ ولادتِ حسن رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے گلشن میں یہ پھول سنہ تین ہجری میں کھلا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب پیدا ہوئے تو رمضان کا مقدس مہینا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ غزوہ بدر کے تقریباً ایک سال بعد شعبان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی اور خوش قسمت انسان تھے کہ جن کا نام خود نبی کریم ﷺ نے تجویز کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام حرب رکھا۔ نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ”اپنا بیٹا مجھے دکھاؤ اور اس کا نام کیا رکھا ہے تم نے؟“ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: حرب۔

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۹۹۴)

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس کا نام حسن ہے۔

حضرت حسن... آج ہم سب کے لیے یہ نام بہت معروف اور جانا پہنچانا ہے، مگر اُس وقت یہ شاید عام نام نہیں تھا جب ان کا نام رکھا گیا، اس دور میں ایسے نام رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ سب کو عجیب لگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نام کو سب کے دلوں میں محبوب بنا دیا۔ اور ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کی یہ کنیت آپ کے نانا رسول اللہ ﷺ نے ہی رکھی تھی۔ اگرچہ محمد نام کا ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت خو برو، حسین اور پر وقار شخصیت کا مالک بنایا تھا۔ انھوں نے ہمیشہ دوسروں کی ذات کے حوالے سے فرائض ادا کرنے کو ترجیح دی۔ وہ پرہیزگاری اور زہد و تقویٰ کی بہترین مثال تھے۔ فصاحت و بلاغت کی خوبی ان کی شخصیت کی پہچان تھی، وہ بہت بردبار اور نرم مزاج تھے۔ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و زیادتی کو انھوں نے ہمیشہ تحمل سے برداشت کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ انھیں تکلیف پہنچاتے ہیں، اس کا سبب ان کی جہالت ہے۔ اسی لیے وہ ان سے درگزر فرمایا کرتے تھے۔

2- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت:

نبی ﷺ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت انس اور محبت تھی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جبکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے کندھوں پر تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔“¹

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دی تھی کہ وہ ایک خاص مقام اور فضیلت والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ ﷺ ایک بار لوگوں کو دیکھتے، دوسری مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف نظر کرتے اور فرماتے:

”بے شک یہ میرا بیٹا سردار ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔“²

1} صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۷۴۹)

2} صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۷۴۶)

3- نبی کریم ﷺ کا پیغام امت کے نام:

رسول کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کی دعوت دی اور فرمایا: ”جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ حسن سے بھی محبت کرے۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ دوسرے لوگوں تک اس پیغام کو پہنچا دیں۔“⁽¹⁾

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی یہ محبت ایک خاص معنی رکھتی تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اکثر اپنے نانا جان حضرت محمد ﷺ سے کھیلا کرتے تھے۔ آپ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے یوں کھیلنے سے بہت زیادہ لطف اندوز ہوتے تھے۔ کھیلتے وقت بچے جو شرارتیں کرتے ہیں، جس طرح ناز دکھاتے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی ویسے ہی کرتے تھے اور آپ ﷺ اسے برداشت فرماتے اور تخیل کا مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار عشاء کی نماز میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب سجدے کے لیے سر جھکاتے تو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی پشت پر چڑھ جاتے۔ جب آپ ﷺ سجدے سے سر اٹھاتے تو دونوں کو شفقت و پیار سے پکڑ کر زمین پر بٹھا دیتے۔ جب نماز مکمل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو اپنی رانوں پر بٹھا لیا۔ میں نے عرض کی: کیا میں انھیں ان کی والدہ کے پاس لے جاؤں؟ اس وقت آسمان پر بجلی چمکی تو آپ ﷺ نے ان دونوں سے کہا: ”جاؤ اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بجلی چمکتی رہی یہاں تک کہ وہ دونوں اپنی والدہ کے پاس جا پہنچے، رسول اللہ ﷺ، حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو اکثر اپنے کندھے پر اٹھا لیتے تھے۔

4- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ:

امام زہری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سب سے زیادہ رسول اکرم ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔⁽²⁾ اسی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کے دل بے اختیار محبت سے لبریز ہو جاتے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب لوگوں کی نظر آپ پر پڑتی تو انھیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹے ہوئے دن یاد آجاتے، ان کے دلوں پر غم کا

(1) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۷۶۹)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۷۵۲)

سایہ سا چھا جاتا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے، بعض لوگ تو بلند آواز سے رونے کے قریب ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب بھی ان کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں پر نم ہو جاتیں۔

5- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے رب سے مناجات (سرگوشی) کرنا:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت عبادت گزار تھے، ایک شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے رب کے حضور رقت آمیز لہجے میں مناجات و سرگوشی کرتے سنا تو اس نے آپ سے کہا:

”کیا آپ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس تو نجات کے راستے موجود ہیں، آپ رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں، آپ اس قابل ہیں کہ نبی ﷺ آپ کی شفاعت کریں اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جہاں تک میرا رسول اللہ کے نواسہ ہونے کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ [المومنون: ۱۰۱]

”جب صور پھونکا جائے گا تو لوگوں کے درمیان تعلقات (رشتے ناتے) نہیں رہیں گے۔“

رہی شفاعت کی بات، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی

اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔“ (سورۃ البقرہ، آیۃ الکرسی)

رہا رحمت کا معاملہ! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَسَأَلْتُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزُّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾

[الأعراف: ۱۵۶]

”میں عنقریب یہ رحمت متقی اور زکات دینے والوں اور ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے

لوگوں کے لیے لکھ دوں گا۔“

6- عجیب منظر:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت سخی تھے، آپ کے اس عمل کا اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کتنے

دریا دل تھے۔ ایک بار ایک باغ کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کے قدم ٹھٹھک گئے۔ بڑا عجیب

منظرنگا ہوں کے سامنے تھا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک حبشی غلام زمین پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے

ساتھ ہی ایک کتا بھی بیٹھا تھا۔ غلام ایک لقمہ خود کھاتا اور دوسرا لقمہ اس کتے کے منہ میں ڈالتا تھا۔ کچھ دیر اس منظر کو دیکھنے کے بعد حضرت حسنؑ نے قدم اس غلام کی طرف بڑھا دیے۔ قریب جا کر اس سے کہا: ”اے غلام! یہ کیا ماجرا ہے؟ تمہیں اس کام پر کس نے ابھارا ہے؟“ غلام مسکرایا اور بولا: ”مجھے اس بات سے بہت حیا آتی ہے کہ میں خود کھاؤں اور اسے نہ کھاؤں۔“

حضرت حسنؑ یہ بات سن کر کچھ سوچنے لگے۔ پھر اس غلام سے کہا: ”تم یہیں ٹھہر کر میرا انتظار کرنا، میں ابھی آتا ہوں“ اتنا کہہ کر حضرت حسنؑ اس غلام کے آقا کے پاس گئے، اور اس غلام کو اس باغ سمیت خرید لیا جس میں وہ موجود تھا۔ پھر واپس اس غلام کے پاس پہنچے۔ غلام وہیں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ حضرت حسنؑ نے کہا: ”میں نے تمہیں اور اس باغ کو خرید لیا ہے۔“ غلام نے حیرت سے اس وجیہہ نوجوان کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ ”آج سے تم آزاد ہو اور یہ باغ تمہارا ہے۔“

✿ حضرت حسنؑ جب بات کرتے تو بہت حسین بات کرتے۔

✿ کسی کے ہم نشین ہوتے تو اس کی زندگی کو حسین بنا دیتے۔

✿ خاموش ہوتے تو ان کی خاموشی میں بھی دلکشی ہوتی۔

✿ جواب دیتے تو بہت شاندار جواب دیتے۔

✿ کسی کو کچھ عنایت کرتے تو خوب عطا کرتے۔

7- پاکیزہ زبان:

حضرت حسنؑ بہت پاکیزہ زبان کے مالک تھے، ان کی زبان سے کبھی کوئی بر یا سخت کلمہ ادا نہیں ہوا۔ حضرت حسنؑ کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے نوازا تھا، آپ کی خوبیوں کا اندازہ آپ کے ان اقوال سے لگایا جاسکتا ہے:

① آپ سے دریافت کیا گیا کہ غنیمت کیا ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا: تقویٰ میں رغبت اور دنیا میں زہد، یہی غنیمت ہے۔

② بیوقوفی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

”گھٹیا پن کی پیروی کرنا اور گمراہوں کی صحبت اختیار کرنا بیوقوفی ہے۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لوگوں کی ہلاکت تین چیزوں میں ہے: تکبر، لالچ اور حسد۔ تکبر کی وجہ سے شیطان لعنتی ٹھہرا۔ اور لالچ نفس کا دشمن ہے، اسی لالچ کی بنا پر آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ اور حسد برائی کا جاسوس ہے، اسی حسد کی وجہ سے قاتیل نے ہائیل کو قتل کیا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی ایسے حکمت بھرے اقوال کی عکاسی کرتی ہے۔

8- خلافت کی ذمہ داری:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں خلافت کی ذمہ داری ادا کرنے کا وقت آ گیا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد میں شہید کر دیا گیا تو لوگوں کی نگاہیں خلافت کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھیں، کیوں کہ آپ کی عادات و اخلاق قابل تعریف تھے۔ آپ ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہتے تھے۔ سخاوت اور بہادری آپ کی شان تھی، بردباری اور صبر آپ کی پہچان تھی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو خلیفہ چننے پر متفق ہو گئے تو لوگوں نے بیعت کرنا شروع کی۔ تقریباً چالیس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ آپ تقریباً سات ماہ عراق، خراسان، حجاز اور یمن کے علاقوں میں خلیفہ رہے۔

ادھر ملک شام میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے بڑھ کر فتنہ و فساد کو ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے خط کتابت کے ذریعے ان سے رابطہ قائم رکھا اور باہمی تعلقات کو بہتر بنا یا۔ اور ان سے یہ وعدہ کیا کہ اگر انھیں (معاویہ رضی اللہ عنہ کو) کوئی حادثہ پیش آ گیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ زندہ ہوئے، تو وہ خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کریں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دینے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن کچھ لوگوں نے امیر معاویہ کی خلافت کو پسند نہ کیا، وہ چاہتے تھے کہ امیر المؤمنین کا منصب، یعنی خلافت صرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی کی ہو۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میں نے ایک رائے قائم کی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ تم اس میں میری پیروی کرو۔“

میں نے کہا: ”وہ رائے کیا ہے؟“

حضرت حسنؑ نے کہا: ”میرا خیال ہے، میں مدینہ کا قصد کروں (مدینہ چلا جاؤں) اور وہاں قیام کروں اور خلافت والا معاملہ معاویہؓ کے لیے چھوڑ دوں، کیوں کہ یہ فتنہ طول پکڑ گیا ہے، خون ریزی بھی ہو چکی ہے اور راستے بھی منقطع ہو چکے ہیں۔“

عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

”اللہ تعالیٰ آپ کو امتِ محمدیہ کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے!“

حضرت حسن بن علیؑ خلافت کے حق دار ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ صرف اور صرف اس لیے کہ مسلمانوں کو آپس کی خون ریزی سے بچایا جائے۔ جبکہ ہر فرد اپنے حق کا تحفظ چاہتا ہے، حق مانگتا ہے، اگر نہیں ملتا تو چھین لیتا ہے، لیکن یہ ان لوگوں کا دستور ہے جنہیں دنیا سے پیار ہے اور جنہیں آخرت کی فکر ہو، اپنی عاقبت کا احساس ہو وہ حق چھیننا تو ایک طرف رہا، اپنا حق بھی قربان کر دیتے ہیں۔

میری بہنو! خاندانِ نبوت کا یہ شہزادہ بھی حق پر تھا، لیکن انھوں نے مسلمانوں کو آپس کی خون ریزی سے بچالیا اور یوں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔^①

لوگ ان کے زہد و تقویٰ کے معترف تھے، ان کے صبر، برداشت اور تحمل کو جانتے تھے، حق کے لیے ان کی ثابت قدمی کو مانتے تھے، لیکن فتنہ و فساد اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانے سے بچنے کے لیے انھوں نے اپنا حق قربان کر کے تو ایک نادر مثال قائم کر دی۔

خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد لوگوں کو اکٹھا کر کے حضرت حسنؑ نے حکمت و دانائی سے بھرپور خطاب فرمایا:

”لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے پہلے والوں کے ذریعے سے تم کو ہدایت دی اور بعد والوں کے ذریعے تمھاری خون ریزی بند کروائی۔ لوگوں سنو! دانائیوں میں سے بہترین دانائی تقویٰ ہے اور شکستوں میں سب سے بری شکست بد اعمالی ہے، اور یہ خلافت کا معاملہ جس کا میرے اور معاویہؓ کے درمیان اختلاف تھا، یا تو وہ اس کے مجھ سے زیادہ حق دار

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۷۴۶)

ہیں یا یہ میرا حق ہے جسے میں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، اُمتِ محمدیہ کی بہتری اور تمہارے درمیان خونریزی بند کرنے کی خاطر چھوڑ دیا ہے۔“

اسی بات پر سب کا اتفاق ہوا اور یوں آپس میں مسلمانوں کی صلح ہو گئی، یہ سنہ ۴۰ ہجری کی بات ہے۔ صلح والا یہ سال مسلمانوں میں ”عام الجماعة“ کے نام سے مشہور ہے، کیوں کہ مسلمانوں کا تفرقہ مٹ گیا اور وہ متحد ہو کر ایک جماعت بن گئے۔ اہل کوفہ میں بعض لوگوں نے صلح کرنے پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو طعنے بھی دیے، لیکن آپ نے ہر طعنے کو صبر سے برداشت کیا اور اپنی اس رائے پر قائم رہے جس میں اُمت کی صلاح و فلاح کے سوا کچھ پیش نظر نہ تھا۔

صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ چلے گئے اور باقی عمر اپنے نانا کے شہر مدینہ منورہ میں بسر کر دی۔ ان کے وقت کا زیادہ تر حصہ عبادتِ الہی میں صرف ہوتا تھا۔ جب آپ کی عمر سینتالیس سال ہوئی تو آپ اس دارِ فانی سے دارِ البقاء میں چلے گئے۔ آپ کی وفات پر آپ کے بھائی محمد بن علی آپ کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے:

”اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ یقیناً آپ کی زندگی کی عزت آپ کی وفات سے زیادہ مضبوط ہو گئی ہے اور وہ روح بہت ہی خوب تھی جو آپ کے جسم کے ساتھ مل گئی تھی اور وہ جسم بہت ہی اچھا ہے جسے کفن نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ ہدایت کا جو ہر، متقیوں کے دوست اور (اہل بیت پر مشتمل) چادر والوں میں سے پانچویں فرد ہیں۔ آپ کو حق والی ہتھیلیوں نے غذا کھلائی اور آپ نے اسلام کی گود میں تربیت پائی۔ اگر چہ آپ کی جدائی کی وجہ سے ہمارے دل خوش نہیں ہیں، لیکن آپ کے لیے ہماری خیر و بھلائی میں قطعاً شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب وفات پا گئے ہیں۔“

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے ابو محمد! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ یقیناً حق کے حمایتی تھے۔ آپ نبوت کی نسل سے ہیں اور حکمت و دانائی کا دودھ پینے والے ہیں۔ سو آپ اپنی روح کے ساتھ

خوشبودار پودوں اور پر نعمت جنت کی طرف سدھاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے لیے اجر و ثواب کو عظیم بنا دے۔“

وفات سے قبل آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے گھر میں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اجازت دے دی، لیکن مروان بن حکم اور بنو امیہ میں سے ان کے ساتھی آڑے آگئے اور انہوں نے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن کرنے سے روک دیا۔ آپ کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں خون بہانے سے روکا ہے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے لڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔

یہ تھی مختصر سیرت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر (جلد: ۳)
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح ترمذی
- ✽ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رضی اللہ عنہ
- ✽ تالیف: اشفاق احمد خاں

سیرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ

اللَّهُ لَهُمْ خَيْرٌ الرّٰزِقِينَ﴾ [الحج: ۵۸]

”اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (اس کی رضامندی کے لیے) ہجرت کی (وطن چھوڑا) پھر وہ شہید کر دیے گئے یا اپنی موت سے مر گئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ ان کو بہترین رزق عطا فرمائے گا اور بے شک اللہ ہی سب روزی دینے والوں میں سے سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔“

مقام و مرتبہ شہداء:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شہادت کے مقام و مرتبے کی بڑی وضاحت بیان فرمائی، اس سلسلے میں قرآن کریم کے ایک دو نہیں بکثرت مقامات پر جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت اور مقام و مرتبہ شہادت کی رفعت و منزلت کو بیان فرمایا ہے۔ آپ مترجم قرآن پاک اٹھائیں، زیادہ نہیں تو کم از کم سورۃ البقرہ کی آیات: [۱۵۴، ۱۹۰، ۲۱۸]، سورۃ آل عمران کی آیات: [۱۵۷، ۱۶۹ تا ۱۷۷]، سورۃ النساء کی آیات: [۷۴ تا ۹۵]، سورۃ الانفال کی آیت: [۷۴]، سورۃ التوبہ کی آیات: [۲۰، ۴۱]، [۱۱۱] اور سورۃ الحج کی آیت: [۵۸] کی تلاوت کریں اور ان کا ترجمہ دیکھیں کہ شہادت کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اور ان کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟ اللہ رب العزت نے ان کے لیے کہیں فرمایا ہے:

”فی سبیل اللہ شہادت پانے والے لوگوں کو مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی

زندگی کا شعور نہیں۔“

اور کہیں انھیں رحمتِ الہی کے امیدوار فرمایا، اور کہیں رحمت و بخشش کو اُن کا مقدر بتایا ہے۔ کہیں فرمایا ہے کہ انھیں اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے، اور وہ اللہ کے فضل و احسان اور نعمت و کرم پر خوش ہوں گے، اور کہیں پر فرمایا کہ انھیں کوئی غم یا خوف نہیں ہوگا۔ اور کئی مقامات پر ان کے لیے اجرِ عظیم اور بلند درجات ذکر فرمائے ہیں، اور انھیں ہمیشہ کے لیے رضائے الہی اور دائمی جنت کی نعمتیں ملنے کی خوشخبری دی گئی ہے۔“

حدیثِ رسول ﷺ کے حوالے سے شہداء کا مقام:

قرآنی آیات کے علاوہ بے شمار احادیث میں بھی جہاد و مجاہدین اور شہادت و شہداء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جنت میں سو درجات رفیعہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔“^①

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

”مجھے دو آدمی اپنے ساتھ لے کر اوپر چڑھ گئے اور ایک ایسے گھر میں داخل کر دیا کہ «لَمْ أَرَفْ أَطْحَسَنَ مِنْهَا» ”میں نے اس سے بڑھ کر خوبصورت گھر کبھی دیکھا ہی نہیں۔“ اور انھوں نے مجھے بتایا: ”یہ گھر شہداء کے لیے تیار کیا گیا ہے۔“^②

شہداء کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلند مقام اور قربِ خاص سے نوازے گا، اور پھر اللہ ان سے پوچھے گا: ”کیا تمہیں کسی اور نعمت کی تمنا ہے؟“ وہ کہیں گے: ”اے اللہ! ہمیں جو نعمتیں میسر ہیں، ان سے بڑھ کر اور کیا طلب کریں؟ ہاں اگر ممکن ہو تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید ہوں۔“^③

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کا بہت بڑا مقام ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

① صحیح البخاری مع الفتح (۱۴/۲۷۹۰)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۴/۶، ۲۷۹۱)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۹/۶، ۲۸۱۷)

”جہاد فی سبیل میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے زخموں سے ایک ایسا رنگین مادہ بہہ رہا ہوگا جس کا رنگ خون کا اور خوشبو کستوری کی ہوگی۔“⁽¹⁾

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہجرت کے چوتھے سال، شعبان کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے آپ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

آپ کی پیدائش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپ کو گھٹی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے آپ کا نام حسین رکھا۔ ساتویں دن آپ کا عقیدہ کیا گیا اور سر کے بال مونڈھے گئے۔

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آپس میں گہری محبت رکھتے تھے۔ ان کی عمروں میں تقریباً ایک سال کا فرق تھا، لیکن ان کی آپس میں محبت دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ جڑواں بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین رضی اللہ عنہ اور خاص طور پر حسین رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی سے اس بات کی تربیت دی تھی کہ بڑوں کا احترام کس طرح کیا جاتا ہے اور چھوٹوں سے کس طرح شفقت سے پیش آتے ہیں۔ دونوں کی باہمی محبت کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے ان والدین کی گود میں پرورش پائی جو آپس میں محبت کرنے والے تھے اور بلاشک والدین کی باہمی محبت اور احترام متبادل سے اولاد پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس محبت میں احترام نہ ہو، وہ ناقص اور ادھوری ہوتی ہے۔ احترام مکمل ہی محبت سے ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے، اور ان کا ہر حکم خوش دلی سے تسلیم کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا عالم:

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

”حسن اور حسین دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔“⁽²⁾

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۸۰۳، ۶/۲۴)

(2) ترمذی، الحاکم (۳۷۶۸) الصحیحۃ للالبانی (۲/۴۲۵) مسند أحمد (۳/۱۱۰۱۲)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے ضرورت کے تحت رسول اللہ ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس چادر کے نیچے کیا ہے۔ جب میں اپنی ضرورت سے، جس کے لیے حاضر ہوا تھا، فارغ ہوا تو میں نے عرض کی: ”آپ نے یہ چادر کس پر اوڑھ رکھی ہے؟“ آپ ﷺ نے چادر اٹھائی تو آپ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھتے ہیں۔“^①

رسول اللہ ﷺ کو دونوں نواسے دل و جان سے زیادہ عزیز تھے، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے انھیں بے انتہا محبت تھی۔ یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے، اللہ اس سے محبت کرے! حسین میری اولاد کی اولاد ہے۔“^②

نبی کریم ﷺ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو اکثر ان کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے:

”أَعِيذُكُمْ بِاللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَأَمَةٍ“^③

”میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ذریعے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں ہر ایک شیطان کے شر سے، اور زہریلے جانور (سانپ، بچھو وغیرہ) سے اور ہر ایک آنکھ سے جو لگ جائے (یعنی نظر بد سے)۔“

پھر نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”تمہارے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام انہی کلمات کے ساتھ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔“ (حوالہ سابقہ)

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۷۴۷)

② سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۷۷۵) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۱۴۴) مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۷۱۱۱) حدیث حسن.

③ صحیح البخاری (۱۹/۴)، رقم الحدیث: (۳۳۷۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ رسول ﷺ کی محبت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: مروان بن حکم میری بیماری کے دنوں میں میرے پاس آیا اور پوچھا: ”ابو ہریرہ! جب سے میرا آپ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا ہے، جو چیز میں نے سب سے زیادہ محسوس کی ہے وہ آپ کی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے محبت ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیماری کی حالت میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

”ایک دفعہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے راستے میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے اپنی سواری کو تیز کیا اور ان کے قریب آ کر اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ”کیا بات ہے میرے بیٹے کیوں رو رہے ہیں؟“ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”پیاں کی وجہ سے۔“

میری بہنو! اس بات پر غور کریں تاکہ جب بھی آپ ٹھنڈا بیٹھا پانی پیئیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔ آپ ﷺ نے پانی تلاش کیا مگر نہ مل سکا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا، لیکن کسی سے بھی پانی نہ ملا۔ اللہ اکبر! آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ایک بچہ مجھے پکڑ دو۔

آپ ﷺ نے بچے کو پکڑ کر سینے سے لگایا، لیکن بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے اپنی زبان مبارک بچے کے منہ میں ڈال دی۔ بچے نے زبان کو چوسنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گیا۔ پھر ہم نے اس کے رونے کی آواز نہیں سنی۔ پھر آپ ﷺ نے دوسرے بچے کو پکڑ کر اسی طرح کیا، وہ بھی خاموش ہو گیا۔ کیا یہ واقعہ دیکھنے کے بعد بھی میں ان سے محبت نہ کروں۔

رسول اللہ ﷺ کی اس شدید محبت، پیار اور شفقت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے گہری محبت رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد دیگر صحابہ کرام بھی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے محبت اور ان کا دلی احترام کرتے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت نبی کریم ﷺ سے بہت ملتی تھی، ان کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی یاد آ جاتی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی ہمیشہ کوشش ہوتی کہ وہ ان کے قریب رہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کیفیت یہ تھی کہ انھیں ہر اس چیز سے محبت تھی جس سے رسول اللہ ﷺ کو محبت ہوتی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے:

”مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے محمد ﷺ کے قرابت

داروں (رشتے داروں) سے ملنا اپنے قرابت داروں سے ملنے سے زیادہ عزیز ہے۔“

اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ بھی دونوں بھائیوں کی بہت عزت و توقیر کرتے، اور ان سے بہت پیار کرتے۔ انھوں نے جب و طائف کے لیے فہرستیں مقرر کروائیں تو اصحاب بدر کے ساتھ ساتھ ان کے لیے بھی پانچ ہزار درہم مقرر کر دیے۔ حضرت حسینؑ جب کبھی سواری پر سوار ہونے لگتے تو عبد اللہ بن عباسؓ ان کی سواری کی رکاب تھام لیا کرتے تھے اور اس کو اپنے لیے ایک نعمت اور اعزاز سمجھتے تھے۔ عزار بن حریثؓ سے روایت ہے کہ عمر و بن عاصؓ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، ان کی نظر حضرت حسینؑ پر پڑی تو فرمایا:

”یہ زمین پر رہنے والوں میں سے، آسمان والوں کو زیادہ محبوب ہے۔“

جب کبھی حضرت حسینؑ خانہ کعبہ کا طواف کرتے، لوگ سلام کے لیے ان کی طرف ٹوٹ پڑتے، ایک ہجوم اکٹھا ہو جاتا۔ صحابہ کرامؓ کی یہ محبت ان کے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک یکساں انداز میں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان میں رسول اللہ ﷺ کی صفات دیکھتے تھے۔

آپ کی عبادت:

حضرت حسینؑ کی ذاتی زندگی عبادت، پختہ ایمان اور تقویٰ کا بہترین نمونہ تھی۔ وہ بہت زیادہ عبادت گزار اور کثرت سے روزے رکھتے، حج ادا کرتے۔ آپ کی دعاؤں اور عبادت کے دوران عجز و نیاز سے آپ کا تقویٰ بہت نمایاں ہو کر سامنے آجاتا تھا ہے۔ آپ اس طرح اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے:

”اے اللہ! تو ہی ہر مصیبت میں مجھے ثابت قدم رکھنے والا ہے۔ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ ہر تکلیف کو دور کرنے والا، ہر نعمت عطا کرنے والا تو ہی ہے جس کو تو تکلیف دے دے، اس پر احسان کرنے والا بھی تو ہی ہے۔

”اے میرے معبود! تو نے مجھے نعمتیں عطا کی ہیں، مجھے شکر کرنے والا نہیں پایا۔ مجھے آزمایا، مجھے صبر کرنے والا نہیں پایا، تو نے میری ناشکری کی وجہ سے مجھ سے نعمتیں نہیں چھینیں اور نہ ہی میری بے صبری کی وجہ سے میری تکلیف ہمیشہ رہنے دی۔“

حضرت حسینؓ بہت زیادہ سخی تھے، حضرت حسینؓ کہا کرتے تھے: ”جس نے سخاوت کی وہ سرداری حاصل کر گیا، جس نے بخیلی کی اس نے ذلت کمائی۔“ اور یہ فرماتے: ”جو کسی کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اچھا بدلہ دے گا اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ اور وہ فرمایا کرتے تھے: ”اے لوگو! سخاوت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرو۔“ ان سے جو بھی سوال کرتا، اس کو اتنا دیتے کہ اس کی فقیری دور ہو جاتی، تنگ دستی مٹ جاتی۔ سیدنا حسینؓ کا معمول تھا کہ کسی سوالی کو خالی نہیں لوٹاتے تھے۔

بہادری و شجاعت اور ثابت قدمی، حضرت حسینؓ کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ ایک دفعہ حضرت حسنؓ نے ان سے کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ تمہاری حوصلہ مندی سے کوئی حصہ مجھے بھی مل جائے۔“ حضرت حسینؓ فرمانے لگے: ”میں چاہتا ہوں کہ آپ کی قوت گویائی (فصاحت و بلاغت) سے مجھے بھی کچھ حصہ مل جائے۔“ لیکن نصیب تو اللہ لکھتا ہے۔ لہذا حضرت حسینؓ کی زندگی کے ایام یوں ہی گزر گئے حتیٰ کہ شہادت کا وقت آ گیا۔

شہادت حسینؓ:

میری مسلمان بہنو! سالِ نواپنے ساتھ جو یادیں اور پیغامات لاتا ہے انہی میں سے تاریخ اسلام کا ایک انتہائی اندوہناک واقعہ شہادت حسینؓ بھی ہے، لہذا واقعہ شہادت حسینؓ کی تفصیلات میں جانے سے پہلے ہم آپ کو شہادت حسینؓ کے بارے میں کچھ احادیثِ رسول ﷺ اور حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے والے ظالموں کے انجام کے بارے میں کچھ بتادیں۔

شہادت حسینؓ کے متعلق حدیثِ رسول ﷺ:

1] حضرت حسینؓ کی شہادت کے بارے میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:

”بارش کے فرشتے نے نبی ﷺ سے اذنِ باریابی کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا: ہمارے اوپر دروازہ بند رکھو تا کہ کوئی داخل نہ ہونے پائے، یہاں تک کہ حضرت حسین بن علیؓ کو دتے ہوئے آگئے، اور اندر داخل ہو گئے، اور نبی ﷺ کے کندھے پر چڑھنے لگے تو یہ دیکھ کر فرشتے نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا آپ ﷺ کو ان سے محبت ہے؟ فرمایا: ہاں! فرشتے

نے عرض کی: آپ کی امت ان کو قتل کر دے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ قتل کیے جائیں گے؟ یہ کہہ کر فرشتے نے اپنا ہاتھ مارا اور نبی ﷺ کو سرخ مٹی دکھائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ مٹی لے لی اور اپنی اوڑھنی کے ایک کنارے میں اس کو باندھ لیا۔^①

حدیث کے راوی ثابت بنانی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ جگہ کربلا ہے یا وہ کربلا میں شہید کیے جائیں گے۔ حافظ نور الدین دمشقی رضی اللہ عنہ نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔
2 دوسری حدیث جو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں وہ فرماتی ہیں:

”رسول اللہ ﷺ ایک دن لیٹے اور جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کسی قدر سست اور افسردہ تھے۔ پھر آپ ﷺ دوبارہ لیٹ گئے اور سو گئے اور جب بیدار ہوئے تو سست تھے، مگر پہلے سے کم، اس کے بعد آپ ﷺ پھر لیٹ گئے اور جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کیسی مٹی ہے؟ فرمایا: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ (حسین رضی اللہ عنہ) کو عراق کی سر زمین میں قتل کیا جائے گا، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا: مجھے اس زمین کی مٹی دکھاؤ جس پر وہ قتل کیا جائے گا تو انھوں نے مجھے یہ مٹی دی۔“^②

3 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

”میں نے نبی ﷺ کو دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ پر اگندہ بال غبار آلود حالت میں کھڑے ہیں اور آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک بوتل ہے جس میں خون ہے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جو آج میں اس میں جمع کرتا رہا ہوں، ہم نے اس دن کو شمار کیا تو یہ وہی دن تھا جس میں وہ قتل کیے گئے تھے۔“^③

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے متعلق جن حدیثوں کو پیش کیا گیا ہے، ان سے جہاں

① مسند امام أحمد (۱۳۸۳۰، ۱۳۵۷۳) مجمع الزوائد للہیثمی .

② مستدرک للحاکم (۴۸۷۱)

③ مسند امام أحمد (۲۵۵۳، ۲۱۶۵)

ان کی (اور ان کے بیٹوں، بھتیجیوں اور ساتھیوں کی) شہادت کا ثبوت ملتا ہے وہیں ان سے یہ تعین بھی ہو جاتا ہے کہ ان کو کربلا میں شہید کیا گیا تھا۔

یہ ایک ناخوشگوار حادثہ تھا جو وقوع پذیر ہوا، اور عواقب و انجام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ امتِ مسلمہ کے لیے ایک منحوس ترین واقعہ ثابت ہوا، کیوں کہ اس کے بطن سے بے شمار بُرائیوں اور گمراہیوں نے جنم لیا اور اس سے بدعات و خرافات کا وہ طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ اس دن کا جو اصل و مشروع کام تھا وہ بدعات کے اس طوفان میں مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جبکہ ماہِ محرم کا وہ دن جسے رسول اللہ ﷺ نے روزے کا دن قرار دیا اور اسے کفارہٴ سینات ٹھہرایا تھا (افسوس کہ) اُس دن روزہ رکھنے کے بجائے بے شمار بدعات و خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور حلیم و بریانی اڑائی جاتی ہے۔

واقعہ کربلا اور حضرت حسین و یزید کے بارے میں غیر صحیح روایات کا اتنا انبار لگا دیا گیا ہے کہ ان کے سبب بہت سے اہل علم بھی حقائق کا سراغ لگانے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اب تو صورتِ حال یہ ہو گئی ہے کہ محرم کا مہینا شروع ہوتے ہی حادثہ کربلا کی یاد شروع ہو جاتی ہے، اسٹیج سجنے لگتے ہیں اور شیعوں و خرافیوں ہی کے حلقے میں نہیں، بلکہ خرافات سے خود کو مستثنیٰ سمجھنے والوں کے حلقوں میں بھی بڑا زور و شور پیدا ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اہل حدیث، اہل سنت اور حلقہٴ دیوبند کے اسٹیج و صحافت سے بھی انھیں موضوع و مجمل روایات کا بیان بلا نقد و تحقیق ہونے لگتا ہے۔ اور بڑے بڑے ثقہ حضرات تک فضائلِ محرم و حادثہ کربلا و شہید کربلا سے متعلق بے سرو پا روایات کو پورے زور و قوت کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں اور پورا عشرہ بلکہ مہینا تقاریر کا یہ سلسلہ چلتا ہے اور وعظ و بیان کی محفلیں جمتی ہیں، اُن کی بلا سے روایات بے بنیاد ہوں، خلاف تحقیق ہوں، اس کی کوئی پروا نہیں، یہی وجہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی اس موضوع پر تحقیقی معلومات سے عموماً عاری ہوتے ہیں، وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملے میں جذبات کا شکار ہو جاتے ہیں اور فضائلِ محرم اور یومِ عاشوراء کی بابت بے بنیاد روایتوں کو صحیح اور حقیقت سمجھتے ہیں۔

واقعہ کربلا کی حقیقت:

کربلا کا میدان عراقی دار الحکومت بغداد کے جنوب میں ”فرات“ سے نکلنے والی ایک نہر کے پاس واقع ہے۔ جس وقت کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو نہایت بیدردی اور بے رحمی

سے شہید کیا گیا تھا، اس وقت شہر بغداد کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بعض صحیح حدیثوں میں کربلا کا ذکر آیا ہے۔ واقعہ کربلا جب ہوا تھا، اس وقت رسول اللہ ﷺ کی وفات کو تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزر چکا تھا۔ محرم ۶۱ھ میں یہ واقعہ پیش آیا جو کہ سانحہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ اسلامی تاریخ کا مشہور ترین واقعہ بن گیا ہے۔ اس واقعے نے استحقاق سے زیادہ ہمیں اپنی طرف کھینچا اور ضرورت سے زیادہ ہمیں الجھا دیا ہے۔ اس واقعہ کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس کو یونگی و بدی، یا جمہوریت و ملوکیت کی لڑائی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ قطعاً بے بنیاد بات ہے۔ میری بہنو! حب آل نبی ﷺ کے نام پر اتنے رسم و رواج وضع کر لیے گئے کہ

یہ امت روایات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا کوئی اکلوتا واقعہ نہیں ہے، بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اعلیٰ اعلیٰ مقاصد کے لیے لڑے اور شہید ہو گئے، مگر رسول ﷺ نے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، نہ ان کے اتباع اختیار کرنے اور نہ ائمہ عظام نے سال بہ سال ان کے تذکرہ شہادت کی محفلیں منعقد کیں، نہ ان کی برسی منائی، نہ ان پر سالانہ عزاد و ماتم کا سلسلہ جاری کیا، حادثہ کربلا کے بعد ہی کی پیداوار ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور حسن بصری و پیران پیر شیخ جیلانی وغیرہ ائمہ اولیا و بزرگان ہیں رضی اللہ عنہم، کیا ان حضرات نے بھی اس حادثے کے سلسلے میں وہ سب کچھ کیا جو آج کیا جا رہا ہے؟ یا وہ سب کرنے کو کہا جس کا اس مہینے کا آغاز ہوتے ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے؟ محرم الحرام کا مہینا آتے ہی جا بجا ماتمی محفلیں آراستہ ہونے لگتی ہیں اور طرح طرح کی بدعات و خرافات کا سیلاب اٹھ پڑتا ہے، اور واعظین شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر لوگوں کے جذبات اس قدر مجروح کر دیتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم جیسے نفوسِ قدسیہ پر بھی زبان درازی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا کرتے۔

میری بہنو! بلاشبہ سانحہ کربلا مسلمانوں کے لیے ایسا الم انگیز واقعہ ہے کہ اس نے اسلام کی چولیس بلا ڈالیں اور اسی کی وجہ سے مسلمانوں میں کتنے فتنے پیدا ہوئے، لیکن کربلا کے جو واقعات اور قصے بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے زیادہ تر صحیح نہیں ہیں۔ ان کے بیان میں بہت ساری سچائیوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں اور افسانوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ خاص طور سے شیعوں نے اس سلسلے

میں وہ گل افشائیاں کی ہیں کہ الامان والحفیظ! ان قصوں اور افسانوں اور کہانیوں کے ذریعے اسلامی تاریخ میں بے سرو پا باتیں داخل کر دی گئی ہیں جو مسلمانوں میں فتنوں کا سبب بن گئیں، اور اس بات کا اعتراف بعض حقیقت پسند شیعہ مؤلفین نے بھی کیا ہے، چنانچہ شیعہ مؤلف جناب شاہر حسین صاحب لکھتے ہیں:

”واقعہ کربلا کے بارے میں صدہا باتیں گھڑی گئی ہیں، ان واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی، رفتہ رفتہ اختلاف کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سے الگ کرنا مشکل ہو گیا۔“^①

واقعات کربلا کو بیان کرنے والے اکثر رواۃ جھوٹے، مجہول، غیر معتبر، غالی اور اکثر شیعہ ہیں، انہوں نے مبالغہ آرائیوں اور داستانوں سے بھرے ہوئے واقعات بیان کیے اور بہت سی روایتیں خود گھڑی ہیں، اور مؤرخین نے ان کو بلا تحقیق اور بلا کسی نقد و تبصرہ نقل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات کربلا کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ناواقف رہ گیا اور حضرت حسینؑ اور یزید کے سلسلے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو گیا، واقعات کربلا کے بیان میں تاریخ کی کتابوں میں اتنا تضاد ہے کہ ان میں واقعہ کی صحیح نوعیت کی پہچان بڑا مشکل امر ہے اور کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی غلط ہے اس کی تمیز کرنا بھی آسان کام نہیں ہے۔

آئندہ صفحات میں واقعہ کربلا کو اسلامی تاریخ، ائمہ رجال کی کتب اور حقیقت پسند مؤلفین اور اعتدال کے خوگر مؤرخین اور ائمہ کی تحریروں کی روشنی میں ہم نے مختصر انداز میں آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ واضح رہے کہ اس تحریر میں تاریخ کی وہ روایتیں لینے کی کوشش کی گئی ہے جن پر اکثر مؤرخین متفق ہیں، اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جب حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا کربلا میں قتل عام ہوا، اس وقت یزید بن معاویہؓ کی خلافت تھی اور عراق کا گورنر عبید اللہ بن زیاد تھا۔

حضرت معاویہؓ نے اپنی وفات سے چار سال پہلے ۵۶ھ میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سب

① مجاہد اعظم: از شاہر حسین (ص: ۱۷۸) بحوالہ: آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں، از: ظہور احمد قریشی (ص: ۲۳)

سے پہلے ان لوگوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی جو لوگ آپ کی بیعت کے مخالف تھے۔ چنانچہ انھوں نے والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ جن لوگوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی ان لوگوں کو اپنے یہاں طلب کر کے بغیر مہلت دیے ان سے بیعت لے لو۔ ولید نے سب سے پہلے حضرت حسینؑ کو بلایا اور ان کو یزید کا خط دکھایا اور بیعت کی درخواست کی تو حضرت حسینؑ نے فرمایا:

”مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسے سے سری بیعت کو تم لوگ کافی بھی نہیں سمجھو گے، جب سب لوگوں کی بیعت کے لیے آپ بیٹھیں گے تو مجھ کو بھی بلا کر بیعت لے لینا۔“

چنانچہ ولید جو عافیت پسند تھے، انھوں نے کہا: ”ٹھیک ہے، اللہ کے نام پر آپ جائیے اور پھر لوگوں کے ساتھ آجائیے گا۔“^①

ولید نے آپ کو رخصت دے دی اور آپ اسی رات ۲۷ یا ۲۸ رجب ۶۰ھ اتوار کو مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔^② مکہ میں حضرت حسینؑ بغیر بیعت کیے تقریباً چار ماہ سے زیادہ رہے۔ اس مدت میں اہل کوفہ کی طرف سے تحریروں کے ساتھ ان کے وفد آتے رہے اور حضرت حسینؑ کو یقین دلاتے رہے کہ اہل کوفہ یزید کی خلافت سے راضی نہیں ہیں، وہ آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حضرت حسینؑ کے پاس ان کے طلبی کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط پہنچ چکے تھے جو نمایاں اور سرکردہ لوگوں کے دستخط کے ساتھ تھے، تو انھوں نے جواب میں لکھا:

”تمہارے مقصد سے میں آگاہ ہوا، اور میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو جو میرے معتمد خاص ہیں، تمہارے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ وہ تمہارے حالات سے مجھے باخبر کریں، اگر انھوں نے یہ لکھا کہ کوفہ کے رؤساء اور اہل الرائے میری امامت کے خواہاں ہیں تو آجاؤں گا، حقیقت یہی ہے کہ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عمل کرے اور عدل و انصاف پر قائم رہے۔“^③

① تاریخ طبری (۳۳۹/۵، ۳۴۰)

② تاریخ طبری (۳۴۱/۵)

③ تاریخ طبری (۳۵۳/۵)

حضرت حسینؑ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے کوفہ روانہ کر دیا اور ہدایت کی کہ ایسے راستے سے جاؤ کہ کسی کو علم نہ ہو سکے اور وہاں پہنچ کر دیکھنا کہ لوگ میری امامت پر متفق ہیں یا نہیں، اور جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس پر قائم ہیں یا نہیں؟

مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے اور خفیہ طور سے حضرت حسینؑ کے لیے بیعت لینے لگے، لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ تاریخی روایتوں کے مطابق تقریباً اٹھارہ ہزار لوگوں نے بیعت کی، انھوں نے یہ صورت حال دیکھ کر فوراً حضرت حسینؑ کو خط لکھا کہ آپ جتنی جلدی ہو سکے کوفہ تشریف لے آئیں، آپ کے لیے زمین بالکل ہموار ہے۔ ادھر مسلم بن عقیل کی سرگرمیاں زیادہ دنوں تک مخفی نہ رہ سکیں، حضرت نعمان بن بشیرؓ جو انصارِ مدینہ میں سے تھے اور حضرت معاویہؓ ہی کے وقت سے کوفہ کے گورنر چلے آ رہے تھے، جب ان کو مسلم بن عقیل کی حضرت حسینؑ کے لیے خفیہ بیعت لینے کی سرگرمیوں کی خبر ملی تو انھوں نے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور تقریر کی:

”اے لوگو! فتنہ آرائی اور تفرقہ بازی میں مت پڑو، اس میں ناحق جانیں جاتی ہیں، خون بہتا ہے اور مال چھینے جاتے ہیں، میری پالیسی اس بارے میں سن لو، جب تک مجھ پر حملہ نہیں ہوگا میں کسی پر حملہ نہیں کروں گا، نہ تمہیں برا بھلا کہوں گا، نہ شبہے اور تہمت میں پکڑوں گا، لیکن اگر تم نے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنچایا، یعنی بیعت توڑی اور یزید کے خلاف کھڑے ہوئے تو قسم ہے اللہ کی میں تم پر تلوار چلاؤں گا، جب تک میرا ہاتھ اس کے قبضے پر رہے، چاہے تم میں سے کوئی بھی میرا ساتھ دینے والا نہ ہو۔ ویسے مجھے امید ہے کہ تم میں وہ لوگ زیادہ ہونگے جو حق کو پہچانتے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو باطل کے لیے حق کا نام لیتے ہیں۔“^(۱)

عبداللہ بن مسلم نامی ایک شخص جو بنی امیہ کے حلیفوں میں سے تھا اس نے گورنر کی یہ تقریر سن کر کہا کہ یہ مناسب پالیسی نہیں ہے، بلکہ یہ نرم پالیسی ہے، لیکن پھر بھی حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنی اس پالیسی کو تبدیل نہیں کیا، بنی امیہ کے خیر خواہوں نے صورت حال یزید کو لکھ کر بھیجی اور لکھا:

”اگر تم نے کوفہ کے گورنر کو تبدیل نہیں کیا تو تمہیں کوفہ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔“

(۱) تاریخ الطبری (۵/۳۵۵، ۳۵۶) البدایة و النہایة لابن کثیر (۷/۱۰۲)

یزید نے یہ جان کا فوراً حضرت نعمان بن بشیرؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر عبید اللہ بن زیادہ کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر بنا دیا اور اسے ہدایت دی کہ فوراً کوفہ پہنچ کر مسلم کو نکال دو یا قتل کرو، خلیفہ کا یہ حکم پا کر ابن زیاد کوفہ آیا اور اعلان کر دیا:

”میں فرمانبرداروں پر مہربان ہوں اور فتنہ پردازوں کا دشمن، میری تلوار اور میرا کوڑا صرف اس کے لیے ہے جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا، پس ہر آدمی اپنا برا بھلا سمجھ لے، پھر اس نے قبائل کے ذمے داروں کو حکم دیا کہ کسی کے یہاں کوئی اجنبی یا خارجی یا مشکوک آدمی ٹھہرا ہو تو وہ فوراً اس کو پکڑ کر میرے پاس حاضر کرے، ہر شخص اپنے محلے کا ذمے دار ہے، جس محلے میں کوئی باغی ملے گا اس محلے کے رئیس کو اس کے دروازے پر پھانسی دی جائے گی۔“⁽¹⁾

مسلم بن عقیل کے کان میں جب یہ باتیں پڑیں تو اس وقت وہ مختار بن ابی عبید کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے، انھوں نے فوراً مکان تبدیل کر دیا اور ہانی بن عروہ کے گھر جا پہنچے، انھوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی مسلم بن عقیل کو اپنا مہمان بنا لیا، اور ساتھ ہی کہا:

”تم نے مجھے بڑی ہی مصیبت میں ڈال دیا ہے، اگر میرے گھر کے اندر نہ آگئے ہوتے تو میں کہتا مجھے معاف کرو، لیکن اب تو کچھ نہیں کہہ سکتا، آ جاؤ۔“⁽²⁾

کوفہ کے ایسے بے وفا ماحول میں ابن زیاد جیسے چست و چالاک اور سخت گیر منتظم نے مسلم بن عقیلؓ کا پتا لگا ہی لیا۔ اس نے ہانی کو بلوایا جو بڑی مشکل سے آنے کے لیے تیار ہوئے، جب وہ آگئے تو ابن زیاد نے انھیں آڑے ہاتھوں لیا اور انھیں کافی سخت سست کہا، ہانی نے اپنی صفائی دینی چاہی کہ میں نے مسلم کو اپنے گھر نہیں بلایا تھا، بلکہ وہ خود ہی آگئے تو میں انکار نہ کر سکا۔

ابن زیاد نے ہانی کو حکم دیا کہ تم فوراً اسے پکڑ کر میرے پاس حاضر کرو، وہ ابن زیاد کی یہ فرمائش پوری کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے، نتیجتاً ان کے ساتھ سختی کا معاملہ ہوا، ایسے نازک موڑ پر مسلم بن عقیل نے حضرت حسینؓ کے جانثاروں کو آواز دی تاکہ ان کو لے کر گورنر ہاؤس پر حملہ کر دیں

(1) الکامل فی التاریخ، لابن اثیر (۲۴/۴) تفسیر الطبری (۵/۳۵۹)

(2) تاریخ الطبری (۵/۳۶۲) و ابن اثیر (۳/۲۶۹)

لیکن بمشکل چار ہزار لوگ ہی جمع ہو سکے، ابن زیاد نے محض حسن تدبیر سے اس چار ہزار کی جمعیت کو آناً فاناً منتشر کر دیا، بالآخر حضرت مسلم پکڑے گئے، محمد بن اشعث نے ان کو گرفتار کیا اور دوسرے روز ۹ / ذی الحجہ کو مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا گیا، پھر یہی انجام ہانی کا بھی ہوا۔

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر (جلد: ۳)
- ✽ تفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ ماہ محرم
- ✽ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
- ✽ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- ✽ چند بدعات اور ان کا تعارف، تلخیص و تہذیب: مولانا محمد منیر قمر
- ✽ واقعہ کربلا۔ تاریخ کے آئینے میں محمد ایوب سلفی۔ ماہنامہ مجلہ طوبی، شمارہ مارچ ۲۰۰۳ء
- ✽ تہذیب و طبع جدید: ابوعدنان
- ✽ محرم الحرام و مسئلہ حضرت حسین و یزید
- ✽ تالیف: مولانا عبد السلام رحمانی
- ✽ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- ✽ تالیف: اشفاق احمد خاں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کی طرف روانگی اور شہادت (3)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ

اللَّهُ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ﴾ [الحج: ۵۸]

”اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (اس کی رضامندی کے لیے) ہجرت کی (وطن چھوڑا) پھر وہ شہید کر دیے گئے یا اپنی موت سے مر گئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ ان کو بہترین رزق عطا فرمائے گا اور بے شک اللہ ہی سب روزی دینے والوں میں سے سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔“

گذشتہ درس میں شروع کردہ موضوع کو ہی آگے بڑھاتے ہیں کہ مسلم بن عقیل نے اپنی موت سے قبل ایک تحریر لکھوا کر محمد بن اشعث کو دے دی اور انھیں وصیت کی کہ میرا یہ پیغام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ضرور پہنچا دینا، اس پیغام میں لکھا تھا:

”یہاں میں گرفتار ہو چکا ہوں، آپ شاید چل بھی نہ پائیں کہ میرا قتل ہو جائے، آپ کو فہ والوں پر بھروسہ نہ کریں، ان لوگوں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا اور مجھ سے بھی جھوٹ ہی بولا۔ یہ تو آپ کے والد کے وہ ساتھی ہیں جن کی وجہ سے وہ موت یا شہادت و قتل کی تمنا کرنے لگے تھے۔“^[۱]

مگر اس سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم کا وہ پیغام مل گیا جس میں تھا:

”آپ جتنی جلد ہو سکے کوفہ آجائیے، یہاں آپ کے لیے زمین بالکل ہموار ہے۔“

یہ پیغام پا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

[۱] تاریخ الطبری (۳۷۵/۵)

واقعاتِ کربلا سے متعلق سبھی کتب تاریخ میں ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ کے لیے روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگے تو ان کے رشتے داروں اور ان کے ہمدردوں نے انہیں روکنے کی پوری کوشش کی اور اس اقدام کے خطرناک نتائج سے ان کو آگاہ کیا۔ ان کو روکنے والوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابودرداء، حضرت ابواقدر اللیثی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے بھائی محمد بن الحنفیہؓ نمایاں ہیں، انہوں نے بہت منت و ساجت کی کہ وہاں نہ جائیں حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم زبردستی آپ کو پکڑ لیتے اور ہرگز نہ جانے دیتے۔

کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ جا ہی رہے ہیں تو کم از کم اپنے بچوں کو نہ لے کر جائیں، مگر آپ نے ان کے جواب میں نہ عزمِ سفر ملتوی کیا اور نہ اپنے اس موقف کی دلیل پیش کی، دراصل ان کے دل میں یہ بات تھی کہ اہل کوفہ انہیں مسلسل دعوت دے رہے ہیں یقیناً وہاں جانا مفید ہوگا۔

۸ ذوالحجہ یوم الترویہ کو حضرت حسینؓ اپنے قافلے کے ساتھ کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے، اور اسی دن کوفہ میں مسلم بن عقیل، ابن زیاد کے ہاتھوں گرفتار ہو رہے تھے۔ جب آپ نے کوفہ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا تو عمرہ نامی ایک خیر خواہ نے آپ کو کوفہ سے خط لکھا۔ خط میں اس نے حضرت حسینؓ کو ان کے ارادے اور اس کے انجام کی ہولناکی کا احساس دلایا اور یہ بھی لکھا کہ آپ اپنی قتل گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے اس حدیث کو بھی لکھا تھا:

”رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا: آج میرے گھر میں وہ فرشتہ آیا ہے جو پہلے کبھی نہیں آیا اور اس نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ قتل ہوں گے اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ مٹی دکھا دوں۔“ آپ نے یہ پڑھ کر کہا: ”پھر تو لازماً وہیں میری قتل گاہ ہوگی۔“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا: ”حسین! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اس قوم کی طرف، جس نے آپ کے والد کو قتل کیا، آپ کے بھائی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔“ حضرت حسینؓ نے کہا:

”میرے نزدیک مکہ میں خون خرابا کروانے سے بہتر یہ ہے کہ میں مکہ سے نکل جاؤں۔“

عبداللہ بن عمرؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہیں خبر ملی کہ حضرت حسینؓ عراق کی طرف چلے گئے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ فوراً پیچھے گئے اور دو راتوں کے فاصلے کا سفر طے کر کے ان سے جا

ملے۔ ان سے پوچھا: ”کہاں جا رہے ہیں؟“ فرمایا: ”عراق جا رہا ہوں۔“
 اس وقت آپ کے پاس اہل عراق کی طرف سے لکھے گئے خطوط کے پلندے تھے۔
 عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: ”آپ وہاں نہ جائیں۔“
 سیدنا حسینؓ نے فرمایا: ”یہ ان لوگوں کے خطوط اور بیعت کے ثبوت ہیں۔“
 عبداللہؓ نے بہت کوشش کی کہ حضرت حسینؓ کو فہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں، لیکن
 ناکام رہے، بالآخر حضرت حسینؓ سے معانقہ کیا اور فرمایا:
 ”اللہ کے سپرد! شہادت آپ کا مقدر بن چکی ہے۔“

شہادت حسینؓ:

تمام تاریخی کتب میں آیا ہے کہ جب آپ مقام ”زبالہ“ پر پہنچے تو مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر
 اور وہ پیغام بھی پہنچ گیا جس میں مسلم بن عقیل نے انھیں کوفہ آنے سے روکا تھا۔ اس المناک خبر کے
 سننے کے بعد اہل کوفہ پر آپ کا اعتماد متزلزل ہو گیا اور آپ نے واپسی کا عزم ظاہر کیا، لیکن حضرت مسلم
 کے بھائیوں نے یہ کہہ کر واپس ہونے سے انکار کر دیا کہ ہم تو اپنے بھائی مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود مر
 جائیں گے۔ اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا: ”تمہارے بغیر میں بھی جی کر کیا کروں گا۔“
 یہ کہہ کر آگے چل پڑے۔ جب یہاں سے آگے بڑھے تو ابن زیاد کا گھوڑ سوار دستہ سامنے نظر
 آ گیا جو قادیسیہ میں متعین تھا، اس کو دیکھ کر آپ نے اپنا رخ قادیسیہ اور کوفہ سے ہٹا کر بلا کی طرف کر دیا،
 یہاں نزول فرما کر آپ نے اپنے خیمے لگوائے، اس وقت آپ کے ساتھی پینتالیس (۴۵) سوار اور سو
 (۱۰۰) پیادے تھے۔

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حسینؓ جب کر بلا پہنچے تو گورنر کوفہ ابن زیاد
 نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے آپ کے مقابلے کے لیے بھیجا، عمر بن سعد نے آپ کی خدمت میں حاضر
 ہو کر آپ سے گفتگو کی۔ متعدد تاریخی روایتیں یہ بتلاتی ہیں کہ حضرت حسینؓ نے ان کے سامنے
 تین شرطیں رکھیں۔ انھوں نے کہا ”میری ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک قبول کر لو:

1- میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس ہو جانے دو۔

2- یا مجھے براہ راست یزید کے پاس چلے جانے دو تاکہ میں اس کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے سکوں (یعنی بیعت کر لوں)۔

3- یا کہو تو ان سرحدوں کی طرف نکل جاؤں جہاں میدانِ جہاد گرم ہے۔

عمر بن سعد نے حضرت حسین کی یہ تجاویز قبول کر کے ابن زیاد کو اطلاع بھیجی مگر وہاں سے جواب آیا کہ نہیں بلکہ انھیں پہلے میرے ہاتھ میں ہاتھ رکھنا ہوگا، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے، مخالفوں نے نہ انھیں وطن جانے دیا، نہ جہاد پر اور نہ یزید کے پاس جانے پر رضا مند ہوئے، بلکہ قید کرنا چاہا مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: ”نہیں! قسم اللہ کی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“^①

ابن زیاد کی یہ خواہش تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید سے پہلے اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، پھر وہ اپنے اہتمام سے انھیں یزید کے پاس بھیجے گا، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی شرطوں کو مسترد کر دیا جس پر لڑائی چھڑ گئی۔ وہاں موجود یزید کے سپاہیوں نے اپنی باتوں پر اصرار کر کے آپ کی عزت و خودداری کو چیلنج کیا جس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، چمنستانِ نبوت کے پھول، نوجوانانِ جنت کے سردار حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت کے راستے پر قدم رکھ دیا۔ انھوں نے جس چیز کو حق سمجھا تھا اس کا دفاع کرتے ہوئے موت کو قبول کر لیا۔ اس میں تمام رفقاءِ حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور بالآخر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بھی مظلومانہ شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آ گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔
آپ کی شہادت کا یہ نہایت المناک واقعہ، دس محرم الحرام ۶۱ ہجری کو پیش آیا تھا۔

پانی کی بوند کے لیے ترسنا؟

واقعاتِ کربلا بیان کرنے والے اس بات کو بھی بیان کرتے ہیں کہ حسینی قافلہ میدانِ کربلا میں پانی کی بوند کے لیے ترستارہ گیا، کیوں کہ ان کا پانی بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ بعض تاریخی روایتوں میں پانی کی یہ بندش ۷ محرم الحرام سے بتائی گئی ہے، لیکن بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ حسینی قافلہ دس محرم

① تاریخ الطبری (۵/ ۳۸۹)

② البداية والنهاية (۸/ ۷۰) و الكامل لابن أثير (۳/ ۲۸۳)

کو کر بلا پہنچا اور اسی دن آناً فاناً جنگ اور شہادت کا یہ دلدروز واقعہ پیش آ گیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے جنگ سے پہلے غسل کیا اور مسک (کستوری) سے اپنے آپ کو معطر کیا۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ میدانِ کربلا دریائے فرات کے کنارے واقع تھا، یہاں پانی زمین کی سطح سے اتنا قریب تھا کہ تھوڑی سی زمین کھودو اور پانی لے لو، معجم البلدان میں یاقوت حموی نے کربلا کے ذیل میں یہ صراحت کی ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب تھی، لہذا قافلے کا پانی کی بوند کے لیے ترسنا حقیقت نہیں، بلکہ محض ایک افسانہ ہے۔

خواتین کی بے حرمتی؟

خواتین کی بے حرمتی کے سلسلے میں جو روایتیں موجود ہیں وہ روایات ہر اعتبار سے ناقابلِ قبول اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ اُس واقعہ کا راوی حمید بن مسلم ہے جس کے بارے میں ائمہ رجال کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ جھوٹا اور افسانہ تراش ہے۔

جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی خواتین کو باندی اور قیدی بنا کر شہر شہر گھمایا گیا، یہ بالکل جھوٹ ہے، اللہ کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے آج تک کبھی کسی ہاشمی خاتون کو باندی نہیں بنایا اور نہ اسے امتِ محمدی نے کسی حال میں بھی جائز رکھا ہے۔ تاریخ میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کسی زمانے میں بھی کسی ہاشمی عورت کو کنیز بنایا ہو، یا کبھی بنو امیہ اور یزید نے ایسا کیا ہو، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پسماندگان یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اُن کی مصیبت پر ایک ماتم برپا ہو گیا۔

نوشتہ تقدیر:

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ دراصل نوشتہ تقدیر تھا جو پورا ہوا، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بزرگ ترین صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیک زبان ہو کر سمجھایا کہ آپ عراق کا قصد نہ کریں، یہ غداروں اور دھوکے بازوں کی سرزمین ہے، ان لوگوں کے مد نظر صرف آپ کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہ مانے۔ راستے میں مسلم بن عقیل کی خبر ملتی ہے اور کوفہ کے لوگوں کی غداری کا پردہ فاش ہو جاتا ہے، پھر بھی آپ واپس نہیں ہوئے، میدانِ کربلا میں پہنچ کر مصلحت کی بات آتی ہے، ممکن تھا کہ اگر یزید کے دربار میں پہنچ جاتے تو ”صلحِ حسن“ کا نقشہ سامنے آ جاتا، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا،

ابن زیاد نے آپ کی تینوں پیش کشیں رد کر دیں اور کاتبِ تقدیر کے ہاتھوں جو رقم ہو چکا تھا، وہ وجود میں آ کر رہا۔

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اور یزید:

ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اور ان کے اہل خانہ کو ایک آدمی کے ساتھ یزید کی خدمت میں بھیجا، واقعہ کربلا کی کہانی سننے کے بعد یزید کی جو کیفیت ہوئی تاریخ میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

”واقعے کی خبر سن کر یزید کی آنکھیں بھر آئیں اور بہت رنجیدہ ہوئے، انھوں نے کہا: اے ابن زیاد! میں تو قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کے بغیر بھی تم سے راضی رہتا، اللہ ابنِ سمیہ (ابن زیاد) کو غارت کرے، قسم اللہ کی! میں اس کی جگہ ہوتا تو حسین رضی اللہ عنہ سے درگزر ہی سے کام لیتا، اسے ہرگز قتل نہ کرتا۔ پھر اُس نے کہا: اللہ حسین رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔ اور پھر اس آدمی کو کوئی انعام اور صلہ نہ دیا۔“^①

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے ساتھ یزید کا رویہ:

کئی معتبر روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے ساتھ نہایت ادب و احترام کا معاملہ کیا۔ یزید کے محل میں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ پر کافی افسوس اور تکلیف کا اظہار کیا گیا۔ یزید نے ان کے لیے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ لوگ دمشق میں ہی رہنا چاہتے ہوں تو یہاں آپ لوگوں کے لیے میرا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ کی ساری ضروریات یہاں پوری کی جائیں گی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کی جانب سے انکار پر یزید نے انھیں عطیات و تحائف دے کر باعزت مدینہ منورہ کے لیے رخصت کیا اور ان کی ہر قسم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا۔

یزید کون تھا؟

واقعہ کربلا کا تاریخی پس منظر بیان کر لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کی اعتدال پر مبنی رائے پیش کر دی جائے تاکہ واقعہ کا صحیح رخ

① تاریخ الطبری (۵/ ۶۷۰)

سامنے آجائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی مشہور و معروف کتاب ”منہاج السنہ“ میں فرماتے ہیں:

”یزید کے بارے میں لوگوں نے بہت افراط و تفریط سے کام لیا ہے، ایک گروہ اسے خلفائے راشدین بلکہ انبیاء مقربین میں سے سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ اسے باطن میں کافرو منافق بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے قصداً حضرت حسینؓ کو شہید کیا اور مدینہ منورہ میں قتل عام کرایا تاکہ اپنے رشتہ داروں کے خون کا انتقام لے جو بدر و خندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم و انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، وہ یزید کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے بعض اشعار پڑھے جن میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا۔

”اشعار کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ”ہم نے نبی سے اپنا قرض چکا لیا اور انصار سے غزوہ بدر کا انتقام لے لیا۔

”مگر یہ ساری باتیں بالکل جھوٹ و باطل ہیں اور ان کا بطلان ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جسے حقائق کا علم ہو اور جو متقین و مؤمنین کی سیرت سے واقف ہو، اسی بنا پر ان باتوں کے قائل ایسے لوگ نظر نہیں آتے جو سنت نبوی کے علم میں معروف ہوں، نہ ایسے ذی فہم لوگ نظر آتے ہیں جو صحیح رائے اور صحیح علم رکھتے ہوں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفا میں سے ایک خلیفہ تھا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حضرت حسینؓ اور یزید کے قصے کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

”ایک مجہول السند روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر یزید کے سامنے لا کر رکھا گیا تو اس نے آپ کے دندان کو اپنی چھڑی سے ٹھوکا دیا۔

”یہ روایت از روئے سند ثابت نہیں۔ جن لوگوں نے واقعہ شہادت کو قلمبند کیا ہے ان میں سے اکثر نے اس واقعہ میں بہت جھوٹ ملا دیا ہے، حتیٰ کہ واقعہ شہادت کے مؤرخین میں سے بعض اہل علم، مثلاً: امام بغوی اور ابن ابی الدنیا بھی بے بنیاد روایتوں کے شکار ہو گئے ہیں، رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو ان کے یہاں جھوٹ اور

بھی زیادہ ہے۔ صحیح طور پر صرف یہ ثابت ہے کہ جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا، اُس نے آپ کے دانتوں کو کریدا اور آپ کے حُسن کی مذمت کی، مجلس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ دو صحابی موجود تھے، انھوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ بعض روایتوں میں دانتوں کو کریدنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے، بلکہ اس کے مضمون ہی میں اس کے جھوٹے ہونے کا ثبوت موجود ہے، کیوں کہ جن دو صحابہ رضی اللہ عنہما کی موجودگی اس وقت یزید کے پاس بتائی گئی ہے کہ (انھوں نے یزید کی اس حرکت پر ٹوکا تھا) وہ اس وقت شام میں نہیں بلکہ عراق میں رہتے تھے۔ اور اس روایت کے برعکس متعدد لوگوں کی روایت ہے کہ یزید نے نہ قتل حسین کا حکم دیا تھا، نہ اس کا یہ مقصد تھا، بلکہ وہ تو اپنے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ کا اعزاز و تکریم ہی پسند کرتا تھا، البتہ اس کی خواہش یہ تھی کہ آپ اس کی حکومت کے خلاف کسی قسم کے اقدام سے باز رہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یزید پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کرنا اور اسے کافر و منافق قرار دینا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے، بلکہ انھیں ایک مسلمان سمجھ کر ان سے حسن ظن رکھنا اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کی بخشش کے لیے اللہ سے دعائیں کرنا ایک مومن اور مسلمان کا فرض ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“⁽¹⁾

اس حدیث کی بنا پر عام مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور وہ مسلمان جو خیر القرون کا ہو اور ایک صحابی کا بیٹا بھی ہو تو وہ بالاولیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو گالی نہ دی جائے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی مغفرت کی بشارت دی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں یہ صراحت ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ میں شریک لوگ مغفور لہم ہیں، جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سب سے پہلے جو قسطنطنیہ پر فوج لڑے گی اللہ ان کی بخشش فرمائے گا۔“⁽²⁾

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۷۰۷۶)

(2) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، رقم الحدیث (۲۹۲۴)

معلوم ہے اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید تھا۔ کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے شخص کے ہمراہ جہاد کے لیے جائیں جو شرابی کبابی یا فاسق و فاجر ہو؟ اور مسند احمد میں یہ وضاحت بھی موجود ہے:

”إِنَّ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ كَانَ أَمِيرًا عَلَى الْجَيْشِ الَّذِي غَزَا فِيهِ أَبُو أَيُّوبَ“^①

”اس لشکر کے امیر جس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، یزید ابن معاویہ تھے۔“

اس غزوے میں حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ان کی وصیت کے مطابق یزید نے پڑھائی۔ آپ ایمان داری سے سوچ کر بتائیں کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیوں خاموش رہے جب کہ یزید نے میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور باقی کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس غزوے میں شریک تھے، یزید کی امامت میں تمام نمازیں پڑھتے رہے، کہیں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ کسی نے یزید کی امامت میں نماز پڑھنی ناپسند کی ہو۔ اسی غزوے میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہم آپ کے سامنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے بعض لوگوں کے اقوال بیان کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کی تعریف کی ہے:

① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

”وَإِنَّ ابْنَ يَزِيدَ لِمِنْ صَالِحِي أَهْلِهِ“^②

”اور بلاشبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید، ان کے صالح افراد خانہ میں سے ہے۔“

② سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

”إِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ“^③

”بے شک ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔“

یہاں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ”بَايَعْنَا“ واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بیعت کی تھی، جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

① مسند أحمد (۲۱۶/۵)

② أنساب الأشراف بلاذري (۴، ۳/۲)

③ صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۱۱۱)

نے یزید کی بیعت کی تھی ان کی تعداد 272 ہے۔ ان تمام مسلمانوں سے یہ سوال ہے جو یزید کو شرابی کبابی، فاسق و فاجر اور بے نمازی کہتے اور اسی طرح کے دیگر کئی جھوٹے الزامات لگاتے ہیں، ان لوگوں کی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا رائے ہے جنہوں نے یزید کی بیعت کی تھی، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں 2 عشرہ مبشرہ میں سے، 14 اصحاب بیعت رضوان میں سے، 18 اصحاب بدر میں سے، 5 ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کی کل تعداد 272 ہے۔ تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ایسے آدمی کی بیعت کر لی تھی جو ان برائیوں میں ملوث تھا۔ اپنے ایمان کو بچاتے ہوئے سوچ سمجھ کر یزید کے بارے میں اپنی زبان کو استعمال کریں کہ وہ ایسے تھا یا ویسے تھا۔ اگر آپ نے اس کو شرابی کبابی یا فاسق و فاجر کہا تو گویا آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نامزد کیے ہوئے امیر کو برا بھلا کہا۔

3 جو لوگ یزید کو گالی دیتے ہیں ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ان کی تعریف کر رہے ہیں۔ انھیں کو یزید کی بیعت توڑنے کے لیے کہا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا، اس پر عبد اللہ بن مطیع نے کہا: حضرت! آپ اس کی بیعت کیوں نہیں توڑتے؟ جبکہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”جو کچھ کہتے ہو وہ باتیں میں تو یزید میں نہیں دیکھتا، میں اس کے پاس گیا اور کئی روز تک اس کے ہاں میں نے قیام کیا ہے، مگر میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، سائل فقیر سے گفتگو کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے۔“^①

4 حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے الفاظ بھی یزید کی پوزیشن کو واضح کرتے ہیں جن میں انھوں نے کہا ہے:

”اللہ امیر المؤمنین کو احسن جزا عطا فرمائے، یعنی اللہ امیر المؤمنین یزید پر رحمت بھیجے اور

انھیں نیک جزا عطا فرمائے۔^①

کیا حضرت زین العابدینؑ جیسا عظیم متقی اور پرہیزگار شخص کسی شرابی وزانی کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے؟ جن کا سارا خاندان جس کے ہاتھوں لٹ چکا ہو، وہ گواہی دے رہا ہو کہ یزید پر اللہ کی رحمت ہو، کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟ آج کل کے بعض مولانا حضرات کو اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی؟ ہمارا مقصد یزید کا دفاع نہیں ہے، بلکہ ہمارا مقصد ان صحابہ کرامؓ کا دفاع ہے جن کے ایمان کی گواہی رب کائنات نے دی ہے۔

پوری امت مسلمہ اور ہر خاص و عام سوائے چند صحابہ کرامؓ کے یزید کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ جہاں تک حضرت حسینؓ کا سوال ہے تو ان کے فضل و مرتبہ کا کوئی بھی مومن انکار نہیں کر سکتا، جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ میرے دو خوشبودار پھول ہیں۔

البتہ یزید کے خلاف ان کا اقدام ان کی اجتہادی غلطی تھی، جس پر وہ بھی قصور وار نہیں تھے۔ حضرت حسینؓ بلاشبہ مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین کو ظلم و قہر کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنا پڑا ہے، لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؓ کا قتل کسی حال میں بھی اُن انبیاءؑ کے قتل سے زیادہ گناہ و مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ و حادثہ عظیم تھا، اور یہ تمام حوادث چاہے کتنے بھی دردناک کیوں نہ ہوں، ان پر بہر حال صبر کرنا چاہیے، اور ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ کہنا چاہیے، اور اہل ایمان کا یہی شیوہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت حسینؓ کا قتل گناہ عظیم تھا، جنہوں نے اس فعل کا ارتکاب کیا یا اس میں مدد کی یا اس سے خوش ہوئے وہ عتابِ الہی کے سزاوار ہیں، لیکن حضرت حسینؓ کی شہادت کو اس قدر مبالغہ آمیز اہمیت دینا بھی درست نہیں، حضرت حسینؓ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو اُن سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء، مؤمنین اولین، شہدائے یمامہ، شہدائے احد، شہدائے بَرِ معونہ، اور حضرت عثمان و حضرت علیؓ وغیرہ، حضرت علیؓ کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے تھے کہ آپ

① طبقات ابن سعد دو (۲۲۰/۵)

کا قتل عظیم ترین عبادت ہے (نعوذ باللہ) برخلاف قتل حضرت حسینؓ کے کہ اُن کے قاتل انہیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔

چنانچہ جو لوگ یہ باتیں بیان کرتے ہیں کہ اس دن آسمان سے خون برسا تھا، جبکہ کبھی کسی کے قتل پر ایسا نہیں ہوا، یا یہ کہ آسمان پر سرخی چھا گئی تھی، یا یہ کہ اُس دن ہر پتھر کے نیچے تازہ خون موجود ملتا تھا، یہ سب بالکل جھوٹ اور خرافات ہیں۔ حضرت حسینؓ تو بلاشبہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظالم و قاہر کے ہاتھوں جامِ شہادت پی چکے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک شیعہ عالم کی کتاب ”منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الإمامۃ“ کے جواب میں اپنی گراں قدر تصنیف ”منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرافض و الضلال“ تحریر فرمائی جو لوگوں میں ”منہاج السنۃ“ کے نام سے مشہور ہوئی، اس کے جزء ثانی کے بیس صفحات میں (ص: ۲۳۷ تا ۲۵۶) آپ نے اس موضوع پر طویل بحث کی ہے، نیز مجموع فتاویٰ کے اجزاء: (۳، ۴، ۲۵، ۲۷) اور اس کے علاوہ بھی بعض اجزاء میں اور بعض دوسری تصنیفات میں بھی اس موضوع پر مختصر و مطول بحثیں موجود ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حضرت حسینؓ دریائے فرات کے قریب کربلا میں شہید کیے گئے، اور ان کا جسم کربلا ہی میں دفن کیا گیا اور ان کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ لے جایا گیا، جیسا کہ امام بخاری وغیرہ ائمہ کرام نے روایت کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا شرف عطا کیا۔“

شہادتِ حسینؓ اگرچہ امت کے لیے بہت بڑی مصیبت ہے، لیکن خود حضرت حسینؓ کے حق میں ہرگز مصیبت نہیں۔ بلکہ شہادتِ عزت اور علو منزلت ہے۔ یہ سعادت بغیر مصائب و محن میں پڑے حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت حسینؓ نے بھی اپنے پیش رو شہدائے کرام کا نمونہ پیش کیا اور کیوں نہ ہو، وہ اور اُن کے بھائی نواسہ رسول ﷺ سردارانِ شباب اہل الجنہ جو ٹھہرے اور جن کی پرورش گہوارہٴ اسلام میں ہوئی، امن و امان کی گود میں پلے اور ہولناک مصائب سے دور رہے کہ جن طوفانوں میں ان کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے تھے، اس لیے شہدائے خوش بخت کے اعلیٰ

درجات تک پہنچنے کے لیے انھیں کٹھن مرحلے سے گزرنا ضروری تھا، چنانچہ دونوں گزر گئے ایک کو زہر دیا گیا اور دوسرے کو قتل و شہید کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو شہادت کا شرف عطا کیا جو ان دونوں کی کرامت و بلندی درجات کا موجب ہوا۔^①

امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے یوم عاشوراء کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت کا عظیم رتبہ عطا کیا اور یہ شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خاندان کی کوئی پہلی شہادت نہ تھی۔ وہ اس راہ پر چلنے کے ہمیشہ خواہش مند رہے۔“

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ دنیا کے لیے نشان عبرت بن گئے:

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق امام حاکم، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہم وغیرہ نے یہ صراحت کی ہے کہ کربلا کے جس مقام پر یہ خونی المیہ وقوع پذیر ہوا اس کا نام ”طف“ ہے۔ لاریب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور نافرمانی ہے۔ اس سے وہ تمام آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا یا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پوری امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا سانحہ تھا۔ یہ تاریخ کا دل ہلا دینے والا المیہ تھا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے والوں کے نصیب میں ذلت اور رسوائی لکھی گئی۔ ان لوگوں کو فوراً اور نہایت بھیانک طریقے سے سزا مل گئی تھی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے میں شریک تھے۔ مختار ثقفی اور اس کے ہم نواؤں نے بلائے ناگہانی بن کر ان سب کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔

عبید اللہ بن زیاد کو اللہ تعالیٰ نے اولادِ فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما پر اُس کے ظلم کی جو سزا اس دنیا میں دی، اس نے اسے دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا، چنانچہ مشہور تابعی حضرت عمارہ بن عمیر تمیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”جب عبید اللہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے سر کو فہ لائے گئے تو کوفہ کے ”حُبّہ“ نامی محلہ کی ایک مسجد میں ان کو ایک دوسرے پر رکھ دیا گیا۔“

عمارہ کہتے ہیں: ”میں وہاں گیا تو لوگ کہہ رہے تھے: وہ آیا، وہ آیا، اتنے میں وہاں ایک

سانپ نمودار ہوا اور ان سروں کے درمیان گھس گیا، پھر وہ عبید اللہ بن زیاد کے ہتھکنے سے اس کے سر میں گھس گیا، اور تھوڑی دیر سر میں رہنے کے بعد باہر آ گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد پھر لوگوں نے کہا: وہ آیا، وہ آیا، اور جس طرح وہ پہلے اس کے ہتھکنوں سے اس کے سر میں گھسا تھا، اسی طرح دو یا تین بار کیا۔^(۱)

اللہ کے رسول ﷺ کی اولاد کے ساتھ ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی موت دی جو قیامت تک کے لیے عبرت کا نشان بن گئی۔

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر (جلد: ۳)
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ ماہ محرم
- ✽ صدیق اکبر
- ✽ چند بدعات اور ان کا تعارف
- ✽ واقعہ کربلا۔ تاریخ کے آئینے میں
- ✽ محرم الحرام
- ✽ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: مولانا محمد منیر قمر
- ✽ مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادی
- ✽ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- ✽ تلخیص و تہذیب: مولانا محمد منیر قمر
- ✽ محمد ایوب سلفی۔ ماہنامہ مجلہ طوبی، شمارہ مارچ ۲۰۰۳ء
- ✽ تہذیب و طبع جدید: مولانا محمد منیر قمر
- ✽ تالیف: علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ مولانا عبد السلام رحمانی
- ✽ تالیف: اشفاق احمد خاں

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۷۸۰) لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

شہادتِ حسینؑ اور مقامِ صحابہؓ

(4)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

مقامِ صحابہ کرامؓ:

آج ہم شہادتِ حسینؑ اور مقامِ صحابہؓ کا ذکر کریں گے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شہادتِ حسینؑ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کو پھیلانے کا خوب موقع ملا، کچھ لوگ یومِ عاشوراء (محرم کی ۱۰ تاریخ کو) خلافِ شرع نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ حضرت حسینؑ اور ان کے اہل خانہ کی شہادت کے غم میں ماتمی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ گال پیٹتے، بال نوچتے اور سینہ کوبی کرنے کے علاوہ اپنے آپ کو زخمی بھی کرتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ سلفِ صالحین، آلِ فاطمہ اور آلِ علیؑ کے سوا دوسرے تمام صحابہ کرامؓ پر تہرّ ابازی و دشنام طرازی کرتے اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں۔ گالیاں دیتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں، اور ان لوگوں تک کو لپیٹ لیتے ہیں جنہیں واقعہ شہادتِ حسینؑ سے دور و نزدیک کا کوئی بھی تعلق نہ تھا، بلکہ ”السابقون الأولون من المهاجرین و الأنصار“ کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ التوبہ (آیت: ۱۰۰) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأُولُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ ﴾

”اور جو مهاجرین اور انصار سابق اور مقدّم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے: ایک مهاجرین کا جنہوں نے دین کی خاطر اللہ اور اس کے حکم پر مکہ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر

مدینہ آگئے۔ دوسرے انصار کا جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مہاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور تواضع کی اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقوں اولوں ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ تیسری قسم وہ ہے جو خلوص اور احسان کے ساتھ ان مہاجرین و انصار کے پیروکار ہیں۔ اس گروہ سے مراد بعض کے نزدیک تابعین ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا، لیکن صحابہ کرامؓ کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے، یعنی قیامت تک جتنے بھی انصار و مہاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں۔ ان میں تابعین بھی آجاتے ہیں۔

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبة: ۱۰۰]

”اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (ان کے لیے) یہ بڑی کامیابی ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ رضا اور غضب، اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہیں، تاہم قرآن کریم کے ان الفاظ اور دیگر نصوص کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں قبول فرمائیں، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرما دیا اور وہ ان پر ناراض نہیں، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی جاتی جو اس آیت میں دی گئی ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الہی عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف فرمادیں تو اب تنقیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے لائق نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الہی سے محرومی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق جو رضا کا اعلان فرمایا ہے، یہ اس لیے کہ اللہ رب العزت جانتا تھا کہ میرے نبی ﷺ نے ان کی بہترین تربیت کی ہے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ حق و سچ کے پیکر ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خود ہی (دو طرفہ رضامندی) کا اعلان فرمادیا۔ اس اعلان کا ہی یہ اثر ہے کہ عام طور پر اہل ایمان جب کسی صحابی کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ نبی ﷺ کے الفاظ ان کی زبانوں پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس اعلانیہ رضامندی کے بعد کوئی شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو، صحابہ کرامؓ کے ساتھ ناراضی کا حق نہیں رکھتا، اور اگر وہ اس کے بعد بھی صحابہ کرامؓ سے ناراض ہوتے ہیں، انھیں برا بھلا کہتے ہیں، ان کے لیے دل میں بغض رکھتے ہیں تو وہ گویا اعلانِ الہی پر ایمان نہیں رکھتے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اس کے لیے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔“^①

اور صحابہ کرامؓ سے بڑا ولی کون ہو سکتا ہے؟ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”میرے صحابہؓ کو گالیاں مت دو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم میں سے اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو بھی میرے صحابہؓ (رضی اللہ عنہم) کے ایک مٹھی دانے صدقہ کرنے، بلکہ اس سے آدھے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“^②

ایک اور حدیثِ رسول ﷺ میں ہے:

«مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»^③

”جس [شخص] نے میرے صحابہؓ (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دیں، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔“

اسی طرح ہی ایک اور حدیث میں ہے:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (6502)

② صحیح البخاری (7/25)، رقم الحدیث: 3673 صحیح مسلم (8/16/92)

③ صحیح الجامع الصغیر للألبانی (1685)

”جس نے میرے صحابہؓ کو گالیاں دیں، اس نے مجھے گالیاں دیں، جس نے مجھے گالیاں دیں، اُس نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں۔“^①

غرض یہ کہ ان آیات قرآنیہ اور ان احادیث نبویہ کے پیش نظر اہل علم نے صحابہ کرامؓ کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا کفر قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے ”الصارم المسلول“ میں نقل کیا ہے:

”فقہائے کوفہ نے صحابہؓ کو گالی دینے والے کو قتل کرنے اور رافضہ کو کافر قرار دینے کا قطعی فتویٰ دیا ہے۔“^②

قاضی ابویعلیٰ نے کہا ہے:

”فقہاء کے نزدیک جو شخص حلال سمجھ کر صحابہؓ کو گالی دے وہ کافر ہے، اور جو حلال تو نہ سمجھے مگر گالی دے، وہ فاسق ہے۔“

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شہادت؟

صحابہؓ میں سے ابو بکرؓ، وہ ابو بکر الصدیقؓ جو نبی ﷺ کے یارِ غار تھے اور آپ ﷺ کے رفیق تھے، مسیلمہ کذاب کو ختم کرنے والے ابو بکرؓ، مومنوں کی ماں عائشہؓ کے بابا ابو بکرؓ، مسلمانوں کے خلیفہ اول ابو بکرؓ، نبی ﷺ کے بعد مسلمانوں پر آنے والے فتنوں کے لیے ایک ڈھال، بلکہ تلوار تھے ابو بکرؓ، وہ صدیق اکبرؓ، جو معراج نبوی ﷺ کے پہلے گواہ، بلکہ تصدیق کرنے والے ”صدیق“ تھے، وہ ابو بکرؓ جو نبی ﷺ کے بہترین مشیر تھے، نبی ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھانے والے ابو بکرؓ، نبی ﷺ کے سسر ابو بکرؓ، نبی ﷺ کی ہر بات کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ابو بکرؓ، نبی رحمت ﷺ کو ہر مقام پر تسلی دینے والے انتہائی نرم دل ابو بکرؓ۔

وہ ابو بکرؓ جن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ”میں ابو بکر کی بھلائوں کا بدلہ دنیا میں نہیں دے سکا اس کا بدلہ میں نے اللہ جل شانہ پر چھوڑ دیا ہے۔“

① عن أنس مرفوعاً، تطهير المجتمعات (ص: ۲۷۴ طبع قطر) الصارم المسلول (ص: ۵۷۷)

② الصارم المسلول (ص: ۲۷۴)

میری بہنو! وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ جن کے گھر کا دروازہ مسجد نبوی ﷺ کی طرف کھلا رہنے کی اجازت نبی ﷺ نے دی، جب کہ باقی تمام دروازے بند کر دینے کا حکم دے دیا۔ محمد بن یوسف فریابی سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”وہ کافر ہے، اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا اور نہ اسے ہاتھ لگایا جائے گا، بلکہ اسے کسی لکڑی کے ذریعے گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا جائے گا۔“

ہمارے بکثرت اہل سنت بہن بھائی بھی شیعہ کی دیکھا دیکھی وہی سب کام کرتے ہیں جو شیعہ محرم کے مہینے میں کرتے ہیں، جبکہ ان لوگوں کا تو اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اگر یہ لوگ نبی ﷺ کی اولاد اور صحابہ رسول ﷺ کے ساتھ پیار کرنے والے ہوتے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے بھی بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے، ان کے لیے بھی کچھ کرتے۔

شہادت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

تاریخ اسلام کے اوراق سے پتا چلتا ہے کہ اسی مہینے کی، یکم کو یعنی محرم کی پہلی تاریخ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا۔ کون عمر رضی اللہ عنہ؟ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کی آسمان کا ہر فرشتہ عزت کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان خوف سے لرزتا تھا۔^①

اے عمر رضی اللہ عنہ! تجھے سلام تیرے نام سے آج بھی لرتا ہے شیطان
تو میرے آقا ﷺ کی مراد ہے
علی رضی اللہ عنہ کا تو داماد ہے اے عمر رضی اللہ عنہ تجھے سلام
کون عمر رضی اللہ عنہ! جو عدل و انصاف عام کر گئے۔

دنیا کے تمام مذاہب کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے اور اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت عدل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جو اس خصوصیت پر پورا اترتے ہیں۔ ان کی وجہ سے عدل دنیا میں عدل فاروقی ہو گیا، انھوں نے فرمایا تھا کہ ظالم کو معاف کر دینا مظلوموں پر ظلم ہے اور کہا:

”مائیں بچوں کو آزاد پیدا کرتی ہیں، تم نے انھیں کب سے غلام بنا لیا۔“

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۷۰۶)

فرمایا: ”میں اکثر سوچتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں عمرؓ کو بدل کیسے گیا؟!“

وہ عمرؓ جو اسلامی دنیا کے پہلے خلیفہ تھے جنھیں ”امیر المؤمنین“ کا خطاب دیا گیا!

وہ عمرؓ دنیا کے واحد حکمران تھے جو فرمایا کرتے تھے: ”میرے دور میں اگر فرات کے

کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی سزا عمر کو بھگتنا ہوگی۔“

وہ عمرؓ جن کے عدل کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے دور دراز

علاقے کا ایک چرواہا بھاگتا ہوا آیا اور چیخ کر بولا: ”لوگو! آج حضرت عمر فاروقؓ کا انتقال ہو گیا

ہے۔“ لوگوں نے حیرت سے پوچھا:

”تم مدینہ سے میلوں دور جنگل میں ہوتے تھے اس سانحے کی اطلاع کس نے دی۔“

چرواہا بولا:

”جب تک حضرت عمر فاروقؓ زندہ تھے، میری بھیڑیں جنگل میں بے خوف پھرتی

تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، لیکن آج پہلی بار ایک بھیڑیا

میری بھیڑ کا بچا اٹھا کر لے گیا۔ میں نے بھیڑیے کی جرات سے جان لیا کہ آج دنیا میں

حضرت عمر فاروقؓ موجود نہیں ہیں۔“

وہ عمرؓ جو راتوں کو جاگ کر تجارتی قافلوں کی نگرانی کیا کرتے تھے۔

وہ فرمایا کرتے تھے: ”جو حکمران عدل کرتے ہیں، وہ راتوں کو بے خوف سوتے ہیں۔“ ان کا

فرمان تھا: ”قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے۔“

وہ عمرؓ جنھوں نے اپنے دور میں توحید و رسالت کا جھنڈا آدھی دنیا میں لہرا دیا۔ جس جس

خطلے میں اسلام کا جھنڈا بھجوا یا، وہاں سے آج بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں آتی ہیں، وہاں آج بھی

لوگ اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں!

وہ عمرؓ جن کے دسترخوان پر کبھی دو قسم کے سالن نہیں رکھے گئے۔ وہ عمرؓ جنھوں نے کبھی

نرم گرم بستر کا اہتمام نہ کیا، زمین پر سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جاتے۔ سفر کے دوران میں جہاں نیند

آجاتی تھی وہیں کسی درخت پر چادر تان کر سایہ کرتے اور سو جاتے تھے۔ وہ عمرؓ جن کی مہر پر لکھا تھا:

”عمر! نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے۔“

میری بہنو! حضرت عمر فاروقؓ کے بنائے ہوئے قوانین دنیا کے ۲۴۵ ممالک میں آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں! مگر آج کا مسلمان اپنی تاریخ کو بھول گیا ہے، وہ تاریخ جس میں حضرت عمرؓ کی شہادت پہ یہودیوں نے قبول کیا تھا کہ اگر ۱۰ سال مزید عمرؓ زندہ رہ جاتے تو مشرق سے مغرب تک ایک یہودی بھی نہ بچتا اور ساری دنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیتے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کا سبب:

حضرت عمرؓ کو شہید کرنے والے کے متعلق ابورافع فرماتے ہیں: وہ قاتل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا۔ چکیاں بنانے کا کام کرتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس سے روزانہ چار درہم وصول کیا کرتے تھے۔ ابولؤلؤ فیروز مجوسی حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: اے امیر المؤمنین! مغیرہؓ نے میری آمدنی تنگ کر رکھی ہے۔ آپ اس سے میری سفارش کر دیجیے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے ڈر، اپنے مالک سے اچھا سلوک کر۔“ حضرت عمرؓ کی نیت یہ تھی کہ وہ مغیرہؓ سے اس بارے میں سفارش کر دیں گے، لیکن انھوں نے اپنے دل کی بات غلام سے نہیں کہی، چنانچہ غلام طیش میں آ گیا اور بولا: ”عمرؓ کا عدل و انصاف میرے علاوہ ہر شخص کو پہنچ چکا ہے؟“

اس نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے ایک خنجر تیار کیا، اس کے ۲ سرے تھے، اسے تیز کیا، زہر میں بچھایا، پھر ہر مزان نامی شخص کے پاس آیا اور کہا: تمہارا اس خنجر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اگر تو کسی کو یہ خنجر مارے گا تو وہ بچ نہیں سکے گا۔ لہذا اسی وقت سے ابولؤلؤ موقع کی تلاش میں رہا۔

ایک دن وہ فجر کی نماز میں حضرت عمرؓ کے عین پیچھے صف میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی۔ ابولؤلؤ نے فوراً حضرت عمرؓ کے کندھے پر وار کر دیا اور دوسرا ان کے پہلو میں کیا۔ اور حضرت عمرؓ زمین پر گر پڑے۔⁽¹⁾

حضرت عمر و بن میمونؓ فرماتے ہیں: جب عمرؓ پر حملہ ہوا تو میں نے ان کی زبان سے تلاوت سنی، وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

(1) صحیح التوثیق فی سیرة وحیة الفاروق (ص: ۳۷۰)

﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ [الأحزاب: ۳۷] ”اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ کے پھیپھڑے پر وار کیا گیا تھا۔ وار کرنے والا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا مجوسی غلام فیروز ابولؤلؤ تھا۔^①
قتلِ فاروق (سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۸) کو بڑا کارنامہ قرار دیتے ہوئے شیعہ ان کے قاتل کو ”بابا شجاع الدین“ کہتے ہیں۔

میری بہنو! یکم محرم مسلمانوں کے عظیم قائد امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا دن ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت کو پتا تک نہیں۔

شہادتِ عثمانؓ:

شہادتِ عثمانؓ کے متعلق تاریخ گواہ ہے کہ اسلام میں صرف حضرت حسینؓ ہی کی شہادتِ مظلومانہ یاد دہناک نہیں ہوئی، بلکہ اگر ہم ۱۰ محرم کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ۱۸ ذی الحجہ کی تاریخ پڑھیں تو اس میں ایک ایسی شہادت دکھائی دیتی ہے جس میں شہید ہونے والے کا نام حضرت عثمان غنیؓ ہے۔ وہی عثمانؓ جنہیں ہم ذوالنورین کہتے ہیں، وہی عثمانؓ جسے ہم دامادِ مصطفیٰ ﷺ کہتے ہیں۔ وہی عثمانؓ جسے ہم خلیفہ سوئم کہتے ہیں، وہی عثمانؓ جو حضرت علیؓ کی شادی کا سارا خرچہ اٹھاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی سیرت تو بیان کی جاتی ہے، قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے واقعات بھی سنائے جاتے ہیں، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی مظلومیت کو بیان نہیں کیا جاتا، ان کی دردناک شہادت کے قصے کو عوام کے سامنے نہیں لایا جاتا۔

میری بہنو! تاریخ کی چینیں نکل جائیں اگر حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا ذکر کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کو ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ میں ظالموں نے بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا، شتی القلب باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیے رکھا اور ان کا تقریباً ۴۰ دن پانی بند رکھا گیا، یہ وہ عثمانؓ تھے جو کبھی امتِ محمدی کے لیے پانی کے کنویں خرید کر وقف کرتے تھے، وہی عثمانؓ جب قید میں پیاس کی شدت سے نڈھال ہوئے تو انھوں نے آواز لگائی: کوئی ہے جو مجھے پانی پلائے؟ حضرت علیؓ کو پتا چلا تو مشکیزہ لے کر عثمانؓ کا ساقی بن کر پانی پلانے آرہے تھے۔ ہائے! آج

① صحیح التوثیق فی سیرۃ و حیاۃ الفاروق (ص: ۲۶۹)

کر بلا میں علی اصغر پر برسنے والے بے بنیاد تیروں کا ذکر تو ہوتا ہے لیکن حضرت علیؑ کے مشکیزہ پر برسنے والے تیروں کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا۔ باغیوں نے حضرت علیؑ کے مشکیزے پر تیر برسانے شروع کئے تو حضرت علیؑ نے اپنا عمامہ ہوا میں اچھالا تاکہ حضرت عثمانؓ کی نظر پڑے اور کل قیامت کے روز حضرت عثمانؓ اللہ کو نہ کہہ سکیں کہ اللہ! جب میرے ہونٹ پیاسے تھے تو تیری مخلوق سے مجھے کوئی پانی پلانے نہ آیا، یہ وہ حضرت عثمانؓ ہیں جن کو ۴۰ دن بھوکے پیاسے ایک گھر میں بند کیے رکھا گیا۔

وہ عثمانؓ کسی سے ملاقات نہیں کر سکتے، یہ وہی دامادِ رسول ﷺ تھے جن کی مجلس میں بیٹھنے کے لیے صحابہ کرام جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ ہائے عثمان! میرے بس کی بات نہیں کہ میں تیری شہادت کو بیان کروں، یوں لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا۔

میری بہنو! ۱۸ ذی الحج محرم سے پہلے ۳۵ ہجری کو آپ ﷺ کی ۲ بیٹیوں کے شوہر حضرت عثمانؓ کو ٹھوکریں ماری جا رہی تھیں، جب کہ آپ روزے کی حالت میں تھے۔ اس دن باغی دیوار پھلانگ کر آتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی کھینچتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، پھر ایک باغی نے پیٹ پر برچھی ماری، دوسرا باغی لوہے کا آہنی ہتھیار سر پر مارتا ہے، ایک تلوار نکالتا ہے اور حضرت عثمانؓ کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے، وہی ہاتھ جس ہاتھ سے آپ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ میری بہنو! جس عثمانؓ سے آسمان کے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔ آہ! آج اس عثمانؓ کے جسم پر برچھی مار کر انھیں لہو لہان کر دیا گیا، وہ عثمانؓ جس نے بیماری کی حالت میں بھی بغیر کپڑوں کے کبھی غسل نہ کیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ زمین پر گر پڑے تو ظالموں نے حضرت عثمانؓ کو ٹھوکریں مارنی شروع کر دیں جس سے حضرت عثمانؓ کی پسلیاں تک ٹوٹ گئیں اور حضرت عثمانؓ باغیوں کے ظلم سے شہید ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ وہ پہلے کاتبِ وحی تھے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے حکم سے مصحف کی املاء کی، انھیں عین کلامِ الہی کے سامنے شہید کر دیا گیا۔ ہاتھ کٹنے کے بعد بہنے والے خون کے چھینٹے اس مصحف پر پڑے جس کی آپ تلاوت فرما رہے تھے۔ یوں قرآن کریم بھی حضرت عثمانؓ کی شہادت کا گواہ بن گیا۔ زندگی کی آخری ہچکی لیتے ہوئے ذوالنورین کی زبان سے یہ آسمانی لفظ نکلے:

﴿تَسْبِغُكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: ۱۳۷]

”سوان کے مقابلے میں آپ کو اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“⁽¹⁾
جب خارجی آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھتے

ہی فرمایا:

”میں دیکھتا ہوں کہ موت کسی طاقتور کو نہیں چھوڑتی، اس نے قوم عاد کے لیے شہروں میں کوئی جائے پناہ نہیں چھوڑی نہ کوئی چراگاہ باقی رکھی۔

”(موت) قلعہ بند لوگوں پر بھی رحم نہیں کرتی، حالانکہ وہ قلعہ بند ہوتے ہیں۔ موت وہ چیز ہے جو بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں پھلانگ کر بھی آدو جیتی ہے۔“⁽²⁾

میری بہنو! بد بخت ہیں وہ لوگ جو ان کو بُرا بھلا کہتے ہیں، ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ انہی کے متعلق شاعر نے کیا خوب کہا ہے

خالی ہے تیرا دل ادب و شرم و حیا سے!

نادان تھے کیوں بغض ہے اربابِ وفا سے!

اے دشمنِ فاروق تھے اتنی بھی خبر نہیں کہ

فاروق کو مانگا ہے محمد ﷺ نے اپنے خدا سے

میری بہنو! یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا

انہیں نہ عشقِ حسین نہ ذوقِ شہادت

غافل سمجھ بیٹھے ہیں ماتم کو ہی عبادت

شہادتِ علیؑ

اسی طرح انہی باغی لوگوں نے حضرت علیؑ کو بھی نہایت بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔
خارجیوں کی انتہا پسند تحریک میں تین اشخاص سب سے بڑی رکاوٹ تھے:

(1) حضرت علیؑ (2) حضرت امیر معاویہؓ (3) حضرت عمر و بن العاصؓ

چنانچہ ایک دن اس قوم کے تین بد بخت اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے طے کیا کہ ان تینوں کو ایک

(1) تاریخ الطبری (5/ 398)

(2) فتہ مقتل عثمانؓ للدكتور محمد عبد الله الغبان (1/ 191) البداية و النہایة (7/ 192)

ہی دن فجر کی نماز کے وقت مسجد میں شہید کر دیا جائے، چنانچہ اس موقع پر ابن ملجم نے کہا: میں حضرت علیؑ کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں، برک بن عبد اللہ نے کہا: حضرت معاویہؓ کی ذمے داری میں اٹھاتا ہوں۔ عمرو بن بکر نے کہا: عمرو بن العاصؓ کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں حاضر ہوں، چنانچہ انھوں نے پکا معاہدہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مطلوب کو قتل کرے گا، یا خود مر جائے گا۔ اس بات کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی تلواریں سنبھالیں اور سات رمضان کو ہر شخص اپنے اپنے مطلوب مقام کی طرف چل دیا۔

حضرت علیؑ کو فد میں تھے، امیر معاویہؓ دمشق میں اور عمرو بن العاصؓ مصر میں تھے۔ عمرو بن العاصؓ اس دن بیماری کی وجہ سے فجر کی نماز کے لیے نہ جاسکے۔ ان کی جگہ خارجہ بن حذافہؓ نے نماز پڑھائی، انھیں شہید کر دیا گیا۔ امیر معاویہؓ نماز پڑھانے کے لیے آئے تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر زخم کاری نہ تھا، اس لیے وہ بچ گئے۔

مگر حضرت علیؑ کے قاتل عبد الرحمن بن ملجم نے، جو دنیا کا سب سے بد بخت اور شقی القلب انسان تھا، فجر کی نماز کے وقت حضرت علیؑ پر تلوار کا وار کیا۔ آپ شدید زخمی ہو گئے۔ ابن ملجم کو وہیں گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت علیؑ کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسینؑ کو بلا کر کچھ نصیحتیں کیں اور اپنے قاتل کے بارے میں فرمایا کہ اسے کھانا کھلاؤ، پانی پلاؤ اور اچھی طرح رکھو، مگر اذیت نہ دو۔ اگر میں زندہ رہا تو خود دیکھوں گا کہ معاف کروں یا کوئی سزا دوں۔ ہاں! اگر میں فوت ہو جاؤں تو قصاص میں اس کو مار ڈالنا۔

پھر حضرت علیؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا: اے بنی عبد المطلب! میں مسلمانوں کا خون نہیں بہانا چاہتا۔ خبردار! بجز میرے قاتل کے اور کسی کو نہ مارنا۔ اے حسن! آگاہ رہو کہ میرے قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے (مٹلہ) نہ کرنا۔ یعنی اس کی ناک اور کان وغیرہ نہ کاٹنا۔ حضرت علیؑ پر جس تلوار سے وار کیا گیا تھا وہ زہر میں بچھی ہوئی تھی۔ اور تلوار کے زخموں کے راستے زہر پورے جسم میں پھیل گیا اور یوں ۴۰ ہجری ۱۲ رمضان المبارک کو پچا زاد امام رسول ﷺ اور مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؑ شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی اور شہادت کے بعد حضرت حسنؑ نے مجرم کو جیل

سے نکالا اور اسے قتل کر دیا۔^①

حضرت علیؑ کی قبر کے بارے میں بڑا اختلاف ہے کہ ان کو کس جگہ دفن کیا گیا؟ حضرت علیؑ تقریباً ۵۸۶ احادیث کے راوی ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی کی تھی، اب ان کا کچھ تعارف بھی ہو جائے۔

خوراج کا تعارف:

چودہ سو سال گزر گئے ہیں اور ان تمام صدیوں کے دوران میں بے شمار فتنے اسلام پہ حملہ آور ہوئے، لیکن ان تمام فتنوں میں سے سب سے خطرناک فتنہ جس کے متعلق ہادی عالم حضرت محمد ﷺ نے بہت شدت کے ساتھ اپنی امت کو خبردار کیا تھا وہ ان خوراج کا فتنہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میری امت میں مشرق کی جانب سے کچھ لوگ نکلیں گے، وہ قرآن کریم کی تلاوت سے اپنے حلق تر رکھیں گے، ان کے چہرے انسانوں کے اور دل بھیڑیوں کی طرح ظالم ہوں گے۔ وہ گھنی ڈاڑھیاں رکھیں گے اور ان کے پاجامے، شلواریں اور تہبند ٹخنوں کے اوپر ہوں گے۔ اور یہ کم عمر بچوں کو استعمال کریں گے اور کم ذہن لوگوں کو بھی استعمال کریں گے اور وہ مشرکوں سے مدد لیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے جو خود تو مسلح بغاوت نہیں کریں گے، مگر ان کے اقدامات کو سراہتے ہوں گے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم انھیں میدان جنگ میں ملو تو انھیں قتل کر دو، یہ تمام مخلوق سے بدترین اور جہنم کے کتے ہیں۔ یہ خوراج ہیں اور خوراج جہنم کے کتے ہوں گے۔“

یہی نام نبی برحق ﷺ نے ان کے لیے استعمال کیا۔

میری بہنو! حضرت علیؑ کے لیے خلافت کا نٹوں کی بیج ثابت ہوئی۔ انھیں اپنے دور خلافت میں سکون کا سانس لینا بھی نصیب نہ ہو سکا۔ پھر بھی انھوں نے ملکی انتظامات کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؑ کو شہید کر دیا گیا، ظالموں نے سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر

① المعجم الكبير للطبراني (۱، ۹۶، ۱۰۵، رقم الحدیث: ۱۶۸)

دیے تھے۔ اسی طرح غزوہٴ اُحد میں شہید ہونے والے صحابہٴ کرامؓ میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اتنے زیادہ زخم تھے کہ ان کے گھر والوں نے ان کی انگلی کے پورے سے پہچانا تھا۔ اللہ کے دین کی خاطر ان صادقین نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور جامِ شہادت نوش کر لیا۔

میری بہنو!

اسلام وہ شجر نہیں جس نے پانی سے غذا پائی
دیا خون صحابہؓ نے پھر اس میں بہا آئی
چنانچہ ہمیں انہی کی پیروی کرنی چاہیے، ان نفوسِ قدسیہ لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے
سورۃ الفتح (آیت: ۲۹) میں فرمایا ہے:

﴿مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رِحَمَاءٌ بَيْنَهُمْ﴾

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، اور آپس میں رحم دل ہیں۔“

اور ان ہی کی عظمت کا اعلان رسولِ اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں ہے:
”میری امت میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں مجھے مبعوث کیا گیا، پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے ہیں۔“^①

میری بہنو! موت کیسے بھی ہو، اس سلسلے میں شریعتِ اسلامیہ میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اگر مصیبت آجائے، دل دکھوں سے بھر جائے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر آنکھوں کے راستے چھلک پڑے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور اس طرح رونا اور آنسو بہانا جائز ہے، نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے کئی مواقع آئے جن پر نبی رحمت ﷺ کا آنسو بہانا ثابت ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

”اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو بہانے اور دل کے حزن و غم پر عذاب نہیں کرے گا، البتہ اس کے عذاب دینے یا رحم فرمانے کا تعلق اس سے ہے، اور یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۳۴)

اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔^①

شریعتِ اسلامیہ ہر معاملے میں چونکہ اعتدال پسند ہے، اس میں نہ خوشی کے مواقع پر اور نہ ہی غم کے حالات میں حدود اور پابندیاں توڑنا روا ہے، ایسے موقع پر عورت کی طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے اس کے لیے شوہر کے سوا ہر عزیز کی مرگ کا صرف تین دن سوگ منانا جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر کسی کا شوہر فوت ہو جائے تو اس عورت کو چار ماہ اور دس دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔^②

اس آیت اور ارشادِ نبوی ﷺ کے پیش نظر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ جو چودہ سو سال پہلے کی موتِ شہادت پر سوگ منا رہے ہیں، وہ تعلیماتِ اسلام کے سراسر منافی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کا کسی بھی طرح کوئی جواز نہیں ہے۔ تو کیا ان لوگوں کے ساتھ مل کر ہمیں بھی وہ سب کرنا چاہیے جو یہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لعنت کی گئی ہو؟ میرا خیال ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔

ایک سوال:

ان لوگوں سے میرا سوال یہ ہے کہ جو لوگ حضرت حسینؑ کی شہادت پر پورا مہینا، بلکہ ۴۰ دن سوگ مناتے ہیں، ہر قسم کے جائز اور حلال کاموں پر انھوں نے پابندی لگائی ہوتی ہیں۔ اور انہی کے نانا جان کی وفاتِ شہادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں، اس دن اچھے اچھے کپڑے زیب تن کرتے ہیں، لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہ جشنِ عید مناتے ہیں، کیوں؟ یہ فرق کس لیے؟

جہاں تک میری معلومات ہیں وہ یہ ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو یہود و عیسائیوں کے طرزِ عمل پر چلتے ہوئے ایک سال گزرنے کے بعد اس کی سال گرہ مناتے اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ جب وہ فوت ہو جائے تو پھر یہ لوگ ایک سال کے بعد اس کی برسی مناتے ہیں اور اس پر یوں خوشیاں نہیں مناتے، بلکہ پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے ذکر و دعا میں مشغول نظر آتے ہیں اور یہی لوگ جو اپنے آپ کو عاشقِ رسول ﷺ کہتے ہیں یہی لوگ جس دن فاطمہ الزہراءؑ بنتِ محمد مصطفیٰ ﷺ

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۳۰۴)

② سورة البقرة [آیت: ۲۳۶] صحیح البخاری (۴۱/۹) صحیح مسلم (۵/۱۰/۱۱۸)

یتیم ہو گئیں، مدینہ منورہ میں تاریکی چھا گئی اور صحابہؓ رسول ﷺ اپنے حواس کھو بیٹھے، اس تاریخ کو یہ لوگ خوشیاں مناتے ہیں.. شیطان بھی کیا عجب کھیل کھیلتا ہے، نواسے کی شہادت پر ماتم اور نانا کی وفات کے دن میلاد کے نام پر جشن... اس سوال کا جواب مجھے آج تک نہیں ملا، یہ کیسا دین اور کیسی عبادت ہے؟

سراسر بدعت:

اس کے علاوہ بھی ہمارے لوگوں نے ان کی بہت ساری رسوم کو اپنایا ہوا ہے، مثلاً: رافضی شیعہ حضرات کی دیکھا دیکھی اپنے بچوں کو حضرت عباسؓ کا فقیر بناتے ہیں۔ انھیں کلاوے پہنائے جاتے ہیں۔ پھر وہ بچے در در جا کر بھیک مانگتے ہیں، پھر اس بھیک کی رقم سے حضرت عباسؓ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔

میری بہنو! اس بات کو نوٹ کریں کہ یہ لوگ جو اولادِ فاطمہؓ اور آلِ علیؓ کی شہادت کے دکھ سے اپنے آپ کو ہر قسم کی خوشی سے محروم کر لیتے ہیں، ان سے میرا سوال ہے کہ کیا انھیں ان سے اتنا ہی پیار ہے کہ یہ اپنی جیب سے ان کے لیے فاتحہ بھی نہیں دلا سکتے، یہ لوگ یا تو اس بات کا اقرار کریں کہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ہم اپنی جیب سے ان کے لیے کیوں پیسہ خرچ کریں۔ یا پھر بھیک نہیں، کیوں کہ میرے نبی ﷺ کی آل پر نہ تو صدقے کا پیسہ لگتا ہے اور نہ بھیک کا۔

اگر حضرت عباسؓ کا فقیر بنانا شریعت کی رو سے جائز ہوتا تو زین العابدینؓ اپنے بیٹے باقر کو بناتے اور باقر اپنے بیٹے جعفر کو اور جعفر اپنے بیٹے موسیٰ کاظم کو اور موسیٰ کاظم اپنے بیٹے علی رضا کو اور علی رضا اپنے بیٹے محمد تقی اور تقی کو، وہ علی تقی اور اپنے بیٹے حسن عسکری کو ضرور عباسؓ کا فقیر بناتے، کیوں کہ یہ لوگ ان کے قرابت دار اور اولاد ہونے کے ناطے ان امور کو انجام دینے کے وقتاً مستحق تھے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ رسومات صرف بدعت ہی نہیں، بلکہ شرک کے زمرے میں بھی آتی ہیں۔

بہت سے ناواقف لوگ ان احادیث کو صحیح سمجھ کر ان پر عمل کرنے لگے، حالانکہ یہ سب روایات ضعیف اور یہ سب کام بدعت کے کام ہیں اور حضرت حسینؓ سے بغض رکھنے والوں نے اپنی طرف سے گھڑے ہیں، ائمہ اربعہ اور دوسرے اماموں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں لکھی ہے۔ بہر حال ایسی مجلس میں شرکت کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ رب العزت

ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَمَّا يُنْسِيكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [الأنعام: ٦٨]

”تجھے اگر شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔“

انہی لوگوں کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

﴿إِيَّاكُمْ وَإِيَابَهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ﴾

”اُن سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں

تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔“

یہی وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ رشتہ داری کرنا [یعنی روافض (شیعہ) میں شادی کرنا] ناجائز ہے، کیوں کہ ان کے دلوں سے ایمان ہٹ گیا ہے، اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ان کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔⁽¹⁾

کہنے کو تو ہم سب اپنے آپ کو مسلمان، دین اسلام پر چلنے والے اہل سنت و الجماعت کہلاتے ہیں، لیکن جہاں کہیں دین کے مقابلے میں رشتہ داری کی بات ہو تو پھر ہم دین اسلام کی سب باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ جبکہ اپنے دنیاوی امور میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ہم ہزار بار سوچتے ہیں کہ ہمیں کہاں سے گارنٹی کے ساتھ اچھی کوالٹی کی چیز ملے گی، اور کوشش کر کے ہم وہاں سے لیتے ہیں۔ تو کیا ہمارا دین اتنا بے دام اور سستا سودا ہے کہ اس کے امور میں ہم اصلی و نقلی کے بارے میں سوچنا اور قرآن و سنت کی دلیل طلب کرنا یا پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

ہمارا دین اسلام سب ادیان سے اعلیٰ ہے۔ جیسے ہمارے نبی ﷺ تمام نبیوں سے اعلیٰ مقام والے ہیں اسی طرح امت محمدیہ ﷺ بھی تمام امتوں سے اعلیٰ ہے۔ یاد رکھیے! معاملہ رشتہ داری کا ہو یا اولاد کا، ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ہی ہمارے لیے اولیٰ اور بہتر ہے اور اسی میں ہی ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فکر دین کی توفیق سے نوازے اور ہم سب کو صحیح دین اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

{1} ماہنامہ ”صراطِ مستقیم“، برنگم (جلد: ۱۲، شمارہ: ۴)

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر ❁
- تفسیر احسن البیان ❁
- صحیح بخاری ❁
- صحیح مسلم ❁
- ماہِ محرم ❁
- صدیقِ اکبر ❁
- چند بدعات اور ان کا تعارف ❁
- تالیف: مولانا محمد منیر قمر
- مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادی
- مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- تہذیب: مولانا محمد منیر قمر
- واقعہ کربلا - تاریخ کے آئینے میں ❁
- محمد ایوب سلفی - ماہنامہ مجلہ طوبی، شماره مارچ ۲۰۰۳ء
- تہذیب و طبع جدید: مولانا محمد منیر قمر
- محرم الحرام و مسئلہ حضرت حسین و یزید تالیف: مولانا عبد السلام رحمانی ❁
- روشنی کے مینار ❁
- تالیف: عبد الملک مجاہد
- سیدنا علی المرتضیٰؑ ❁
- تالیف: اشفاق احمد خاں

ماہِ صفر کی بدعات

بِسْمِ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَ الَّذِي لَمْ يَتَكَلَّمْ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِهِ، وَ لَمْ يَكُنْ كَلَامُهُ اِلَّا مِنْ وَحْيِ رَبِّهِ. أما بعد:

”اللہ کے نام سے آغاز ہے اور تمام سچی تعریف صرف اللہ کے لیے ہے، اور اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جنہوں نے نفس کی خواہش کے مطابق بات نہیں کی، اور جن کی بات سوائے ان کے رب کی وحی کے اور کچھ نہ ہوتی تھی۔“

میری بہنو! آج ہم جاننے کی کوشش کریں گے کہ آیا ماہِ صفر منحوس ہے یا نہیں؟ اور اس ماہ میں جو بدعات و خرافات پائی جاتی ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟

دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں ماہِ صفر میں دو بڑی برائیاں تھیں:

① ماہِ صفر کو اپنی جگہ سے آگے پیچھے کرنا۔

② ماہِ صفر کو منحوس کہنا۔

ماہِ صفر اسلامی قمری کیلنڈر، یعنی ہجری تقویم کا دوسرا مہینا ہے جو محرم الحرام کے بعد آتا ہے۔ اس مہینے کو عرب لوگ بہت منحوس تصور کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اہل مکہ پے در پے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم کی حرمت کی وجہ سے جنگ و جدال اور فتنہ و فساد سے باز رہتے تھے۔ چنانچہ صفر کا مہینا آتے ہی یہ لوگ اپنے گھروں کو خالی کر کے کھلی جگہ یا جنگلوں کی طرف نکل جاتے تھے، اسی سبب اس ماہ کا نام ”صفر“ پڑ گیا۔ اہل عرب کے اس طرح سے گھروں کو خالی کر دینے اور جنگلوں میں بے پناہ قتل ہونے کی وجہ سے بد عقیدگی کا شکار بن گئے، اور کچھ کا خیال یہ بھی ہے کہ حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد اس ماہ میں لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا اور چوراہے لوگوں کو لوٹ کر ان کی جمع پونجی ”صفر“ کر دیتے تھے۔^①

① دیکھیں: لسان العرب لابن منظور (۴/ ۶۲-۶۳)

چنانچہ انہی وجوہات کی بنا پر لوگ اس مہینے کو منحوس سمجھنے لگے، بالآخر نحوست کی وبا ان کے غلط تصور سے دنیا میں رواج پاگئی کہ ماہِ صفر منحوس ہے، یوں نحوست میں مزید اضافے ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ لوگوں نے اس مہینے کے حوالے سے اپنی طرف سے گھڑی ہوئی ایک حدیث بنا لی۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتَهُ بِالْجَنَّةِ»

”جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوش خبری دے گا میں اسے جنت کی خوش خبری دوں گا۔“

اس روایت کو ملا علی قاری، علامہ عجلونی اور علامہ شوکانی وغیرہ نے موضوع کہا ہے۔^①

اس ماہ کے آخری بدھ سے متعلق تو بے شمار بدعات و خرافات اور غلط افکار پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کا ماننا ہے کہ اس ماہ کی آخری بدھ کو نبی ﷺ کو بیماری سے شفایابی، آپ ﷺ نے غسل فرمایا، اس خوشی میں لوگوں میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، جبکہ ہمیں تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ماہِ صفر کی آخری بدھ سے آپ ﷺ کا مرض الموت شروع ہوا اور آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو وفات پا گئے۔ اصل میں یہ ایک یہودی سازش ہے جس کے شکار مسلمان ہو گئے، اور بیماری پیغمبر ﷺ پر جشن منانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیماری پر خوشی منانے والوں کو ہدایت یا عبرت ناک سزا دے۔

میری بہنو! رسول اللہ ﷺ نے بعض دیگر مہینوں کی طرح ماہِ صفر کی کوئی الگ سے فضیلت ذکر نہیں فرمائی، اور نہ ہی الگ سے کوئی خاص عبادت مقرر کی ہے، اور نہ ہی اس مہینے کے بارے میں کوئی خاص توہم پرستی کی تعلیم دی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ مہینا دیگر مہینوں کی نسبت منحوس ہے، یا اس میں نحوست پائی جاتی ہے۔ عرب سے یہ نظر یہ چلتا چلتا اب ہمارے برصغیر پاک و ہند میں بھی آ گیا ہے، ہمارے بہت سارے بہن بھائی بھی اس مہینے کو کہتے ہیں کہ یہ مہینا بد بخت اور منحوس ہے، (نعوذ باللہ) اسی وجہ سے اس مہینے میں شادی بیاہ و دیگر خوشی کی تقریبات سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس ماہ کی نحوست کو ختم کرنے کے لیے طرح طرح کی بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے اور یہ دراصل اسی توہم پرستی کا تسلسل ہے جو اسلام سے قبل عرب

{ سلسلۃ الضعیفۃ، رقم الحدیث (۱۵۸۱) شیخ البانی نے بھی اسے موضوع کہا ہے۔

میں عام تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ہم پرستی پر مبنی ایسے تمام عقائد کو یکسر ختم فرما دیا، بالخصوص ماہِ صفر کے بارے میں تو اللہ کے رسول ﷺ نے واضح طور پر ارشاد فرما دیا:

«لَا صَفْرًا» یعنی: ”صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں۔“

اس واضح ارشادِ نبوی ﷺ کے باوجود بھی آج کل لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس مہینے کو منحوس سمجھتی ہے، بلکہ اس مہینے کے حوالے سے عجیب و غریب چیزیں ہمارے معاشرے میں مشہور ہیں، مثلاً:

- 1] اس مہینے کی نحوست سے بچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مروّجہ قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔
- 2] کہا جاتا ہے کہ صرف اسی مہینے میں جنات سے حفاظت کے اعمال کیے جاتے ہیں۔
- 3] اس مہینے کی نحوست سے بچنے کے لیے گھر سے دور نکلنے اور سفر کرنے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔
- 4] اس مہینے کو عورتوں کے بجائے مردوں پر زیادہ بھاری تصور کیا جاتا ہے۔

1- ماہِ صفر کو اپنی جگہ سے آگے پیچھے کرنا:

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سال میں مہینوں کی تعداد بارہ رکھی ہے، اور ان مہینوں میں سے چار کو حرمت والے مہینے قرار دیا، چنانچہ ان چار مہینوں میں قتال، لڑائی، جھگڑا کرنا حرام ہے، حرمت والے چار مہینے یہ ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔

اس کی قرآن مجید میں دلیل سے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَمِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۗ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَدِيمُ ۗ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ [التوبة: ۳۶]

”بیشک آسمان و زمین کی تخلیق سے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتاب میں سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی مضبوط دین ہے، چنانچہ ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم مت کرو۔“

لیکن مشرکین جانتے بوجھتے ہوئے بھی ماہِ صفر کو اپنی مرضی سے آگے پیچھے کرتے رہتے تھے، جیسے کہ انھوں نے محرم کے بجائے ماہِ صفر کو حرمت کا مہینا قرار دیا۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عرب حج کے مہینوں میں عمرہ

کرنے کو روئے زمین پر سب سے بڑا گناہ سمجھتے تھے، نیز وہ صفر کو حرمت والا مہینا بنا کر کہتے:

((إِذَا بَرَّ الدَّبْرُ، وَ عَفَا الأَثْرُ، وَأَنْسَلَخَ صَفْرُ حَلَّتِ العُمْرَةُ لِمَنْ اعْتَمَرَ))^①

”جب حج کے سفر کی وجہ سے سواریاں زخم خوردہ ہو کر شفا یاب ہو جائیں، زخموں کے نشانات مٹ جائیں، ماہِ صفر گزر جائے تو عمرہ کرنے والا عمرہ کر سکتا ہے۔“

اسی طرح ابن عربی کہتے ہیں: ”نسیء“ [ماہِ صفر کو اپنی اصلی جگہ سے آگے پیچھے کرنے] کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ اس کے بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جنادہ بن عوف بن امیہ کنانی ہر سال حج کیا کرتا تھا، اور یہ صدائگانا: ابو شامہ (جنادہ کی کنیت) پر کوئی انگلی نہ اٹھائے، اور نہ ہی اس کی بات مسترد کرنے کی کوشش کرے! پہلے سال میں ماہِ صفر کو حرمت والا مہینا شمار نہیں کیا، اور ہم ایک سال اس ماہ کو حرمت والا شمار کرتے ہیں اور ایک سال شمار نہیں کرتے، اس کے ساتھ قبیلہ ہوازن، غطفان اور بنی سلیم بھی ہوتے تھے۔ ایک جگہ پر یہ الفاظ بھی ہیں: جنادہ کہتا: ”ہم محرم کو حرمت والا ہی شمار کریں گے، جبکہ صفر کو مؤخر کریں گے“ اور پھر آئندہ سال کہتا ہے: ”ہم اس سال محرم کے بجائے حرمت والے مہینے کو مؤخر کرتے ہوئے صفر کو حرمت والا شمار کریں گے“ اسی من مانی کو حرمت والے مہینوں کے بارے میں نسیء ”تاخیر“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسرا قول:

”نسیء“ کا ایک مفہوم حرمت والے مہینوں میں اضافے کا بھی ہے، چنانچہ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کچھ گمراہ لوگوں نے صفر کو بھی حرمت کے مہینوں میں شامل کر کے ان کی تعداد چار سے پانچ کر دی، یہ لوگ اعلان کرتے ہوئے کہتے: تمہارے معبودوں نے اس سال محرم کو حرمت والا مہینا قرار دیا ہے۔ یہ اعلان سن کر وہ اس سال محرم کو حرمت والا مہینا شمار کرتے، پھر آئندہ سال اعلان ہوتا: ”تمہارے معبودوں نے صفر کو بھی حرمت والا مہینا قرار دیا ہے“ تو پھر اس سال صفر کو بھی حرمت والا مہینا شمار

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۴۸۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۴۰)

کرتے اور کہتے کہ اس سال صفر کے دو ماہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [ایک سال میں دو بار] صفر منانے کا کوئی تصور نہیں۔ اسی طرح کی روایت امام مالک رحمہ اللہ سے اشہب نے بیان کی ہے۔

تیسرا قول:

حج کے مہینے میں تبدیلی، اس بارے میں امام مجاہد رحمہ اللہ سے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ [التوبة: ۳۷]

”بیشک نسیء (قمری مہینوں کی من مانی تقدیم و تاخیر) کفر میں اضافے کا باعث ہے۔“

سورۃ التوبہ کی اس آیت: ۳۷ کی تفسیر میں مروی ہے کہ: ”دورِ جاہلیت کے لوگ دو سال تک ذوالحجہ میں حج کرتے، پھر آئندہ دو سال محرم میں، اس کے بعد اگلے دو سال صفر میں، اسی طرح حج پورے سال گھومتا رہتا۔ یہاں تک کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو وہ ذوالقعدہ میں تھا، اس کے بعد اگلے سال جب نبی ﷺ نے حج ادا کیا تو وہ ذوالحجہ ہی میں تھا، یہی وجہ ہے کہ صحیح حدیث کے مطابق آپ ﷺ کے خطبے کے الفاظ کچھ یوں تھے:

”بیشک زمانہ اپنی اسی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق کیا تھا۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اسی خطبے کی مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! میری بات غور سے سنو! مجھے علم نہیں ہے کہ شاید دوبارہ میری اور تمہاری یہاں ملاقات ہو سکے یا نہ ہو، لوگو! تمہارے مال و جان قیامت کے دن تک ایک دوسرے کے لیے قابل احترام ہیں، بالکل اسی طرح جیسے آج کا دن، اس ماہ اور اس شہر میں حرمت والا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لو! تم اپنے رب سے ملو گے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں مکمل حساب لے گا، میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، لہذا جس کے پاس امانت رکھوائی گئی ہے وہ صاحب امانت تک پہنچائے، ہر قسم کا سود آج سے کالعدم ہے، تمہیں صرف تمہارا اصل مال ہی ملے گا، اس لیے تم کسی پر ظلم نہ کرو، اور نہ ہی تم پر کوئی ظلم کرے، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود حرام ہے، یہ بالکل نہیں چلے گا، چنانچہ سب سے پہلے عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالطلب کا سود کالعدم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح دورِ جاہلیت کے قتل کا قصاص بھی کالعدم ہے، چنانچہ دورِ جاہلیت کے قصاص کو کالعدم کرنے کے لیے سب سے

پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا قصاص ختم کرتا ہوں جسے قبیلہ ہذیل نے بنی لیث میں رضاعت کے دوران میں قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! شیطان تمہاری سرزمین پر اپنی پرستش سے بالکل مایوس ہو چکا ہے، لیکن اسے دیگر گناہوں پر امید ہے جو تمہاری نظر میں چھوٹے ہیں، اس لیے اپنے دین کو بچا کر رکھنا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحْلِلُونَ مَا كَانَ مَوْجُودًا عَلَيْهِمْ سَبْعَ أَشْهُارٍ مُّبِينًا لِيُؤْطَقُوا مَآ حَرَّمَ اللَّهُ ﴾ [التوبة: ۳۷]

”بے شک ”نسیء“ کفر میں مزید اضافے کا باعث ہے، اس کے ذریعے کفر میں ملوث لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ [کچھ قمری مہینوں کو] کبھی حرمت والا قرار دیتے ہیں اور کبھی نہیں، تاکہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی پوری ہو جائے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بھی کر لیں۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: زمانہ ایک بار پھر اپنی اصلی حالت پر واپس آ گیا ہے، جو زمین و آسمان کی تخلیق کے دن تھی۔ نیز مہینوں کی تعداد ایک سال میں اللہ تعالیٰ کے ہاں بارہ ہی ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، جن میں تین مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، اور چوتھا مہینا جمادی ثانیہ اور شعبان کے درمیان والا ماہِ رجب ہے۔“

یہ تھیں ان کی پہلی برائیاں جو مہینے کو آگے پیچھے کرنا وغیرہ ہیں۔

2- ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا:

اب ہم بات کریں گے کہ ماہِ صفر کیا واقعی منحوس ہے؟ میری بہنو! ماہِ صفر کو منحوس اور اس سے بدشگونی لینا دورِ جاہلیت میں بہت مشہور تھا، مگر کسی ماہ یا دن یا رات کے بارے میں صحیح احادیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ منحوس ہے، لہذا اس سے بدشگونی لینا جائز نہیں ہے۔

کیا کسی چیز میں نحوست ہے؟

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بھی چیز میں نحوست نہیں ہے، یہ اللہ کی مرضی ہے کہ کسی چیز میں برکت ڈال دے اور کسی چیز میں نہ ڈالے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا ایک فرمان

ہے جو ہمارے لیے فیصلہ کن ہے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نحوست کا ذکر کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا عَدْوَى وَلَا طَيْرَةَ، وَإِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ: الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالِدَّارِ﴾^①

”اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی: ① عورت، ② گھر اور

③ گھوڑا [یعنی آپ کی سواری]۔“

نحوست کے متعلق کافروں کا نظریہ:

اسلام میں نحوست اور بدشگونی کا کوئی تصور نہیں ہے، اصل میں یہ کام تو بنی اسرائیل کا ہے، جیسا کہ ان کا ذکر کرتے ہوئے سورت یس (آیت: ۱۴) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ﴾

”ایک بستی کی طرف اللہ تعالیٰ نے دو رسول بھیجے، ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا، پھر ہم

نے ان کی تائید کے لیے تیسرا رسول بھی بھیج دیا۔“

وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا گیا تھا اللہ کے رسولوں کو کیا کہتے ہیں، ذرا غور سے ان آیات کو سننا تاکہ آپ کو صحیح اور باطل عقیدے میں واضح فرق نظر آجائے، کیوں کہ ان آیات کریمات میں ان لوگوں کے لیے جواب ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں نور ہیں، یہی بات انہوں نے بھی کہی:

﴿قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ﴾

[یس: ۱۵]

”ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح ایک معمولی آدمی ہو اور رحمان نے کوئی چیز نازل

نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔“

﴿قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ﴾ [یس: ۱۶]

”ان رسولوں نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔“

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۲۵)

اس پر انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بہت سخت جواب دیا، کہتے ہیں:

﴿قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجِمَنَّكُمْ وَلَيَشَسَّنَّكُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

[یس: ۱۸]

”تو وہ بہتی والے کہنے لگے کہ تمھاری وجہ سے ہمارے اوپر نحوست چھا چکی ہے اور اگر تم اپنی دعوت سے باز نہ آئے تو ہم تمھیں رجم کر دیں گے اور تمھیں سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔“

ان کے جواب میں اللہ رب العزت کے نبیوں نے انھیں کہا:

﴿قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ إِنَّ ذِكْرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ﴾ [یس: ۱۹]

”تو ان پیغمبروں نے جواب دیا کہ یہ نحوست تو تمھارے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم پر چھائی ہے، کیا اس کی نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے، بلکہ تم حد سے بڑھے ہوئے لوگ ہو۔“

میری بہنو! اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیغمبروں کو جس جگہ پر باری باری بھیجا تھا اس کا نام انطاکیہ تھا، وہاں پر یہ تین رسول آئے تھے جسے آج ترکی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو دعوت دی تو وہ کہنے لگے:

﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِئْسَ مَعَاكَ قَالَ طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ﴾

[النمل: ۴۷]

”تمھاری اور تمھارے ماننے والوں کی وجہ سے ہم پر نحوست چھا گئی ہے۔ تو فرمایا: یہ نحوست تمھارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (تمھارے اعمال کی وجہ سے) ہے۔ بلکہ تم تو فتنہ باز لوگ ہو۔“

یہی حال سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا:

﴿فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ إِلَّا إِنَّمَا طَّيَّرَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الأعراف: ۱۳۱]

”سو جب ان پر خوشحالی آجاتی تو کہتے: یہ تو ہمارا حق ہے اور جب کوئی پریشانی آتی تو

کہتے کہ: یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے نحوست ہے۔ خبردار! یہ نحوست تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ان کے اعمال کی وجہ سے) ہے، لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

نیز فرمایا:

﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم السجدة: ۱۵]

”اب عاد نے تو بلا وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے ہم سے زور آور کون ہے؟“ اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ ہم عذاب روک لینے پر قادر ہیں، کیوں کہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ [حم السجدة: ۱۵]

”اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے انھیں پیدا کیا، قوت میں ان سے کہیں زیادہ سخت ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَجَسَاتٍ لِّنَذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخُزْيِ فِي الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا﴾ [حم السجدة: ۱۶]

”بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی کہ انھیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔“

یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی، نہایت تند اور تیز ہوا۔ بعض کہتے ہیں: یہ صر سے ہے، جس کے معنی برد (ٹھنڈک) کے ہیں، یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ”وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔“

﴿نَجَسَاتٍ﴾ کا ترجمہ بعض نے متواتر پے درپے کا کیا ہے، کیوں کہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت، بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے کیا ہے۔ آخری ترجمے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منحوس ہیں۔ گریسا ہوتا تو یہ ایام دوسروں کے لیے بھی منحوس ہی ثابت ہوتے، ان کے لیے ہی خاص کیوں؟

چنانچہ اس آیت کے حوالے سے اگر کوئی کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا ذکر

کرتے ہوئے منحوس دنوں کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا مطلب یہ کہ کچھ دن منحوس ہو سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہی دن جو قوم عاد کے لیے منحوس تھے، وہ ہی دن صالح علیہ السلام اور مومنوں کے لیے مبارک تھے۔ جس دن فرعون اور اس کے ساتھی بجز قلم میں غرق ہوئے، وہ دن فرعون اور آل فرعون کے لیے منحوس تھا، مگر موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے وہ دن مبارک تھا، اگر یہ دن بذاتِ خود منحوس ہوتے تو عذاب صرف مجرموں پر ہی نہیں، بلکہ ساری دنیا پر آتا۔

«وَلَا هَامَةَ» کا مفہوم:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا عَدْوَى وَلَا طَيْرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ»^①

”کسی سے کوئی مرض خود بخود کسی دوسرے کو نہیں چمٹتا، نہ بدفالی کی کوئی حقیقت ہے، نہ صفر کی نحوست اور نہ کھوپڑی سے الو نکلنے کی۔“

اس حدیث میں نبی ﷺ نے چار چیزوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ عرب کے باطل نظریات میں سے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ جسے قتل کیا جاتا تھا اُس کی روح اُو بن جاتی ہے اور اپنا انتقام لینے کے لیے رات کو نکلتی ہے اور جب تک اس کا انتقام پورا نہیں کیا جاتا وہ اُو بن کر راتوں کو گھومتی رہتی ہے، یہی عقیدہ چگاڈ اور سانپ وغیرہ کے بارے میں بھی پایا جاتا ہے۔ اُو کا بولنا، سانپ کا نظر آنا اور چگاڈ کے عجیب و غریب کام کرنے کے بارے میں باطل نظریات ابھی بھی ہمارے لوگوں کے اندر سے نہیں گئے، ان سے بچنا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس باطل عقیدے کی نفی فرمائی ہے۔

دورِ جاہلیت میں لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے، حالانکہ تقدیری معاملات میں وقت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، اس لیے ماہِ صفر بھی دیگر اوقات میں سے ایک وقت ہے، اس میں اچھائی برائی سب کچھ معمول کے مطابق ہوتا ہے۔

ماہِ صفر کو کسی بھی اچھے یا برے کام کے ساتھ منسلک نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے پاس کسی نے اُو کی آواز سنی تو کہنے والے نے کہا: ”ان شاء اللہ خیر ہوگی“ تو انھوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا: یہاں خیر و شر کی بات ہی نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ اُو بھی بقیہ پرندوں کی طرح ہی بولتا ہے، اسے خیر و شر کا کیا علم۔

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۲۰)

«لَا عَدْوِي» کا مفہوم:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی کوئی بیماری کسی دوسرے کو خود بخود نہیں لگتی جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ تو ایک اعرابی بدو نے کہا:

”تو پھر اونٹوں کا یہ حال کیوں ہوتا ہے کہ وہ صحرا میں ایسے پھر رہے ہوتے ہیں جیسے ہرن (صحت مند، چاق و چوبند)، پھر ایک خارش زدہ اونٹ آتا ہے، ان میں شامل ہوتا ہے اور ان سب کو خارش لگا دیتا ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلِ؟»^① ”پہلے اونٹ کو کس نے بیماری لگائی تھی؟“

نبی کریم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیماری متعدی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بہت سارے اطبا اور ڈاکٹر حضرات کا کہنا ہے کہ بیماری متعدی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عوام بھی یہی سمجھتے ہیں کہ بیماری متعدی ہے، مریض کے پاس بچوں کو بیٹھنے نہیں دیتے، یا بیٹھتے ہیں تو بہت مجبوری سے اور بہت احتیاط سے، جب کہ یہ نظریہ رکھنا صحیح نہیں ہے۔

«وَلَا طَيْرَةَ» کا مفہوم:

جاہلیت میں لوگ کوئی بھی کام کرنے سے قبل فال نکالتے تھے، اس کے لیے پرندوں کو اڑاتے اور تیروں کو نکلنے کا کام کیا جاتا تھا، جس کی بنا پر وہ بدشگونی کا شکار ہوتے تھے، ہمارے دین نے اس کام کی نفی کی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے جن چار چیزوں کی تردید فرمائی ہے ان تمام کا نچوڑ یہ ہے کہ توکل و اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہو، اور اگر کسی کو ان میں سے کوئی بھی چیز درپیش ہو جائے تو کسی صورت میں بھی کام کرنے سے گریز مت کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے کام کو نمٹا دے۔ لیکن اگر پھر بھی کوئی مسلمان ان چیزوں کو خاطر میں لے آئے تو اس کی دو میں سے ایک حالت ہوگی:

❁ پہلی حالت: اگر ان چیزوں کو دیکھ کر پیش قدمی کرے یا گریز کرے تو ایسی صورت میں اس نے

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۲۰)

اپنے کاموں کو ایسے امور سے منسلک کر دیا ہے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے۔

❁ دوسری حالت: ایسی باتوں کی طرف دھیان نہ دے، لیکن پھر بھی اس کے دل میں کھٹکا لگا رہے، یہ حالت اگرچہ پہلی سے کمتر ہے، لیکن پھر بھی اس بات کو یقینی بنائے کہ ان چیزوں کی طرف مطلق طور پر بالکل بھی توجہ نہ دے، اور اپنا اعتماد و بھروسہ صرف اللہ پر رکھے۔

اس حدیث میں ان چار چیزوں کے وجود کی نبی ﷺ نے نفی نہیں کی ہے، کیوں کہ یہ چیزیں موجود ہیں، حسی طور پر نظر آتی ہیں، لیکن یہاں پر نفی ان کے مؤثر ہونے کی کی ہے، کیوں کہ تاثیر پیدا کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، لہذا اس حدیث میں اس بات کی نفی ہے کہ یہ چیزیں خود بخود ایسا کر سکتی ہوں، ہاں مگر جب تک اللہ کی منشا اس میں شامل حال نہ ہو۔^①

نخواست نہیں توکل اختیار کیجیے:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ وَالنَّبِيَّانِ يَمْرُودًا مَعَهُمُ الرَّهْطُ، وَ النَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ»

”میرے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں، ایک ایک، دو دو نبی اور ان کے ساتھ ان کے ماننے والے گزرتے رہے اور بعض نبی ایسے بھی تھے کہ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔“

«حَتَّى رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ» «آخر میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت آئی۔“

«فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟» «میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ کیا یہ میری امت کے لوگ ہیں؟“

«قِيلَ: بَلْ هَذَا مُوسَىٰ وَقَوْمُهُ» «کہا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔“

«قِيلَ: أَنْظِرْ إِلَى الْأَفُقِ فَإِذَا سَوَادٌ يَمَلَأُ الْأَفُقَ»

”پھر کہا گیا: ان کناروں کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا کہ وہ بہت عظیم جماعت ہے جو

کناروں پر چھائی ہوئی ہے۔“

«قِيلَ: هَذِهِ أُمَّتُكَ» «مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔“

① مجموعہ فتاویٰ شیخ ابن عثیمین (۲/ ۱۱۳-۱۱۵)

«وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هُوْلَاءِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ»

”اور ان میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔“

ایک روایت میں ہے کہ ”ہر ہزار میں ستر ہزار ہوں گے۔“

جبکہ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مزید کا مطالبہ کیا تو فرمایا گیا کہ ہر ایک کے ساتھ مزید ستر ہزار ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ (اپنے حجرے میں) تشریف لے گئے اور کچھ تفصیل نہیں فرمائی، لوگ ان جنتیوں کے بارے میں بحث کرنے لگے اور کہنے لگے:

”نَحْنُ الَّذِينَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاتَّبَعْنَا رَسُولَهُ، فَنَحْنُ هُمْ، أَوْ أَوْلَادُنَا الَّذِينَ
وُلِدُوا فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنَّا وُلِدْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ“

”ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کی ہے، اس لیے ہم ہی وہ لوگ ہیں، یا ہماری وہ اولاد ہے جو اسلام میں پیدا ہوئے، کیوں کہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔“

یہ باتیں جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوئیں تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتُمُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»

”① یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے۔ ② فال نہیں دیکھتے۔ ③ داغ لگا کر علاج نہیں

کرتے۔ ④ بلکہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔“

اس پر عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

«أَمِنْهُمْ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟» ”یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ». ”ہاں۔“

اس کے بعد دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی:

«أَمِنْهُمْ أَنَا؟» ”میں بھی ان میں سے ہوں؟“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَبَقَكَ بِهَا عَكَاشَةُ» ① ”اس پر عکاشہ تم پر سبقت لے گئے ہیں۔“

افسوس کہ موجودہ دور کے بہت سے مسلمان ماہِ صفر کے بارے میں بڑی بد عقیدگی کا شکار ہیں، اور اہل جاہلیت کی روش پر ابھی تک بھی قائم ہیں، وہ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے:

1 اس ماہ میں مصائب و آلام کی ہوائیں پوری تیزی کے ساتھ چلنے لگتی ہیں، اور غم و تکلیف کے دریا تندی و روانی کے ساتھ بہنے لگتے ہیں، سال میں دس لاکھ اسی ہزار بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، ان میں صرف ایک مہینے (صفر) میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

2 بعض بد عقیدہ مسلمان خواتین اس مہینے کو (طیرہ طیری) یا (تیرہ تیزی) کے نام سے موسوم کرتی ہیں، چنانچہ وہ اس مہینے کو منحوس خیال کرتی ہوئی چنے اُبال کر اس مہینے میں صدقہ کرتی ہیں تاکہ اس نحوست سے محفوظ رہیں۔

3 بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ مہینا رحمتوں اور برکتوں سے خالی رہتا ہے، اس لیے اس سے نحوست پکڑتے ہیں۔

4 بعض لوگ جب صفر کی پچیس تاریخ کو اپنے کسی کام سے فارغ ہوتے ہیں تو اُس کی تاریخ لکھتے ہوئے کہتے ہیں: خیر کے مہینے کی پچیس تاریخ کو یہ کام ختم ہوا (یہ بدعت کا علاج بدعت کے ذریعے ہے، یہ مہینا نہ تو خیر کا ہے اور نہ شر کا)۔

5 بعض لوگوں کے یہاں نئے شادی شدہ جوڑوں کو اس ماہ کے ابتدائی تیرہ دنوں میں ایک دوسرے سے الگ رکھا جاتا ہے۔ انھیں ایک دوسرے کی صورت تک نہیں دیکھنے دی جاتی ہے، حتیٰ کہ عام شوہر اور بیوی کو بھی تین دن تک ایک دوسرے سے الگ رکھا جاتا ہے تاکہ وہ نحوست کا شکار نہ ہو جائیں۔

6 بعض مسلمان ماہِ محرم میں اور صفر میں اس بنا پر شادی اور کوئی خوشی کا کام نہیں کرتے کہ محرم میں حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور صفر میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا۔

ان دونوں واقعات کی بنا پر دونوں مہینوں کو شادی اور خوشی کے لیے غیر مناسب اور منحوس سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی کی وفات اور شہادت کا دنوں اور مہینوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ورنہ ماہِ ربیع الاول اس بنا پر منحوس سمجھا جاتا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، جمادی الاولیٰ کو اس لیے منحوس سمجھا جائے کہ اس میں خلیفہ اول، یارِ غار رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور محرم کو اس لیے بھی کہ اس

میں خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی اور ذوالحجہ کو اس لیے منحوس سمجھا جائے کہ اس میں خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور ماہِ رمضان اس منحوس سمجھا جائے کہ اس میں خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی۔

اگر اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ اسلام کی وفات اور شہادت کے ایام و مہینوں کو منحوس قرار دیں تو کوئی مہینا، بلکہ کوئی دن نحوست سے خالی نہ رہے۔

7 ماہِ صفر کی بدعات میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ اس ماہ کے آخر میں مغرب اور عشاء کے درمیان مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور ایک ایسے کاتب کے پاس حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں جو انھیں کاغذ پر انبیاء علیہم السلام اور صالحین پر سلام والی آیتوں کو لکھ کر دیتا ہے، مثلاً:

﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ﴾ [یس: ۵۸]

﴿سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ﴾ [الصافات: ۷۹]

﴿سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ [الصافات: ۱۰۹]

﴿سَلَامٌ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ﴾ [الصافات: ۱۲۰]

﴿وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ﴾ [الصافات: ۱۸۱]

﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ [الزمر: ۷۳]

﴿سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطَلَعِ الْفَجْرِ﴾ [القدر: ۵] وغیرہ

اس کے بعد یہ اسے پانی کے برتن میں ڈالتے ہیں اور پھر اسے اس اعتقاد کے ساتھ پیتے ہیں کہ اس سے تمام مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں، اسی طرح وہ اس پانی کو ایک دوسرے کو ہدیہ کے طور پر بھی بھیجتے ہیں۔ شیخ محمد عبدالسلام شقیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”کچھ جاہل لوگ لفظ سلام پر مشتمل آیات جیسے کہ ﴿سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ﴾ وغیرہ

کو لکھ کر پانی سے بھرے برتنوں میں ڈال کر پانی پیتے ہیں، اُسے بابرکت اور مشکل کشا

سمجھتے ہیں، یہ انتہائی بد عقیدگی ہے، چنانچہ کسی کو بھی ایسا کرتے دیکھیں تو اسے منع کرنا

واجب ہے۔^①

بعض خرافات یہ بھی ہیں:

✽ اٹی جوتی رکھنا اللہ کی طرف ہوگی، نعوذ باللہ۔

✽ اسی طرح گھر کی چھت پر کوا بول رہا ہے تو مہمان آئیں گے۔

✽ کسی نے پیچھے سے چھینک ماردی تو نحوست ہوگی۔

✽ جانے والے کو پیچھے سے بلایا تو کوئی حادثہ ہوگا۔

✽ جوتی پر جوتی آئی تو سفر ہوگا۔

یہ سب چیزیں محض وہم ہیں، جو بھی ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی مصیبت کی وجہ نہیں بنتی۔ یہ کیسا نامعقول معاشرہ ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی خبر نہ ہونے کے باوجود کچھ مہینوں کو بابرکت مانا جاتا ہے اور من گھڑت و خود ساختہ رسموں اور عبادت کے لیے خاص کیا جاتا ہے اور کچھ کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا کہ ان میں کوئی خوشی والا کام، کاروبار کا آغاز، رشتہ، شادی بیاہ یا سفر وغیرہ نہیں کرنا چاہیے۔

حیرانگی اس بات کی نہیں کہ ایسے خیالات آئے کہاں سے؟ بلکہ حیرانگی اس بات کی ہے کہ جو باتیں اور عقیدے کسی ثبوت اور سچی دلیل کے بغیر کانوں، دلوں اور دماغوں میں ڈالے جاتے ہیں انھیں تو فوراً یا دیر سے قبول کر لیا جاتا ہے، لیکن جو بات اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بتائی جاتی ہے اور پوری تحقیق کے ساتھ سچے اور ثابت شدہ حوالہ جات کے ساتھ بتائی جاتی ہے، اسے مانتے ہوئے طرح طرح کے حیلے بہانے، منطق و فلسفہ، اور دل و عقل کی کسوٹیاں استعمال کر کے راہ فرار تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے اور کچھ اس طرح کہا جاتا ہے:۔

اجی یہ بات دل کو بھاتی نہیں کچھ ایسا ہے کہ عقل میں آتی نہیں

میری بہنو! سن لیجیے یہ بات آپ کو بھائے نہ بھائے، آپ کی عقل مانے نہ مانے، یہ آپ کا عمل ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو منحوس نہیں بنایا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ایک فرمان ہمارے اس موضوع کے لیے فیصلہ کن ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے نحوست کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنْ كَانَ الشُّومُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ﴾⁽¹⁾

”اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو ان تین میں ہوتی: عورت، گھر اور گھوڑا۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی۔“ صاف بیان فرماتا ہے کہ کوئی چیز منحوس نہیں ہوتی اور یہ بات بھی ہر کوئی سمجھتا ہے کہ جب ”کسی چیز“ کہا جائے گا تو اس میں مادی غیر مادی ہر چیز شامل ہوگی، یعنی وقت اور اس کے پیمانے بھی شامل ہوں گے، لہذا رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہوگی کہ نحوست کسی چیز کا ذاتی جز نہیں ہوتی۔

ہاں یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکمت ہے کہ وہ جس چیز کو جس کے لیے چاہے برکت والا بنائے اور جس کے لیے چاہے بے برکت بنائے، یہ سب اللہ کی حکمت اور مشیت سے ہوتا ہے نہ کہ کسی بھی چیز کی اپنی صفت سے، جیسے:

﴿1﴾ دو شخص ایک ہی مرض کا شکار ہوں، ایک ہی دوا استعمال کرتے ہیں، ایک کو شفا ہو جاتی ہے اور دوسرے کو اسی دوا سے کوئی آرام نہیں آتا، بلکہ بعض اوقات مرض بڑھ جاتا ہے۔

﴿2﴾ اسی طرح کئی لوگ ایک ہی جگہ میں ایک ہی جیسا کاروبار کرتے ہیں، کسی کو فائدہ ہوتا ہے، کسی کو نقصان اور کوئی درمیانی حالت میں رہتا ہے۔ ایسے ہی کئی لوگ ایک ہی جیسی سواری استعمال کرتے ہیں کسی کا سفر خیر و عافیت سے تمام ہو جاتا ہے اور کسی کا نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہر ایک چیز میں رواں ہے۔

اس بات کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ برکت اور اضافے میں بہت فرق ہوتا ہے، کسی کے لیے کسی چیز میں اضافہ ہونا یا کسی کے پاس کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ اسے برکت دی گئی ہے۔

جبکہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ کافروں اور بدکاروں کو مسلمانوں اور نیک لوگوں کی نسبت مال و دولت، اولاد، حکومت اور دنیاوی طاقت وغیرہ زیادہ عطا کی گئی ہے، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں

﴿1﴾ صحیح البخاری، کتاب النکاح باب ۱۷، رقم الحدیث (۵۰۹۴) صحیح مسلم، کتاب السلام باب ۳۴، رقم الحدیث (۵۹۴۵)

ہوتا کہ انھیں برکت دی گئی ہے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ان پر آخرت کا مزید عذاب تیز کرنے کا سامان ہوتا ہے کہ لو اور خوب آخرت کا عذاب کماؤ۔

صفر کے مہینے کو برا، یا منحوس سمجھنے کے اسباب:

میری بہنو! اسلام سے پہلے عرب اور کافراں مہینے کو منحوس اور باعث نقصان سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ صفر ایک کیڑا یا سانپ ہے جو پیٹ میں ہوتا ہے اور جس کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کو قتل کر دیتا ہے اور دوسروں کے پیٹ میں منتقل ہو جاتا ہے، یعنی چھوت کی بیماری کی طرح اس کے جراثیم منتقل ہوتے ہیں، یا ماورائی تخیلات کی بنا پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ کیڑا ایک شخص کو قتل کرنے کے بعد مقتول کے پیٹ سے کسی دوسرے شخص کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔

انہی بد خیالیوں کی وجہ سے وہ لوگ اپنے ہی طور پر ایک سال چھوڑ کر ایک سال میں اس مہینے کو محرم سے تبدیل کر لیتے اور محرم کی حرمت اس پر لاگو کرتے کہ شاید اس خود ساختہ حرمت کی وجہ سے صفر صاحب ان سے خوش ہو جائیں اور ان کی نحوست کم یا ختم ہو جائے۔

صفر کے مہینے کی فضیلت نہ تو قرآن کریم سے اور نہ ہی سنت رسول ﷺ سے ملتی ہے اور نہ ہی کوئی ایسی بات سے جس کی وجہ سے اس ماہ کو بے برکت یا برا سمجھا جائے۔

زیادہ وہم کرنے سے انسان اپنی زندگی خود ہی مشکل بنا دیتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتا ہے، چین و سکون سے جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات لوگ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے روحانی عالموں کے پاس جا پہنچتے ہیں اور یہ دو نمبر، دھوکا باز اور بعض جعلی عامل مال کے ساتھ ساتھ ان کی عورتوں کی عزتیں بھی برباد کر دیتے ہیں، یعنی دونوں طرف سے نقصان اٹھا لیتے ہیں۔

جبکہ ہر مومن مسلمان کو چاہیے کہ اپنے دل میں صرف اللہ کا خوف رکھے، اس کے علاوہ ہر قسم کے خوف کو دل سے نکال دے۔ یہ یاد رکھیں کہ آپ کو نفع یا نقصان کوئی نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔ اس لیے ساری امیدیں اور دعائیں اسی ذات سے وابستہ رکھیں اور اس بات پر پختہ ایمان رکھیں کہ اگر اللہ آپ کو عطا کرنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت آپ سے چھین نہیں سکتی۔

اسی طرح ہی اگر آپ کی قسمت میں کوئی نقصان لکھا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے ہو کر رہے گا۔

اس بات پر ایمان رکھنا انسان کو بہادر اور مطمئن بنا دیتا ہے۔ اسی بات پر ایمان انسان کو ڈپریشن سے نکال کر اطمینان و سکون دیتا ہے۔

میری بہنو! کوئی مہینا اور دن منحوس نہیں ہوتا، منحوس انسان کا اپنا ناجائز عمل اور غلط عقیدہ ہوتا ہے۔ ہماری زندگی پر ہمارے گناہوں کے اثرات پڑ جاتے ہیں، وہ کسی بدشگونئی کا اثر نہیں ہوتا، بلکہ جو عمل ہم نے کمائے ہوئے ہوتے ہیں وہی اپنا اثر دکھا رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی مسئلے اور مصیبت کے آنے سے پہلے ہی اس کے لیے حفاظتی تدبیر اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ”حفاظت کی دعائیں“ پڑھیے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت میں ہمیں ایسی دعائیں ملتی ہیں، انھیں آپ اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں، یہ دعائیں آپ کے لیے حفاظتی دیوار ہیں۔

دین میں خود ساختہ چیزیں بنانے اور ان پر عمل کے بجائے قرآن اور سنت کو سمجھیے اور ان پر عمل کیجیے۔ بغیر دلیل کے جو عبادات آپ کو سوشل میڈیا سے یا اپنے باپ دادا اور خاندان سے مل جاتی ہیں، اس کے بجائے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کریں اور وہاں سے عبادت اور دعائیں سیکھیں، اثر بھی انھیں میں ہوگا۔ دوسروں تک بھی یہ بات پہنچائیں کہ اسلام میں بدشگونئی اور توہمات کی گنجائش نہیں۔ یہ قدیم عربوں کے غلط، جھوٹے اور باطل عقیدے تھے۔

اور آج مسلمانوں میں بھی اس قسم کے عقائد پائے جاتے ہیں۔ سانپوں کے انتقام، چمگا ڈروں اور اُلُوں کے عجیب و غریب کاموں، قوتوں اور اثرات کے بارے میں بے بنیاد جھوٹے قصے آج بھی مروج ہیں۔ آج بھی اسی طرح کے جھوٹے عقائد لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں گھر بنائے ہوئے ہیں اور ان لوگوں میں مسلمان بھی کثیر تعداد میں شامل ہیں۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام عقائد کو باطل قرار دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب اللہ القوی العزیز کا ڈر نہیں رہتا تو ہر باطل چیز سے ڈر لگتا ہے، اور جب اللہ کا ڈر دل میں جاگزیں ہو جائے تو پھر ہر باطل کا خوف غائب ہو جاتا ہے۔

محرم کی حرمت صفر میں منتقل کرنے کا دوسرا سبب:

وہ یہ کہ محرم کی حرمت صفر پر لاگو کر کے محرم کو دوسرے عام مہینوں کی طرح قرار دے کر اس

①

میں وہ تمام کام کرتے جو حرمت کی بنا پر ممنوع ہوتے ہیں۔

قبل از اسلام کے کافر اور مشرک عرب صفر کے مہینے کے منحوس ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، افسوس کہ اسی قسم کے خیالات آج بھی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے کئی کام اس مہینے میں نہیں کرتے۔ آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مہینے کے بارے میں پائے جانے والے ہر غلط عقیدے کو مسترد فرما دیا، یعنی ایک طرف آپ ﷺ نے اس ماہِ صفر سے نحوست کی نفی کی تو دوسری طرف اس ماہ میں مبارک کام بھی ہوئے، بہت سی فتوحات اور اچھے واقعات رونما ہوئے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس ماہ کا شر و آفت اور منحوسیت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس ماہ میں ہجرت کے پہلے سال مقام ابواء پر غزوہ ہوا جس میں نبی ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے۔

تین ہجری ماہِ صفر میں قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، اسی ماہ کو چوتھی ہجری میں آپ ﷺ نے ستر ماہر قراء کو اہل نجد کی تعلیم کے لیے روانہ کیا تھا، اسی ماہ میں نبی ﷺ کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔ اسی ماہ میں مومنوں کی ماں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح مبارک ہوا اور اسی مہینے میں خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

اسی ماہ میں عمرو بن العاص، خالد بن الولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کا مشرف بہ اسلام ہونا، اسی ماہ نو ہجری میں قبیلہ شعم کی جانب نبی ﷺ نے سریہ بھیجا، اس سریے میں غیبی طور پر اللہ کی طرف سے سیلاب کے ذریعے مسلمانوں کو مدد ملی اور مالِ غنیمت حاصل کیے۔ اس ماہ میں نو ہجری کو بنی عذرہ کے بارہ لوگوں نے دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر بسر و چشم اسلام قبول کیا۔ اسی ماہ میں غزوہ روم کا وجود میں آنا وغیرہ ہے۔ ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ماہِ صفر منحوس نہیں ہے، اور اس ماہ کو منحوس جان کر جو اعمال و افعال انجام دیے جاتے ہیں وہ سراسر بدعات و خرافات ہیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

① تفصیلات کے لیے دیکھیں: فتح الباری شرح صحیح البخاری الإمام الحافظ ابن حجر العسقلانی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری علامہ بدر الدین العینی، شرح إمام النووي علی صحیح مسلم، عون المعبود شرح سنن أبي داود علامة شمس الحق العظيم آبادی، الدبیاج علی صحیح مسلم امام السیوطی، فیض القدير شرح جامع الصغیر لعبد الرؤوف المناوی.

﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ﴾^(۱)

”جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

نیز فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

﴿كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ﴾^(۲)

”ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔“

یہ سب جاننے کے بعد کون مسلمان ایسا ہوگا جو اس مہینے کو منخوس سمجھے گا اور کوئی بھی نیک کام کرنے سے خود کو روکے رکھے گا؟ یاد رکھیں یہ مہینا نہ تو خیر کا ہے نہ شر کا، بلکہ ایک عام مہینا ہے۔ چنانچہ مصیبت کسی بھی وقت، کسی بھی دن اور کسی بھی مہینے میں آسکتی ہے، وہ مصیبت کسی ماہ و دن کی نحوست کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اپنی بد اعمالی کی وجہ سے ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۰]

”اور تمہیں جو مصیبت لاحق ہوتی ہے وہ اپنی ہی کرتوت کا نتیجہ ہے۔“

یاد رکھیں ہر وہ وقت جس میں بندہ مؤمن اطاعتِ الہی میں مصروف ہے، وہ وقت اس کے لیے مبارک ہے۔ اور جو وقت معصیتِ الہی میں لگایا وہ اس کے لیے منخوس ہے۔ اس لیے اگر آپ نے مصیبت سے بچنا ہے تو اپنے اعمال کی اصلاح اور گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اور اللہ کی خالص عبادت بجالانی ہے۔ میری بہنو اور بھائیو! اسلام میں بدشگونی اور نحوست کا کوئی تصور نہیں۔ اسلام میں اگر کوئی نحوست و بدشگونی کی چیز ہے تو وہ انسان کی اپنی بد اعمالیاں، فسق و فجور، ناچ گانا، فحاشی و عریانی اور اللہ کی کھلم کھلا نافرمانیاں ہیں جو مسلمانوں کے گھر گھر میں ہو رہی ہیں، اسی طرح شادی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، غیر اسلامی رسمیں، فضول خرچیاں ہوتی ہیں، تو آپ سوچیں نحوست کہاں سے آئی ہے؟ اور برکت کیسے چلی گئی ہے؟ اگر ہم واقعی نحوست سے بچنا چاہتے ہیں تو لعنت و پھٹکار اور قہرِ خداوندی کو دعوت دینے والے کاموں سے بچیں۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کی بدعت، گمراہی اور شرک و خرافات سے محفوظ رکھے۔ آمین

[۱] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۱۸)

[۲] صحیح النسائی، رقم الحدیث (۱۵۷۷)

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر ❁
- تفسیر احسن البیان ❁
- صحیح بخاری ❁
- صحیح مسلم ❁
- چند بدعات اور ان کا تعارف ❁
- مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ

نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ

سیرت نگاروں کی نظر میں

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

آج کے درس میں ہم بات کریں گے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے، مگر اس سے پہلے ہم اُس دور کے متعلق کچھ بات کریں گے کہ اُس وقت حالات کیسے تھے، اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اُس دور میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی، نہ رشتوں کی کوئی حرمت تھی، لوگ حلال و حرام کی تمیز بھول گئے تھے، حتیٰ کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ بھی نہ تھا، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد ارض و سما کے روحانی تعلق اور وحی کو منقطع ہوئے کم و بیش چھ سو (600) سال گزر چکے تھے، مذہبی و اخلاقی طور پر پورا عالم انسانیت اندھیروں میں گھر چکا تھا، انسان کا ضمیر مر چکا تھا، ایسے میں خالق کائنات کو اپنی مخلوق انسانی کے حال پر ترس آ گیا۔

اس نے عالم انسانیت کی راہنمائی کے لیے اولادِ ابراہیم خلیل علیہ السلام اور نسلِ اسماعیل الذبیح علیہ السلام سے نبی آخر الزمان رحمۃ اللعالمین ﷺ کو پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ کی ولادت کے اس یوم سعید کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں کروڑوں برس صرف ہو گئے۔ مدتِ دراز سے اسی صبح جان نواز کے لیے زمانہ لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، آج کی صبح وہی صبح جان نواز ہے جس میں مجوسیت کا شیرازا بکھر گیا، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جڑ گئے، توحید کا غلغلہ اٹھا، آفتابِ ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پر تو قدس سے چمک اٹھا (یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہِ حرم، عالمِ قدس سے عالمِ مکان میں تشریف فرمائے عزت و جلال ہوئے)۔ یہ تھے

نبی ﷺ کی ولادت سے پہلے کے حالات۔

اب ہم بات کریں گے آپ ﷺ کی ولادت کے حوالے سے کہ آپ ﷺ کی ولادت کی صحیح تاریخ کیا ہے؟

عید میلاد النبی ﷺ:

آج مسلمانوں میں بہت سے اختلافات ہیں، انہیں میں سے ایک اختلاف یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ کیا ہے؟ لہذا آج ہم اسی موضوع پر بات کریں گے۔ کیوں کہ میلاد النبی ﷺ، یعنی نبی ﷺ کا برتھ ڈے منانا، اس ڈے کو منانے یا نہ منانے کے مسئلے سے پہلے ہمارے لیے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کب ہوئی؟ اور آپ ﷺ نے کس دن وفات پائی؟ تاکہ کہیں غلطی سے آپ ﷺ کی وفات پر خوشیاں منانے کا نادانستہ جرم تو نہ کرتے رہیں۔ میری بہنو! اس سلسلے میں تمام مؤرخین اور سیرت نگاروں میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن پیر ہے۔ اور اصحاب تاریخ و سیر ہی پر بس نہیں، بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کی ایک صحیح حدیث مسلم شریف میں موجود ہے، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے پیر کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ أَوْ أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ»^①

”یہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا، اور اسی دن میں مبعوث ہوا یا مجھ پر وحی نازل کی گئی۔“

اور ایک متکلم فیہ سند والی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن نبوت کا اعلان کیا اور پیر کے دن ہی وفات پائی اور پیر کے دن ہی نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے اور پیر کے دن ہی مدینہ منورہ پہنچے اور پیر کے دن ہی حجر اسود کو اٹھایا۔“^②

رہا معاملہ تاریخ ولادت کا تو اس کے بارے میں خود آپ ﷺ سے تو کوئی روایت نہیں ملتی۔

البتہ سیرت ابن اسحاق کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے جس

① صحیح مسلم مع نووی (۸۱۴-۸۵) عن أبي قتادة.

② الفتح الرباني (۱۸۹/۲۰)

سال ہاتھی والے ابرہہ کے لشکر نے بیت اللہ شریف پر حملہ کیا اور وہ غضبِ الہی کا شکار ہوئے تھے۔ وہ روایت یوں ہے:

« عَنْ قَيْسِ بْنِ مِخْرَمٍ قَالَ: وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَيْلِ فَفَنَحْنُ لِدَانٍ وَوَلِدْنَا مَوْلِدًا وَاحِدًا»^①

”حضرت قیس بن مخرم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی سال عام الفیل میں پیدا ہوئے۔“
امام سہیلی رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے:

”ہاتھی ماہِ محرم میں مکہ آیا تھا۔ اور آپ ﷺ اس واقعہ کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے تھے۔“

جبکہ ان امام سہیلی اور محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہما کے بقول جمہور اہل علم کا مسلک یہی ہے۔^②
تحقیق ”اعلیٰ حضرت“ احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کے مطابق بھی ولادتِ نبی ﷺ 8 ربیع الاول ہی ہے اور وفاتِ نبی ﷺ 12 ربیع الاول ہے۔^③

مفسر شہیر اور مورخ کبیر حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ جمہور اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ آپ ﷺ ماہِ ربیع الاول میں پیدا ہوئے، لیکن یہ کہ آپ ﷺ اس ماہ کے اوّل، آخر، وسط یا کس تاریخ کو پیدا ہوئے؟ اس کے بارے میں مورخین اور سیرت نگاروں کے بکثرت اقوال نقل کیے گئے ہیں، کسی نے دو ربیع الاول کہا ہے، کسی نے آٹھ، کسی نے دس، کسی نے بارہ، کسی نے سترہ اور کسی نے اٹھارہ اور بعض نے بائیس ربیع الاول کہا ہے۔ اور ان سب میں سے راجح قول دو ہیں: ایک بارہ ربیع الاول کا اور دوسرا آٹھ ربیع الاول کا۔ جبکہ ماضی قریب کے دو عظیم سیرت نگاروں میں سے علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب رحمۃ اللعالمین میں اور علامہ شبلی رضی اللہ عنہ نے سیرت النبی ﷺ میں ۹ ربیع الاول برطبق ۲۰ اپریل ۱۵۷۰ کو از روئے تحقیق جدید

① ابن إسحاق بسندٍ جيّدٍ كذا قاله البنا في الفتح الربّاني (۲۰/۱۹۰)

② الفتح الربّاني للبنا (۲۰/۱۹۰)

③ فتاویٰ رضویہ (۲۶/۲۱۵۲۱۲) انجمن فیضانِ رضا۔

صحیح ترین تاریخ ولادت قرار دیا ہے۔^(۱) اسی تاریخ کو محمد طلعت عرب نے تاریخ دول العرب میں صحیح قرار دیا ہے۔^(۲)

مکان ولادت:

کتب سیرت میں اس بات کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت صحیح صادق کے وقت ہوئی۔ آپ ﷺ ۹ ربیع الاول، ۲۰ اپریل بروز پیر، بوقت صبح تقریباً چار بج کر چالیس منٹ پر اس دنیا میں تشریف لائے۔ جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی، چنانچہ جگہ کی تعیین میں تین اقوال ہیں، مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت شبہ بنی ہاشم میں ہوئی۔ یہ مشہور جگہ ہے اور چند سال پہلے تک لوگ اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے، چند سال پہلے سعودی حکومت نے اس جگہ پر مکتبہ بنا دیا ہے۔ یہ تو تھی نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ سیرت نگاروں کی نظر میں۔

اب ہم بات کریں گے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ولادت کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے۔ چلیں ٹھیک ہے فرض کیا جائے کہ صحیح تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہی ہے تو بعینہ یہی وہ تاریخ ہے جس دن رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔ تعجب ہے کہ وفات رسول ﷺ کا غم بھلا کر کس طرح لوگ جشن و مسرت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ امام ابو عمرو بن العلاء کیا خوب فرماتے ہیں کہ جب تک لوگ تعجب خیز بات پر تعجب کرتے رہیں گے تو خیر پر رہیں گے۔ نیز یہ بھی ہے کہ جس ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی ہے ٹھیک اسی مہینے میں آپ ﷺ کی وفات بھی ہوئی ہے۔ اس لیے اس میں خوشی منانا غم منانے سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

لیکن افسوس! شیطان جو انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے، انسان کو سلامت دین پر دیکھنا نہیں چاہتا، اسی لیے تو وہ نبی ﷺ کی محبت کا ایک نیا انداز اور نئی شکل و صورت دکھا کر انسان کو بدعتی اور گمراہ بنانے کی کوشش میں دن رات لگا ہوا ہے۔ انسان بھی اس مردود کا ایسا مطیع واقع ہوا ہے کہ اس کے پھندے میں پھنس کر آئے دن بدعت اور گمراہی کے دام میں شکار ہو کر خود بھی بدعتی بن جاتا ہے اور اللہ کے بندوں کو بھی بدعت اور گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے، جیسا کہ ماہ ربیع الاول میں محبت کے نام پر

(۱) شبلی (۱۷۱/۱) قاضی (۴۰/۱)

(۲) بحوالہ قاضی (۴۰/۱) حاشیہ و (۳۶۷/۲)

محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ دینی و دنیاوی کام کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو لازم پکڑے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ محافل میلاد منعقد کی تھیں؟ اگر کی تھیں تو پھر ہمیں بھی کرنی چاہئیں اور اگر نہیں کی تھیں تو ایسی بدعتوں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کریں۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک اس طرح نہ ہو جائے کہ جو خیر و بھلائی وہ اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے۔“^①

اور اسی میں ہی ہماری آخری نجات ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت:

پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کا ایک طبقہ اس بات کا عادی ہو چکا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے جشن منائے اور جلوس نکالے جائیں، لوگ حلوہ تقسیم کرتے اور اکل و شرب کی دعوتیں کرتے ہیں، بھنگڑے ڈالتے اور قولیاں سنتے ہیں، اب تو یہ رسم مدینہ منورہ میں بھی دو سال سے شروع کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ اس جشن کو شرعاً ناجائز قرار دیتا ہے۔

تنازعات کو ہوا نہ دو:

اس مسئلے اور ایسے ہی دیگر اختلافی مسائل کے سلسلے میں قرآن پاک نے ہمیں کئی بہترین اصول بتائے ہیں: جن میں سے ایک اصول یہ ہے کہ تنازعات کو اول تو سرے سے ہوا ہی نہ دی جائے، تاکہ امت کی اجتماعی قوت میں کمزوری نہ پیدا ہو، جیسا کہ سورۃ الانفال (آیت: ۴۶) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾

”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر

کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

① مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۹۷)

اختلاف کا حل:

✉ اگر کبھی کسی معاملے میں اختلاف ہو ہی جائے تو اس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عدالت میں لے جاؤ اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو اسے قبول کر لو۔ سورۃ النساء (آیت: ۵۹) میں فرمان الہی ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

”پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں تنازعہ ہو جائے تو اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔“

☐ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ فیصلہ کر دیں تو اسے بلا چون و چرا قبول کر لینا ہی ایمان کی سلامتی کا ضامن ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۶۵) میں ارشاد الہی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيهِ أُنْفُسَهُمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”(اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی قسم، وہ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ سے نہ کروائیں اور پھر تیرے فیصلے سے ان کے دلوں میں کچھ اداسی نہ ہو، بلکہ (خوشی خوشی) مان کر منظور کر لیں۔“

☐ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے کے خلاف دل میں ذرہ بھر بھی تنگی اور ناپسندیدگی کی جائے تو یہ ایمان کے منافی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُنْتُ بِهِ﴾^①

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میرے لئے ہوئے طریقے (دین) کے تابع نہ ہو۔“

① ابن کثیر، تفسیر آیتِ أحزاب، أربعین نووي (۴۱) و صححه، عمدة التفسیر أحمد شاکر (۱/ ۵۳۳) و صححه

﴿ جب اللہ اور رسول ﷺ کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی اور راہ اپنائے، بلکہ اُس فیصلے کو قبول کرنا ہی ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں دین کے مکمل ہو جانے کا صاف اور واضح اعلان کیا ہے، جیسا کہ سورۃ المائدہ (آیت: ۳) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾

”آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔“

میری بہنو! اب اس آیتِ کریمہ کے بعد کسی کو حق ہے کہ اس دین میں کسی قسم کا کوئی اضافہ کرے؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دینِ اسلام کو مکمل فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی آیت یا حدیث کے مقابلے میں کسی مجتہد کی رائے پر عمل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جونہی کوئی آیت یا حدیث ملے اُسے سر آنکھوں پر رکھیں اور مجتہد کی رائے صد احترام کے باوجود ترک کر دیں، کیوں کہ اسی میں ایمان کی سلامتی اور گمراہی سے بچاؤ ہے۔ آپ ﷺ نے نہ خود جشن منایا اور نہ ہی اس بات کا کسی کو حکم فرمایا ہے اور یہ بات بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے شائد غربت و افلاس کی وجہ سے ایسا نہ کیا ہو، بلکہ اگر آپ ﷺ کی مکی زندگی کو محدود معنوں میں قدرے تنگدستی کی زندگی بھی سمجھ لیا جائے تو ہجرتِ مدینہ کے بعد دس سال کے دوران میں آپ ﷺ دولتِ اسلامیہ کے بانی و حاکم ہو گئے تھے۔ عرب و عجم اور ممالکِ مشرق و مغرب کے تمام خزانے آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے تھے۔

مگر اس فارغِ البالی اور وسعتِ مالی کے باوجود بھی آپ ﷺ نے تادمِ آخر کسی سال بھی اس قسم کی عید اور جشن نہیں منایا تھا۔ اور جب خود صاحبِ میلاد نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی کرنے کا حکم دیا تو ایسے کام کو سرانجام دینا کس طرح نیکی و ثواب ہو سکتا ہے؟ اگر اس کام میں نیکی و ثواب ہوتا یا کوئی بھی دینی یا دنیوی فائدہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ضرور اس کا حکم دے دیتے۔ بہر حال موقع ہونے اور کوئی امرِ مانع بھی نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا نہ خود جشن منانا نہ اس کا حکم دینا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کوئی کارِ خیر نہیں۔

عید میلادِ رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں:

آپ ﷺ نے کتاب و سنت کے بعد خلفائے راشدین اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے کو بھی معتبر اور ذریعہ نجات قرار دیا ہے اور جب ہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بکثرت واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ایک اشارہ ابو پر اپنا مال و جان قربان کرنے کے لیے بیتاب رہتے تھے، آپ ﷺ کو دل و جان سے چاہتے تھے، ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی اتنی محبت تھی کہ جہاں آپ کا پسینہ گرتا تھا وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا خون بہا دینے کو تیار ہو جاتے، تابعداری اور اطاعت کا مادہ اس قدر ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ ذرا سے اشارے پہ اپنا تن من دھن تک قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے احکام و ارشادات پر عمل پیرا ہونا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، بلکہ آپ ﷺ کی سنت پر مر مٹتے تھے۔

جب ہم ایسے جان نثاروں کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں تو اس عید میلاد کا کہیں سراغ تک نہیں ملتا۔ جبکہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۱۲ ربیع الاول ۲ مرتبہ آیا تھا، اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ربیع الاول کا مہینا ۱۰ مرتبہ آیا اور اسی طرح ہی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ مہینا ۱۲ بار آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی، یعنی ان کے دورِ خلافت میں یہی مہینا ۵ مرتبہ آیا تھا۔ ان کے علاوہ ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے قول و عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

اب یا تو ہمیں اس جشن کو ترک کر دینا چاہیے، یا پھر ہمیں اس بدگمانی کا کھل کر اظہار کر دینا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ سے محبت نہ تھی، یا کم از کم اتنی نہ تھی جتنی آج کے جشن منانے والوں کو ہے۔ یا پھر انھیں رسول ﷺ کی عید میلاد منانے کے فضائل کا علم نہ تھا؟ یا پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی وہابی اور گستاخی کا فتویٰ لگایا جائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنتوں کے شیدائی اور بدعتوں کے دشمن تھے، انہی کے متعلق بخاری و مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ »⁽¹⁾

{1} متفق عليه؛ مشکاة (۳/ ۱۶۹۵) بتحقيق الألباني.

”تمام زمانوں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد والے ہیں اور پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد والے ہیں۔“

عید میلاد النبی ﷺ تابعین اور تبع تابعین رحمہم کی نظر میں:

یہاں آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے اپنے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم، پھر تابعین رحمہم اور اس کے بعد تبع تابعین رحمہم کے تین زمانوں کو قرون خیر قرار دیا ہے اور اس عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین رحمہم میں سے کسی سے کچھ منقول نہیں کہ ان تینوں صدیوں میں کسی نے عید میلاد النبی ﷺ منائی ہو۔

ائمہ اربعہ رحمہم:

اب ہم بات کریں گے ان چار معروف فقہی مذاہب کے ائمہ مجتہدین کی کہ انھوں نے اپنی زندگی میں اس عید کو منایا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی زندگی میں ۱۲ ربیع الاول ۴۷ بار آیا تھا، مگر کہیں عید میلاد منانے کا سراغ تک نہیں ملتا۔ امام مالک رحمہ اللہ کی زندگی میں ۱۲ ربیع الاول ۸۴ بار آیا تھا، اسی طرح امام شافعی کی زندگی میں ۱۲ ربیع الاول ۵۵ بار آیا تھا اور اسی طرح ہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی زندگی میں ۳۸ مرتبہ ربیع الاول کا مہینا آیا، مگر کہیں جشن میلاد نظر نہیں آتا۔ اگر آپ ان کی اجتہادی مساعی اور کتب فقہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو کسی بھی امام صاحب کے یہاں اس عید کا ذکر نہیں ملے گا۔ اور نہ دیگر فقہاء و محدثین میں سے کسی نے اس کا حکم دیا ہے۔

حتیٰ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے یہ جشن میلاد نہیں منایا، جبکہ ان کی زندگی میں ربیع الاول ۶۰ بار آیا تھا، اسی طرح ہی علی ہجویری رحمہ اللہ کی زندگی میں ۶۲ بار یہ مہینا آیا۔ اور سلطان باہو رحمہ اللہ کی زندگی میں ۶۷ مرتبہ ۱۲ ربیع الاول آیا۔ مگر ان کا عمل بارہ ربیع الاول میں بھی وہی ہوتا تھا جو سال کے بقیہ دنوں میں ہوتا تھا، یعنی کسی صحابی، تابعی یا امام بزرگوں سے اس دن میں کوئی مخصوص عبادت ثابت نہیں، جب کہ وہ نیکیوں اور بھلائیوں کے ہم سے کہیں زیادہ حریص تھے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ:

عید میلادِ نبی ﷺ منانے کے حوالے سے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عید میلاد النبی ﷺ دین میں ایک نئی ایجاد کردہ بدعی عید ہے، لہذا ایک مسلمان ایسے جشن و مجالس میں حاضر نہ ہو اور نہ ہی ان کے کھانے پینے میں شریک ہو، تاکہ اس طرح اپنے قول و فعل سے وہ اس بدعت کا انکار کرنے والا بنے۔“^①

بہنو! جو چیز خیر القرون، بلکہ اسلام کے پہلے پچھے سو پچیس (۶۲۵) برس تک موجود نہ تھی، اُسے جائز و ثواب قرار دینا شریعت سازی اور سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔

مگر میرا سوال یہ ہے کہ ان تمام بزرگوں نے ۱۲ ربیع الاول کو نہ جھنڈیاں لگائیں نہ جلوس نکالا، کیا یہ سارے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت نہیں کرتے تھے؟ کیا یہ لوگ گستاخ رسول ﷺ تھے؟ محبت کے نام پر دین میں بدعت جاری کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں محبت کا حقیقی معیار بیان کر دیا ہے اور وہ ہے نبی اکرم ﷺ کی اتباع و پیروی۔ جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۳۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَأَتَّبِعُونِي يُحِبِّكُمْ اللَّهُ﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ولادت کے بجائے آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کو احسان قرار دیا ہے، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۱۶۳) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

”بے شک مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بشر اور انسانوں ہی میں سے ہونے کو ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسانِ عظیم ہے۔ اور خود نبی ﷺ کی

① مختصر مفہوم مجموع فتاویٰ و مقالات شیخ ابن باز (۷۲/۸)

زبانِ مبارک سے بھی کہلوا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ [حم السجدة: 6]

”آپ کہہ دیجیے: میں بھی تو تمہاری طرح بشر ہی ہوں، البتہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔“

آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔ لہذا اس آیت میں نبوت کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور یومِ نبوت کا مقام یومِ ولادت سے بڑھ کر ہے، لیکن یومِ نبوت کے لیے کوئی جشن یا عید ثابت نہیں، پھر بھلا یومِ ولادت کے لیے عید کا ثبوت کیسے ممکن ہے!؟

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر احسن البیان
- صحیح بخاری
- صحیح مسلم
- تالیف: فضیلۃ الشیخ دکتور سعید بن علی بن وہف القحطانی
- تالیف: الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر
- تالیف: فضیلۃ الشیخ ابی بکر جابر الجزائری
- تالیف: عبد الہادی عبد الخالق مدنی
- تفسیر رحمت ﷺ
- جشنِ میلاد... یومِ وفات پر۔
- مسئلہ میلاد... اسلام کی نظر میں
- محفلِ میلاد

عید میلاد النبی ﷺ... اس بدعت کی ایجاد کب ہوئی تھی؟

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

میلاد کی اس بدعت کو سب سے پہلے مصر کے نام نہاد فاطمیوں نے چوتھی صدی ہجری میں ایجاد

کیا۔ انھوں نے چھ میلاد ایجاد کیے:

- | | | | |
|---|---------------------------|---|------------------------|
| 1 | میلاد النبی ﷺ | 2 | میلاد علی رضی اللہ عنہ |
| 3 | میلاد فاطمہ رضی اللہ عنہا | 4 | میلاد حسن رضی اللہ عنہ |
| 5 | میلاد حسین رضی اللہ عنہ | 6 | میلاد حاکم وقت |

کیا یہ اہل سنت مسلمانوں کے لیے لائق اتباع ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری (۶۲۵ھ) میں خلافت راشدہ اسلامیہ کے سقوط اور ممالک اسلامیہ کی تقسیم کے بعد اور عقائد و سلوک میں ضعف و انحراف اور حکومت و انتظامیہ میں فساد کے بعد مولود شریف کی یہ بدعت ضعف و انحراف کا ایک مظہر بن کر ظاہر ہوئی اور اس بدعت، یعنی میلاد کو سب سے پہلے منانے والا سلطان صلاح الدین ایوبی کا بہنوئی اور موصل کے قریبی شہر اربل کا گورنر ملک مظفر کوکبری تھا جو کہ ایک شیعہ تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ محبت رسول ﷺ کی آڑ میں رافضی (شیعہ) عقائد کی ترویج کی جاسکے۔ اور وہ محفل میلاد میں بھانڈ، مرانی، راگ و رنگ اور ناپنے والوں کو جمع کرتا اور راگ سنتا اور گانا باجا سن کر خود بھی ناچا کرتا تھا۔^①

مسلمانو! اللہ کے لیے سوچو! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ تم نے اللہ کو چھوڑا، رسول اللہ ﷺ کو چھوڑا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑا، تقلید کی تو کس کی؟ شاہ اربل کی جسے صرف ناچ گانے ہی میں لذت ملتی

① البدایة والنهاية (۱۳۶/۷ - ۱۳۷)

تھی، جس ناچ گانے سے ہمارے نبی ﷺ کو اتنی نفرت تھی کہ گانے کی آواز سن کر آپ ﷺ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے، کیا تم ان کی تقلید کرو گے؟ مسلمانو! کچھ تو اللہ سے ڈرو۔
معروف قطری فاضل کہتے ہیں:

”نصرانی صلیب پرست عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد (برتھ ڈے) مناتے ہیں، یعنی عیسائیوں کا کرسمس اور ہندو رام کا میلاد، یعنی جنم دن مناتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی مصری فاطمیوں نے جشن میلاد کو رواج دیا تھا۔“⁽¹⁾

یعنی مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کا میلاد منانا شروع کر دیا اور نبی ﷺ کی پیشگوئی برحق ثابت ہوئی کہ تم لوگ سابقہ امتوں یعنی (یہود و نصاریٰ) کی پیروی کرو گے۔
جب کہ نبی اکرم ﷺ نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:
”جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا انجام انھیں کے ساتھ ہے۔“⁽²⁾

چنانچہ قرونِ اولیٰ میں اس کا ثبوت نہ ہونے اور ساتویں صدی میں آ کر شروع ہونے کی وجہ سے ہی اہل علم نے اسے ”بدعت“ قرار دیا ہے۔ اس میلاد کے جواز کا فتویٰ سب سے پہلے ملک مظفر کے عہد کے ایک مولوی شیخ ابو الخطاب ابن دحیہ نے ایک رسالے ”التنوير في مولد البشير النذير“ میں دیا، اس کی تالیف پر اسے ملک مظفر نے ایک ہزار دینار انعام دیا تھا۔⁽³⁾
اس مولوی ”ابن دحیہ“ کو کبار علمائے حدیث نے کذاب، ناقابل اعتبار، غیر صحیح النسب، بے تنگی اور فضول باتیں کرنے والا قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیلات ”البدایة والنهاية“ (۷/ ۱۳/ ۱۳۷) اور ”لسان المیزان“ (۴/ ۲۹۶-۲۹۷) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور سورۃ الکہف (آیت: ۱۰۵) میں فرمان الہی ہے:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ

(1) كلمة الحق في الاحتفال بمولد سيد الخلق للشيخ عبدالله بن يزيد آل محمود، (ص: ۵۰)

(2) صحيح بخاري و صحيح مسلم.

(3) صحيح البخاري تعليقا، رقم الحديث (۲۹۱۴) مسند أحمد، رقم الحديث (۵۶۶۷) سنن أبي داود، رقم

الحديث (۴۰۳۱) صحيح الجامع، رقم الحديث (۲۸۳۱)

(4) البداية والنهاية (۷/ ۱۳/ ۱۳۷) الإنصاف لأبي بكر الجزائري (ص: ۳۴-۳۵)

الْقِيَمَةُ وَزُنَّ

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا پس اس لیے ان کے سارے اعمال (کفر کی وجہ سے) ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔“
نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“^①

میلاد کی محفلوں میں اس فرمان کی بدترین مخالفت کی جاتی ہے۔ نبی ﷺ کو اللہ کے برابر یا خود اللہ یا اس سے بھی زیادہ با اختیار ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی جاتی ہے۔ بعض نادان اللہ کے بجائے خود اللہ کے رسول ﷺ سے ہی دعائیں مانگنے لگتے ہیں، اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں، آپ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں اور نظم و نثر میں آپ ﷺ کی غلو آمیز مدح و ثنا کرتے ہیں۔ جعلی کعبہ اور مسجد نبوی کی توہین و بے حرمتی کرنا، نبی ﷺ کا نام سُن کر تعظیماً کھڑا ہونا اور یہ جملہ کہنا ”آگئے آگئے تاج والے“ اور ”دم بدم پڑھو درود کہ حضرت بھی یہاں ہیں موجود“ یہ سب سراسر شرک و بدعت ہے، حالانکہ قیامِ تعظیمی سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں منع فرما دیا تھا۔ الغرض جس دن حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے نانا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بابا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے آقا اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اس دن کو اپنے آپ کو عاشقِ رسول ﷺ کہلانے والوں نے خوشی کا دن بنا لیا، جس دن صحابہ رضی اللہ عنہم پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، جس دن کو تاریخ ترین دن قرار دیا گیا اس دن عاشقانِ رسول ﷺ کے گھروں میں چراغاں ہو، کیا یہی عشقِ رسول ﷺ ہے؟! کیا تم اپنے والدین کے مرنے کے بعد بھی ایسے ہی خوشیاں مناؤ گے؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر حسین کے نانا کی وفات کے دن نئے کپڑے پہنتے، گھروں میں چراغاں کرتے اور گلے میں ہار پہنتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ کیا محبتِ رسول ﷺ اسی کا نام ہے؟ افسوس کس قدر

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۴۴۵) مسند أحمد (۱/ ۹۰) صحیح ابن حبان (۴۱۳)

شیطانی دھوکا ہے حب رسول ﷺ کے نام پر، افسوس اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ محبت اطاعت سے ہوتی ہے نافرمانی سے نہیں۔ اگر سچی محبت ہے تو نبی ﷺ کی مکمل اطاعت کرو۔ میلاد کی مجلسوں میں جس قدر منکرات اور برائیاں انجام پاتی ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہے، مثلاً:

1] اس موقع پر سب سے بڑی برائی شرک کی ہوتی ہے۔

2] نیز ان مجلسوں میں مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ اختلاط اور آزادانہ میل جول ہوتا ہے۔

3] بے جا اسراف اور فضول خرچی کی جاتی ہے، اس میں ایسے لوگ بھی اپنا مال لٹاتے ہیں جو فرض زکات تک ادا نہیں کرتے، جبکہ وہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔

4] ریا و نمود، شہرت طلبی، فخر و مباہات، جھوٹی احادیث اور بناوٹی قصوں کے تذکرے، شریکہ نعتیں اور فلمی گیتوں کے وزن پر لڑکوں اور بالغ یا قریب البلوغ لڑکیوں سے نظمیں پڑھوانا، مخالفین پر بہتان تراشی اور جھوٹے الزامات وغیرہ وغیرہ جیسی بے شمار برائیاں ایسی محفلوں کی تاریخ و حال ہیں۔

کیا واقعی آپ عاشق رسول ﷺ ہیں؟ کیوں کہ محبت محبوب کا تابعدار ہوتا ہے، کہاں ہے تمہارا محبت رسول ﷺ کا دعویٰ؟ اگر سچی محبت ہوتی تو تم ایسا ہرگز نہ کرتے۔ یاد رکھو جب تک اطاعت رسول ﷺ کا مادہ تمہارے اندر پیدا نہیں ہوتا تب تک تمہارا دعوائے محبت جھوٹا ہے۔ پس اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ عید میلاد کے جلوس اور اس کے جشن کی محفلوں میں شرک کرنے والوں کی اکثریت دین سے غافل، فرائض کی تارک، سنتوں سے بے پروا اور شریعت کی پابندی سے دور ہوتی ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جب صحیح دین سے تمسک کمزور پڑتا ہے تو بعض آسان رسمیں ایجاد کر کے اپنی دین داری کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میلاد بھی انہی میں سے ایک ہے۔

محفل میلاد:

میری بہنو! محفل میلاد منانے والوں نے میلاد کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل بیان کیے ہیں وہ دلائل غیر کافی ہیں۔ ان دلائل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں شریعت کو چھوڑ کر اتباع نفس کا فرما ہے:

دلیل نمبر 1:

یومِ ولادت پر جشن یا اظہارِ خوشی: وہ یوں کہ ابو لہب کو جب اس کی لونڈی ثویبہ نے عبد اللہ کے بیٹے محمد ﷺ کی ولادت کی خوشخبری دی تو اس نے بھیجے کی خوشی میں اپنی انگلی کا اشارہ کر کے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ جب ابو لہب مر گیا تو اس کے کسی عزیز نے اس کے مرنے کے بعد اس کو خواب میں دیکھا تو اسے پوچھا: کیا حال ہے؟ کیسی گزری تمہارے ساتھ؟ وہ کہنے لگا: جب سے میں تم لوگوں سے جدا ہوا ہوں، کبھی آرام نہیں ملا، مگر ایک ذرا سا پانی (پیر کے دن مل جاتا ہے) ابو لہب نے اس گڑھے کی طرف اشارہ کیا جو انگوٹھے اور کلمہ شہادت کی انگلی کے درمیان ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ پیر کے دن میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔^①

جواب اس خواب کے سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس خواب کو دیکھنے والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ خواب دیکھنے والا کوئی عزیز ہے، وہ کون ہے؟ کیا وہ مسلمان تھا؟ اور اگر وہ مسلمان تھا تو اس کا نام کیا تھا؟ جس کی خواب کو یہ لوگ اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ بالفرض اگر ان کی اس دلیل کو مان ہی لیا جائے تو پھر انھیں وہی کام کرنا چاہیے جو ابو لہب نے کیا تھا، یعنی ہر کوئی ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرے تاکہ ابو لہب کی سنت کو پورا کر سکیں۔

میری مسلمان بہنو اور بھائیو! ان کی یہ دلیل جشنِ میلاد کو ثابت نہیں کر سکتی، کیوں کہ یہ ایک نیچرل اور طبعی بات ہے کہ جب کبھی کسی کا بھائی فوت ہو جائے اور اس کے بعد اس کا بیٹا پیدا ہو جو اس کی آخری اور واحد نشانی ہو، جس سے اس کا آگے نسب نامہ بڑھنے والا ہو تو کوئی بھی اس خوشی کی خبر کو سننے کے بعد اپنی طاقت کے مطابق خبر سنانے والے ملازم یا گھر کے نوکر کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا کرے گا۔ لہذا یہ میلاد منانے کی دلیل نہیں ہو سکتی، کیوں کہ یہ وہ ابو لہب ہے کہ جب نبی ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے سب سے پہلے گالی دی، اس کا عمل ہمارے لیے اجر کا باعث کیسے بن سکتا ہے؟

دلیل نمبر 2:

سالانہ یادگار ہونا، جس میں مسلمان اپنے نبی ﷺ کی یادگار مناتے ہیں، جس سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی عظمت اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بعض شمائلِ محمدیہ کا سننا اور نسبِ نبوی شریف کی

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (حدیث: ۵۱۰۱)

معرفت حاصل کرنا کوئی برا کام نہیں۔

جواب نبی کریم ﷺ کے بعض خصائل طیبہ اور نسب شریف کا سننا، یہ دلیل بھی محفل میلاد قائم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے خصائل اور نسب شریف کی معرفت کے لیے سال بھر میں ایک دفعہ سن لینا کافی نہیں ہے۔ کیا ایک دفعہ سننا کافی ہے، جب کہ وہ عقیدتِ اسلامیہ کا جزء ہے؟ ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ اپنے نبی ﷺ کے نسب پاک اور ان کی صفات کو اس طرح جانے جس طرح اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ جانتا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ جس کی تعلیم انتہائی ضروری اور ناگزیر ہے، اس کے لیے سال میں ایک مرتبہ محض واقعہ پیدائش کا سن لینا کافی نہیں۔ یہ اس وقت دلیل بن سکتی ہے جب مسلمان ایسا ہو کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا ذکر دن بھر میں دسیوں مرتبہ نہ کرتا ہو تو اس کے لیے سالانہ یا ماہانہ یادگاری محفلیں قائم کی جائیں، جس میں وہ اپنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کرے، تاکہ اس کے ایمان و محبت میں زیادتی ہو، لیکن میری بہنو! مومن مسلمان تو رات اور دن میں جو نماز پڑھتا ہے اس میں اپنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتا ہے اور ان پر درود و سلام بھیجتا ہے اور جب بھی کسی نماز کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت اذان کہی جاتی ہے، اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے نبی کا نام سن کر ان پر درود بھیجتا ہے اور پھر جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو اس میں بھی رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے اور آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے، سالانہ یادگار والی تو بات ہی نہیں۔ لہذا بھول جانے کے اندیشہ سے تو اُس کی یادگار قائم کی جاتی ہے جس کا ذکر ہی نہ ہوتا ہو، لیکن جس کا ذکر ہی ذکر ہوتا ہو جو بھلایا نہ جاسکتا ہو، بھلا ان کے لیے کس طرح سالانہ محفل منعقد کی جائے گی۔

دلیل نمبر 3:

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر اظہارِ مسرت و خوشی، کیوں کہ یہ محبتِ رسول ﷺ کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔

جواب اگر خوشی رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی ہے تو ہمیشہ، یعنی جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو ایک مومن کو خوشی ہونی چاہیے اور اسے کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر خوشی اس لیے منائی جاتی ہے کہ اس دن آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے تو یہی وہ دن ہے جس میں

آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ میں سمجھتی کہ کوئی بھی عقلمند شخص ایسا نہیں ہوگا جو اس دن مسرت اور خوشی کا جشن منائے گا جس دن اس کے محبوب کی موت واقع ہوئی ہو، جب کہ رسول ﷺ کی وفات کا دن مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی مصیبت کا دن تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ جس پر کوئی مصیبت آئے تو اس کو چاہیے کہ اس مصیبت کو یاد کر لے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ہمیں پہنچی ہے۔ نیز انسانی فطرت اس کی متقاضی ہے کہ انسان پیدائش کی خوشی تو مناتا ہے اور اس کی موت کے دن غمگین ہوتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ کس دھوکے میں یہ انسان فطرت کو بدلنے کے لیے کوشاں ہے۔

دلیل نمبر 4:

کھانا کھلانے میں بڑا ثواب ہے، خصوصاً جب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی نیت سے ہو۔ **جواب** ان کی چوتھی دلیل یعنی کھانا کھلانا، یہ دلیل تو پہلی دلیلوں سے بھی زیادہ کمزور ہے، کیوں کہ کھانا کھلانے کی ترغیب اس وقت دی گئی ہے جب اس کی ضرورت ہو، مثلاً: مسلمان مہمان کی مہمان نوازی کرتا ہے، بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اور صدقہ و خیرات کرتا ہے اور یہ پورے سال میں کسی بھی وقت دن یا رات کو ممکن ہے، اس کے لیے سال میں کسی خاص دن کی ضرورت نہیں ہے کہ اسی دن کھانا کھلائے۔

دلیل نمبر 5:

اللہ تعالیٰ کا ذکر، یعنی تلاوت قرآن اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف کے لیے جمع ہونا۔ **جواب** پانچویں دلیل، یعنی ذکر کے لیے جمع ہونا، یہ علت بھی فاسد اور باطل ہے، کیوں کہ بیک آواز ذکر کے لیے اجتماع سلف کے یہاں معروف نہیں تھا، اس لیے یہ اجتماع فی نفسہ ایک قابل نکیر بدعت ہے اور طرب انگیز آواز سے مدحیہ اشعار اور قصائد پڑھنا تو اور بھی بدترین بدعت ہے، اسے وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں اپنے دین پر اطمینان نہیں ہوتا، حالانکہ ساری دنیا کے مسلمان رات اور دن میں پانچ مرتبہ مسجدوں میں اور علم کے حلقوں میں علم و معرفت کی طلب کے لیے جمع ہوتے ہیں، اس لیے انہیں ایسے سالانہ جلسوں اور محفلوں کی ضرورت نہیں ہے جن میں اکثر حظوظِ نفسانیہ، یعنی طرب انگیز اشعار کے سننے اور کھانے پینے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

یہ وہ پانچ دلیلیں ہیں، جنہیں میلاد کو جائز کہنے والے بعض حضرات پیش کرتے ہیں۔

اول یہ کہ جب محفل میلاد کے منعقد کرنے سے رسول اللہ ﷺ کی نعمتِ ولادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے تو اس صورت میں عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شکر اسی طریقے سے ہو جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ نے کیا، یعنی آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور ہر پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، نہ کہ سال میں صرف ایک بار اسی تاریخ کو روزہ رکھا۔ اگر ہم بھی اپنے نبی کریم ﷺ سے پیار کرتے ہیں تو ہمیں بھی آپ ﷺ کی طرح ہر پیر کے دن کا روزہ رکھنا چاہیے، تاکہ جب ہم سے اس روزے کے متعلق پوچھا جائے تو ہم کہیں کہ یہ ہمارے نبی کی ولادت کا دن ہے، اس لیے ہم شکرِ الہی ادا کرنے کے لیے آج کے دن روزہ رکھتے ہیں اور سنتِ رسول ﷺ بھی ہو جائے گی، مگر میلاد منانے والے اس دن روزہ ہرگز نہیں رکھتے، کیوں کہ روزے سے تو نفس کی اصلاح کی جاتی ہے اور ان لوگوں کا سنت پر عمل کرنا مقصد نہیں، بلکہ لذتوں کا حاصل کرنا مقصد ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی پسند کو نبی ﷺ کی پسند پر ترجیح دی اور اہل عقل کے نزدیک یہ لغزش ہے۔ معاذ اللہ۔

نبی کریم ﷺ نے جب اپنی ولادت و تخلیق اور تمام انسانوں کی طرف بشیر و نذیر ہو کر مبعوث ہونے کے شکرے میں اس دن کا روزہ رکھا تو کیا آپ نے روزے کے ساتھ کوئی محفل اور تقریب بھی کی؟ نہیں، بلکہ صرف روزے پر اکتفا فرمایا، تو پھر کیا امت کے لیے وہ کافی نہیں جو ان کے نبی ﷺ کے لیے کافی ہے؟ کیا کوئی عقلمند اس کے جواب میں یہ کہہ سکتا ہے کہ نہیں، تو پھر نبی ﷺ کے خلاف کوئی عمل گھڑنے اور ان سے آگے بڑھنے کی یہ جرأت کیوں؟ کیا یہ لوگ قرآن کریم کو سمجھ کر نہیں پڑھتے؟ اللہ نے ان کو عقل و فہم اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں نہیں عطا کیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے متعلق سورۃ الحجرات (آیت: ۱) میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ

عَلِيمٌ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا، اور اللہ سے

ڈرتے رہنا، بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

اسی طرح سورۃ الحشر (آیت: ۷) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَ رَبِّكَ وَمَا تَنصُرُكَ مِن دُونِ اللَّهِ فَتَقَاثُرًا﴾

” (اے لوگو!) اور رسول جو تم کو دین اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔“
 مطلب یہ کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کریں، نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اور رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحبِ ایمان کے لائق نہیں۔ مومن کی شان تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے سامنے سرتسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے، نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔ انھیں لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے کچھ حدیں مقرر فرمائی ہیں تم ان سے تجاوز مت کرو اور تمہارے لیے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انھیں ضائع مت کرو اور کچھ چیزیں حرام کی ہیں ان کی حرمت کو ختم نہ کرو اور کچھ چیزیں بغیر کسی بھول کے (یوں ہی) تمہارے اوپر رحم کرتے ہوئے چھوڑ دی ہیں ان کو قبول کر لو اور ان کے بارے میں کھوج کرید نہ کرو۔“^①

بہنو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل و فہم اور سننے سمجھنے کی صلاحیتیں عطا کی ہیں تاکہ ہم ان کے ذریعے حق کو پہچانیں، پڑھیں، سنیں اور اسے قبول کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، کیوں کہ شکر کرنے والے، یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہوتے ہیں۔

بہر حال لوگوں کی باتیں ہمارے لیے دین نہیں۔ ہمارا دین وہ ہے جو آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے لے کر آپ ﷺ کی وفات (۱۲ ربیع الأول ۱۱ھ) تک سے ہمیں ملتا ہے، وہ ہمارا دین ہے اور ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اور ہم پر فرض ہے کہ ہم نبی ﷺ پر ایمان لائیں، آپ ﷺ کی اطاعت اور پیروی کریں، آپ ﷺ سے محبت کریں اور آپ ﷺ کا ادب کریں۔
 لیکن.....! میری اس بات پر ذرا غور کرنا:

- ❁ وہ ایمان جو آپ ﷺ کی اطاعت نہ سکھائے کس کام کا؟
- ❁ وہ محبت جو آپ ﷺ کی سنتِ مطہرہ پر چلنا نہ سکھائے کس کام کی؟
- ❁ وہ ادب جو آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے سامنے سرتسلیم خم کرنا نہ سکھائے کس کام کا؟

① أخرجه ابن جرير و رواه الحاكم و صححه عن أبي ثعلبة الخشني رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

وہ پیار اور محبت جو آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کا سلیقہ نہ سکھائے وہ پیار و محبت کا جذبہ کس کام کا؟ آپ ﷺ کی عزت اور ناموس پر مر مٹنے کا جذبہ جو آپ ﷺ کی اتباع نہ سکھائے کس کام کا؟ گویا آپ ﷺ کے تمام حقوق کی ادائیگی اور آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہی محبت ہے اور جو لوگ حیلوں بہانوں سے جانتے بوجھتے آپ ﷺ کے فرامین اور فیصلوں کو پس پشت ڈالیں یا آپ ﷺ کی سنتِ مطہرہ سے انحراف کریں اس قسم کے لوگ کبھی مومن مسلمان نہیں ہو سکتے، جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۶۵) میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

چنانچہ مومن تو وہ ہے جو اپنے نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور ہر قول و عمل کو دل کی خوشی سے اپنانے کے لیے تیار رہتا ہے، اس کے لیے سال میں صرف ایک مرتبہ اظہارِ خوشی کا موقع (میلاد) ایجاد کرنا کسی طرح بھی لائق نہیں ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کا حق فقط میلاد منانے سے ادا نہیں ہوتا۔ یہ حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کو مضبوطی سے تھا ما جائے۔ آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کیا جائے۔ آپ ﷺ کی ہر بات کو ہر ایک کی بات سے آگے رکھا جائے۔ آپ ﷺ کی کسی حدیث کو رد نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ کی روشن شریعت میں بدعت کی آمیزش اور ملاوٹ نہ کی جائے۔ زندگی کا ہر لمحہ آپ ﷺ کی شریعت کی پابندی میں گزارا جائے۔

سال میں صرف ایک دن محمد رسول اللہ ﷺ کی یادگار منانا آپ ﷺ کی قدر ناشناسی ہے؟! آپ ﷺ کی یادگاریں تو خود رب ذوالجلال نے قائم کر دی ہیں۔ اذان و اقامت میں، خطبہ اور صلاۃ میں، تشہد اور درود میں، ہر جگہ آپ ﷺ کے نام و مقام کا تذکرہ ہے۔ اہل توحید ہر حدیث پڑھتے ہوئے، سنتے ہوئے اور بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

عید میلاد النبی ﷺ کے بدعت ہونے پر پوری امت کے مومنوں کا اتفاق ہے، حتیٰ کہ عید میلاد منانے والے بھی اسے بدعت مانتے ہیں اور مخالفین بھی اسے بدعت کہتے ہیں۔ فرق بس اتنا ہے کہ منانے والے اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور مخالفین کہتے ہیں کہ بدعتِ حسنہ کوئی چیز نہیں۔ جو شخص بدعتِ حسنہ کا قائل ہے وہ گویا رسول ﷺ پر دین کی تبلیغ میں، معاذ اللہ، خیانت کا الزام عائد کرتا ہے، کیوں کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»^① ”ہر بدعت ضلالت ہے۔“

میری بہنو! میں نے نبی ﷺ سے لے کر خیر القرون تک کے لوگوں کے اعمال کو آپ کے سامنے کتاب و سنت کی روشنی میں رکھنے کی کوشش کی ہے اور جب اس بدعت کا آغاز ہوا وہ بھی آپ کے سامنے رکھنے کی جدوجہد کی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی و کوشش کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے، آمین! اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی بدعت سے محفوظ فرمائے۔

اے میرے رب کریم! میں بھی تیرے رب ہونے پر اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور دین اسلام پر راضی ہوں اور تو بھی ہم گناہ گاروں پر راضی ہو جا۔ اے ہمارے رب! ہمیں نبی ﷺ کی سنتوں کے ساتھ پیار کرنے والوں میں سے شمار فرمائے اور ہمیں قرآن و سنت کے مطابق صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرما!

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيَّ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ.

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ پیغمبرِ رحمت ﷺ
- ✽ تالیف: فضیلۃ الشیخ دکتور سعید بن علی بن وہف القحطانی
- ✽ ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین
- ✽ جشنِ میلاد... یومِ وفات پر
- ✽ تالیف: الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر
- ✽ مسئلہ میلاد... اسلام کی نظر میں
- ✽ تالیف: فضیلۃ الشیخ ابی بکر جابر الجزازی
- ✽ محفلِ میلاد
- ✽ تالیف: عبدالہادی عبدالخالق مدنی

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۶۷) سنن أبی داود، رقم الحدیث (۴۶۰۷) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۴۶۰۷) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۲) مسند أحمد (۱۷۱۴۴)

ماہِ رجب کے فضائل و احکام

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اللہ رب العزت نے زمین و آسمان کو بنایا اور آسمان میں چاند اور سورج، رات اور دن اور دنوں کی گنتی کے حساب سے مہینے اور پھر بارہ مہینوں کا سال بنایا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے انھیں نصیحت و عبرت کی حکمت کے تحت بنایا ہے۔ بے شک یہ ایام و مہینے دراصل آخرت کی طرف بڑھنے کا ذریعہ ہیں اور آخرت میں انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ان مہینوں کی تعداد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ [التوبة: ۳۶]

”بلاشبہ مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ (۱۲) کی ہے، اسی دن سے جب سے اس نے آسمان و زمین کو بنایا، ان میں سے چار (۴) مہینے حرمت کے ہیں، یہی درست دین ہے، تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکین سے جہاد کرو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔“

رجب قمری مہینوں میں سے ساتویں مہینے کا نام ہے اور یہ ان چار مہینوں میں بھی شامل ہے جنہیں شریعتِ اسلامیہ میں حرمت والے قرار دیا گیا ہے۔ مگر عرب ان مہینوں کو اپنی مرضی اور مقاصد کے حصول کے لیے آگے پیچھے کر دیتے اور ان میں لڑائی بھی کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اس امت سے جہالت و کفر و شرک کے اندھیروں کو دور کیا اور اس عظیم دین سے ہماری نگاہوں کو روشن کیا۔ اپنے نبی ﷺ کی رسالت سے رشد و ہدایت کو واضح کیا۔ پس حق آیا اور باطل دور ہوا اور زمانہ گھوم کر اپنی

اصلی حالت پر آگیا، جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:
 ”زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت پر، جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین و آسمان کی تخلیق کے
 وقت بنایا تھا، آگیا۔“^①

ماہِ رجب کی خاص فضیلت:

ماہِ رجب کی اتنی فضیلت تو ثابت ہے کہ وہ چار حرمت والے مہینوں میں شامل ہونے کی وجہ
 سے باقی مہینوں سے زیادہ قابلِ احترام اور متبرک ہے، لیکن بطورِ خاص ماہِ رجب کی فضیلت میں کوئی
 روایت ثابت نہیں، جیسا کہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

”بلکہ اس مہینے کی فضیلت کے متعلق وارد تمام روایات یا تو من گھڑت اور جھوٹی ہیں یا
 شدید ضعیف ہیں۔“^②

✿ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ”بطورِ خاص رجب کے روزے رکھنے کے متعلق
 تمام احادیث ضعیف ہیں۔ اہل علم ان میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔“^③

✿ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ”رجب کے روزے اور اس کی کچھ راتوں میں قیام کے متعلق
 جتنی بھی احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ تمام جھوٹ اور بہتان ہیں۔“^④

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ”ایسی کوئی بھی صحیح اور قابلِ حجت حدیث وارد نہیں جو ماہِ رجب
 میں مطلقاً روزے رکھنے، یا رجب کے کسی معین دن کا روزہ رکھنے، یا اس کی کسی رات کے قیام
 کی فضیلت پر دلالت کرتی ہو۔“^⑤

✿ سید سابق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”رجب میں روزے رکھنا دوسرے مہینوں میں روزے رکھنے سے
 افضل نہیں۔“^⑥

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۶۶۲، ۳۱۹۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۷۹)

② السیل الجرار (۱۴۳/۲)

③ مجموع الفتاویٰ (۲۰/۲۹۰)

④ المنار المنیف (ص: ۹۶)

⑤ تبیین العجب (ص: ۱۱)

⑥ فقہ السنۃ (۱/۳۸۳)

اہل علم کے درج بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ ماہِ رجب کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں اور جن روایات میں اس کی کوئی بھی فضیلت مروی ہے وہ تمام کذب و افتراء ہیں۔ رجب کی فضیلت کے ثبوت کے ضمن میں بعض اہل علم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینوں میں روزے رکھنے کی ترغیب دلائی ہے۔“ اور چونکہ رجب بھی حرمت والے مہینوں میں شامل ہے، اس لیے اس کے روزے اس عمومی حدیث کی وجہ سے مستحب ہوئے۔ تو یہ واضح ہونا چاہیے کہ یہ روایت بھی ثابت نہیں، بلکہ ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے۔^①

ماہِ رجب کی بدعات:

حرمت والے مہینوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ [التوبة: ۳۶]

”ان مہینوں میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔“

شیخ ابن عادل نے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ اپنے نفسوں پر ظلم سے مراد ہے: معاصی کا ارتکاب اور اطاعت کے کام ترک کر دینا۔^② تفسیر جلالین میں ہے کہ اپنے نفسوں پر ظلم سے مراد ہے: گناہوں کا ارتکاب اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مہینوں میں برائی کا گناہ زیادہ ہوتا ہے۔ امام ابو بکر الجزاری رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔^③

معلوم ہوا کہ حرمت والے مہینوں میں خصوصی طور ہر طرح کے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چونکہ رجب بھی حرمت والا مہینا ہے اس لیے اس مہینے میں بھی یہی کوشش ہونی چاہیے۔ مگر اللہ کا کرنا ایسا ہے کہ اس مہینے میں وہ گناہ تو ہوتے ہی ہیں جو دوسرے مہینوں میں کیے جاتے ہیں، مزید برآں کچھ ایسے گناہ بھی کیے جاتے ہیں جو محض اسی مہینے کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً:

صلاة الرغائب:

صلاة الرغائب وہ نماز ہے جو رجب کے پہلے جمعہ کو مغرب اور عشا کے درمیان ادا کی جاتی

① ضعیف أبي داود، رقم الحديث (۲۳۲۸)

② اللباب في علوم الكتاب (۸۶/۱۰)

③ تفسیر الجلالین (ص: ۲۷۰)

④ تفسیر أيسر التفاسير (۷۴/۲)

① ہے۔ یہ نماز ماہِ رجب کی ایک بدعت ہے۔ نبی کریم ﷺ اور ائمہ کرام مجتہدین رحمہم اللہ میں سے کسی ایک سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے اسے بدعت قرار دیتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صلاۃ الرغائب کے نام سے نماز، جو رجب کے پہلے جمعہ کو ادا کی جاتی ہے، فتیح بدعت ہے۔^②

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس نماز کو ائمہ کے متفقہ فیصلے کے مطابق غیر مشروع کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس طرح کی نماز بدعتی اور جاہل کے سوا کوئی ادا نہیں کرتا۔^③

❁ احناف اور شافعی حضرات نے بھی اس نماز کو بدعت ہی کہا ہے۔^④

❁ امام صنعانی رحمہ اللہ نے بھی اس نماز کو غیر مشروع ہی کہا ہے۔^⑤

❁ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کے مطابق بھی یہ نماز خود ساختہ اور بدعت ہے۔^⑥

معلوم ہوا کہ رجب کے پہلے جمعہ کو ادا کی جانے والی نماز ”صلاۃ الرغائب“ دین میں خود ساختہ ایجاد ہونے کی وجہ سے بدعت ہے، اس لیے ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے۔

۲۲ رجب کے کونڈے:

ماہِ رجب کی بدعات میں کونڈے بھرنے کی رسم بھی شامل ہے جس کے لیے ۲۲ رجب کا دن خاص کیا گیا ہے۔ اس کے پس منظر میں مختلف واقعات بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک امام جعفر صادق رحمہ اللہ اور لکڑہارے کا واقعہ بھی ہے۔ اس میں ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے لکڑہارے سے کہا کہ جو بھی آج (یعنی ۲۲ رجب کے روز) میرے نام کے کونڈے بھر کر تقسیم کرے گا اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی، ورنہ روزِ قیامت میرا گر بیان پکڑ لینا، چنانچہ لکڑہارے نے کونڈے بھرے تو اس کی حاجت پوری ہو گئی۔^⑦

① فتاویٰ اللجنة الدائمة (۲۸۱/۴)

② المجموع للنووي (۵۴۸/۳)

③ الفتاویٰ الكبرى (۲۳۹/۲)

④ الموسوعة الفقهية (۲۶۲/۲۲)

⑤ سبل السلام (۳۶۹/۳)

⑥ فتاویٰ اللجنة الدائمة (۲۸۱/۴)

⑦ داستان عجیب از مولانا محمود الحسن۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قصہ ہی من گھڑت ہے جو کسی شرعی دلیل پر نہیں، بلکہ یہ تو محض ایک قصے یا افسانے کے سوا کچھ بھی نہیں، کسی منشی جمیل احمد کے منظوم کلام میں خوبصورت انداز سے یہ افسانہ ملتا ہے۔ مگر اسے مان لینا، اتنی بڑی حماقت کوئی صاحب عقل و دانش مسلمان کیسے کر سکتا ہے؟! اس کو داستان یا افسانہ تو کہا جاسکتا ہے مگر شریعت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ۲۲ رجب یا کسی بھی دن کی خاص فضیلت کا تعین رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی عہد رسالت سے بہت بعد کا ہے، جب کہ دین عہد رسالت میں مکمل ہو گیا تھا۔ بعد کا اضافہ دین شمار نہیں ہوگا، بلکہ اسے دین میں بدعت اور گمراہی کہا گیا ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))^(۱)

” (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اصل حقیقت:

یہ ایک دل خراش حقیقت ہے کہ اس دن، یعنی ۲۲ رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (بزرگ صحابی رسول ﷺ، کاتب وحی اور آپ ﷺ کے برادر نسبی، ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور خلیفۃ المسلمین) کی وفات ہوئی تھی اور شیعہ حضرات کو ان سے جو بغض و عناد ہے وہ سب پر عیاں ہے، اس لیے وہ ان کی وفات کے روز بطور جشن میٹھی اشیا تقسیم کرتے ہیں اور حلوہ پوری کے کوٹھے بھر بھر کر تقسیم کرتے ہیں اور خود انہی کوٹھوں میں رکھ کر اس نقطہ نظر سے کھاتے ہیں کہ آج کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوٹھا ہوا تھا، لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ یہ رسم سنیوں میں بھی عام ہونی چاہیے تو انھوں نے امام جعفر صادق کا من گھڑت قصہ چھپوا کر ان میں تقسیم کرا دیا اور یوں یہ رسم عام سے عام تر ہوتی چلی گئی۔

کوٹھوں کی رسم نہ صرف شیعہ۔ بلکہ سنیوں اور عموماً بریلوی حضرات میں بھی عام ہے، جبکہ ان کے بانی فاضل بریلوی احمد رضا خاں اپنی معروف کتاب ”احکام شریعت“ میں ان کے خلاف فتویٰ دے چکے ہیں، اس کے حصہ اول کے صفحہ (۵۵) پر وہ لکھتے ہیں کہ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

(۱) صحیح الجامع الصغیر للالبانی (۱۳۵۳)

”جو شخص معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔“

چہ جائیکہ ان کے یومِ وفات ۲۲ رجب کو ان کی موت کی خوشی میں کونڈے بھرے۔^(۱)

غرض ۲۲ رجب کے روز کونڈے بھرنے والی رسم خود ساختہ اور جاہلانہ ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ کے بندو! ہاتھوں پر ہاتھ رکھے تمناؤں کی بنا پر جنت کے وارث بن جانے کے بجائے مسنون عمل کی دنیا میں آؤ اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور اُس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر اہل، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنے چچا حضرت عباس اور پورے خاندان و قبیلہ کو الگ الگ مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اپنے آپ کو آگ سے بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

”اے فاطمہ بنتِ محمد! مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگ لو، لیکن حکمِ الہی کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔“^(۲)

میری بہنو! اگر عمل کے بغیر محض تمنا اور شفاعت کے سہارے نجات و مغفرت ممکن ہوتی تو اُن سادات کی ہوتی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت واضح فرمادی ہے، تو اُن کے مقابلے میں ہما شما کی حیثیت ہی کیا ہے؟

شبِ معراج:

اسی طرح ایک اور بدعت ہے جو رجب کی ۲۷ تاریخ ”کوشبِ معراج“ کے نام سے منائی جاتی ہے۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام کیا جاتا ہے۔ نوافل اور نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور مختلف دینی مجالس منعقد کی جاتی ہیں اور مساجد میں چراغاں وغیرہ کیا جاتا ہے۔ ان امور کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ”شبِ معراج“ کا تعین ہو۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ قابلِ ذکر ہے کہ شبِ معراج کی تاریخ تو کجا اس کے مہینے میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ نے معراج کے لیے ربیع الأول، کچھ نے محرم اور کچھ نے رمضان کا ذکر کیا ہے۔^(۳)

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی (ص: ۷۲-۷۳)

(۲) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۶۰۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۴)

(۳) الرحیق المختوم (ص: ۱۳۷)

جب ماہِ معراج پر ہی اتفاق نہیں تو تاریخِ معراج کی تعیین متفق علیہ کیسے ہو سکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اسی طرح تاریخِ معراج میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ بات بھی حکمتِ الہی سے خالی نہیں کہ ماہ و تاریخِ معراج پر اتفاق نہ ہو سکا، تاکہ طرح طرح کی بدعات کو وجود میں لانے والوں کو یہ بنیادی چیز ہی متفق علیہ نہ ملے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید تھا کہ تمام مورخین کا اتفاق ہو جاتا۔

اسراء و معراج کی رات کا حدیثوں میں کوئی تعین نہیں ہے اور جو کچھ بھی اس کے تعین کے متعلق مذکور ہے، وہ سب من گھڑت ہے۔ نبی ﷺ سے اس کے متعلق کچھ ثابت نہیں۔ اگر بالفرض اُس کی تعیین ثابت بھی ہو جائے تو بھی اُس دن کو عبادت کے لیے خاص کرنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ اُس دن جلسہ و اجتماع، یعنی جشن منانا ہرگز جائز نہیں، کیوں کہ اُس دن نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا جلسہ و اجتماع نہیں کیا اور نہ اس دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کیا۔ اگر اس روز جلسے و اجتماع کرنا ثواب کا کام ہوتا تو نبی ﷺ اپنی امت کے لیے قوی یا فعلی طور پر اس کی ضرورت فرما دیتے اور اگر اس کے متعلق نبی ﷺ سے ایسا کوئی عمل واقع ہوا ہوتا تو لوگ اُسے پہچانتے اور وہ مشہور و معروف ہوتا اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (دوسرے دینی امور و ہدایات کی طرح) اسے بھی ہماری طرف منتقل کرتے، کیوں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے ہر اُس شے کو نقل کیا ہے جس کی اُمت کو ضرورت تھی۔ انھوں نے دین کے معاملے میں کبھی سُستی و غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا، بلکہ نیکی کے معاملے میں وہ پیش پیش تھے۔ اگر اس رات کو اجتماع و اختفال اور جلسہ و جشن منع کرنا جائز و کارِ ثواب ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کام سب سے پہلے خود کرتے۔

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ اپنی اُمت کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور آپ ﷺ نے پیغامِ رسالت نہایت دیانت و تن دہی سے پہنچایا۔ اگر اس رات کی تعظیم کرنا، اس میں اجتماع و اختفال اور جلسہ و جشن کوئی دینی کام ہوتا تو آپ ﷺ اس میں ہرگز سُستی نہ کرتے اور نہ ہی اسے اپنی اُمت سے مخفی رکھتے۔ جب آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی تو معلوم ہوا کہ اس رات کی تعظیم کرنا اور اس میں اجتماعات و اختفالات کوئی اسلامی فعل نہیں ہے۔ لہذا اسے عبادت و ثواب کی نیت سے کرنے والوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔^①

① بحوالہ فتاویٰ مہمہ، لعامة الأمة (ص: ۵۶-۵۷) طبع مؤسسة الحرمین الشریفین و ہفت روزہ "الإسلام" لاہور (ج: ۱۵، شماره ۳۸ بابت ۹/ رجب ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۹۸۹ء)

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی بدعت و گمراہی سے محفوظ رکھے، کیوں کہ ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ بدعات رجب و شعبان
- ✽ چند بدعات اور ان کا تعارف
- حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- تالیف: ابو عدنان محمد منیر قمر
- مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر

معراجِ مصطفیٰ ﷺ

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورۃ اسراء یا بنی اسرائیل (آیت: 1) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا ۗ اِنَّکَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾

سبق ملا ہے معراجِ مصطفیٰ سے یہ مجھے کہ بشریت کی زد میں ہے یہ گردوں

مالک کن فیکون نے ہزاروں کی تعداد میں انبیاء و رسل ﷺ مبعوث فرمائے۔ ان تمام انبیاء و رسل ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے دلائل اور براہین سے نوازا جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائیں، ان دلائل کو قرآنی الفاظ میں آیات اور عموماً ”معجزات“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیات و معجزات سے نوازا، ان میں سے ایک اہم اور انوکھا معجزہ واقعہ معراج ہے، درحقیقت یہ ایک معجزہ نہیں، بلکہ مجموعہ معجزات ہے۔ واقعہ معراج نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک منفرد، ممتاز اور عظیم الشان واقعہ ہے۔ وہ اعجاز بھی، اعزاز بھی اور باعثِ افتخار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ساتھ اپنی محبت و انسیت کا اظہار عجب اور نرالے انداز میں فرمایا۔

1- قرآن مجید میں ذکرِ معراج:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اسراء اور معراج کی طرف دوسورتوں: بنی اسرائیل اور سورۃ النجم میں اشارہ کیا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہ واقعہ اور اس کی حکمت بیان کی گئی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا

حَوْلَهُ لِرَبِّيهِ مِنَ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱﴾ [الإسراء: ۱]

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے کچھ ہی حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکات دے رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں اور اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھلائیں، یقیناً اللہ ہی خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔“

یہ سورت مکی ہے اسے سورت بنی اسرائیل کے علاوہ سورۃ الاسراء بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اس میں نبی ﷺ کے اسراء، یعنی رات کو مسجد اقصیٰ لے جانے کا ذکر ہے۔ اور اس کا شروع اس لفظ سے ہے: ”سُبْحَانَ“ یعنی ہر نقص سے پاک و بری ہے وہ ذات جو رات کے کچھ ہی حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اپنے بندے کو لے گیا۔ مطلب یہ کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو مگر اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، کیوں کہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تو لفظ کن سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر سکتا ہے، اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔

﴿اَسْرَى﴾ کے معنی ہوتے ہیں: رات کو لے جانا۔ آگے ﴿كَيْلًا﴾ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے، یعنی رات کے ایک حصہ یا تھوڑے سے حصے میں۔ چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر پوری رات میں بھی نہیں، بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا، یہ ہمارے نبی ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ ﴿الْأَقْصَى﴾ دور تر کو کہتے ہیں، یعنی مسجد بیت المقدس جو القدس یا ایلیا (قدیم نام) شہر میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے، مکہ سے القدس تک کی مسافت ۴۰ دن کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ یعنی دور تر مسجد کہا گیا ہے۔

2- ملکِ شام کی برکتیں:

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملکِ شام کی جن برکتوں کا ذکر کیا ہے، ان برکتوں سے مراد یہ ہے کہ یہ سرزمین انبیاء ﷺ کی سرزمین ہے، یہ ملکِ شام حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کرام ﷺ کا مرکز رہا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت بھی یہی تھی، طور سیناء (پہاڑ) بھی یہیں پر ہے اور مسجد اقصیٰ بھی یہیں پر ہے۔ یہاں پر ہرے بھرے درخت اور نوع بہ نوع میوے

اور قسم قسم کے لذیذ پھل پائے جاتے ہیں۔ یہاں پر خوبصورت نہریں جاری ہیں، یہ علاقہ قدرتی نہروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء ﷺ کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے۔

یہاں پر دینی و روحانی برکتیں بھی ہیں اور ظاہری و مادی برکتیں بھی۔ اسی لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے بندے کو عجائبات اور آیات کبریٰ دکھائیں جن میں سے ایک آیت اور معجزہ خود یہ سفر بھی ہے کہ اتنا لمبا سفرات کے ایک قلیل حصے میں ہو گیا۔ دوسرا یہ کہ نبی ﷺ کو معراج کے لیے آسمانوں پر لے جایا گیا۔ تیسرا یہ کہ وہاں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء ﷺ سے ملاقاتیں ہونیں اور سدرۃ المنتہیٰ بھی دیکھی جو عرش سے نیچے ساتویں آسمان پر ہے۔

نبی رحمت ﷺ کے لیے اللہ کی جانب سے یہ ایک عظیم ترین اعزاز اور محمد بن عبد اللہ ﷺ کے شرف و عظمت کی ایک نمایاں دلیل ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ شب کی چند گھڑیوں میں زمین و آسمان اور جنت و جہنم کی سیر کرنے والے اللہ کے محبوب بندے اور غلام ہیں، یہ عظمتیں انھیں ان کے معبود نے عطا کی ہیں۔ اور یہ حالتِ بیداری کا مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ اسراء کہلاتا ہے جس کا ذکر ہم نے آپ سے کیا ہے۔ جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے تمام انبیاء ﷺ کی امامت فرمائی اور یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کو امام الانبیاء و الرسل ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ پھر آپ ﷺ کو آسمان پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ عام طور پر اس پورے سفر کو ”معراج“ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سے ہی معراج کا لفظ زیادہ مشہور ہو گیا۔ دوسری سورت میں اللہ تعالیٰ نے معراج کا واقعہ اور اس کے نتائج بیان کیے ہیں۔ سورۃ النجم (آیت: ۱۳ تا ۱۸) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۚ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۖ إِذْ

يَعْتَسِي السِّدْرَةَ مَا يَعْثَىٰ ۚ مَا نَأْخُذُ الْبَصَرَ وَ مَا طَعَىٰ ۚ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۗ﴾

”بلاشبہ اس (رسول) نے اس (جبرائیل) کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب کہ سدرہ (بیری) کو چھپا لیتی تھی وہ چیز جو چھپا رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس (رسول) نے اپنے رب کی بڑی

بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔“

3- راویانِ حدیثِ معراج:

واقعہ معراج ستائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تین صحابیات رضی اللہ عنہن سے مروی ہے:

- | | |
|--|---|
| 1 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ | 2 انس بن مالک رضی اللہ عنہ |
| 3 ابی بن کعب رضی اللہ عنہ | 4 بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ |
| 5 جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما | 6 حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ |
| 7 شداد بن اوس رضی اللہ عنہ | 8 صہیب رومی رضی اللہ عنہ |
| 9 عبدالرحمن بن قرظ رضی اللہ عنہ | 10 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما |
| 11 عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما | 12 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ |
| 13 علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ | 14 عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ |
| 15 مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ | 16 ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ |
| 17 ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ | 18 ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ |
| 19 ابو امامہ رضی اللہ عنہ الباہلی | 20 ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ |
| 21 ابو العراء رضی اللہ عنہ | 22 سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ |
| 23 عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما | 24 ابوسفیان رضی اللہ عنہ |
| 25 عبداللہ بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ | 26 سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ |
| 27 ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ | 28 عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا |
| 29 ام ہانی رضی اللہ عنہا | 30 اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ¹ |

4- واقعہ معراج کی تاریخ:

میری بہنو اور بھائیو! معراج رسول ﷺ کے سلسلے میں مؤرخین اور اصحاب سیر کا یہ اختلاف ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے ہوا یا بعد میں؟ بعض کا کہنا ہے کہ ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں: کئی سال قبل

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث (5576) صحیح مسلم، رقم الحدیث (162) تفصیل کے خواہشمند ”فتح الباری“ للحافظ ابن حجر ”الاسراء و المعراج“ للمحدث الألبانی رحمہ اللہ. نیز قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کی کتاب ”رحمة للعالمین“ جلد سوم اور دیگر مطول کتابوں کا مراجعہ کریں۔

یہ واقعہ پیش آیا۔ امام سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے ہوئی تھی۔^①

اسی طرح مہینے اور اس کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے، کوئی ربیع الاول کی ۷ یا ۲۷ اور کوئی رجب کی ۲۷ کہتے ہیں، بعض کوئی اور مہینا اور اس کی تاریخ بتلاتے ہیں۔^②

معراج کی تاریخ کے اس اختلاف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے نزدیک اس رات کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی جو آج مسلمانوں کے بعض حلقوں میں اسے دے دی گئی ہے اور یہ اس شب کو خصوصی طور پر جشنِ معراج کے طور پر مناتے ہیں، اس میں چراغاں کیا جاتا ہے، محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، اور عید کی طرح خوشیاں منائی جاتی ہیں شبِ قدر کی طرح۔ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی بڑھ کر اس کے فضائل و مناقب کا بیان ہوتا ہے، اس میں مخصوص نمازیں اور دیگر خود ساختہ عبادتیں ادا کی جاتی ہیں، اگر اس رات میں ان سارے کاموں کی انجام دہی شریعت کا حصہ ہوتی تو اس رات کی تاریخ میں اس قدر شدید اختلاف ہرگز نہ ہوتا اور صحابہ و تابعین اس تاریخ کو لازمی یاد رکھتے اور اس میں وہ سب کچھ کرتے جو دین و شریعت کا تقاضا ہوتا، کیوں کہ وہ ہر نیکی میں ہم سے آگے رہنے والے تھے اور انھیں اللہ و رسول ﷺ سے ہم سے کہیں زیادہ محبت تھی۔^③

5- معراج روحانی ہو یا جسمانی؟

رسول اللہ ﷺ کا معراج جسمانی تھا یا روحانی؟ اس سلسلے میں صحیح احادیث میں اور صحابہ و تابعین سے لے کر تمام امت کے محقق علمائے کرام اس بات کے قائل چلے آ رہے ہیں کہ معراج حالتِ بیداری میں، یعنی روح و جسم سمیت ہوا ہے اور یہی قول برحق ہے، اور اس کے چند دلائل یہ ہیں:

① اس واقعہ کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ نے تعجب کا صیغہ ﴿سُبْحٰنَ﴾ استعمال کیا ہے، جیسا کہ آیت پہلے گزر چکی ہے، اگر واقعہ صرف خواب کا ہوتا تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہی نہیں تھی، کیوں کہ خواب میں زمین و آسمان کی سیر ایک عام آدمی سے بھی ہو سکتی ہے۔

① دلائل النبوة للبيهقي، باب الاسراء برسول الله ﷺ (۲/ ۳۵۵) البتہ یہ واقعہ کب رونما ہو، اس میں خاصا اختلاف ہے۔ دیکھیں البدایة والنهاية (۱۱۳/ ۱۱۹)

② فتح القدير.

③ نیز دیکھیں: الرحيق المختوم (ص: ۱۹۷)

2) اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اللہ اپنے بندے کو لے گیا، اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بندہ جسم و روح دونوں کے مرکب کا نام ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں لفظ ”عَبْدٌ“ آیا ہے، یعنی ”بندہ“ اور بندے کا لفظ جسم و روح دونوں کے مجموعے پر بولا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ (آیت: ۸۶) (سورۃ طہ (آیت: ۷۷) (سورۃ الشعراء (آیت: ۵۲) (سورۃ الدخان (آیت: ۲۳) وغیرہ ہیں۔

3) کفار نے اس واقعہ کی تکذیب کی، بلکہ بعض ضعیف الایمان مسلمانوں کے بھی قدم ڈمگا گئے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا یا فقط کوئی روحانی سیر ہوتی تو اس میں ایسی حیرت کی کوئی بات نہیں تھی جس کو جھٹلانے کی ضرورت ہو۔

4) صحیحین کی روایت ہے کہ کفار نے بیت المقدس کے تعلق سے نبی ﷺ سے سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا، کفار پوچھتے جاتے اور آپ ﷺ سامنے دیکھ دیکھ کر بتلاتے جا رہے تھے۔ اگر یہ صرف خواب ہوتی تو کفار کی جانب سے بیت المقدس کے متعلق تفصیل پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ معراج کا سفر حالتِ بیداری کا مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کا ملہ سے اپنے پیغمبر ﷺ کو کروایا اور اس میں جو کچھ دکھایا گیا وہ عینی مشاہدات تھے۔ لہذا اسے خواب یا روحانی سیر یا قلبی مشاہدہ قرار دینے سے اس واقعہ کی ساری اہمیت و عظمت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اسراء کا ذریعہ سفر تو براق تھا۔ معراج کے سلسلے میں روایات میں لفظ ”عُرِّجَ“ استعمال ہوا ہے اور ذریعہ سفر کی صراحت نہیں کی گئی۔ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں: ”میرے لیے سیڑھی نصب کی گئی۔“

ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے لکھا:

”یہی سیڑھی تھی جس کے ذریعے سے آپ ﷺ آسمان پر پہنچے۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ آپ ﷺ براق کے ذریعے آسمانوں پر چڑھے تھے۔ یہ درست نہیں۔“^①

اسراء و معراج کے روح اور بدن کے ساتھ ہونے کے چند مزید دلائل:

(5) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسراء و معراج کی نوعیت کے بارے میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ سارا واقعہ عالم خواب میں پیش آیا، لیکن حق اور صحیح وہ ہے جس کے اکثر سلف صالحین، فقہاء، محدثین اور متکلمین قائل ہیں کہ آپ ﷺ کو جسم اطہر سمیت لے جایا گیا تھا۔ روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ جو شخص بھی ان کا مطالعہ کرے گا اور تحقیق کرے گا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ ظاہر روایات کو بلا دلیل چھوڑا نہیں جاسکتا اور نہ ظاہر پر محمول کرنے میں کوئی بات مانع ہے کہ خواہ مخواہ تاویل کرتے پھریں۔⁽¹⁾

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

”اسراء اور معراج ایک ہی رات ہوئے، جاگتے میں ہوئے، جسم اور روح سمیت ہوئے اور بعثت کے بعد ہوئے۔ جمہور محدثین، فقہاء اور متکلمین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ تمام صحیح احادیث کے ظاہر الفاظ اسی مسلک کی تائید کرتے ہیں۔ اسے چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں، کیوں کہ اس میں کوئی چیز بھی عقلاً محال نہیں کہ تاویل کی ضرورت پڑے۔“⁽²⁾

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم (آیت: ۱۷) میں فرمایا ہے:

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ﴾

”ان کی نگاہ نہ تو (حقیقت سے) ہٹی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔“

آنکھ کا تعلق روح سے نہیں، بلکہ جسمانی اعضا سے ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کو براق پر سوار کرایا گیا تھا جو سفید رنگ کا بہت چمک دمک والا ایک جانور ہے اور سواری کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے روح کو نہیں، کیوں کہ روح کو حرکت کرنے کے لیے کسی سواری پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

معراج کے حوالے سے ایک عظیم نکتہ:

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتاب ”دلائل النبوة“ میں بطریق محمد بن عمر واقدی بیان کیا

(1) نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض لأحمد شہاب الدین الخفاجی (۲/۲۶۵)

(2) فتح الباری (۱۵/۴۴)

ہے کہ مجھ سے مالک بن ابورجال نے، انھوں نے عمرو بن عبد اللہ سے اور انھوں نے محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دحیہ بن خلیفہ کو قیصر کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا، اس روایت میں دحیہ کے قیصر کے پاس جانے اور آنے کا ذکر ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل بے حد عقل مند انسان تھا، اس نے شام میں آئے ہوئے تاجروں کو طلب کیا تو ابوسفیان صحر بن حرب اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پاس لایا گیا، ہرقل نے ابوسفیان سے وہ مشہور سوالات پوچھے جو صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہیں۔

ابوسفیان کی کوشش تھی کہ وہ آپ ﷺ کو ہرقل کی نگاہوں میں حقیر اور صغیر کر کے پیش کرے، چنانچہ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس سے اس بات نے روکا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ ہرقل کے پاس جھوٹ بولوں، وہ میرے جھوٹ کو پکڑے اور پھر میری کسی بات کو بھی سچ نہ جانے۔

اسی اثنا میں مجھے معراج کے بارے میں آپ کی بات یاد آگئی تو میں نے کہا: بادشاہ سلامت! میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے جھوٹ بولا ہے۔ ہرقل نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ ان کا خیال ہے کہ وہ ایک رات ہمارے علاقے سرزمین حرم سے نکلے اور تمھاری اس مسجد، مسجد ایلیا میں، یعنی بیت المقدس میں آگئے، پھر صبح سے پہلے پہلے ہمارے ہاں واپس بھی پہنچ گئے۔ ابوسفیان کی یہ بات سن کر ایلیا کے بطریق (پادری) نے کہا جو اس وقت قیصر کے سر کے پاس کھڑا تھا کہ میں اس رات کو جانتا ہوں، قیصر نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا: میں ہر رات سونے سے پہلے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیا کرتا تھا، اس رات میں نے تمام دروازے بند کر دیے مگر ایک دروازے کا بند ہونا مشکل ہو گیا تو میں نے اپنے تمام کارکنوں اور تمام حاضرین سے مدد لی، مگر ہم سب مل کر بھی اس دروازے کو حرکت نہ دے سکے، وہ دروازہ اس وقت پہاڑ کی طرح وزنی معلوم ہوتا تھا، میں نے بڑھئی لوگوں کو بلایا تو انھوں نے بتایا کہ اس پر تو چھت گری ہوئی ہے، صبح ہونے سے پہلے ہم اسے ہلانہیں سکتے، صبح ہوئی تو ہم دیکھیں گے کہ چھت کہاں سے اور کیسے گری ہے؟ لہذا میں واپس آ گیا اور میں نے دونوں دروازے کھلے رہنے دیے۔ صبح ہوئی تو میں ان دروازوں کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں پڑے ہوئے پتھر میں ایک سوراخ ہو گیا ہے اور اس میں کسی جانور کے باندھنے کا نشان

بھی ہے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ کسی نبی کے لیے کھلا رکھا گیا ہے۔ جنھوں نے آج رات ہماری اس مسجد میں نماز ادا فرمائی ہے۔ اور پھر انھوں نے باقی تمام حدیث بھی بیان کی۔

مصادر و مراجع

- | | | |
|--|-------------------|---|
| | تفسیر ابن کثیر | ✽ |
| حافظ صلاح الدین یوسف <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | تفسیر احسن البیان | ✽ |
| | صحیح بخاری | ✽ |
| | صحیح مسلم | ✽ |
| تالیف: عبدالہادی عبدالحالق مدنی | معراج رسول ﷺ | ✽ |
| تالیف: دکتور مہدی رزق اللہ احمد | سیرت نبوی ﷺ | ✽ |
| ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین | | |
| تالیف: امیر حمزہ | سیرت کے سچے موتی | ✽ |

معراجِ مصطفیٰ ﷺ

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر چل رہا ہے، آج ہم اسی موضوع کو آگے بڑھا رہے ہیں:

6- واقعہ معراج کا پس منظر:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو معراج کیوں کروایا؟ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کریم ﷺ کو پے در پے صدمات پہنچے۔ پہلے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب فوت ہوئے جو آپ ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب وہ شخص تھے جو رشتہ داری کی بنا پر نبی ﷺ کی حمایت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

”اللہ کی قسم! کفار اپنے تمام لشکروں کے باوجود آپ تک نہیں پہنچ سکتے، اس کے لیے پہلے انھیں میری لاش سے گزرنا ہوگا۔“

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور انھوں نے ہمدردی اور اعانت و نصرت میں کوئی کسر نہ چھوڑ رکھی تھی، لیکن انھوں نے آپ ﷺ کی لائی ہوئی دعوت توحید کو قبول نہیں کیا، اس لیے اللہ کی رحمت کے مستحق نہ ہو سکے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ ان کے جہنمی ہونے کا ذکر موجود ہے، البتہ نبی ﷺ کی شفاعت کی بنا پر انھیں جہنم کا سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا، ان کے پاؤں میں آگ کی دو جو تیاں پہنائی جائیں گی جن سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔^①

پھر آپ ﷺ کی باوفا اور ننگسار زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد کا انتقال ہو گیا۔ ابو طالب اور

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۶۵۶۱)، صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۱۳)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد کفار کے حوصلے اور جراتیں بڑھ گئیں، انھوں نے آپ ﷺ پر زمین تنگ کر دی اور آپ ﷺ کا چلنا پھرنا دو بھر کر دیا، خاص طور پر سفر طائف کے بعد جب کہ طائف کے لوگوں نے آپ ﷺ سے بدسلوکی کی انتہا کر دی۔

میری بہنو! مصائب و مشکلات نے آپ ﷺ کی زندگی کو تنگ کر دیا، ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آسمان کی وسعتوں کے دروازے کھول دیے۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے اطمینان قلب اور بطور عزت افزائی یہ معجزہ صادر فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے لیے خاص انعام تھا۔ یہ معجزہ ان عظیم شدائد و مصائب کے بعد صادر ہوا جن سے رسول اللہ ﷺ کو گزرنا پڑا۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پختہ عزم کی تجدید کر دی جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ کی قوم کی آپ ﷺ سے بدسلوکی کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا ہے، بلکہ یہ ماجرا تو ہر دور اور ہر علاقے میں اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ گزرتا رہا ہے۔ اس معجزے سے یہ بھی پتا چل گیا کہ مستقبل دین اسلام کا ہے، تبھی محمد رسول اللہ ﷺ سے دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کروائی گئی۔ یہ بھی وضاحت ہو گئی کہ جب اللہ کے بندوں پر زمین تنگ ہو جاتی ہے تو آسمان ان کے استقبال کے لیے اپنے دروازے کھول دیتا ہے اور اگر کسی وقت زمین والے بدسلوکی پر اڑ جائیں تو آسمان والے فرشتے ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے دست بستہ صف آرا ہو جاتے ہیں۔

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنی قدرت کے جلوے کھلی آنکھوں سے دکھانے تھے، تاکہ آپ ﷺ پریشان نہ ہوں، اور موجودہ مصائب سے دل چھوٹا نہ کریں۔ ایسا نہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کو اللہ عزوجل کی قدرت کی معرفت نہ تھی، نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خوب واقف تھے کہ وہی اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو پار لگانے والا ہے اور وہی حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے دوبارہ زندہ سلامت واپس لانے والا ہے اور وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے شعلوں کو گل و گلزار بنانے والا ہے اور وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا پار کرا کر نجات عطا فرمانے والا اور فرعون کو غرق کرنے والا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے نبی ﷺ کو اپنی بعض بڑی بڑی نشانیاں چشم دید کرا دے تاکہ علم الیقین سے آگے بڑھ کر آپ کو عین الیقین حاصل ہو جائے۔

7- شق صدر:

حضرت انس بن مالک عن مالک صَحَّصَهُ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسراء و معراج (کی سیر) والی رات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”بیت اللہ کی وہ جگہ جسے حلیم کہا جاتا ہے (اسے الحجر بھی کہا جاتا ہے) میں اس رات حجر میں لیٹا ہوا تھا، ایک آنے والا (فرشتہ) میرے پاس آیا اس نے مجھے یہاں سے یہاں تک (یعنی گردن کے گڑھے سے لے کر ناف تک) چیر دیا۔ اس کے بعد میرے دل کو نکال لیا۔ میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ پھر میرے دل کو زمزم سے دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت کے بھرنے کے بعد اسے واپس سینے میں رکھ دیا گیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر میرے پیٹ کے اندرونی حصے کو آب زمزم سے دھویا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا (اسے ہی شق صدر کا واقعہ کہا جاتا ہے)۔“¹

نبی ﷺ کے دل کو سونے کے طشت میں رکھ کر دھونے کی اہل علم نے بہت ساری حکمتیں بیان کی ہیں، مثلاً: سونا ایک قیمتی چیز ہے اور اسے بطور قیمت ہمیشہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میں ایک خاص چمک ہے، اسے آگ میں ڈالا جائے تو جل کر ختم ہونے کے بجائے اور نکھرتا ہے اور اسے مٹی میں دفن کر دیا جائے تو سڑتا نہیں، یعنی مٹی اسے کھاتی نہیں، اس کو زنگ نہیں لگتا، ان بہت ساری خوبیوں کی بنا پر آپ ﷺ کا قلب مبارک رکھنے کے لیے سونے کا برتن استعمال کیا گیا۔

زمزم کا پانی دنیا کا سب سے بہترین، افضل اور مبارک پانی ہے، نیز زمزم کی برکتیں ناقامت باقی رہیں گی۔ نبی ﷺ کے قلب مبارک کو زمزم سے دھو کر اس میں جو ایمان و حکمت کو رکھا گیا ہے، اس کی برکتیں بھی ناقامت باقی رہیں گی۔ ایمان و حکمت سے نبی ﷺ کے قلب اقدس کو معمور کر دیا گیا۔

ایمان قلبی یقین، زبانی اقرار اور اعضا کے ذریعے علم و حلم اور عقل و عدل کا نام ہے جو غصے و جہالت اور ظلم و حماقت کی ضد ہے۔ حکمت یہ ہے کہ ہر قول، ذات و صفات اور ہر شخص کو وہی مقام دیا جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ ایمان کے بعد حکمت سے زیادہ فضیلت والی چیز کوئی نہیں، کیوں کہ

{1} صحیح البخاری، باب المعراج، رقم الحدیث (۳۸۸۷) صحیح مسلم، کتاب الایمان: رقم الحدیث (۱۶۴، ۱۶۳) مسند أحمد (۴/۲۰۷-۲۰۹، رقم الحدیث (۱۷۹۸۷، ۱۷۹۸۸) و إسناده صحیح.

اگر کوئی ہوتی تو حکمت کے بعد اسے ساتھ رکھا جاتا۔ قرآن مجید میں حکمت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔
جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۶۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ

إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

”جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری
بھلائی دیا گیا اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔“
حکمت کے متعلق صحیحین وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے:

”دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے: ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہِ حق میں
خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو
اس کی تعلیم دیتا ہے۔“^①

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ ایمان و حکمت تو معنوی چیزیں ہیں انھیں صدرِ رسول ﷺ میں
کیسے رکھا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں معنوی چیزوں کے تعلق سے بہت سی ایسی
باتیں آئی ہیں جو مادی چیزوں کے لیے ہوتی ہیں، اور یہ اللہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں۔

اگر اللہ چاہتا تو آپ ﷺ کا سینہ چاک کیے بغیر ایمان و حکمت کو آپ ﷺ کے سینے میں ڈال
سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے کیا تا کہ آپ ﷺ کے دل سے دنیاوی اسباب کا خوف ختم ہو
جائے اور آپ میں شجاعت و بہادری پیدا ہو جائے۔ چنانچہ نبی ﷺ کی بہادری نہایت بے مثال تھی،
جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرت اس پر شاہدِ عدل ہے، جہاں بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جاتے، جہاں
سے بڑے بڑے بہادر بھاگ کھڑے ہوتے تھے، وہاں نبی ﷺ ثابت قدم رہتے تھے۔

سینہ بلا تکلیف چاک کیے جانے سے دنیاوی آلام کا خوف آپ ﷺ کے دل سے نکال دیا
گیا۔ اس واقعے سے آپ ﷺ کی قوتِ یقین میں اضافہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں اسباب کے
بغیر کرتا ہے۔

شق صدر کا واقعہ نبی ﷺ کی زندگی میں دو بار پہلے ہو چکا تھا اور اب تیسری بار معراج سے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۷۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۶-۸۱۵)

پہلے آپ کا سینہ چاک کیا گیا تاکہ آسمانی سفر نیز رب ذوالجلال سے ملاقات کے لیے آپ ﷺ کو تیار کر دیا جائے۔ شق صدر کا واقعہ تین بار اس لیے ہوا تاکہ کامل ہو جائے جیسے اعضائے وضو تین بار دھوئے جانے کے بعد ان کی طہارت کامل ہو جاتی ہے۔

براق کی سواری:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

”میرے پاس ایسا جانور لایا گیا جو نخر سے کچھ چھوٹا اور گدھے سے کچھ اونچا تھا، اس کا رنگ سفید تھا اور اس کا نام براق تھا، وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ (یعنی رفتار تصور سے بالاتر تھی) مجھے اس براق پر سوار کیا گیا، براق کو زین کس کر اور لگام لگا کر لایا گیا تھا، جب میں نے اس پر سوار ہونا چاہا تو وہ مچلنے لگا اور اس پر بیٹھنا دشوار ہونے لگا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: اے براق! تم پر اللہ کے یہاں اس شخص سے زیادہ معزز کوئی ہستی آج تک سوار نہیں ہوئی۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، اور پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔“⁽¹⁾

دراصل براق اس خوشی میں چل رہا تھا کہ اس پر رحمت عالم ﷺ سواری فرما رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ بھی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے تین دوست: حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اُحد کی پہاڑی پر چڑھے تو اُحد مارے خوشی کے جھومنے لگا اور اس حرکت کو سب نے محسوس کیا تو نبی ﷺ نے اُحد کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اُحد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“⁽²⁾

جانور کی سواری:

براق کا لفظ یا تو بریق سے مشتق ہے جس کا مطلب چمک اور روشنی ہے، یعنی وہ ایک سفید اور چمکدار جانور تھا۔ یا مفہوم یہ ہے کہ وہ برق کی رفتار، یعنی بجلی کی طرح تیز رفتار تھا۔ اسی طرح گھوڑے کی سواری کے بجائے نخر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور اختیار کرنے کی حکمت اہل علم نے یہ بیان کی

(1) مسند أحمد، رقم الحدیث (۱/۳۸)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۶۷۵)

ہے کہ گھوڑے عموماً عربوں کے یہاں حالتِ جنگ میں استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن گدھے اور خچر حالتِ امن میں استعمال ہوتے تھے۔ براق کی سواری گدھے اور خچر کے بیچ تھی جو اس بات کی نشانی تھی کہ آپ ﷺ پورے امن و امان کے ساتھ آسمان و زمین کی سیر کریں گے، کہیں کوئی خوف نہیں ہو گا، ساتھ ہی یہ دکھانا بھی مقصود تھا کہ گدھے اور خچر عموماً سست رفتار ہوتے ہیں، ان کے درمیان کے جانور کو اللہ نے نہایت تیز رفتار بنا کر ایک معجزہ عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سواری کے بغیر ہی سفر طے کرا سکتا تھا، لیکن اللہ کی جانب سے یہ اپنے نبی ﷺ کی عزت افزائی تھی کہ آپ ﷺ کو بلایا تو قاصد کو سواری کے ساتھ بھیجا۔

بیت المقدس کا سفر:

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

”پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے وہاں سے لے کر چلے، آپ ﷺ کی سواری کی رکاب جبرائیل علیہ السلام تھا مے ہوئے تھے، سفر طے کر کے بیت المقدس پہنچے، راستے میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک سے گزر ہوا جو سرخ ٹیلے کے پاس ہے، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔“

لیکن موسیٰ علیہ السلام سے نبی ﷺ کی ملاقات آسمانوں پر ہوئی تھی نہ کہ زمین پر۔^①

یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ان خصوصیات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے انبیاء اور رسولوں کو عطا فرمائی ہے۔ سارے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔^②

”بیت المقدس سے باہر ایک پتھر کے ایک حلقے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے براق کو باندھ دیا، یہ وہی حلقہ تھا جس سے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ اس کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں نماز پڑھی۔“

① مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۲۰/۳) صحیح مسلم، فضائل موسیٰ علیہ السلام، رقم الحدیث (۲۳۷۵/۱۶۵)

② یہ قول رسول ﷺ مسند ابی یعلیٰ میں بسند صحیح ثابت ہے، ملاحظہ ہو: السلسلة الصحيحة للألبانی، رقم الحدیث (۶۲)

فطرت کا انتخاب:

پھر اللہ کے نبی ﷺ کو پیاس لگی، آپ ﷺ کے سامنے دو پیالے پیش کیے گئے، ایک پیالے میں دودھ اور دوسرے پیالے میں شراب تھی۔ نبی ﷺ نے دودھ کا پیالہ منتخب کر کے نوش فرمایا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

«الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَذَاكَ لِفِطْرَةِ، لَوْ أَخَذْتَ الْحَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ»^①

”ہر قسم کی حمد و ثنا اللہ کے لیے ہے جس نے آپ ﷺ کی فطرت کی طرف راہنمائی کی،

اگر آپ ﷺ نے شراب کو اختیار کیا ہوتا تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔“

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یاد رہے کہ شراب کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تھی، واقعہ معراج کے وقت شراب حرام نہیں تھی، چونکہ یہ ایسی خبیث چیز ہے جسے کوئی صاحب عقل سلیم اور حامل فطرت مستقیم اختیار نہیں کر سکتا۔^②

چونکہ شراب ام الخبائث ہے، ہر طرح کی برائیوں کی جڑ ہے اور اس سے انسان کی عقل غائب ہو جاتی ہے اور پھر نیک و بد اور اطاعت و معصیت کی تمیز ختم ہو جاتی ہے، اس لیے نبی ﷺ نے شراب کے بجائے دودھ کا انتخاب فرمایا جو نہایت مبارک مشروب ہے۔

نبی ﷺ کی اگلی پرواز:

رب العالمین کے خصوصی مہمان سرکارِ دو عالم ﷺ کے اگلے سفر کا واقعہ، جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر آسمانِ دنیا پر پہنچے، وہاں پہنچ کر دروازہ کھولنے کے لیے کہا (وہاں دروازے پر دربان اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درمیان جو مکالمہ ہوا، وہ یوں ہے): آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں، پھر (دربان نے) کہا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ ہیں، پھر پوچھا گیا: کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! انھیں بلایا گیا

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۵۷۶)

② صحیح مسلم، کتاب الإیمان، رقم الحدیث (۱۶۲)

ہے، اور پھر دروازہ کھول دیا گیا، کہا ہم انھیں مرحبا کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آسمان ایک حقیقی چیز ہے وہ فقط منتہائے نگاہ یا حد نظر ہی نہیں،
جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ نیز اس میں دروازے بھی ہیں اور ان دروازوں پر دربان فرشتے
مقرر ہیں۔ ان دروازوں سے فرشتے آتے جاتے ہیں اور اجازت لے کر ہی اندر داخل ہوتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات:

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

”جب میں (آسمان دنیا میں کیے جانے والے استقبال وغیرہ) سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں
کہ وہاں میرے سامنے حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: یہ آپ
کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے انھیں سلام کیا اور حضرت آدم علیہ السلام
نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید اے صالح بیٹے اور صالح نبی!“
حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں اور پہلے آسمان پر ان سے ملاقات ہوئی اور آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ
کی نبوت کا اقرار کیا اور آپ ﷺ کو نیک بیٹے سے تعبیر کیا، کیوں کہ آدمی اپنے قابلِ فخر بیٹے کو اپنا بیٹا
کہہ کر خوشی محسوس کرتا ہے، اور کیوں نہ ہو کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کی اولاد کے سردار ہیں اور
قیامت کے دن سارے انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے پرچم تلے ہوں گے۔ پھر نبی ﷺ فرماتے ہیں:
”میں نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب کچھ روحیں تھیں اور کچھ روحیں بائیں
طرف تھیں۔ جب آپ اپنی دائیں طرف دیکھتے تو ہنس پڑتے اور بائیں جانب دیکھتے تو
رو پڑتے، ان کی دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی روحیں تھیں، دائیں طرف اہل
جنت تھے اور بائیں جانب اہل دوزخ۔“

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی دائیں
جانب اہل جنت کی روحیں دیکھ کر خوشی اور مسرت سے ہنس پڑتے، کیوں کہ ایک شفیق باپ اپنی
سعادت مند اولاد کی خوشحالی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اپنی بائیں جانب اہل دوزخ کی روحیں دیکھ کر رو
پڑتے، اپنی بد بخت اولاد کی بد حالی دیکھ کر غمزدہ ہو جاتے۔^①

① بحوالہ البدایة والنهاية (۲/۲۱) بیروت.

دوسرا آسمان:

”پھر اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر اگلی پرواز کے لیے روانہ ہو گئے، جب ہم دوسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دستک دی تو دریافت کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں، پھر پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ ہیں، پھر پوچھا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! انھیں بلایا گیا ہے، تب کہا گیا کہ ہم انھیں مرحبا کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد دروازہ کھول دیا گیا اور ہم اندر داخل ہو گئے، میرے سامنے حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام تھے جو آپس میں خالد زاد بھائی ہیں۔ وہاں پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں، آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے ان دونوں کو سلام کیا، تو ان دونوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر ان دونوں نے کہا: ہم اپنے نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔“

تیسرا آسمان:

”اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں جا کر انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو دریافت کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں، پھر پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ ہیں، پھر پوچھا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! انھیں بلایا گیا ہے، تب کہا گیا کہ ہم انھیں مرحبا کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ پھر آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا تو میں اندر داخل ہوا، وہاں میرے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام تھے (حضرت یوسف علیہ السلام وہ نبی ہیں جن کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی نبی ہیں اور دادا حضرت اسحاق علیہ السلام بھی نبی ہیں اور پر دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نبی ہیں، کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم)۔

”حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو (حضرت یوسف علیہ السلام وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کا آدھا حسن عطا فرمایا تھا)۔“ (صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

چوتھا آسمان:

”اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے اور اسے کھولنے کے لیے کہا گیا تو وہی سوال اور وہی جواب دہرائے گئے۔ پھر آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا تو میں اندر داخل ہوا، وہاں میرے سامنے حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو۔“

پانچواں آسمان:

”اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو دریافت کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں، پھر پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔“

”پھر آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا تو میں اندر داخل ہوا، وہاں میرے سامنے حضرت ہارون علیہ السلام تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو۔“

چھٹا آسمان:

”اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے اور اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ پھر آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا، تو میں اندر داخل ہوا، وہاں میرے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو، جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ روئے کیوں ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نوجوان میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا، لیکن جنت میں داخل ہونے والے ان کے امتیوں کی تعداد میری امت کی نسبت

بہت زیادہ ہوگی۔“

”معاذ اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا سبب حسد ہرگز نہیں تھا، بلکہ وجہ یہ تھی کہ ہر نبی اپنی امت پر بڑا شفیق اور مہربان ہوتا ہے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت بنی اسرائیل نہایت سرکش اور نافرمان تھی، اپنی امت کی بدبختی دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اپنی امت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ درد ہے جس کا اظہار انھوں نے آنسو بہا کر کیا، چونکہ امت کا پورا ثواب نبی کو بھی ملتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”بھلائی کا راستہ دکھانے والے کو بھلائی پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔“^①

ساتویں آسمان پر:

”اس کے بعد پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر ساتویں اور آخری آسمان پر جا پہنچے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو دریافت کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں، پھر پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں، تو کہا گیا: خوش آمدید؛ بہت ہی اچھے ہیں یہ تشریف لانے والے! آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں میرے سامنے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کیجیے، میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: نیک فرزند اور نیک نبی کو مرحبا ہو، (وہاں آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا)۔“^②

بیت المعمور سے ٹیک لگانے کا ذکر صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیت المعمور کا مقام آسمان میں وہی ہے جو مقام زمین میں کعبہ شریف کو حاصل ہے۔ جس طرح اہل ایمان کعبہ شریف جا کر اس کا طواف کرتے ہیں، ویسے ہی فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں، روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر دوبارہ تاقیامت ان کی باری نہیں آئے گی۔“^③

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۹۳)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۸۸۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۴)

③ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۲) مسند أحمد (۴/۲۰۷)، رقم الحدیث: (۱۸۸۵۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے اور یہ فرشتے ہی اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہیں۔ ان کی گنتی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس قبلہ آسمان سے ٹیک لگا کر ابو الانبیاء خلیل اللہ، امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا اس کے احترام کے خلاف نہیں۔

میری بہنو! اس میں ان لوگوں کے لیے ایک سبق ہے جو عقیدت و محبت کے نام پر بہت سی فرضی شریعتیں بنائے ہوئے ہیں، مثلاً: یہ لوگ کسی نیک شخص کی قبر یا کسی نام نہاد ولی کے مزار کی طرف پیٹھ کرنے کو گستاخی شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ مقدس جگہوں جیسے مکہ و مدینہ میں سے ایڑی کے بل واپس ہونا اور کعبہ کی طرف پیٹھ نہ کرنا، یہ سب کام بدعت ہیں، کیوں کہ نبی ﷺ خود کعبہ سے اپنی پیٹھ کو ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے، جیسا کہ مسند احمد میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی رحمت ﷺ کو نیک بھائی کہنے کے بجائے نیک فرزند کہہ کر مخاطب کیا، کیوں کہ نبی رحمت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل ذبیح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام امت محمدیہ ﷺ کے نام:

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! آپ اپنی امت کو میرا سلام پہنچائیے اور انھیں بتلائیے کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ اور پانی بہت شیریں ہے، لیکن وہ چٹیل میدان ہے، ان کو اس میں پودے لگانا ہے اور جنت کے پودے ہیں:

«سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَوْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»

یہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“، وہی عظیم کلمات ہیں جنہیں نبی رحمت ﷺ نے «كُنْزُ مَن كُنُوزِ الْجَنَّةِ» ”جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ“ قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو حلیہ میں نے دیکھا تھا، میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ یہ امت محمدیہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نہایت ہی نفع بخش پیغام ہے کہ وہ اپنی زبانیں ذکرِ الہی سے تر رکھیں، اس سے جنت میں ان کے لیے خوشنما و سرسبز پودے اگتے جائیں گے، ویسے بھی ذکرِ الہی کے فوائد بیشمار ہیں:

- ✿ ذکرِ الہی شیطان کو دفع کرتا اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔
- ✿ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہے۔
- ✿ دل سے فکر و غم کو دور کرتا ہے اور فرحت و سرور پیدا کرتا ہے۔
- ✿ نیز چہرہ و دل منور کرتا ہے۔
- ✿ ذکرِ الہی اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے۔
- ✿ اور اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔
- ✿ اور ذکرِ الہی ہی قلب و روح کی غذا ہے، لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔
- ✿ اور زبان کو مختلف برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ وغیرہ
- ✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکرِ الہی کے بیسیوں فوائد گنوائے ہیں۔

مصادر و مراجع

- ✿ تفسیر ابن کثیر
- ✿ تفسیر احسن البیان
- ✿ صحیح بخاری
- ✿ صحیح مسلم
- ✿ معراج رسول ﷺ
- ✿ سیرت نبوی ﷺ
- ✿ سیرت کے سچے موتی
- ✿ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✿ تالیف: عبدالہادی عبدالحالق مدنی
- ✿ تالیف: دکتور مہدی رزق اللہ احمد
- ✿ ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین
- ✿ تالیف: امیر حمزہ

معراج مصطفیٰ ﷺ

(3)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

معراج مصطفیٰ ﷺ کے موضوع کو آج ہم مکمل کرنے جا رہے ہیں:

سدرۃ المنتہیٰ تک:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پھر نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں:

”اس کے بعد مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، سدرہ المنتہیٰ کیا ہے؟ ”سدرہ“ پیری کے درخت کو کہتے ہیں اور ”منتہیٰ“ کے معنی ہیں جائے انتہا۔“^①

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ کو ”معراج“ کروایا

گیا تو آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔

”سدرۃ المنتہیٰ ایسا مقام ہے کہ زمین سے جو عمل بھی اوپر جاتا ہے اس کا آخری مقام یہی ہے۔“

ملائکہ کے علم کی انتہا اور معلومات کی رسائی یہیں تک ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جاسکتا،

اللہ اپنے احکام یہاں پر نازل کرتا ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام یہاں سے وصول کرتے ہیں اور

فرشتے اپنی خبریں وغیرہ بھی یہاں تک لے کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وہاں سے لے لیتا ہے۔^② لیکن

یہ جو مشہور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ

وہاں میرے پر جل جاتے ہیں یہ بالکل بے دلیل بات ہے۔

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۳)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۳۱)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اصل حالت میں مشاہدہ:

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہاں میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل و صورت میں دیکھا، وہ سبز رنگ کے خوبصورت باریک ریشمی جوڑے میں تھے، ان کے چھ سو بازو تھے اور ان بازوؤں سے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔“ سبز رنگ کے ریشمی جوڑے کا ذکر بخاری میں اور چھ سو بازوؤں کا ذکر بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔^①

ان کا ایک پر اتنا بڑا تھا جتنا مشرق اور مغرب کا درمیانی فاصلہ ہے۔ ان کے پاؤں کے بال حسین و جمیل موتیوں کی طرح تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سبزی پر بارش کی بوندیں پڑی ہوں۔ (یہ حدیث مسند احمد اور تفسیر طبری میں ہے اور علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے)

پھر اس (بیری کے درخت) پر عجیب سماں طاری ہو گیا، یعنی سدرۃ المنتہیٰ پر عجیب و غریب حسین و جمیل رنگ برنگی یا قوت و زبرد کی زرق برق اشیا چھا گئیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سونے کے حسین و جمیل پتنگے اس درخت پر چھا گئے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اجمالی تذکرہ کیا ہے کیوں کہ اس کے حسن کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، اس منظر کو نبی ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے پھل کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے تھے۔

دنیا میں جنت کی (طرف سے آئی ہوئی جو نہریں ہیں) ان کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ”سدرۃ المنتہیٰ پر میں نے چار نہریں بھی دیکھیں جو اس کی جڑ سے نکل رہی تھیں: ان میں سے دو نہریں ظاہری تھیں اور دو نہریں پوشیدہ تھیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ جو نہریں پوشیدہ ہیں وہ جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہری نہریں ہیں وہ دریائے نیل و فرات ہیں۔“

انھیں کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

① صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾، رقم الحدیث (۴۸۵۶)

”سیحان، حیحان، فرات اور نیل سب جنت کی (طرف سے آنے والی) نہروں میں سے ہیں۔“^①

یہ وہی دریائے نیل اور فرات ہیں جو سطح زمین پر بہتے ہیں، دریائے نیل افریقہ سے نکل کر یوگنڈا، سوڈان اور مصر سے بہتا ہوا بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ اس کی لمبائی ۶۶۹۵ کلومیٹر ہے۔ سوڈان کا دار الحکومت خرطوم اس مقام پر واقع ہے جہاں نیل ازرق، نیل ابیض سے آکر ملتا ہے، مصر کا دار الحکومت قاہرہ بھی دریائے نیل ہی کے کنارے واقع ہے۔ اسی طرح دریائے فرات شمال مشرق ترکی میں ارارات کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مغرب کی طرف بہتا ہے، پھر جنوب کا رخ اختیار کر کے شام میں داخل ہوتا ہے اور اس کے درمیان سے گزرتا ہوا قعبہ ابوکمال کے آگے عراق میں داخل ہوتا ہے، پھر جنوب مشرق کی طرف بہتا ہے۔ دریائے فرات کی لمبائی ۲۳۷۵ کلومیٹر ہے۔

ان نہروں کا جنت سے تعلق عالم غیب سے تعلق رکھنے والی ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا۔ ہمیں جو بتایا گیا ہے ہمارا اس پر کامل یقین ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر اس کے شکر گزار ہیں۔ وہ جس صورت میں بھی ہمیں ملے۔

نہر کوثر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”جب مجھے سماوی معراج کروایا گیا اور اس دوران میں، میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو وہاں میں نے ایک ایسی نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر سفید موتیوں کے گول محلات بنے ہوئے تھے، ہر موتی کو گول محل کی شکل دے دی گئی تھی، جو مومنوں کے لیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نہر کے متعلق پوچھا: اے جبرائیل! اس کا نام کیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا: یہ نہر کوثر ہے، یہ رب کریم نے آپ کو عطا فرمائی ہے، میں نے اس نہر کو دیکھا تو اس کی تہہ کی مٹی کستوری تھی۔“^②

یہ وہی نہر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر میں یوں فرمایا ہے:

﴿إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَى الْكَوْثَرِ﴾ [الکوثر: ۱] ”ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔“

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸۳۹) مسند أحمد، رقم الحدیث (۷۵۴۴) مسند أبي يعلىٰ (۵۹۲۱)

② صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم الحدیث (۶۵۸)

نہر بیدج:

یہ دوسری نہر بھی جنت کی ہی ہو سکتی ہے، اس کا تذکرہ مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس نہر کا نام ”بیدج“ ہے اور یہ وہ نہر ہے کہ مدینہ کے بارہ مجاہدین جو ایک معرکہ میں شہید ہو گئے تھے، انھیں اللہ کے نبی ﷺ کی ایک صحابیہ نے اپنے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں باری باری داخل ہوئے، ان کی رگوں سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے، ان پر ریشمی لباس تھے، فرشتوں کو حکم ہوا کہ انھیں نہر بیدج پر لے جاؤ، وہاں جا کر ان شہدا نے غوطے لگائے تو ان کے چہرے اس طرح روشن ہو گئے جس طرح چودھویں کا چاند چمکتا ہے، پھر سونے کی کرسیوں پر بٹھا کر ان کی ضیافت کی گئی۔ صحابیہ نے یہ خواب اللہ کے نبی ﷺ کو مسجد نبوی میں سنایا، پھر ایک شخص دور سے آیا اور آکر اللہ کے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا، اس نے اطلاع دی کہ آپ ﷺ نے جو فلاں دستہ روانہ فرمایا تھا اس میں فلاں کا بیٹا اور فلاں فلاں شہید ہو گئے، اس نے بارہ شہدا کے نام لیے اور یہ بارہ وہی تھے جن کے نام تھوڑی دیر پہلے اس مجاہدہ خاتون نے لیے تھے جس نے ان شہدا کو خواب میں دیکھا تھا۔^①

پھر آپ ﷺ کو مزید اوپر لے جایا گیا جہاں قلم کی چرچہ اہٹ سنائی دے رہی تھی۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معراج میں نبی ﷺ اس بلندی پر پہنچے جہاں پر اللہ کے فیصلے، وحی اور تقدیر وغیرہ لکھنے سے قلم کی چرچہ اہٹ سنائی دیتی تھی۔ قلمیں رب کائنات کے حکم سے کائنات کے حوادث و واقعات کو معرض تحریر میں لانے میں مصروف کار تھیں۔ اس سے ہمیں ایک اہم ترین مسئلہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ رب کریم ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنی مخلوق سے الگ اپنے عرش پر ہے۔

”پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے بیت المعمور کو بلند کیا گیا، اس کے بعد میرے سامنے ایک برتن میں شراب، ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا تو میں نے دودھ کو لے لیا، جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ ﷺ کی امت کا ر بند ہے۔“^②

① مسند أحمد (۳/۱۳۵، ۲۵۷، رقم الحدیث: ۱۲۴۱۲، ۱۲۷۳۳) و اسنادہ صحیح. ابن حبان (۶۰۵۴) و اسنادہ

صحیح. مسند أبي يعلى (۳/۳۷) و اسنادہ صحیح

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۸۸۷)

نمازوں کی فرضیت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: پھر مجھ پر پچاس نمازیں روزانہ فرض قرار دے دی گئیں، ان فرض نمازوں کے ساتھ جب میں واپس پلٹا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کیا حکم ملا ہے؟ میں نے انھیں بتایا کہ ہر دن میں پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم ملا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت ایک دن میں پچاس نمازیں ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھ پائے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کی بڑی خیر خواہی کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ سے عرض کی: میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کی اصلاح کی تمام تر کوششیں کی ہیں، لہذا آپ واپس اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنی امت کے لیے اپنے رب سے کچھ خصوصی چھوٹ کی درخواست کیجیے، چنانچہ میں کئی مرتبہ واپس اللہ تعالیٰ کے پاس گیا تو بالآخر پانچ نمازیں کر دی گئیں۔

چنانچہ دوسری مرتبہ پھر میں واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے اپنی پہلی بات دہرائی، میں پھر واپس گیا تو مزید دس نمازیں کم کر دیں گئیں، واپسی میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے پھر وہی بات دہرائی، میں پھر اپنے رب کے پاس گیا تو مزید دس نمازیں کم کر دی گئیں، پھر واپسی میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا تو انھوں نے وہی بات دہرائی، میں پھر اپنے رب کریم کے پاس گیا تو مزید دس کم کر دی گئیں۔

مجھے روزانہ دس وقت کی نمازوں کا حکم دیا گیا، پھر واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انھوں نے اپنی وہی بات دہرائی، میں پھر واپس اپنے رب کے پاس گیا تو مجھے روزانہ پانچ وقت کی نمازوں کا حکم ملا، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا تو انھوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ملا ہے؟ میں نے بتایا کہ روزانہ پانچ وقت کی نماز کا حکم ملا ہے۔

انھوں نے کہا کہ آپ کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کے تجربے کیے ہیں اور بنی اسرائیل کی اصلاح و تبدیلی کی انتھک کوششیں کی ہیں، آپ واپس جا کر اپنی امت کے لیے مزید تخفیف کی درخواست کیجیے تو اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بار بار جاتے اور تخفیف کا سوال کرتے میں شرمسار ہو گیا ہوں، اب میں اس حکم پر راضی ہوں

اور سر تسلیم خم کرتا ہوں، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میں (اس خاص مقام) سے آگے گزر گیا تو اسی اثنا میں ایک اعلان گونجنے لگا:

”میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں کو رعایت کر دی۔“ (بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے) نماز تو پانچ وقت کی ہے، لیکن میں پچاس وقت کا ثواب دوں گا۔⁽¹⁾

معراج کے تین تحفے:

نبی ﷺ نے آسمانوں میں کچھ فرشتوں کو رکوع میں دیکھا، کچھ فرشتوں کو سجدے میں دیکھا، کچھ فرشتوں کو قیام میں دیکھا اور کچھ فرشتوں کو ذکر و دعا کرتے دیکھا، نبی ﷺ کو یہ ساری عبادات اکٹھا کر کے نماز کی شکل میں دے دی گئیں، اور آپ ﷺ کی امت کے لیے فرشتوں جیسا عمل معراج کا تحفہ بنا دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو تین تحفے عطا کیے گئے:

① پانچ وقت کی نمازیں۔

② سورۃ البقرہ کی آخری آیات۔

③ ایک عظیم تحفہ یہ دیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت میں سے ہر اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شخص شرک نہیں کرے گا، یعنی اپنے آپ کو شرک کی آلودگیوں سے پاک رکھے گا۔⁽²⁾

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے جواب دیا: ”وہ نور ہے، میں اسے کہاں سے دیکھوں!“ ایک قول میں ہے: ”میں نے نور دیکھا۔“⁽³⁾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”جس نے ان میں سے کوئی بات کہی، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا، میں نے پوچھا: وہ باتیں کون سی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: جس نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ نے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۲۰۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۴)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۳)

③ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۴۳-۴۴۴)

اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔“

پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا:

﴿لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ الْاَلْبَسُّوٓرُ ۗ وَهُوَ الْاَلْبَسُّوٓرُ﴾ [الأنعام: ۱۰۳]

”آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحٰى

بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّهٗ عَلٰى حَكِيْمٍ﴾ [الشورى: ۵۱]

”اور کسی بشر میں طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے ذریعے سے یا

پردے کی اوٹ سے یا وہ کسی پیغام لانے والے (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اس کے حکم سے جو

چاہے وحی کرے، بلاشبہ وہ بہت بلند اور حکمت والا ہے۔“^①

ایک صحیح روایت کے مطابق سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں نبی کریم ﷺ کو اس خزانے میں سے دی گئی ہیں جو خزانہ عرش کے نیچے ہے۔^②

”سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتوں کو جو شخص ایک رات میں پڑھتا ہے وہ اس کے لیے

کافی ہو جاتی ہیں۔“^③

یعنی شیطان اور ہر طرح کے مصائب و آفات سے حفاظت کے لیے اور اللہ کو یاد رکھنے کے

لیے کافی ہو جاتی ہیں۔ صحیح مسلم میں سورۃ البقرہ کی آخری آیات کی فضیلت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

ایک حدیث بیان فرماتے ہیں:

”حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف فرما تھے کہ اوپر سے دروازہ کھلنے کی آواز

سنی، انھوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور فرمایا: یہ آسمان کا وہ دروازہ ہے جو آج ہی کھولا

① صحیح مسلم (۱/۴۴۹)

② مسند أحمد (۴/۱۷۴)، رقم الحدیث: (۱۷۳۲۴)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۰۰۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۵، ۸۰۷)

گیا ہے، یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا، پھر اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ فرشتہ جو زمین پر نازل ہو رہا ہے، یہ آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا، پھر فرمایا: یہ آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ ایسے دونوں کی خوشخبری قبول کیجیے جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں، آپ ﷺ سے پہلے وہ کسی نبی کو نہیں دیے گئے، ایک نور تو سورۃ الفاتحہ ہے اور دوسرا نور سورۃ البقرہ کی آخری آیات، ان دونوں کا جو حرف بھی آپ پڑھیں گے، اسے آپ کو عطا کیا جائے گا۔^①

میری بہنو! سورت فاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات دعاؤں پر مشتمل ہیں اور ان کی یقینی قبولیت کا وعدہ اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ واللہ أعلم۔

معراج کا تیسرا تحفہ شرک نہ کرنے والے کے کبیرہ گناہوں کی بخشش ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک سے خالی ہونا عظیم ترین نعمت اور شرک میں مبتلا ہونا بدترین مصیبت ہے۔

سورۃ النساء کی آیت (۴۸) اور آیت (۱۱۶) میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ شرک کی مذمت میں بے شمار آیات واحادیث ہیں، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے شرک کو پہچانے تاکہ اس سے بچ سکے۔ شرک ایسا منحوس اور خطرناک فعل ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ شرک اس روئے زمین پر کیے جانے والے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے، شرک کرنے والے انسان پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ تھے معراج کے تین تحفے اور ان کی مختصر تفصیل۔

جنت و جہنم کی سیر:

اس کے بعد آپ ﷺ نے جنت و جہنم کی سیر فرمائی:

❶ آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا۔ اس میں موتی کے بنے ہوئے قبہ نما گھر تھے جن کی مٹی کستوری تھی۔^②

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۰۶)

❷ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۴۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۳)

پھر آپ ﷺ فرماتے ہیں: اس کے بعد میرا جہنم میں ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزر ہوا جس کے ناخن بیتل کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہرے اور سینے نوح رہے تھے، آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا: یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ لوگوں کا گوشت کھانے والے (یعنی ان کی غیبتیں کرنے والے) اور ان کی عزت و آبرو پر کیچڑ اچھالنے والے لوگ ہیں۔^①

② پھر نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ وہاں پر میں نے اللہ تعالیٰ کی اوٹنی کے قاتل کو دیکھا، وہ اوٹنی جو حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم کے مطالبے پر معجزے کے طور پر دی گئی تھی۔ نبی رحمت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں نے جہنم کی ایک جھلک دیکھی تو اس میں ایک سرخ رنگ، نیلگوں آنکھوں والا، گھونگر یا لے بالوں والا پراگندہ حال شخص دیکھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

”اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ اللہ کی اوٹنی کا قاتل ہے۔“

③ پھر آپ ﷺ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ امت محمدیہ کے وہ خطیب اور مقررین ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود اپنی ذات کو فراموش کر جاتے ہیں، حالانکہ وہ خود بھی قرآن پڑھتے ہیں مگر اتنی عقل نہیں رکھتے۔ (یہ مسند احمد کی روایت ہے اور اسے امام بغوی اور شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے)

④ پھر آپ ﷺ نے جنت و جہنم پر مقرر فرشتوں سے ملاقات کی، سب نے آپ ﷺ کا پر جوش استقبال کیا، مسکراتے ہوئے شگفتہ لبوں کے ساتھ آپ ﷺ کو مرحبا کہا، سوائے ایک شخص کے جس نے مرحبا کہتے ہوئے پر تپاک استقبال تو کیا، لیکن اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی، نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جس کے چہرے پر اس موقع پر بھی مسکراہٹ نہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ داروغہ جہنم ہے، اس کا نام مالک ہے، یہ جب سے پیدا ہوا ہے آج تک اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی، اگر یہ کبھی مسکرایا ہوتا تو آج ضرور مسکراتا۔

① مسند أحمد (۳/۲۲۴) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۴۸۷۸)

بہنو! سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دراغزہ جہنم اللہ کا فرشتہ ہے جو صرف حکم کا پابند ہے، جس کے لیے عذاب و ثواب نہیں ہے، مگر وہ جہنم کو دیکھ کر اس قدر خوفزدہ ہے کہ اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آئی، اور ایک ہم ہیں، کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ اس جہنم کے خوف سے ہماری آنکھوں میں آنسو آئے ہوں؟ یاد کریں! کہ کب رات کے اندھیروں میں یا تنہائی کے عالم میں کتنی بار ہم جہنم کے خوف سے روئے ہیں؟

معراج سے واپسی اور انبیاء علیہم السلام کی امامت:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ کے حکم سے واپس بیت المقدس میں تشریف لائے تھے۔ وہاں آپ ﷺ کے استقبال کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و طاقت سے تمام انبیا اور رسولوں علیہم السلام کو جمع کیا، پھر آپ ﷺ نے ان کی امامت فرمائی، سب نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ نبی ﷺ کو امام الانبیاء والرسول علیہم السلام کے شرف سے نوازا گیا۔ بعض احادیث کی رو سے امامت کا تعلق روانگی کے وقت سے ہے۔ پھر وہاں سے مکہ مکرمہ آگئے۔

سنن ترمذی میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”... پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے واپس لائے۔ ہم فلاں مقام پر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گزرے جن کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ یہ قافلہ فلاں کی سرکردگی میں تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ وہ کہنے لگے: ”یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔“ پھر صبح ہونے سے پہلے ہی میں اپنے ساتھیوں کے پاس مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔“^①

اہل مکہ کے سامنے اعلان:

اس کے بعد نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں واپس تشریف لائے، صبح ہوئی تو حرم گئے اور حطیم میں جا کر لوگوں سے الگ تھلگ غمزہ بیٹھ گئے، آپ ﷺ کو یقین تھا کہ قریش اس کے بارے میں میری تکذیب کریں گے، اس لیے آپ ﷺ کچھ فکر مند تھے۔ آپ ﷺ اسی حالت میں تھے کہ اچانک اللہ کا دشمن ابو جہل آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گیا، پھر وہ ازراہ مذاق کہنے لگا: حضرت کوئی نئی بات ہے؟

① اس روایت کو ترمذی کے حوالے سے بیہقی نے نقل کیا ہے جو ترمذی کی اپنی سند سے ہے۔ یہ سند شداد بن اوس رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ بیہقی کا کہنا ہے کہ یہ سند صحیح ہے، دیکھیے: دلائل النبوة للبیہقی (۲/ ۳۵۵-۳۵۷)

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، مجھے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی گئی ہے، اس نے کہا: اچھا! میں مکہ کے لوگوں کو جمع کروں، آپ ان کے سامنے یہ بات کہیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ وہ بھاگا بھاگا لوگوں کے پاس گیا اور انھیں بلا لایا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور مجلس جم گئی تو کہنے لگا: ”اب بیان کیجیے۔“ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی بات دہرائی کہ مجھے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی گئی ہے۔ سفرِ معراج کی ابتدا بھی مسجد سے ہے اور انتہا بھی مسجد پر ہے، اور ساتویں آسمان پر پہنچے تو بیت المعمور تک گئے جو فرشتوں کی مسجد ہے۔ اس سے اسلام میں مسجد کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، مسجد ہی وہ جگہ ہے جہاں ایک مسلمان کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔

کفارِ مکہ کا ردِ عمل:

اہل مکہ کا یہ سننا تھا کہ جتنے منہ اتنی باتیں شروع ہو گئیں، کسی نے مذاق اڑایا، کسی نے سیٹی بجائی، کسی نے حیرت سے اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا: چالیس دنوں کا سفر آپ جناب نے چند گھنٹوں میں کیسے طے کر لیا؟! کسی نے کہا: ہم نے تو بیت المقدس دیکھا ہے، جبکہ محمد ﷺ نے اس سے پہلے نہیں دیکھا ہے، اس لیے کیوں نہ بیت المقدس کی بناوٹ اور شکل و صورت کے متعلق سوال کر کے اطمینان کر لیا جائے۔ ابھی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ چنانچہ لوگوں نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، نبی ﷺ کو اس سے سخت تکلیف ہوئی، کیوں کہ کوئی آدمی جب سفر میں کسی عمارت سے گزرتا ہے تو اس کی تفصیلی کیفیت یاد نہیں رکھتا، اور آپ ﷺ تو انبیاءِ علیہم السلام سے ملاقات اور ان کی امامت وغیرہ میں مشغول تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کا حل اس طرح نکالا کہ بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور پھر کفار جو کچھ پوچھتے جاتے آپ ﷺ دیکھ دیکھ کر ایسے ہی بیان کرتے جاتے، تفصیلات سن کر کفار نے اقرار کیا کہ آپ جو کچھ بیان کر رہے ہیں بیت المقدس ٹھیک اسی طرح ہے۔^①

مگر اقرار کے باوجود بھی کفار نے آپ ﷺ کی سچائی کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ کہا اقصیٰ والی بات تو سچی ہے، لیکن آپ ﷺ جھوٹے ہیں، اتنی طویل مسافت کورات کی چند گھڑیوں میں طے نہیں کیا جاسکتا۔

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۸۸۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۱) مسند أحمد (۱/۳۰۹)، رقم

ایمانِ صدیقِ رضی اللہ عنہ کا ظہور:

پھر کفار مکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں کہا: آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا ساتھی کیا کہتا ہے؟ آپ نے دریافت کیا: کیا کہتے ہیں؟ کفار نے بتایا: راتوں رات بیت المقدس جانے اور وہاں سے واپس آنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

”اگر نبی محمد ﷺ نے یہ بات کہی ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے، کیوں کہ میں تو اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں، کہ ایک دن میں کئی کئی بار جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور واپس جاتے ہیں، اگر محمد ﷺ فرمائیں کہ میں نے راتوں رات ساتوں آسمانوں کی سیر کی ہے تو میں اس کی بھی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا خطاب عطا فرمایا۔ یہ روایت امام بیہقی نے ”دلائل النبوة“ میں ذکر کی ہے۔^①

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات آپ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ آپ ﷺ نے شرطیہ جملہ استعمال کیا کہ اگر آپ ﷺ نے یہ بات کہی ہے، یعنی نبی ﷺ کا نام لے کر جو کچھ بیان کر دیا جائے یوں ہی نہیں قبول کیا جائے گا، بلکہ اس کی تحقیق کی جائے گی۔ جب صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ یہ بات آپ ﷺ ہی کی ہے تو اسے فوراً تسلیم کر لیا جائے گا، خواہ وہ ہماری عقل کو تاحہ میں سمائے یا نہ سمائے۔

بہنو! واقعہ معراج ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ تھا۔ یہ رب ذو الجلال کی قدرتِ کاملہ کا ظہور، الہی معجزہ، صداقتِ نبوت کی آیت اور نشانی ہے۔ دوسری طرف اپنے اندر بے شمار عبرت و موعظت اور دروس و نصائح کے خزانوں سے معمور اور عقیدہ و عمل کے بیش بہا موتیوں سے مالا مال ہے۔ اس واقعہ میں عقیدے کی اصلاح بھی ہے اور بہت سے معاشرتی آداب کی تعلیم بھی، یہ واقعہ رب کریم کے ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنی مخلوق سے الگ اپنے عرش پر مستوی ہونے کی مضبوط و مستحکم دلیل بھی ہے اور اقامتِ صلاۃ کی ترغیب بھی، بہر کیف اس میں بہت سے فوائد و اسباق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب کریم اپنے فضلِ عظیم سے ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں اپنے انعام یا فاعہ بندوں کی رفاقت عطا فرمائے۔ آمین

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر ❁
- تفسیر احسن البیان ❁
- صحیح بخاری ❁
- صحیح مسلم ❁
- معراج رسول ﷺ ❁
- سیرت نبوی ﷺ ❁
- سیرت کے سچے موتی ❁
- حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- تالیف: عبدالبہادی عبدالحالق مدنی
- تالیف: دکتور مہدی رزق اللہ احمد
- ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین
- تالیف: امیر حمزہ

ماہِ شعبان کی بدعات

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورۃ الحشر (آیت: ۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

الْعِقَابِ﴾

”اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا

کرو، یقیناً اللہ سخت عذاب والا ہے۔“

سورت آل عمران (آیت: ۳۱-۳۲) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ

رَحِيمٌ﴾

”اے میرے نبی! کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ

تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔“

یہود و نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعلیم و محبت میں اتنا غلو کیا کہ انھیں درجۃ الوہیت پر فائز کر دیا،

اس کی بابت بھی ان کا خیال تھا کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ ان کے دعوؤں اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس

کا تو صرف ایک طریقہ ہے کہ میرے آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کی اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام

دعوے دارانِ محبت کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبتِ الہی کا طالب اگر اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے ذریعے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یقیناً وہ کامیاب ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ

وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ﴾^①

”جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، (یعنی ہمارے بتلائے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو) وہ مسترد ہے۔“
ارشادِ الہی ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾ [آل عمران: ۳۲] ”کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔“

ان آیات و حدیث سے واضح پتا چلتا ہے کہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کیوں کہ اتباعِ رسول ﷺ کی وجہ سے تمہارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے، بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ بارگاہِ الہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے۔ اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعتِ رسول ﷺ کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعتِ محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں حجیتِ حدیث کے منکرین اور اتباعِ رسول ﷺ سے گریز کرنے والوں، دونوں ہی کے لیے سخت وعید ہے، کیوں کہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

بدعت کیا ہے؟

① اب ہم اس حقیقت کو جاننے کی کوشش کریں گے کہ اس ماہ میں کون کون سے اعمال مسنون ہیں؟

اور کون سے وہ افعال ہیں جو نہ صرف یہ کہ مسنون نہیں، بلکہ بدعات ہیں؟

② اسی طرح ہی اس ماہ کی درمیانی، یعنی نصف شعبان کی رات کی حقیقت کیا ہے؟ اور شبِ برات

کیا ہے؟ اور اس رات میں جو مخصوص نماز ادا کی جاتی ہے وہ کیا ہے؟

③ اور اس دن کا جو روزہ رکھا جاتا ہے اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

1- ماہِ شعبان کے روزے:

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم ان اعمال کو جاننے کی کوشش کریں گے جنہیں ہمارے

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۱۸)

نبی ﷺ کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اس ماہ کے کسی خاص دن کو مقرر کیے بغیر اس میں بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”نبی ﷺ ماہ شعبان میں [نفلی] روزے اس کثرت سے رکھتے کہ ہم کہتے کہ شاید آپ ﷺ کسی دن کا روزہ بھی نہیں چھوڑیں گے اور کبھی مسلسل روزے نہ رکھتے تو ہم سمجھتے کہ آپ ﷺ کبھی [نفلی] روزہ نہیں رکھیں گے اور میں نے آپ ﷺ کو کسی بھی ماہ کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے رمضان کے اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔^(۱)

آپ ﷺ حسب موقع اور حسب فرصت کبھی مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے اور کبھی مسلسل چھوڑتے ہی چلے جاتے، جبکہ ہر ماہ کے ایام بیض، یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے اور ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

2- ماہ شعبان کے بکثرت روزے رکھنے کی وجہ:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو ماہ شعبان جتنے [نفلی] روزے کسی دوسرے مہینے میں رکھتے نہیں دیکھا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”یہ ایسا مہینا ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور یہ مہینا وہ ہے کہ جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل ایسی صورت میں اٹھایا جائے کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔“^(۲)

پیر اور جمعرات کے روزے کے حوالے سے بھی نبی ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔ لہذا ماہ شعبان میں نبی ﷺ کے بکثرت روزے رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایام بیض اور پیر و جمعرات کے روزے آپ ﷺ اکثر رکھا کرتے تھے، اور کبھی بعض وجوہات کی بنا پر مسلسل یہ روزے نہ رکھ سکتے تو ان کی کمی پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ شعبان کے اکثر روزے رکھ لیتے تھے۔ بہر حال آپ ﷺ ماہ شعبان میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے۔

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۶۹) صحیح مسلم (۳۷/۸/۴)

(۲) سنن أبي داود، سنن النسائي، صحيح ابن خزيمة، فتح الباري و سبل السلام.

3- خاص پندرہ شعبان کا روزہ:

ماہِ شعبان کے روزے مطلق ہیں نہ کہ خاص پندرہ شعبان کا روزہ، کیوں کہ خاص پندرہ شعبان کے بارے میں پائی جانے والی روایت ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جو شخص ایامِ بیض، ہر ہفتہ میں پیرو جمعرات یا ہر دوسرے دن کا روزہ، یعنی صومِ داؤدی رکھنے کا عادی ہو، اُسے ان ایام میں روزے رکھنے کی بھی ممانعت نہیں ہوگی۔“^①

4- شعبان کے آخری ایک دو دنوں کا روزہ:

اسی طرح ہی ماہِ رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی بھی ممانعت ہے۔^②

ان دو یا صرف ایک روزے کی ممانعت بھی اُن لوگوں کے لیے ہے جو رمضان المبارک کے ”استقبالِ سلامی“ کا روزہ سمجھ کر رکھیں۔ اور خاص شعبان کی آخری تاریخ کا روزہ محض اس شک کی بنا پر رکھنا کہ شاید چاند ہو گیا ہو مگر کسی وجہ سے نظر نہ آسکا ہو، اس بات کی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تردید فرمائی ہے، اور شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔^③

5- شبِ قدر، یا شبِ براءت کیا ہے؟

بہنو! شبِ قدر یا شبِ براءت سے مراد دراصل وہ لیلۃُ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کر کے اس اُمت کے لیے نظامِ زندگی مہیا کیا۔ لہذا سب سے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ قدر کی رات کب ہے؟ اور نزولِ قرآن کی رات کون سی اور کب ہے؟ اور قرآن کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا؟

اُس رات کی صراحت خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸۵) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾

① الفتح الرباني (۲۱۵/۴)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (۱۹۱۴) صحيح مسلم (۱۹۴/۷)

③ سنن النسائي، رقم الحديث (۲۰۶۸) سنن الترمذي، رقم الحديث (۵۵۳) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۶۴۵)

”رمضان المبارک وہ مہینا ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو اور

اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے مہینے کی تعیین فرمادی ہے جو کہ رمضان المبارک ہے۔ اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر سورہ قدر میں موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [القدر: ۱] ”ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا۔“

اور پھر یہ شب قدر صحیح احادیث کی رو سے ماہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر ان میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اور نزول قرآن کی اس رات کو سورہ الذخان کے شروع میں شب مبارک کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿حَمْدًا ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ ۳ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۴

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۵ ﴿۴﴾ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ﴿الذخان: ۱-۵﴾

”حم۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی، ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ اور

ہم لوگوں کو (اپنے عذاب سے) متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی رات میں ہر معاملے

کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم لے کر۔“

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں، ان کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیدائش و اموات، خوشی و غم اور رزق و فقر کے جو بھی فیصلے ہوتے ہیں وہ اسی مبارک شب میں ہوتے ہیں جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور وہ شب مبارک، شب قدر، رمضان میں ہے نہ کہ ماہ شعبان میں۔ اور شب فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا اور قدر تو ہر دو زبانوں میں مشترک ہے، لہذا ”لیلۃ القدر“ کو فارسی و اردو میں ”شب قدر“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو دیا ہے۔ مخضر و جامع تفسیر جلالین میں تفسیر المدارک کے حوالے سے لکھا ہے:

”اس مبارک رات میں قرآن کریم ساتویں آسمان [لوح محفوظ] سے آسمان دنیا پر نازل

ہوا۔“ اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے:

”جمہور اہل علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی (یعنی رمضان المبارک والی لیلۃ القدر)

ہی مراد ہے۔^①

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے۔ اسی طرح امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

”جو شخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہے اس کی بات ”دور کی کوڑی“ یا بعید از حقیقت ہے۔ کیوں کہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے نہ کہ ۱۵ شعبان والی رات۔“^②

مروّجہ شب براءت منانے کے طریقے:

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت جب ہم کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہم اس کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا یہ فرض ہے یا سنت اور اگر فرض ہے تو اللہ کا قرآن ہمیں اس کا حکم دیتا ہے اور اگر اللہ ہمیں ان اعمال کی اجازت نہیں دیتا جو ہمارے یہاں مروّج ہیں تو ہمارے لیے کیسے فرض ہوں گے؟ اسی طرح ہم سنت رسول ﷺ میں سے ان اعمال کو تلاش کرتے ہیں تو وہاں بھی یہ انداز اور طریقے نظر نہیں آتے تو پھر ہم انھیں سنت رسول ﷺ یا سنت خلفائے راشدین کا نام کیسے دے سکتے ہیں؟ جب ان سے اس رات کے حوالے سے کوئی عمل ثابت نہیں تو ہمارے لیے کیسے جائز ہوگا؟! مگر جنوبی ایشیا کے اکثر مسلمان اس رات کو جشن مناتے ہیں۔ یعنی پندرہ شعبان کے دن کا بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو قیام کرتے ہوئے شب بیداری کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اور اس رات کو ”شب براءت“ کہا جاتا ہے۔ یا ”شب قدر“ کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں اور فقہاء و محدثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شب براءت یا شب قدر کے الفاظ کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی آج تک عربوں میں ایسے ناموں سے یہ معروف ہے، اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالے سے آیا ہے۔

ہمارے یہاں اس تہوار کو منانے کے چھ مختلف انداز اور طریقے مروّج ہیں:

① اُس شام کو اچھے اور عمدہ کھانے یا حلویے مانڈے تیار کیے جاتے ہیں اور انھیں خود تیار کرنے

① تفسیر جلالین (ص: ۴۱۰)

② ابن کثیر، مختصر الرفاعي (۱۹/۴)

والے ہی میل بیٹھ کر مزے لے لے کر کھا جاتے ہیں۔

جہاں تک اس پہلے طریقے یعنی اچھے اور عمدہ کھانے اور حلوے مانڈے تیار کرنے اور کھانے کا تعلق ہے تو یہ اسلامی تہواروں کی علامت سمجھے جاتے ہیں، جب کہ نصف شعبان کی رات کو سرے سے اسلامی تہوار کہا ہی نہیں جاسکتا، اور اگر کوئی کہے کہ ہم تہوار سمجھ کر ایسا نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اچھے کھانے پکانا کسی بھی دن جائز نہ ہو؟

اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بلاشبہ اسراف و تبذیر، یعنی فضول خرچی کے ضمن میں نہ آنے والے کھانے تیار کرنے میں واقعی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ روز یا اکثر ایام میں معمول ہو، اور اگر یہ صرف پندرہ شعبان کی شام کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو معاملہ یقیناً مشکوک سا ہو جاتا ہے، اور مشکوک سے احتراز ہی مومن کی شان ہے۔ اب ہر شخص اپنے عمل کا جائزہ خود لے سکتا ہے کہ وہ یہ حلوہ یا عمدہ کھانے تہوار سمجھ کر تیار کرتا ہے یا معمول کے مطابق ہی تیار کیے جاتے ہیں؟ بعض حلوہ خور مذہبی پیشواؤں کی طرف سے ایسی رسوم کو جاری کرنے کے لیے بڑے عجیب و غریب ثبوت دیے جاتے ہیں اور اس رات کو حلوہ پکانا سنت قرار دیا جاتا ہے، ایسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”ما ثبت بالسنة“ کے (ص: ۲۱۴) پر فضائل شعبان کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اس رات سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور اسی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کی وجہ سے کھانا کھانے سے قاصر تھے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ تناول فرمایا تھا، یہ بالکل لغو اور بے اصل بات ہے، کیوں کہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ غزوہ احد ماہ شوال ۳ھ میں واقع ہوا تھا نہ کہ شعبان میں اور یہ بات کیوں کر قرین عقل ہو سکتی ہے کہ دندان مبارک شہید ہوں شوال کے مہینے میں اور حلوہ کھایا جائے شعبان کے مہینے میں، اور وہ بھی خاص پندرہ شعبان کو، لہذا یہ عقیدہ رکھنا کہ آج حلوہ ہی واجب اور ضروری ہے، تو پھر اس کے لیے دانتوں کو بھی توڑنا ضروری ہوگا۔

ایسے ہی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”اقتضاء الصراط المستقیم“ میں فرمایا ہے:

”اس طرح پندرہ شعبان کی رات کو تہوار منانا، کھانے پکانا اور زیب و زینت کا اظہار کرنا،

یہ سب بدعات ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔“^①

2 شبِ براءت کے منانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس رات بڑے زور و شور سے آتش بازی کی جاتی ہے، جو کہ ہر سال لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ برباد کرنے کا سبب بن جاتا ہے، اور اگر صرف اتنا ہی رہتا تو شاید یہ کہا جانا کہ ”مال تو آنی جانی چیز ہے۔“ مان لیا جاتا، لیکن یہاں تو معاملہ دولت کی بربادی سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس آتش بازی و چراغاں کے دوران میں ہر سال ہی کئی گھروں کے ”چراغ“ بھی گل ہو جاتے ہیں۔

میری بہنو! آتش بازی اور بکثرت موم بتیاں جلا کر چراغاں کرنا تاریخی اعتبار سے ایک ہی گروہ کی سازش ہے، اور سازش بھی ایسی گہری اور خفیہ کہ مسلمان سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کریں، لہذا اسے عبادت و ثواب کے نام سے نہ صرف یہ کہ اسے گھروں کی حد تک ہی رہنے دیا، بلکہ مساجد بھی اس سے نہ بچ پائیں۔ اور شبِ معراج ہو یا شبِ براءت ہر دو موقعوں پر ہی چراغاں کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔

”اہل بدعت نے جو بدعات ایجاد کی ہیں اور دینِ خالص میں اضافے کیے ہیں اور جن امور میں وہ آتش پرست مجوسیوں کی روش پر چل نکلے ہیں، اور اپنے دین کو لہو و لعب بنا دیا ہے، ان امور میں سے ایک نصفِ شعبان کی رات ”شبِ براءت“ میں چراغاں کرنا بھی ہے، حالانکہ نبی ﷺ سے اس رات میں ایسا کوئی عمل ثابت نہیں، نہ ہی آپ ﷺ سے اس رات میں کسی خاص نماز کا پتا چلتا ہے اور نہ ہی چراغاں کے بارے میں کوئی حدیث ہے۔ الغرض کبار علمائے مصر میں سے شیخ علی محفوظ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ”مساجد میں چراغاں کرنا سلفِ صالحین کے عمل میں شامل نہ تھا، اور نہ ہی ان کے یہاں مساجد کی یوں تزئین کی جاتی تھی، بعد میں چراغاں کے ذریعے مساجد کو مزین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا گیا، حتیٰ کہ یہ سلسلہ رمضان المبارک کی تعظیم کا ایک لازمی جزء بن گیا، اور علمائے کرام کے ان امور پر نکیر نہ کرنے کے باعث عوام الناس میں یہ فعل جڑ پکڑتے پکڑتے عقیدہ ہی بن گیا ہے۔“¹

مگر افسوس ہے ان لوگوں کے تغافلِ مجرمانہ پر جو جانتے بوجھتے بھی ان افعال کے خلاف زبان

تک کھولنے پر آمادہ نہیں، اللہ انھیں سورۃ البقرۃ (آیت: ۱۵۹) کا مصداق بننے سے بچالے جس میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴾

”جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ شبِ برات کا ہم اہل سنت مسلمانوں سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، نہ حلوہ پکانے کی بدعت کا اور نہ نوافل پڑھنے کی رسم کا، اس بدعت کے موجد شیعہ رافضی حضرات ہیں۔ چودھویں شعبان ان کے بارہویں امام مہدی غائب کی پیدائش کا دن ہے، ان کی پیدائش کی خوشی میں رافضی لوگ حلوہ پکاتے، چراغاں کرتے اور پٹانے وغیرہ پھوڑتے ہیں۔ رافضی حضرات نے اپنی اس رسم کو سنیوں میں پھیلانے کے لیے دندانِ مبارک کی شہادت کے فسانے پھیلا دیے، چنانچہ یہ بدعت روز بروز مسلمانوں میں پھیلتی چلی گئی۔ میں اپنے اہل سنت بہن بھائیوں سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ پندرہویں شعبان کی عبادت اگر سنت ہے تو پھر آج بلاِ عرب میں یہ سنت کیوں موجود نہیں؟ یہ امر تو تعجب خیز ہے کہ جہاں سنت نے جنم لیا وہاں تو اسے جاننے پہچاننے والا کوئی ایک بھی نہیں، لیکن برصغیر میں اس پر عمل کرنے والے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

یہ کھلا اسراف و تبذیر اور صریح فضول خرچی ہے، جسے اللہ نے قرآن کریم میں ممنوع قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے، جیسا کہ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۲۶-۲۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا ۚ إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۙ ﴾

”اور بے جا فضول خرچی نہ کرو، بیشک بے جا مال اڑانے والے شیطان کے بھائی دوست و تالیح [ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔“

جو شخص اپنے مالک حقیقی کے دیے ہوئے مال کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے، وہ شیطان ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ سورۃ الاعراف کی (آیت: ۳۱) میں فرمان الہی ہے:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

”کھاؤ اور پیو، اور اڑاؤ نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

آتش بازی و چراغاں دین حق کے ساتھ صریح مذاق ہے، اور اپنے دین کو لہو و لعب یا کھیل تماشا بنا دینا عذاب الہی کو آواز دینے والی بات ہے۔ قرآن کریم پڑھ کر دیکھیے کہ پہلی قوموں میں سے جن اقوام نے اپنے دین کو تماشا بنایا ان کا کیا انجام ہوا؟ اور انھیں کن کن عذابوں میں مبتلا کیا گیا؟ ہمیں ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ سورۃ الاعراف (آیت: ۵۰-۵۱) میں ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد الہی ہے:

﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۗ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝۵۱﴾
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

”اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو، وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرین حق پر حرام کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنا لیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کیے رکھا۔“

3 پندرہ شعبان کی رات کو منانے کا تیسرا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ اس رات کے استقبال کے لیے گھروں کو صاف کیا جاتا ہے کہ فوت شدگان کی روحوں کو واپس آتی ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صفائی ستھرائی اپنے بدن کی ہو، لباس و پوشاک کی ہو، یا گھر کی، یہ سب چیزیں اسلام میں مرغوب و محبوب ہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات میں تو اسے جزو ایمان قرار دیا گیا ہے، اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے، حتیٰ کہ ایک صحیح حدیث شریف کا جزو اول تو زبان زد خاص و عام ہے، جس میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”طہارت و پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے۔“^(۱)

اس حدیث کا اطلاق مسلمانوں کی پوری زندگی کے ہر ماہ و سال اور شب و روز پر ہوتا ہے، تو پھر اس حکم کو صرف ایک رات کے ساتھ خاص کیوں کیا جائے؟ اور پھر جمعہ و عیدین کے دنوں میں اللہ و رسول ﷺ کو بطور خاص طہارت و پاکیزگی مطلوب تھی تو اُس کا الگ سے حکم موجود ہے، لیکن اس رات کے استقبال کے لیے اس فعل کی بطور خاص کوئی دلیل نہیں، اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس رات کو روحوں کی آمد ہوتی ہے تو پھر اس کا عقیدہ سراسر باطل ہے، کیوں کہ قرآن و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، مرنے کے بعد کسی کی روح کا واپس آنا نہ شعبان کی اس رات میں ممکن ہے اور نہ کسی دوسرے دن میں، انہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم کی سورۃ المؤمنون (آیت: ۹۹-۱۰۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے افعال سے باز نہ آئیں گے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۗ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کر دے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اُس دنیا میں واپس بھیج دے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوتا یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے، اب ان سب مرنے والوں کے پس پشت تو ایک حجاب حائل ہے، جو دوسری زندگی کے لیے اٹھائے جانے کے دن [قیامت] تک رہے گا۔“

قرآن کریم کی یہ آیت ہمیں واضح طور پر بتا رہی ہے کہ ہر گناہ گار موت کے بعد بارگاہِ الہی میں یہ آرزو کرے گا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، کہ کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا، بلکہ عملِ صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا۔^(۲) مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ تیسویں

{1} مختصر صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۰) مسند أحمد (۵/ ۳۴۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۷۹۱)

صحیح الجامع، رقم الحدیث (۳۹۵۷)

{2} تفسیر ابن کثیر.

پارے کی سورۃ القدر کے الفاظ: ﴿تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحِ فِيهَا﴾ [القدر: ۴] سے دھوکا کھاتے یا مغالطہ دیتے ہیں اور ان الفاظ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ”اس رات (یعنی لیلة القدر) میں فرشتے اور روحوں اُترتی ہیں۔“ میری بہنو! رُوح سے مراد فوت شدگان کی روحوں نہیں ہوتیں، بلکہ رُوحُ الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔^①

اور پھر صرف اسی ایک آیت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رُوح سے تعبیر نہیں کیا گیا، بلکہ قرآن کریم کے دیگر متعدد مقامات پر بھی انھیں رُوح الامین اور رُوح القدس کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۸۷ اور ۲۵۳) میں رُوح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں اور سورۃ المائدہ (آیت: ۱۱۰) سورۃ النحل (آیت: ۱۰۲) سورۃ الشعراء (آیت: ۱۹۳) سورۃ المعارج (آیت: ۴) اور سورۃ النبا (آیت: ۳۸) میں رُوح الامین اور رُوح سے مراد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

الغرض قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ”روح“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں رُوح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی مراد ہیں نہ کہ فوت شدگان کی روحوں۔

④ نصف شعبان کی رات کو منانے کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یوں تو کسی بھی دن یا کسی بھی رات مسنون طریقے سے قبرستان کی زیارت جائز ہے، بلکہ نبی ﷺ نے تو اس کی ترغیب دلائی ہے کہ یہ فکرِ موت و ذکرِ آخرت میں معاون ہوتی ہے۔ اور جب بہت سارے لوگ مل کر قبرستان میں جائیں گے تو ظاہر ہے کہ انھیں وہ عبرت حاصل نہیں ہو سکتی جو اکیلے شخص کے لیے ممکن ہے، اور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ اس غرض سے زیارتِ قبور کے لیے تشریف لے گئے تو اکیلے تھے، ”باجماعت“ نہیں تھے۔

نبی ﷺ تو زیارت کے لیے اکیلے جائیں اور ہم ”باجماعت“ وہاں جا نکلیں تو یہ اتباعِ سنت نہیں، بلکہ ابتداء (بدعت) ہے، اور یہ باعثِ ثواب نہیں بلکہ موجبِ عذاب ہے۔ نصف شعبان کی اس رات کی فضیلت کے متعلق بطورِ خاص زیارت کے لیے جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور اس سلسلے

① متعدد تراجم قرآن بشمول ترجمہ فاضل بریلوی۔

میں جو روایت بیان کی جاتی ہے، محدثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔^①

⑤ پندرہ شعبان کی رات کو منانے کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو ذکر و عبادت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے۔

جہاں تک اس ماہ کے روزوں کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ نبی ﷺ بلا تخصیص یوم، اس ماہ شعبان کے بہ کثرت روزے رکھا کرتے تھے اور جو شخص اس کا عادی ہو تو وہ اس ماہ کے حسب معمول روزے رکھ سکتا ہے، اس میں چاہے پندرہ شعبان کا روزہ ہی کیوں نہ آجائے اور وہ بلا اختلاف اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے، کیوں کہ وہ صرف پندرہ شعبان کا روزہ نہیں رکھے گا، بلکہ ساتھ ہی تیرہ اور چودہ کا بھی رکھے گا، کیوں کہ وہ سال بھر کے تمام مہینوں میں مسلسل یہی عمل کرتا آ رہا ہے۔

رہی پندرہ شعبان کے روزے کی بات تو:

”نصف شعبان کے دن کے روزے کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح سند والی اور نبی ﷺ تک پہنچنے والی مرفوع حدیث نہیں ملتی۔“^②

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”صرف اکیلے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا لا اصل ہے، بلکہ یہ مکروہ ہے۔“^③

⑥ باقی رہا اس رات کو منانے کا چھٹا طریقہ، یعنی رات کو قیام کرنا، ذکر و اذکار میں مشغول ہونا اور ایک مخصوص نماز ادا کرنا، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ رات بہر حال عام راتوں کی نسبت قدرے فضیلت والی ہے، جس کا اندازہ متعلقہ روایات کے مجموعی مفاد سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان احادیث سے اس رات کی فضیلت کا تو اندازہ ہو جاتا ہے مگر ان میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے اس طرف اشارہ ملتا ہو کہ اس رات میں تہوار منایا جائے، شب بیداری کا اہتمام کیا جائے اور مخصوص نمازیں ادا کی جائیں جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس رات میں ایک خود ساختہ نماز پڑھی جاتی ہے، جسے ”صلاة الخیر“ اور ”صلاة الألفية“ بھی کہا جاتا ہے۔^④

① ترمذی مع التحفة (۳/ ۴۴۱) ضعیف الترمذی، رقم الحدیث (۱۱۹)

② تحفة الأحوذی (۳/ ۴۴۴)

③ اقتضاء الصراط المستقیم (ص: ۶۲۸)

④ الإبداع للشیخ علی المحفوظ (ص: ۲۸۹)

اس کے بارے میں کثیر محدثین و مجتہدین علما کی رائے یہ نقل کی گئی ہے کہ یہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ”اور یہ کہ شعبان والی نماز تو ۴۲۸ھ میں ایجاد کی گئی۔“ پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ آج تک اسے پابندی سے ادا کیا جا رہا ہے جیسے کہ وہ کوئی مسنون عمل ہو۔ حافظ عراقی نے تخریج احیاء علوم الدین میں لکھا ہے:

”نصف شعبان کی رات والی نماز کی حدیث باطل، [یعنی خود گھڑ کرنبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کی گئی] ہے۔“^①

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے من گھڑت حدیثوں کو اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے، اُس میں مذکورہ سو رکعت والی نماز (صلوٰۃ الالفیہ) پر مشتمل روایت کو انھوں نے جعلی و خود ساختہ قرار دیا اور اس کی متعدد اسناد ذکر کر کے اُن کے راویوں کے مجہول ہونے کی بنا پر اسے من گھڑت کہا ہے۔^②

اب مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس رات کو کسی خاص طریقے سے منانے کا ثبوت نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی حدیث میں۔

بعض دیگر احادیث:

ہم نے پندرہ شعبان کے بارے میں تفصیلات ذکر کر دی ہیں، اب آپ بتائیں کہ جو ہو رہا ہے کیا وہ ٹھیک ہے؟ ان ایام سے تعلق رکھنے والی صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ ہے: نصف شعبان کے بارے میں پائی جانے والی بعض دیگر احادیث۔ چنانچہ ان میں سے ایک حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے السنۃ لابن ابی عاصم، صحیح ابن حبان، شعب الایمان بیہقی، تاریخ ابن عساکر اور معجم کبیر و اوسط طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے، جس میں ہے:

”اللہ تبارک و تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف دیکھتا ہے اور مشرک و کینہ پرور کے سوا سب کو بخش دیتا ہے۔“^③

① التحذیر من البدع لابن باز (ص: ۱۸)

② الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ (ص: ۵۱۰-۵۱)

③ صحیح الترغیب، رقم الحدیث (۱۰۱۶) موارد الظمان، رقم الحدیث (۱۹۸۰) السلسلۃ الصحیحۃ،

رقم الحدیث (۱۱۴۴)

دورِ حاضر کے معروف محدث شیخ البانی نے متعدد طرق نقل کیے ہیں اور ان کے مجموعے سے حاصل ہونے والی قوت کی بنا پر مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔^①

یہ اس رات کی کچھ فضیلت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے۔ لہذا سابقہ ساری تفصیل کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس رات میں مطابق عبادت [نوافل و تلاوت] کر لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، جبکہ متعین اور مقررہ اشکال کی کوئی عبادت ثابت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو دینِ اسلام میں عزت و عظمت کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمائے اور ہمیں خالص عبادات اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے، کیوں کہ عبادت وہ قبول ہوتی ہے جو صرف رضائے الہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنتِ رسول ﷺ کے مطابق ہو، ان دو شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو کوئی بھی عبادت یا نیک عمل قبول نہیں ہوگا وہ چاہے کتنا بڑا عمل کیوں نہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اسی لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری ہر قسم کی عبادت صرف اور صرف رضائے الہی کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کے مطابق ایسے اعمال کی توفیق سے نوازے جو ہمیں رحمت و مغفرتِ الہی کا مستحق بنا دیں۔ آمین

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ بدعاتِ رجب و شعبان
- ✽ چند بدعات اور ان کا تعارف
- تالیف: الشیخ محمد منیر قمر
- مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
- نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر

رمضان المبارک کے فضائل (1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

1- رمضان کے روزوں کی فرضیت:

اللہ تعالیٰ نے روزے کے اندر جسمانی، طبی، نفسیاتی اور روحانی فوائد ودیعت کیے ہیں جن کا انکشاف آئے دن جدید دور کے علما کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العزت سورۃ البقرہ کی آیت: ۱۸۴ میں یہ بتاتا ہے کہ روزہ ایک اچھی چیز ہے جس سے بہت سارے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس اثر کا بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اگر ہم سچ کو پہچان سکیں تو اس سے حاصل کردہ رحمتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُونَ﴾ [البقرہ: ۱۸۳]

”اے ایمان والو! تم پر (رمضان المبارک کے) روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر لکھ دیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے ان فرائض میں بھی اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے، اور سفر و بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی کہ بعد میں رکھ لینا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ وَعَلَىٰ

الَّذِينَ يُطِيقُونَهَا فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۗ وَأَن تَصُومُوا

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: ۱۸۴]

”گنتی کے چند ہی دن ہیں، لیکن تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے

دنوں میں گنتی پورا کرے۔ اور جن میں روزے رکھنے کی طاقت ہی نہیں ہے تو وہ ہر روزے کے بدلے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دے دیں۔ پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اور تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم با علم ہو۔“

﴿يُطِيقُونَهُ﴾ کا ترجمہ ”نہایت مشقت سے روزہ رکھ سکیں“ کیا گیا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور امام بخاری نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔^① یعنی جو شخص زیادہ بڑھا پے یا ایسی بیماری، جس سے شفا یابی کی امید نہ ہو اور وہ روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے تو وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے۔

زیادہ بوڑھے اور دائمی مریض کے لیے فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَاتِّكِمُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

”اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔“

حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ بھی مریض کے حکم میں ہوں گی، یعنی وہ اس حالت میں روزہ نہ رکھیں، بعد میں روزوں کی قضا دیں۔^②

ابتداءً اسلام میں روزے کی فرضیت کی کیفیت و حالت آج سے زیادہ مشقت طلب اور شدید تھی۔ ابتدا میں روزہ رکھنے کا حکم اس طرح دیا گیا تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد جب عشا کی نماز پڑھ لیں تو سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد یا نماز عشا کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ پابندی بہت سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم پر ”سَمِعْنَا وَ اطَّعْنَا“ کہا۔ تاہم بعض صحابہ سے اس میں کچھ کوتاہی ہوئی تو اللہ رب العالمین کو اپنے بندوں پر رحم آگیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہو گیا:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۵۰۵)

② تحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی، تحت حدیث (۷۱۵)

﴿ اٰحِلٌّ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الزَّوْتُ اِلَى نِسَائِكُمْ ۗ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾

[البقرة: ۱۸۷]

”روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔“
نیز فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا بَاسَهُمْ وَاَبْتَعُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَكُلُوا وَاَشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ

الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتَمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الْاَيْلِ ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

”اب تم ان سے مباشرت کرو، اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے اور جو چاہو کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ (صبح کا) سفید دھاگا (رات کے) کالے دھاگے سے ظاہر ہو جائے، پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو پابندیاں لگائی تھیں اس آیت میں وہ اٹھالیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت فرمادی۔ انہی کاموں سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک صرف اللہ کی عبادت کی نیت سے اور اسی کی رضا کے لیے رُکے رہنے کو روزہ کہا گیا ہے۔ یہ عبادت چونکہ نفس کی طہارت اور تزکیے کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے اسے ہم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اور روزہ ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں تقویٰ و پرہیزگاری، بدن کے لیے تزکیہ اور شیطان کے راستوں کو تنگ کر دینے کا اہتمام بھی ہے۔^①

میری بہنو اور بہانویو! اللہ رب العزت نے کوئی عبادت بغیر کسی مقصد کے فرض نہیں کی، سورت آل عمران (آیت: ۱۱۰) میں اس امت مسلمہ کی تخلیق کے سلسلے میں اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ﴾

{1} تفسیر ابن کثیر

”تم وہ بہترین امت ہو جسے تمام امتوں پر اتمام حجت کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہو۔“

اس آیت میں امتِ مسلمہ کو ”خیر امت“ قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ”خیر امت“ ہے، بصورتِ دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔

چنانچہ امتِ مسلمہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں نیکی کا پرچار کرے اور برائی کے سدباب کے لیے کمر بستہ رہے۔ بلاشبہ یہ ایک نہایت عظیم مشن ہے جو امتِ مسلمہ کو سونپا گیا، اور جو مقصد و مشن جتنا عظیم ہوتا ہے، وہ چاہے ایک فرد ہو یا قوم، اس کی تربیت بھی ہمہ پہلو سے کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے تمام ارکان کو اس صفتِ ہمہ پہلو سے مزین فرمایا ہے۔ یعنی ہر ایک رکن کے بارے میں قرآن حکیم کا اندازِ بیان منفرد ہے۔ روزے کے متعلق سورۃ البقرہ میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ [البقرہ: ۱۸۳]

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔“

اس روزے کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا: ”تا کہ تم میں تقوے کی صفت پیدا ہو جائے۔“ گویا روزے کی عبادت اس لیے فرض کی گئی کہ امتِ مسلمہ میں ”تقویٰ“ پیدا ہو جائے اور یہی وہ چیز ہے جو نیکی اور خیر کے تمام کاموں کے لیے بنیاد ہے۔ انسان کی روحانی ترقی کا دار و مدار بھی صرف اور صرف تقوے پر ہی ہوتا ہے، کیوں کہ انسانی وجود کے دو جزء ہیں: ایک جزء روحانی و وجود ہے جس کو ”احسن تقویم“ کا نام دیا گیا۔

دوسرا جزو حیوانی وجود ہے جس کو ”أسفل السافلین“ کہا گیا ہے۔ ایک کا تعلق ”عالمِ امر“ سے ہے تو دوسرے کا تعلق ”عالمِ خلق“ سے، انسانی وجود کے دونوں اجزاء ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان دونوں میں اعتدال اور نفسِ امارہ کے منہ زور گھوڑے کو لگام دیے رکھنا ہی انسانیت کی معراج ہے۔ اور نفس کو قابو رکھنے کے لیے تقوے کی شرط لازم ہے اور تقوے کی یہ صفت روزے سے پوری ہوتی ہے، جیسا کہ اس آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اہل ایمان کے نام سے مخاطب کیا

ہے، اور اللہ کا ہر وہ بندہ مومن ہو سکتا ہے جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا ہو، اور وہ اپنی فرانجی و کشادگی اور تنگی و ترشی میں اسلام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہے، خواہ لوگ اسے پسند کریں یا ناپسند۔ یہی ہیں ایمان والوں کی نشانیاں، کیوں کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے، دل سے یقین کرنے اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ روزوں کو حتمی طور پر فرض کر دیا گیا ہے، کیوں کہ رمضان کے روزے اسلام کا ایک رکن ہیں، جیسا کہ صحیحین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ جو شخص رمضان کے روزوں کی فریضت کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے، اس پر علمائے اسلام کا اجماع ہے۔ روزہ قدیم شریعتوں میں بھی تھا اور ہم سے پہلی امتیں بھی روزہ رکھتی تھیں۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم سے قبل کی امتوں کے روزے تعداد اور کیفیت کے اعتبار سے ہمارے روزوں کی طرح ہوں، کیوں کہ ہر نبی کو اس کی امت کے حالات کے مطابق شریعت دی گئی ہے۔ چنانچہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قائم رہنے والی شریعت ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ جس طرح تم پر روزے کو فرض قرار دیا ہے اسی طرح پہلے لوگوں پر بھی ہم نے فرض قرار دیا تھا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم رمضان المبارک کے روزوں کو پہلے لوگوں کی نسبت زیادہ کامل طریقے سے سرانجام دیں، تاکہ اللہ کا قرب اور تقویٰ اختیار کر سکیں اور اس کے مومن بندوں میں شمار ہو جائیں۔

2- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک:

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نفس کی تربیت کا ایک مکمل ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ کے درجے تک کیسے پہنچایا جاتا ہے، اس مقصد کے لیے مسنون زندگی کا ایک مکمل نقشہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں موجود ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا جو نقشہ اور طریقہ پیش کیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عبادتوں کو فریضت کے درجے میں پیش کیا، ان کا طریقہ بھی سکھایا ہے اور سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ عبادت سے انحراف، یا اس میں تبدیلی کا کوئی تصور یا گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر مسلمان کی عبادت کی قبولیت کی بنیاد ہی اخلاص اللہ اور طریقہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جہاں تک روزے کی مخصوص عبادت کا تعلق ہے، تو اس سلسلے

میں نبی رحمت ﷺ نے عامۃ المسلمین کو تو صرف رمضان المبارک کے مہینے کے روزوں کا پابند بنایا مگر آپ ﷺ خود ان فرض روزوں کے علاوہ کثرت سے نفلی روزے بھی رکھتے تھے، جیسے: ہر ہفتے میں سوموار اور جمعرات کو اور اس کے علاوہ ہر قمری مہینے میں ۱۳-۱۴-۱۵ کی تاریخوں کو روزے رکھا کرتے تھے۔

رمضان المبارک سے پہلے شعبان کے زیادہ دن روزوں کی کیفیت میں ہی رہتے، اس طرح رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھتے۔ نو ذوالحج (عرفہ) اور دس محرم (عاشوراء) کے روزے بھی مسنون اور باعث اجر و ثواب ہیں۔

3- روزے کی فضیلت:

روزوں کے سلسلے میں آپ ﷺ کی اس رغبت اور اہتمام سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ عبادت کس درجہ مرغوب اور محبوب تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

”جس شخص نے رمضان المبارک کے روزے ایمان و احتساب (بہ نیتِ ثواب) کے ساتھ رکھے، اس کے سارے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“^①

اتنے بڑے انعام کا صرف وہی حقدار ہو گا جس نے روزوں کو ایمان کے ساتھ اور مسنون طریق سے اس کی تمام تر شرائط کو پورا کیا ہو گا۔ اللہ کے ان احکام پر عمل کرنے کے نتیجے میں بندہ مومن اپنے رب کی خوشنودی کا حق دار بن سکتا ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک عظیم بشارت و خوش خبری ہے جس سے محرومی کا تصور کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ماہ رمضان المبارک کو بہت سے خصائص و فضائل کی وجہ سے دوسرے مہینوں کے مقابلے میں ایک ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ماہ مبارک میں قرآن مجید کا نزول ہوا، چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾

”ماہ رمضان وہ مہینا ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور

جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔“

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۰۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۵۹) سنن أبي داود (۱۳۷۱)

رمضان میں نزولِ قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن رمضان کی کسی ایک ہی رات میں نازل ہو گیا تھا؟ نہیں، رمضان کی شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسبِ حالات ۲۳ سالوں تک اترتا رہا۔^(۱)

نبی ﷺ کی طرف نزولِ قرآن کا آغاز بھی رمضان ہی میں ہوا تھا۔ جیسا کہ بعض علما اور مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ سب سے پہلی وحی جو غارِ حراء میں بصورتِ (اَقْرَأْ) جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے، یہ رمضان المبارک ہی کا واقعہ ہے۔ اسی ماہ مبارک میں لیلۃ القدر ہے جس کے بارے میں سورۃ القدر (آیت: ۳) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ ”شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔“

اس کے عشرۃ اخیر کی طاق راتوں میں ایک قدر کی رات (شبِ قدر) ہوتی ہے، جس میں اللہ کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے ۸۳ سال ۴ مہینے بنتے ہیں، عام طور پر ایک انسان کو اتنی عمر بھی نہیں ملتی۔ یہ امتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اسے اتنی فضیلت والی رات عطا کی ہے۔

4- مہمانِ خصوصی:

قیامت کے دن روزہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے مہمانانِ خصوصی ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہو گا۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”رمضان المبارک شروع ہوتے ہی جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔“^(۲)

جس مخصوص دروازے سے یہ ضیوف الرحمن یا مہمانانِ الہی جنت میں داخل ہوں گے، وہاں سے کسی دوسرے کا گزر ممکن نہیں ہو گا۔ صحیحین میں حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازے کا نام ”باب الریان“ ہے،

(۱) تفسیر ابن کثیر.

(۲) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۹۹، ۱۸۹۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۷۹)

قیامت کے دن اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہو سکیں گے، ان کے علاوہ دوسرا کوئی اس میں سے داخل نہیں ہوگا۔ آواز دی جائے گی روزہ دار کہاں ہیں؟ تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے، جب وہ داخل ہو جائیں گے تو اسے بند کر دیا جائے گا۔ انھیں بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ اس سیرابی دروازے سے گزارا جائے گا اور وہاں سے گزرتے وقت انھیں ایسا مشروب پلایا جائے گا کہ اس کے بعد انھیں کبھی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔^①

5- رمضان میں عمرے کا ثواب:

رمضان المبارک کے مہینے میں عمرہ کرنے کا بہت اجر و ثواب ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا:

”رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ملتا ہے۔“^②

6- روزے دار کے منہ کی بو:

روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! روزے دار کے منہ کی بدلی ہوئی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) روزہ دار اپنا کھانا پینا اور اپنی خواہشات میرے لیے چھوڑتا ہے، لہذا روزہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔“^③

بتائیے! اس سے بڑھ کر اور اعزاز کیا ہوگا کہ وہ ناگواری ہو، بلکہ بدبو (جو معدہ کے خالی رہنے اور منہ بند ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) جو خود دروزہ دار کو بھی پسند نہیں ہوتی، اسے اللہ رب العزت اس شرف سے نواز دیتا ہے کہ کستوری بھی اس کے سامنے کیا چیز ہے؟ اور یہ اس ہوا کا کوئی کمال نہیں، بلکہ اس ہوا کی پسندیدگی تو دراصل اس بندے کی حکم الہی کی تعمیل میں ہے جو اپنے معدے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (حدیث ۱۸۹۶)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۶۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۵۶)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۹۴)

اور پیٹ کو خالی رکھے ہوئے ہے، دراصل یہی تعمیلِ ارشادِ بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔

7- روزے دار کی سفارش:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے“، روزہ کہے گا:

”اے میرے رب! میں نے تیرے اس بندے کو کھانے پینے اور اپنی خواہشاتِ نفس پوری کرنے سے روک رکھا، لہذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔“ اسی طرح قرآن پاک بھی کہے گا: ”اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات (قیامت کے لیے) سونے سے روک رکھا، لہذا اس کے لیے میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔“⁽¹⁾

8- جہنم کی ڈھال:

جس طرح ڈھال کے ذریعے انسان دشمن کے وار سے اپنا بچاؤ کرتا ہے، اسی طرح روزے دار روزے کی ڈھال سے شیطان کے وار اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے بچے گا۔ اور یہی روزہ اس کے جہنم سے بچاؤ کے لیے ڈھال ثابت ہوگا۔ صحیح بخاری و مسلم، ابو داؤد و ترمذی اور نسائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”روزہ ڈھال ہے۔ اللہ کا بندہ اس کے ذریعے نارِ جہنم سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔“⁽²⁾

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کی عملی زندگی میں تو روزہ مسلمانوں کو اپنے ازلی دشمن ابلیس لعین سے بچاؤ کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے، جبکہ اخروی زندگی میں روزہ جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال کا کام دے گا اور روزے دار کو جہنم سے بچائے گا۔

9- ماہِ رمضان کی ہر رات کو اللہ تعالیٰ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

(1) مسند أحمد، طبرانی کبیر، مستدرک حاکم، صحیح الجامع (۲/۷۲۰)، رقم الحدیث: (۳۸۸۲)

(2) صحیح الجامع (۲/۱۱۴/۴)، رقم الحدیث: (۳۸۶۷)

«إِذَا جَاءَ رَمَضَانَ فَتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَعُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ وَ سُلسِلَتْ (صُفِّدَتْ) مَرَدَّةُ الشَّيَاطِينِ»

”جب رمضان مبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو جنت کے دروازے مکمل طور پر کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، شیطان اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔“

اس حدیث میں آگے یہ بھی ہے:

”آواز دینے والا آواز لگاتا ہے: خیر طلب کرنے والو! نیک کام کے لیے آگے بڑھو اور بُرے کام کی طلب رکھنے والو! بُرے کاموں سے رک جاؤ۔ اور ہر رات کو اللہ تعالیٰ (کثرت کے ساتھ لوگوں کو) جہنم سے آزاد کرتے ہیں۔“^①

10- رمضان میں شیطان کے جکڑے جانے کے باوجود گناہ کیوں ہوتے ہیں؟

میری بہنو! شیطان کا جکڑا جانا حقیقی ہے مگر اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شر و برائی کا وقوع ہی نہ ہو، یا پھر لوگ گناہوں کا ارتکاب ہی نہ کریں، کیوں کہ جن شیاطین کو جکڑا گیا ہے انھوں نے اپنی آزادی کے دور میں لوگوں کے دلوں کو اس قدر زنگ آلود کر دیا ہوتا ہے اور انھیں گناہوں کی اس قدر عادت ڈال دی ہوتی ہے کہ ان کے جکڑے جانے کے بعد بھی وہ موجود رہتی ہے۔

اگر روزے داروں نے صحیح معنوں میں رمضان المبارک کے روزے رکھ کر ان کے تقاضوں کو پورا کیا ہوگا تو رمضان کی آخری رات میں ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت کر کے رمضان کے روزے رکھے اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“^②

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۹۹) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۱۳۳۱) سنن الترمذی، رقم

الحدیث (۶۸۲)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۹۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۵۹)

11- ماہِ رمضان ماہِ قرآن:

ماہِ رمضان المبارک کے فضائل و برکات کا تذکرہ اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک کہ ان میں اس بات کا ذکر نہ آجائے کہ اس ماہِ مبارک ہی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس میں قرآن کریم نازل ہوا، تو گویا یہ ماہِ رمضان، ماہِ قرآن بھی ہے۔

قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں ہوا، اس لیے قرآن کریم کا رمضان المبارک کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس ماہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور مکمل قرآن حکیم کی تلاوت کر لے اور یہ سنت بھی ہے، جیسا کہ اس ماہِ مبارک میں نبی اکرم ﷺ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم بھی اس ماہ میں کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ اس ماہِ مقدّس میں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کریں، کیوں کہ کثرتِ تلاوت مستحب ہے، توجہ اور اہتمام کے ساتھ ساتھ سمجھ کر بھی پڑھیں، کیوں کہ قرآن کریم کو پڑھتے اور سنتے وقت ایک مسلمان پر خوف اور رقت کی کیفیت بھی طاری ہونی چاہیے، یعنی اللہ کے ڈر اور خوف سے دلوں کو نرم ہونا چاہیے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب پڑھنے اور سننے والے دونوں ہی الفاظ کے ترجمہ و معانی سے بھی واقف ہوں۔

قرآن کو محض تاریخ و قصص کی کتاب نہ سمجھا جائے، بلکہ اسے کتابِ ہدایت سمجھ کر اس طرح پڑھا جائے کہ جہاں اللہ کی رحمت و مغفرت اور اس کی بشارتوں اور نعمتوں کا بیان ہے، وہاں اللہ سے ان کا سوال کیا جائے اور جہاں عذاب و وعید کا تذکرہ ہو وہاں ان سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ ہمارے اسلاف اس طرح غور و تدبیر سے قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے کہ ان پر بعض دفعہ ایسی کیفیت اور رقت طاری ہو جاتی کہ بار بار ان آیتوں کی تلاوت کرتے اور خوب بارگاہِ الہی میں گر گڑا تے اور اگر سننے والے بھی غور و تدبیر سے سنیں تو ان پر بھی یہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیفیت تب ہوتی ہے جب ہم قرآن پاک کے ترجمے سے واقف ہوں گے۔

نبی ﷺ اس طرح غور و تدبیر سے قرآن پڑھتے اور اس سے اتنا اثر پزیر ہوتے کہ جن سورتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے بڑھاپے سے پہلے

بوڑھا کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

”مجھے سورت ہود اور اس جیسی سورتوں [سورة الواقعة، المرسلات اور عَمَّ يَتَسَاءَ لُون،
وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وغیرہ] نے بوڑھا کر دیا ہے۔“^①

بہر حال اپنے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت غور و تدبّر سے کی جائے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھا جائے اور اللہ کی عظمت و جلالت کو قلب و ذہن میں متحضر کیا جائے۔^②

12- رمضان میں سخاوت اور قرآن کا دور:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ....»

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت اور خیر کے معاملے میں سب سے زیادہ سخی تھے۔“

اس سے آگے حدیث میں ہے:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرائیل علیہ السلام آپ سے رمضان میں ملاقات کرتے۔ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی ہر رات میں ملتے حتیٰ کہ رمضان گزر جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتی ہوا سے بھی زیادہ بھلائی پہنچانے میں سخی ہو جایا کرتے تھے۔“^③

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ رمضان میں کثرت کے ساتھ سخاوت کرنا مستحب ہے۔^④

① ترمذی و مستدرک حاکم۔ صحیح الجامع، رقم الحدیث (۳۶۱۷)

② صحیح الترغیب، کتاب الصوم: باب الترغیب فی الصوم مطلقاً، رقم الحدیث (۹۸۶) ابن خزیمہ، رقم الحدیث (۷۸۸)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۰۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۰۸)

④ شرح مسلم (۷/۴۰۹)

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح البخاری و صحیح مسلم
- ✽ رمضان المبارک: فضائل و برکات
- ✽ رمضان المبارک: مسائل و احکام
- ✽ رمضان المبارک
- ✽ کتاب الصیام
- ✽ ماہ رمضان کے فضائل و مسائل
- ✽ روزوں کے احکام و مسائل
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: ابو عدنان قمر رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: ابو عدنان رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: محمد اقبال کیلانی رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: فضیلہ الشیخ عبداللہ بن زید الحمود رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: حافظ عمران ایوب لاہوری

رمضان المبارک کے فضائل

اور روحانی و جسمانی فوائد

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

مومن کی قوت ایمانی:

روزے رکھنے سے مومن کی ایمانی قوت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا نقش اس کے دل پر مزید گہرا ہو جاتا ہے، اور وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں راحت اور اطمینان محسوس کرتا ہے اور نافرمانی میں اس کی گرفت سے ڈرتا ہے۔

اس کے عقیدہ آخرت میں تازگی اور پختگی آ جاتی ہے اور وہ روزے میں اپنی تمام تر لذتیں قربان کر دیتا ہے، یعنی ہر قسم کی خواہشات کو ترک کرتا ہے، ایسا وہ اس یقین کی بنیاد پر کرتا ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں اس سے زیادہ لذتوں والی چیزیں عطا فرمائے گا۔ اہل علم نے روزے کی مشروعیت کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں جو سب تقوے ہی کی خصلتیں ہیں، جو روزے دار کو متنبہ کرنے کی غرض سے ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

❶ روزہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے شکر کا ایک وسیلہ ہے۔ روزہ نام ہے کھانا پینا اور خواہشات نفس کو ترک کرنے کا اور کھانا پینا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لہذا اس سے کچھ دیر کے لیے رک جانا اس کی قدر و قیمت معلوم کراتا ہے۔ پھر انسان ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر راغب ہوتا ہے۔

❷ روزہ انسان کو اس ایمان و یقین پر تیار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اس کی نگہبانی و نگرانی کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان قدرت و طاقت کے باوجود اپنی خواہشات اور حلال اشیاء ترک کر دیتا

ہے، کیوں کہ اسے یہ یقین محکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

3 روزہ فقراء و مساکین پر شفقت و رحمت اور نرمی کرنے کا باعث ہے، کیوں کہ جب انسان کچھ دیر کے لیے بھوکا رہتا ہے تو پھر اسے ان لوگوں کی حالت کا احساس ہوتا ہے جنہیں بروقت کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ شخص غربا کی اعانت، ان کے ساتھ شفقت و رحمت اور احسان کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ (علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ)

4 روزے میں اجتماعی فوائد بھی ہیں، مثلاً لوگوں میں یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایک امت ہیں، وہ (سب) ایک وقت میں کھاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں روزے رکھتے ہیں۔ روزے سے امیر آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا احساس ہوتا ہے اور پھر وہ فقیر سے نرم رویہ اختیار کرتا ہے۔¹

5 روزہ شیطان کو غم و غصہ دلانے اور اس کی کمزوری ثابت کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ روزے سے شیطان کے وسوسے بھی کم ہو جاتے ہیں اور اس بنا پر معاصی اور گناہ و جرائم بھی کم ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، اور روزے کی وجہ سے یہ گردش والی جگہیں تنگ ہو جاتی ہیں جس سے وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کا اثر و نفوذ بھی کم ہو جاتا ہے۔

6 بلاشبہ کھانے پینے کی وجہ سے خون پیدا ہوتا ہے، اس لیے جب کھایا پیا جائے تو شیطان کی گردش کی جگہوں میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے جو خون ہے۔ جب روزہ رکھا جائے تو شیطان کی گردش والی جگہیں تنگ ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے دل اچھائی اور بھلائی کے کاموں پر آمادہ ہوتا ہے اور بندہ برائی کے کام ترک کر دیتا ہے۔²

7 روزے کے ذریعے مسلمان کثرت کے ساتھ اطاعت کے کام بجالانے کا عادی ہو جاتا ہے، کیوں کہ روزہ دار دورانِ روزہ میں کثرت کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کے کام سرانجام دیتا ہے لہذا وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

8 روزہ انسان میں دنیاوی خواہشات و لذات سے زہد پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس موجود اجر و ثواب حاصل کرنے کی رغبت کو جنم دیتا ہے۔

1 فتاویٰ اسلامیہ (2/ 117)

2 ملخصاً: مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (25/ 246)

9 ان کے علاوہ روزے کی اور بھی بہت ساری حکمتیں ہیں، مثلاً: روزہ بندے میں صبر و ثبات کی خوبیاں پیدا کرتا ہے، جو اسے دین پر قائم رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انحراف نہیں کرنے دیتیں۔ یکسوئی و تنہائی کے لمحات میں اگر اسے فکرِ آخرت اور خوفِ الہی نہ ہو تو وہ کبھی بھی روزے کی تکمیل نہ کر پائے۔ یہ دولتِ ایمان ہی کا کرشمہ ہے کہ آتشِ بارگرمی میں بھی وہ روزے دار کو ٹھنڈے پانی سے شاد کام نہیں ہونے دیتا اور ایک گھونٹ بھی گلے سے نیچے نہیں اتارنے دیتا۔ یہ امتیازی اور انفرادی حیثیت تمام عبادات میں سے صرف روزے ہی کو حاصل ہے۔ اس امتیازی و انفرادی حیثیت و مقام میں دوسرا کوئی عمل اس کا مقابلہ کر پائے گا؟ ہرگز نہیں اور اس کا مستحق کون ہوگا؟

صرف وہ روزے دار جس نے صحیح معنوں میں روزے کے تقاضے کو پورا کیا ہوگا، جیسے: جھوٹ، غیبت، بدگوئی، گالی گلوچ، دھوکا، فریب دینا اور اسی قسم کی تمام بے ہودگیوں اور بد عملیوں سے اجتناب کرے گا۔ لہذا جب آپ روزے سے ہوں تو کسی قسم کی فحش گوئی اور بیہودہ باتیں نہ کریں، ”اگر کوئی آپ کو برا بھلا کہے یا لڑنے کی کوشش کرے تو آپ اسے کہیں کہ میں روزے سے ہوں۔“¹ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”روزے کی حالت میں جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں کہ یہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے (اس کے بھوکا پیاسا مرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں)۔“²

معلوم ہوا کہ روزہ صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ طلوعِ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے منہ بند کر لیا جائے، بلکہ روزے کے کچھ اور بھی تقاضے ہیں جو اس کی قبولیت کے لیے ضروری بھی ہیں بلکہ یوں کہہ لیں کہ صرف منہ، پیٹ اور شرم گاہ ہی کا روزہ نہیں، بلکہ تمام اعضائے جسم کا روزہ ہونا چاہیے۔

غیبت و چغلی کھانے سے قطعی پرہیز کرے۔ دل و دماغ کو آوارگی و بدخیالی سے روکے اور

{1} صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۰۳)

{2} صحیح البخاری، ریاض الصالحین (ص: ۴۷۵) صحیح الجامع (۲/ ۴/ ۱۹۹)

تصورات کی دنیا میں خوابوں کے محل تیار کرنے اور جسمانی و ذہنی عیاشی سے باز رہے۔ راہ چلتی عورتوں کی تانک جھانک کرنے سے بچے۔ اور اپنے کانوں کو ناجائز باتوں، گانوں اور موسیقی سے محفوظ رکھے، کیوں کہ یہ تمام برائیاں جہاں معاشرتی ناسور کی حیثیت رکھتی ہیں، وہیں یہ سب امور آدابِ روزہ کے بھی خلاف ہیں۔ خبر دار! ایسے روزے کا کوئی فائدہ نہیں جو ہمیں پرہیز گاری کا سبق نہ دے، جو ہمارے اندر تقویٰ و طہارت پیدا نہ کرے، جو ہمیں صبر و پرہیز اور تکالیف و مصائب میں تحمل و برداشت کا عادی نہ بنائے، جو ہمارے اندر نیکیوں کا جوش اور گناہوں سے بچنے کی قوت و صلاحیت پیدا نہ کرے اور جو ہماری بہیمی خواہشات کو کچلنے میں مُمد و معاون ثابت نہ ہو، بلکہ ایسا روزہ محض بھوک پیاس کا عذاب ہی ہے، اس کے سوا اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے:

”کتنے ہی روزے دار ہیں جنہیں ان کے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔“

فرضیتِ صیام کی اصل حکمت انسانوں کو صبر و پرہیز کی مشق کرانا ہے، جیسا کہ روزوں کے حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود جامع انداز میں فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾۔ یعنی روزوں کی فرضیت کا مقصد یہ ہے کہ تم تقویٰ و پرہیز اور صبر و تحمل کے خوگر بن جاؤ، کیوں کہ یہی پرہیز تمہاری نجات کا باعث ہے۔ ڈاکٹر حضرات کا یہ قول کہ ”پرہیز علاج سے بہتر ہے۔“ ہم سب نے سنا ہے اور جو پرہیز ڈاکٹر بتلاتے ہیں ہماری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اس سے احتراز کریں۔ اور اگر کوئی پرہیز نہ کرے اور پھر بیمار ہو جائے تو اسے نہ صرف بدمزہ و کڑوی ادویات اپنے حلق سے نیچے اتارنا پڑتی ہیں، بلکہ بعض اوقات تو علاج کی غرض سے اس کے اعضائے بدن کو چیرا پھاڑا تک جاتا ہے۔

یعنے رمضان بھی ہمیں پرہیز سکھانے آیا ہے جیسے ہم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے پر حلال و پاک اشیا سے دن بھر قطع تعلق و بیزار رہتے ہیں، اسی طرح اس کے منع کردہ تمام برے اعمال و سینات سے اجتناب کریں۔ لیکن اگر ہم اس پرہیز کی پالیسی کو نہیں اپنائیں گے تو جنت میں داخلے کے لیے علاج کروانا پڑے گا اور تصور کیجیے کیا وہ علاج کوئی برداشت کر پائے گا؟ کہ نرم و نازک انسان کو اپنی بد پرہیزی کا انجام بھگتنے کے لیے اس آگ میں ڈال دیا جائے گا جو درجہ حرارت میں دنیاوی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ کھانے کے لیے گندا خون، زخموں سے نکلنے والی پیپ، کانٹے دار جھاڑیاں اور پینے کو ابلتا کھولتا ہوا پانی پیش کیا جائے گا۔ علاج کے بطور سب سے ہلکی سزا یہ ہوگی کہ انسان کو

آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن کی حرارت اس قدر شدید ہوگی کہ ان کی وجہ سے اس شخص کا دماغ یوں جوش مارے گا جیسے ہنڈیا چولہے پر جوش مارتی ہے۔ ساری زندگی عیش و آرام اور ناز و نعم میں رہنے والا صرف ایک مرتبہ آگ میں غوطہ کھانے کے بعد کہے گا: اللہ کی قسم! میں نے دنیا میں کبھی کوئی بھلائی اور نعمت نہیں دیکھی۔ آگ نے بعض لوگوں کو ٹخنوں تک، بعض کو گھٹنوں تک، بعض کو کمر تک اور بعض کو گردن تک گھیر رکھا ہوگا۔

جہنمی کو اس قدر موٹا اور چوڑا کر دیا جائے گا کہ اس کے دونوں کندھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رفتار سوار کے لیے تین دن کی مسافت ہوگی، اس کی داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی۔ یہ وہ علاج ہے جس کے بعد ہی دنیا میں بد پرہیزی کرنے والا انسان جنت میں داخل ہو سکے گا، بشرطیکہ مشرک نہ ہو۔ اب خود ہی سوچیے! کہ پرہیز ٹھیک ہے یا علاج؟ میری بہنو! جو شخص مہینا بھر ثواب و جنت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان برائیوں سے بچاتا رہے تو وہ اپنے نفس پر اتنا قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس کی خواہشاتِ نفس بے لگام نہیں ہونے پاتیں اور وہ اللہ کے حکم سے اپنے آپ کو رضائے الہی کا پابند بنا لیتا ہے۔

گو یا روزہ بندے کے اندر وہ تقویٰ پیدا کر دیتا ہے جو روزے کا اصل مقصد ہے۔ اگر انسان اس ایک ماہ کے مشن کو اپنے احساس و شعور کا حصہ بنا لے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ خوف قدم قدم پر اس کے دامن گیر رہ سکتا ہے اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رکھ سکتا ہے۔

جب وہ اللہ کے حکم پر اللہ تعالیٰ کے ڈر سے جائز اور حلال کاموں سے بھی وقتی طور پر رکا رہتا ہے تو جن چیزوں اور کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، ایک مومن اور ایک متقی ان کا ارتکاب کس طرح کر سکتا ہے؟

ایک مومن کے اندر جب یہ تقویٰ اور ڈر پیدا ہو جاتا ہے تو ایک طرح سے اس کی ٹریننگ یا تربیت بھی ہو جائے گی، جو سال بھر برائیوں سے بچنے کے لیے اس کے کام آئے گی اور اتنے میں پھر یہ ماہ مبارک آجائے گا۔ جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایسا کیا، سمجھو اس نے اس مہینے کی رحمتوں اور برکتوں میں سے اپنا حصہ پالیا اور اللہ کی رحمت و مغفرت کا حق دار بن گیا، جنت میں داخلے اور جہنم سے آزادی کا مستحق ہو گیا۔

13- عمداً بلا عذر روزہ چھوڑنے کا شرعی حکم:

ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایام رمضان میں سے کسی دن میں جماع وغیرہ کے ذریعے بلا عذر روزہ چھوڑنا یا روزہ توڑنا کبیرہ گناہ ہے۔⁽¹⁾

انہوں نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دین اسلام کی تین بنیادیں ہیں، جس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی اس کا انکار کرتے ہوئے چھوڑ دیا اسے قتل کرنا جائز ہے: ”کلمے کی شہادت، فرض نماز اور رمضان کے روزے۔“⁽²⁾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یوں مروی ہے کہ ”اگر کسی نے رمضان میں کسی عذر اور مرض کے بغیر ایک دن کا بھی روزہ نہ رکھا تو ساری عمر کے روزے بھی اس کا بدلہ (یعنی اس کا کفارہ) نہیں بن سکتے۔“⁽³⁾

14- بے نماز کے روزے کا حکم:

بے نماز کا روزہ صحیح نہیں، کیوں کہ شریعت میں ثابت ہے کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے، جیسا کہ اس کی دلیل یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»⁽⁴⁾

”کفر وشرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے۔“

علاوہ ازیں امام ابن تیمیہ، شیخ ابن جبرین، شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہم اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی وغیرہ نے بھی دائمی طور پر نماز چھوڑنے والے کو کافر ہی قرار دیا ہے۔⁽⁵⁾ لہذا جب یہ بات ثابت ہے کہ بے نماز کافر ہے تو اس کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں اور چونکہ روزہ بھی ایک عبادت ہے، اس لیے روزہ بھی قبول نہیں ہوگا۔

(1) الزواجر لابن حجر الهيتمي (1/ 429)

(2) مسند أبي يعلى (4/ 23 49) حافظ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(3) صحيح البخاري، كتاب الصوم: باب إذا جامع في رمضان، رقم الحديث (935)

(4) صحيح مسلم، رقم الحديث (82) سنن أبي داود، رقم الحديث (4678)

(5) مجموع الفتاوى (20 / 97) الفتاوى الإسلامية (1/ 20، 296 / 118) فتاوى إسلامية (1/ 311 - 312)

15- صرف رمضان میں نمازیں پڑھنے والوں کے روزوں کا حکم:

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کے نزدیک بھی نماز ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اور یہ شہادتین کے بعد سب سے اہم رکن اور فرض عین ہے۔ جس نے اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اسے چھوڑا یا سستی و کوتاہی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا یقیناً اس نے کفر کیا اور جو لوگ رمضان میں روزے رکھتے ہیں اور صرف رمضان ہی میں نماز ادا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ انتہائی بدترین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو صرف رمضان ہی میں پہچانتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کے روزے درست نہیں ہوتے جو رمضان کے علاوہ نماز چھوڑے رکھتے ہیں، بلکہ یہ لوگ اس کے ساتھ کفر اکبر کرنے والے ہیں اگرچہ وہ نماز کے وجوب کا انکار نہیں کرتے، علما کے اقوال میں سے زیادہ صحیح یہی ہے۔^①

اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک ہی ماہ [رمضان المبارک] میں روزے رکھنے کا حکم دے کر کج بختی اور روحانی طور پر یکسوئی عطا فرمائی، ہر علاقہ اور تمام شہروں کے مرد اور خواتین دن کو روزہ اور راتوں کو ذکر و تلاوت اور مطالعہ قرآن سے مستفید ہوں تو پورے علاقے انوارِ ربانی سے منور ہو جائیں۔ رمضان میں ہر رات تراویح میں قرآن حکیم کا جو حصہ پڑھا جاتا ہے، گھر آ کر اس پر غور و خوض کریں کہ ان آیات میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ تاکہ ہم ان پر عمل کرنے کے لیے اپنے دل کو تیار کریں اور جو لوگ پڑھے لکھے ہیں انہیں چاہیے اپنی ان پڑھ بہنوں اور بھائیوں کو قرآن کریم سے وابستگی اور اس میں جو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت رکھی ہے، اس کا تعارف کروائیں۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس معاملے میں پیش قدمی کرے، اور اپنے رب العالمین کے عنایت کردہ اس عظیم تحفے کی قدر کرنے کے لیے نیت کرے۔ اللہ تعالیٰ خود راہیں آسان فرما دیں گے۔ ابھی ہمارے پاس وقت ہے کہ ہم قرآن حکیم کا دامن تھام لیں، دنیا کے تمام اصول و قواعد کو ترک کر دیں، دنیا والوں کی نظروں میں کیا عزت کا اور کیا ذلت کا معیار ہے؟ بھول جائیں۔ صرف یہ یاد رکھیں کہ ہمارے رب کی نظروں میں وقعت کس چیز کی ہے، عزت و وقار کا منبع و سرچشمہ کیا ہے؟

اور یہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآن کریم کو تھامے بغیر مسلمان نہیں بن سکتے اور ہم قرآن کا پرچم لے کر اٹھیں گے تو ساری دنیا پر چھا جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا:

① فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الإفتاء (۱۰/۱۴)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيَثْبُتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد: ۷]

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورت آل عمران (آیت: ۱۶۰) میں ارشاد فرمایا:

﴿إِن يَنصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾

”اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکے گا۔“

کیونکہ قرآن کریم کے احکام اور اس کی تعلیمات کی پابندی کرنے والی قوم کو اللہ تعالیٰ سیاسی غلبہ اور عروج عطا فرماتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

”اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بعض لوگوں کو عروج عطا فرماتا ہے اور بعض کو (اسے ترک کرنے کی وجہ سے) ذلیل و رسوا کرتا ہے۔“^①

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان تارک قرآن ہو کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ بارگاہِ الہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو ہمارے دلوں کی بہار بنا دے۔ اس مہینے کے اور بھی بہت سارے فضائل و برکات ہیں جن کو حاصل کرنے کے لیے اللہ کے نیک بندے اس کا استقبال اس طرح کرتے ہیں کہ غفلت کے پردے چاک کر دیتے ہیں اور بارگاہِ الہی میں توبہ و استغفار کے ساتھ یہ عزم۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مرتبہ پھر اس ماہ مبارک کی سعادتوں سے نوازا ہے تو کیوں نہ ہم اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کی فضیلت حاصل کریں۔ اور اپنے اوقات کو اللہ کی عبادت کرنے اور اعمالِ صالحہ بجالانے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں سمیٹنے میں صرف کریں، کیوں کہ کسی مسلمان کے لیے عبادت کے ان اوقات و مقامات میں بے پروائی برتنا درست نہیں ہے، بلکہ اسے عبادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا چاہیے۔

اپنی بہنوں کو میں ایک خاص بات کہنا چاہوں گی، کیوں کہ کچھ خواتین میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ رمضان تو صرف مردوں کا ہے، ہمارا کام تو صرف سحری پکانا اور افطاری تیار کرنا ہے، عورتیں روزہ تو رکھتی ہیں مگر دیگر اعمالِ خیر میں پیچھے رہتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ رمضان المبارک کے احکام و مسائل

① صحیح مسلم، رقم الحدیث: (۸۱۷)

سے عدم واقفیت ہے۔ مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ کثرت کے ساتھ تلاوتِ قرآن اور اس میں تدرّ و تفکر کریں، بکثرت صدقہ و خیرات کریں، ذکرِ الہی اور فرائض و واجبات کے علاوہ نفلی عبادات پر بھی محنت کریں، کیوں کہ رمضان المبارک کے روزے، تراویح، صدقے، دعا و ذکر، تلاوتِ قرآن، مناجات، عمرے اور دیگر اعمالِ صالحہ کا اجر و ثواب جس طرح مردوں کو ملتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ عورتوں کو بھی عنایت کرتا ہے، کیوں کہ اجر و ثواب دونوں کے لیے ایک جیسا ہی ہے۔ اس مہینے میں ایک مسلمان جتنی زیادہ عبادت کرے گا اس کے لیے اتنی ہی زیادہ روحانی ترقی کا وسیلہ بنے گی۔ میری بہنو! اللہ کے نیک بندوں کو اس مہینے کا ہدیت سے انتظار ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو، اس مہینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”اس مہینے میں انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے اس کا اجر اسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے۔“^①

اس لحاظ سے رمضان المبارک کا مہینا بہت ہی فضیلت کا حامل ہے کہ جس نے مہینا بھر دن کے اوقات میں ترکِ طعام کے ساتھ، یعنی دن کو روزے کی حالت میں اور راتیں قرآن کریم کے ساتھ بسر کی ہوں، یعنی رات کے اوقات میں قیام کر کے اپنے رب سے گناہ اور برائی سے توبہ کر کے نیکی اور بھلائی کا راستہ اختیار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس نے صبحِ معنوں میں روزے کے اغراض و مقاصد حاصل کر لیے اور اس ماہِ مقدس کی برکتوں سے اپنا حصہ پالیا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”جس نے رمضان المبارک میں ایمان و احتساب (طلبِ ثواب) کے ساتھ روزے رکھے۔ اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے گئے، اسی طرح جس نے رمضان کی راتوں کو قیام کیا ایمان و احتساب کے ساتھ، اس کے بھی گذشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔“^②

16- کیا بچے روزہ رکھ سکتے ہیں؟

نابالغ بچوں پر روزہ فرض نہیں، لیکن اگر ان کے والدین انھیں بچپن ہی میں مشق کرانے کے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۹۴)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۰۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۵۹)

لیے اور عادی بنانے کے لیے اپنے ساتھ روزہ رکھواتے ہیں تو یہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت ربیع بنت معوذ بنی النجاشی نے بیان کیا ہے:

”ہم اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے۔ انھیں ہم اون کے کھلونے بنا کر دیتے جن سے ان کا دل بہلائے رکھتے۔ جب کوئی کھانے کے لیے روتا تو وہی دے دیتے حتیٰ کہ افطاری کا وقت ہو جاتا۔“^①

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ بطورِ مشق بچوں سے روزہ رکھوانا مشروع ہے، اگرچہ اس عمر میں وہ شرع کے مکلف نہیں ہیں۔^② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ بچوں کو اطاعت کے کاموں کی مشق کرانا اور انھیں عبادت کی عادت ڈالنا (مستحب ہے)۔ لیکن وہ مکلف نہیں ہوں گے۔^③

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی بچہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو تو اس پر روزے لازم نہیں، لیکن اگر وہ بغیر کسی مشقت کے روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو تو پھر اسے روزے کا حکم دیا جا سکتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے بچوں کو روزے رکھوایا کرتے تھے۔^④

17- روزے کے برابر کوئی چیز نہیں:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کسی عمل کا حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا عَدْلَ لَهُ»

”روزے رکھا کرو، کیوں کہ اس کے برابر کوئی چیز نہیں۔“

پھر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کسی عمل کا حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”روزے رکھا کرو، کیوں کہ اس کے برابر کوئی چیز نہیں۔“ میں نے پھر کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کسی عمل کا حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا: ”روزے رکھا کرو، کیوں کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔“

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۶۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۱۳۶) ابن حبان، رقم الحدیث (۳۶۲۰)

② فتح الباری (۲۰۱/۴)

③ شرح مسلم للنووی (۴/۴۶۹)

④ فتاویٰ اسلامیة (۱۶۲/۲)

روزے کے میڈیکل (طبی) فوائد:

کچھ عرصہ قبل تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ روزہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس سے نظام ہضم کو آرام ملتا ہے۔ جیسے جیسے طبی علم نے ترقی کی اس حقیقت کا بتدریج علم حاصل ہوا کہ روزہ تو ایک طبی معجزہ ہے۔ جدید طبی معلومات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ روزے کے دوران میں خون پر فائدہ مند اثرات پڑتے ہیں:

1 روزے کے دوران میں خون کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے یہ اثر دل کو انتہائی فائدہ مند آرام مہیا کرتا ہے۔ زیادہ اہم یہ بات ہے کہ سیلوں کے درمیان مائع کی مقدار میں کمی کی وجہ سے ٹیشو، یعنی پٹھوں پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ پٹھوں میں دباؤ یا عام فہم زبان کے لحاظ سے ڈائسٹالک دباؤ دل کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، یعنی اس وقت دل آرام کی صورت میں ہوتا ہے۔ مزید برآں آج کا انسان جدید زندگی کے مخصوص حالات کی بدولت تناؤ یا ہائپر ٹینشن کا شکار ہے۔ رمضان کے ایک ماہ کے روزے بطور خاص ڈائسٹالک پریشر کو کم کر کے انسان کو بے پناہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔

2 روزے میں بطور خاص افطار کے وقت خون میں موجود غذائیت کے تمام ذرے تحلیل ہو چکے ہوتے ہیں ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس طرح خون کی شریانوں کی دیواروں پر چربی یا دیگر اجزاء جمع نہیں پاتے جس سے شریانیں سکڑنے سے محفوظ رہتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور کی انتہائی خطرناک بیماریوں میں سے شریانوں کی دیواروں کی سختی نمایاں ترین ہے اس سے بچنے کی بہترین تدبیر روزہ ہی ہے۔

3 چونکہ روزے کے دوران میں گردے جنھیں دوران خون ہی کا ایک حصہ سمجھا جا سکتا ہے آرام کی حالت میں ہوتے ہیں تو انسانی جسم کے ان اہم اعضا کی بحالی بھی روزے کی برکت سے ہو جاتی ہے۔

4 روزے کا سب سے اہم اثر خلیوں کے درمیان اور خلیوں کے اندرونی سیال مادے کے درمیان توازن کو قائم پذیر رکھنا ہے۔ چونکہ روزے کے دوران میں مختلف سیال، مقدار میں کم ہو جاتے ہیں، خلیوں کے عمل میں بڑی حد تک سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لعاب دار جھلی کی بالائی سطح سے متعلق خلیے جنھیں اپنی تھیلیا کہتے ہیں اور جو جسم کی رطوبت کے متواتر اخراج کے ذمے دار ہوتے ہیں ان کو بھی صرف روزے کے ذریعے بڑی حد تک آرام و سکون ملتا ہے جس کی وجہ سے

ان کی صحت مندی میں اضافہ ہوتا ہے۔ خلیوں کے علم کے نقطہ نظر سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لعاب بنانے والے غدود، گردن کے غدود اور لبلبہ کے غدود شدید بے چینی سے ماہ رمضان کا انتظار کرتے ہیں تاکہ روزے کی برکت سے کچھ سستانے کا موقع حاصل کر سکیں اور مزید کام کرنے کے لیے اپنی توانائیوں کو جلا دے سکیں۔ یہ تھا جدید دور کے علما کا انکشاف، مگر میرے رب نے تو ہمیں اپنی پاک کلام میں ۱۴ سو سال پہلے ہی سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸۴) میں ارشاد فرما دیا تھا:

﴿وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اور اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزہ رکھو۔“

18- افطاری میں جلدی کرنا:

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”اُس وقت تک لوگ بھلائی کی راہ پر گامزن رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے [اور اس سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت مقصود ہے] کیوں کہ یہود و نصاریٰ افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔“^①

روزہ کھجور سے افطار کریں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ مغرب سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کیا کرتے تھے، اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کر لیا کرتے تھے، اگر خشک کھجوریں بھی میسر نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹوں پر ہی روزہ افطار کر لیا کرتے تھے، کیوں کہ پانی بھی خوب صفائی کرتا ہے۔^②

19- کھجور کے روحانی و طبی فائدے:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر علومِ حدیث، بالخصوص طبی احادیث کی روشنی میں غور و فکر کرتا ہے وہ وقتاً فوقتاً شریعتِ اسلامیہ کے اعجازی نقاط و اسرار سے آگاہ ہوتا رہتا ہے اور آئے دن نئے سے نئے انکشافات اسے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا یقین دلاتے رہتے ہیں اور اس کے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۹۵۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۹۸)

② صحیح الجامع الصغیر و زیاداتہ، رقم الحدیث (۴۱۲۶) وحسنہ الألبانی.

اطمینانِ قلب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، انہی اعجازی نفاط و اسرار میں سے ہم کھجور کے بعض فائدوں کے متعلق بات کریں گے:

1) رسول اللہ ﷺ کھجور کھایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ»¹

”جس گھر میں کھجور نہیں اس کے رہنے والے بھوکے ہیں۔“

2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اسے کھجور سے افطار کرنا چاہیے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے، کیوں کہ پانی بھی خوب صفائی کرتا ہے۔“²

3) نبی ﷺ نے فرمایا:

”عجوبہ کھجور جنت سے ہے، اس میں زہر سے شفا ہے۔ کھمبھی ”من“ (من و سلوئی) سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔“³

4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے صبح کے وقت مدینہ منورہ کے دو پتھر لیلے میدانوں کے درمیان سے سات کھجوریں کھائیں، اس دن شام تک اسے زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔“⁴

5) آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

”تمھاری بہترین کھجور برنی ہے۔ یہ بیماری کو دور کرتی ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں۔“⁵

جدید میڈیکل سائنس نے کھجور کے بہت سے غذائی اور دوائی خصائص بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند خصائص یہ ہیں: ”یہ طبیعت کے لیے ملین (نرم کرنے والی) ہے۔ جگر کو قوت دیتی ہے۔ قوتِ باہ میں اضافہ کرتی ہے، بالخصوص جب اسے ”حَبِّ صنوبر“ (چلغوزہ) کے ساتھ ملا کر استعمال کیا

1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۴۶)

2) صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث (۴۱۳۶)

3) صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث (۴۱۳۶)

4) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۴۷)

5) صحیح الجامع الصغیر و زیاداتہ للألبانی، رقم الحدیث (۳۳۰۳)

جائے تو بے حد مفید ہے۔ معدہ اس کے بیٹھے اجزاء کو براہ راست ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں چوس لیتا ہے۔ کھجور کی یہ خصوصیت خاص طور سے روزہ دار کے معدے کے لیے بہت مناسب ہے جو ایک طویل وقت آرام کے مرحلے سے گزرتا ہے۔ اس وقت اگر دیر سے ہضم ہونے والے غذائی مادے معدے میں جائیں تو اس پر بہت بوجھ پڑے گا اور بد ہضمی یا دیر ہضمی کا عارضہ لاحق ہو جائے گا۔

لیکن اگر روزہ کھولتے وقت کھجور سے ابتدا کی جائے اور پھر آدھا گھنٹا بعد باقی کھانا کھایا جائے تو یہ عوارض لاحق نہیں ہوتے۔ وہ زہر جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے اس سے مراد شاید خون کے زہریلے مادے ہیں۔ مثال کے طور پر یوریا کے ذریعے زہر پھیلتا ہے۔ کھجور کی شیرینی پیشاب آور ہوتی ہے۔ نتیجہ اس سے جگر کی صفائی ہوتی ہے اور خون زہریلے مواد سے پاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص مستقل طور پر کھجور استعمال کرتا ہے وہ اپنے خون اور پٹھوں کے نظام کی حفاظت اس شخص کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح کر سکتا ہے جو گوشت کثرت سے کھاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گوشت ایسے مواد اور فضلات چھوڑ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ جمع ہو کر خون کو زہر آلود کرنے کا سبب بنتے ہیں مگر کھجور نہیں۔

سائنس دانوں نے کہا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ”(برنی) کھجور بیماری کو دور کرتی ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں۔“ پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ کھجور بیماری کے جراثیم آگے منتقل نہیں کرتی۔ اگر کھجور بڑی حد تک جراثیم سے لتھری ہو، تب بھی عام حالات میں تین دن تک بیضے کے جراثیم سے خالی رہتی ہے۔

20- نبیذ (کھجور کا شربت):

افطار میں کھجور کا شربت بھی بہت مفید ہے، سخت گرمی کے مہینے میں گرمی، پیاس اور تھکاوٹ کے احساس کو ختم کر دیتا ہے، کیوں کہ کھجور کا شربت پینے سے جہاں دل و جگر کی تسکین ہوتی ہے وہیں یہ بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ مثلاً ہپا ٹائٹس، معدے کی تیزابیت، پیاس کی شدت، ہاتھ پاؤں کی جلن، منہ کی خشکی، لعاب دہن کا کم ہونا، پیشاب کی جلن اور قبض کا بہترین علاج ہے۔ جو لوگ کسی بھی پیچیدہ مرض میں مبتلا ہیں اور گرمی میں روزہ رکھنے سے قاصر ہوں، انہیں کھجور کا شربت پینا چاہیے اور پریشان نہ ہوں، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گرمی کے روزوں اور سردیوں کی تہجد کے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ لہذا جو شخص سحری کے بعد گلقتند کھانے والا اور کھجور کے شربت کا ایک گلاس پینے والا ہو وہ سارا دن تروتازہ رہتا ہے۔ افطار کے وقت کھجور سے افطاری کریں، پھر کھجور کا شربت چسکی چسکی

پیں، پیاس، گرمی، جلن سارے جسم کی ٹڈھالی پل بھر میں ختم ہو جائے گی۔ إن شاء اللہ۔

نبیذ... یعنی کھجور کا شربت بنانے کا طریقہ:

ایک مٹھی کھجور لے کر صبح کو پانی میں بھگو دیں۔ کھجور اگر ایک پاؤ ہو تو اس میں پانی تقریباً دو کلو ہو۔ شام کو کھجوروں کو ہاتھوں سے مل لیں، ملتے ملتے تمام کھجور اور اس کے ریشے پانی میں حل ہو جائیں گے، آپ کا جی چاہے تو اسے چھان لیں، ورنہ بغیر چھانے بھی نوش کر سکتے ہیں، ہاں آپ اسے بلینڈر بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس میں دودھ ملانا چاہیں تو ملا سکتے ہیں، اس طرح اس کی افادیت بھی بڑھ جاتی ہے اور جنت کے دو میوے، یعنی دودھ اور کھجور اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

احتیاط:

شربت بنا کر ٹھنڈی جگہ یا فریج میں رکھیں۔ صبح کا بھگویا ہوا شام کو استعمال کریں اور شام کا بھگویا ہوا صبح استعمال کریں۔ اگر فریج میں رکھیں گے تو خراب نہیں ہوتا، کیوں کہ شدید گرمی سے اس کے اندر خمیر پیدا ہوتا ہے اور خمیر پیدا ہونے کی صورت میں اسے بالکل استعمال نہ کریں۔

میری بہنو! افطار میں سمو سے، پکوڑے اور زیادہ مرچ مسالے سے احتیاط کریں، کیوں کہ ایسی چیزوں کا بکثرت استعمال صحت کے لیے مضر ہو سکتا ہے۔ افطار کے وقت چونکہ معدہ کئی گھنٹوں سے خالی ہوتا ہے اور اس میں تیزابیت موجود ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر زیادہ تلی ہوئی چیزیں، مثلاً: سمو سے، پکوڑے اور زیادہ مرچ مسالے والی چاٹ وغیرہ کھاتے ہیں تو یہ تیزابیت کو مزید بڑھاتی ہیں۔ ایسی صورت میں یا تو تپتے ہو جاتی ہے یا دوسری صورت میں اگر کسی کے معدے میں ہلکی سی سوزش ہو تو وہ بڑھ کر السر کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے۔

لہذا افطاری اور سحری میں بھاری خوراک کے استعمال سے پرہیز کریں۔ سحری کے وقت پراٹھے اور نہاری وغیرہ کے بجائے گندم کی روٹی اور ساتھ میں کوئی بھی پروٹین والی چیز جیسے کہ انڈا کھا لیا جائے تو یہ زیادہ غذائیت والی خوراک ہے۔ ویسے بھی روزے کی اصل روح کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے جس میں دن بھر بھوکا رہنے سے کسی ایسے شخص کی تکلیف کا احساس دلانا بھی شامل ہو جو وسائل کی کمی کی وجہ سے رمضان کے علاوہ بھی فاقہ کشی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور ہمارے حال پر رحم فرمائے، آمین۔

میری بہنو! یہ رمضان کا مہینا نیکی، برکت، عبادت، بخشش، عنایت، تقویٰ، مروّت، خاکساری، مساوات، صدقہ و خیرات، رضائے مولیٰ، جنت کی بشارت اور جہنم سے خلاصی کا مہینا ہے۔

رَبِّ کریم سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھنے کی توفیق سے نوازے، اس مہینے کی رحمتیں اور برکتیں نصیب فرمائے اور ہماری نمازیں، روزے، تلاوتِ قرآن، اور صدقہ و خیرات ہر قسم کی عباداتِ خالص اس کی رضا کے لیے ہوں اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق ہوں، اگر عمل میں کسی اور کی اطاعت و پیروی ہوگی تو پھر ہر قسم کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمارے دلوں کو نرم کر دے، حق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمانا، اے ہمارے رب! ہمیں رمضان اور غیر رمضان میں ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنا۔ آمین۔

اللہ! نیکی کرنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی برائی سے بچنے کی توفیق عطا فرمانا، اور خلوص نیت کے ساتھ اطاعتِ الہی اور اتباعِ رسول ﷺ میں ہمیں رمضان المبارک کے روزے اور ہر قسم کی عبادت کی توفیق سے نوازنا۔ اور ہمیں اس ماہ مبارک کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کی توفیق سے نوازنا۔ اور ہمیں انبیاء و صدیقین، شہداء و صالحین اور نیک لوگوں کا ساتھ نصیب فرمانا۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح البخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ رمضان المبارک: فضائل و برکات
- ✽ رمضان المبارک: مسائل و احکام
- ✽ رمضان المبارک
- ✽ کتاب الصیام
- ✽ ماہ رمضان کے فضائل و مسائل
- ✽ روزوں کے احکام و مسائل
- ✽ تالیف: ابو عدنان قمر ﷺ
- ✽ تالیف: ابو عدنان ﷺ
- ✽ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف ﷺ
- ✽ تالیف: محمد اقبال کیلانی ﷺ
- ✽ تالیف: فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن زید المحمود ﷺ
- ✽ تالیف: حافظ عمران ایوب لاہوری ﷺ

رمضان المبارک کے بعد...؟

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورت ہود (آیت: ۱۱۴) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَلِكَ ذِكْرَىٰ لِلَّذِينَ كَانُوا يَسْتَخْفُونَ﴾

”یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔“

قرآن کریم کی اس آیت کے معنی و مفہوم کو احادیث میں صراحت و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: ہر روز پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور اسی طرح ہی جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان سے دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو اللہ تعالیٰ ختم کر دیتا ہے اور عمرہ کے متعلق بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔^①

اس کا مطلب یہ نہیں کہ عبادت کا تعلق صرف رمضان کے ایک مہینے ہی سے ہے، رمضان تو ختم ہو گیا ہے، لیکن روزے ختم نہیں ہوئے۔ قرآن بھی نہیں گیا۔ مساجد بھی بند نہیں ہوئیں۔ اللہ کی طرف سے قبولیت کے دروازے بھی کھلے ہیں۔ اللہ کا حکم اب بھی باقی ہے اور ہمیں اپنے رب کی عبادت مرتے دم تک کرنا ہے، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۱۰۲) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور دیکھو

مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔“

ایک جگہ فرمایا ہے:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۲۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶-۲۳۳)

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [الحجر: ۹۹]

”اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔“

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (آیت: ۶۴ تا ۶۷) میں اپنے سچے بندوں عباد الرحمن کی تعریف

کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَبِينُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۗ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۳۸﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا﴾

”اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں۔ اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب دور ہی دور رکھ کیوں کہ اس کا عذاب چٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آجائیں، اس لیے وہ عذابِ جہنم سے بھی پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مواخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادت و اطاعتِ الہی پر غرور اور گھنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أُنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ لَئِنْ رَجَعُوا ﴿۶۰﴾ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ

فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ [المؤمنون: ۶۰-۶۱]

”اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ ہی لوگ ہیں جو نیکی اور بھلائیاں حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں (دوسروں سے) آگے بڑھ جاتے ہیں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے بھی ہیں، انھیں ڈر اس بات کا نہیں کہ انھیں بارگاہِ الہی میں حاضر ہونا ہے، بلکہ اس کا ڈر رہتا ہے کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے

یا نہیں۔ حدیث میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت پوچھا کہ ڈرنے والے کون ہیں؟ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے، بدکاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نہیں، اے ابو بکر کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔“^[۱]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتِرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ [الشورى: ۲۳]

”جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں حسن بڑھا دیں گے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا قدر دان ہے۔“

یعنی اللہ رب العالمین اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

میری بہنو اور بھائیو! ابھی ابھی رمضان کا مبارک مہینا گزرا ہے جو ہمارے اچھے اور برے اعمال لے کر ہم سے رخصت ہو گیا ہے۔ اب یہ قیامت کے دن یا تو ہمارے حق میں گواہی دے گا یا ہمارے خلاف گواہ بن کر کھڑا ہوگا۔ کتنے ہی نیک بخت ہوں گے وہ لوگ جن کے حق میں قیامت کے دن رمضان المبارک اچھے اعمال کی گواہی دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی شمار انہی لوگوں میں فرمائے، آمین۔ اس مہینے میں ہم اور آپ نے روزے رکھے، وقت پر نمازیں ادا کیں، عمرہ کیا، انفاق و صدقات میں بھی پیش رہے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے، اس کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی نیکیاں کی ہوں گی اور اپنے آپ کو ہر قسم کی برائیوں سے بچانے کی کوشش کی ہوگی، کیوں کہ آپ جانتے ہیں کہ اس میں ہی ہماری کامیابی و کامرانی ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا واقعی ہم نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے ہیں؟ کیا واقعی ہمارے ظاہر و باطن میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ سوچئے اور غور کیجئے! اس فرض عبادت کا مفہوم آپ کے ذہن میں کیا ہے؟ کیا آپ کو امید ہے کہ کل جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تو

[۱] جامع الترمذی، رقم الحدیث (۳۱۷۵) مسند أحمد (۶/۲۰)

یہی نیک اعمال ہمیں خسارے سے بچانے کا باعث ہوں گے، کیوں کہ ہماری اس عبادت کا اصل مقصد تو باطن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا خوف اور اس کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ اور یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیے مگر میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت کا مختصر حصہ رکھنے جا رہی ہوں۔ اگر ہمارے سینوں میں دل ہے پتھر نہیں تو یقیناً آپ اس آیت مبارکہ کے بارے میں جاننا چاہیں گے کہ یہ آیت کن کے متعلق ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے؟ فرمانِ الہی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ [المائدة: ۲۷] ”اللہ تو متقیوں کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ اعمال کے لیے متقین ہونا شرط ہے۔ اب میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ کیا کوئی شخص متقی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ کہنے کو تو ہم سب اپنے آپ کو متقی ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا پتا تو تب چلے گا جب آپ اپنا محاسبہ کریں گے کہ کیا ہم نے رمضان کے لیے جو ٹارگٹ بنایا تھا وہ پورا کیا ہے؟ کیا رمضان المبارک میں ہمارے اندر تقویٰ کی جو صفت پیدا ہونی چاہیے تھی وہ پیدا ہو گئی ہے؟

میری بہنو! تقویٰ سے مراد ہے اپنے آپ کو ہر گناہ سے بچانا، یعنی ہر وہ کام جس سے آپ کا دل ڈرے، کیوں کہ تقویٰ دل میں ہوتا ہے، لہذا جب آپ عبادت کرتے ہیں تو آپ اپنے دل کا جائزہ لیجیے کہ میرا دل کہاں ہے، کہیں ادھر ادھر تو نہیں الجا ہوا اور اگر دل ہی پاس نہیں تو وہ تقویٰ کہاں گیا جو رمضان میں حاصل کیا تھا؟

یاد رکھیے متقی انسان وہ ہے جو اپنے دل پر نگاہ رکھتا ہے۔ کیا آپ کی نظر آپ کے دل پر رہتی ہے؟ اگر نہیں تو آپ کی ہر عبادت بے روح ہے، جیسے: نماز، رمضان کے روزے، صدقہ و خیرات، تلاوت قرآن کریم یہ سب ذرائع تھے تقویٰ حاصل کرنے کے لیے تاکہ باقی گیارہ (۱۱) ماہ میں یہی تقویٰ ہمارے کام آسکے، کیوں کہ رمضان مبارک ہمارے اندر جو تبدیلی لاتا ہے وہ صرف رمضان کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ایک مومن کو اپنی پوری زندگی رمضان کی طرح ہی گزارنی چاہیے۔ ہمیں اللہ کی رضا کی خاطر ہر اس کام کو چھوڑنا ہے جس میں ہمارے رب کی ناراضی ہو، لہذا آپ اپنا محاسبہ کیجیے کہ آپ نے رمضان المبارک میں جن اچھی عادتوں کو اپنایا تھا کیا وہ عادات ابھی بھی آپ کے اندر موجود ہیں؟ اور کون سی ایسی عادات کو چھوڑ دیا ہے جن سے ہمارا رب ہم سے ناراض ہوتا ہے؟

کیا ہم نے رمضان کا حق ادا کیا ہے؟ کیا رمضان المبارک کی وجہ سے ہمارے اندر تقویٰ پیدا ہوا؟ اس کا جائزہ کسی اور کو نہیں بلکہ آپ کو خود لینا ہے۔ اگر اللہ کی محبت اور خوف آپ کو برے کام کرنے سے روک دے یا جھک پیدا کر دے تو یہ تقویٰ ہے۔

یاد رکھیے ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَوَكَّلَ﴾ ”جس نے اپنا تکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا“ اور یہی تقویٰ کی صفت ہے جو نیکی اور خیر کے تمام کاموں کے لیے بنیاد ہے۔

میری بہنو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کی رخصتی ان کے لیے کسی مصیبت سے کم نہ ہوتی، کیوں کہ انھیں یہ ڈر رہتا تھا کہ ان کے نیک اعمال کو شرف قبولیت حاصل ہوا ہے کہ نہیں؟ غرض ماہ مبارک کے روزوں سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ اللہ کے بندوں کا نفس اتنا طاقتور ہو جائے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو اس میں چاہے دنیا کے بہت سے فائدے نظر آتے ہوں تب بھی اس سے اپنے آپ کو بچائے۔ رمضان المبارک کا ہمارے لیے ایک پیغام یہ بھی ہے کہ جس طرح اس مہینے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس تھا اور چلتے پھرتے ہمارے دل میں ڈر بسا ہوا تھا، اسی طرح رمضان المبارک کے بعد بھی اس کی گرفت کا ڈر دل میں موجود ہو، یہ مہینے بھر کے روزے اسی کیفیت کو پختہ کرنے کا ایک نصاب ہیں۔ اگر دل میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو حرام و حلال کی تمیز دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ رمضان المبارک گزرنے کے بعد عبادت کرنے میں ہماری ہمت کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر ہمت کمزور ہو جائے تو اس وقت شیطان لعین بڑا خوش ہوتا ہے، کیوں کہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ آپ کو گناہوں کی دلدل میں پھر سے دھنسا دے اور رمضان المبارک میں کی گئی عبادت کو ضائع کر دے۔ جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہوئے گناہوں کی دلدل میں پھر سے دھنس جاتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں سورۃ النحل (آیت: ۹۲) میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَفَضَتْ غُدُّهُنَّ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾

”تمہاری حالت اس عورت کی طرح نہ ہو جائے جس نے اپنا سوت محنت اور مضبوطی کے

ساتھ کا تنے کے بعد پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔“

ہم میں سے کتنے ہی لوگ ہیں جو رمضان میں خوب عبادت کرتے ہیں مگر رمضان کے

گزرنے کے بعد ان کی ہمت ماند پر جاتی ہے، پھر وہ عبادت تو کجا کبائر گناہوں کا بھی ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ جب کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ رمضان المبارک میں روزے اور دیگر عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قربت سے جو لذت حاصل ہوئی ہے، اس کا حقیقی مزہ رمضان المبارک کے بعد بھی ملتا رہے۔ جو لوگ اپنے نفس کا مجاہدہ کرتے ہیں، وہی اس لذت کو محسوس کر سکتے ہیں اور یہی حلاوتِ ایمان دل کی گہرائیوں میں اتر کر انسان کو رفعتوں کی طرف لے جاتی ہے اور اس عظیم نیکی پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیثِ قدسی میں ارشادِ الہی ہے:

((وَمَا تَقْرَبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتَهُ عَلَيَّ^①))

”اور میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا جو چیز مجھے اس عمل سے زیادہ پسند ہو جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس رفعت اور بلندی سے نوازا ہے، لہذا آپ اپنے آپ کو بلندی سے

مت گرائیے۔

عمل صالح پر ہیئگی:

باقی رہی یہ بات کہ رمضان المبارک میں ایمان کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے اس سطح پر رمضان کے بعد برقرار رکھنا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم کوشش تو کرتے رہیں۔ ”اگر کسی کو کوئی عمل جنت میں لے جاسکتا ہے تو وہ ہے ہیئگی والا عمل۔“ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”رسول اللہ ﷺ جو کوئی عمل کرتے تو اس پر مداومت و ہیئگی کرتے، جب آپ ﷺ

رات کی نماز، یعنی تہجد کے وقت سوئے رہ جاتے یا بیماری کی وجہ سے نہ پڑھ پاتے تو اس کے بدلے دن کے وقت بارہ رکعت نماز ادا فرماتے۔“^②

ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جس طرح ہم نے رمضان مبارک کے روزے رکھے ہیں، رات کو تراویح کی نمازیں پڑھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطاعت و فرمان برداری اور خیر و بھلائی کی

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۵۰۲)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۴۶)

توفیق سے نواز تھا تو کیوں نہ ہم اللہ تعالیٰ کا ہزار ہا شکر ادا کریں۔

اور شکر ادا کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ رمضان کے بعد بھی نفل روزے رکھے جائیں۔ اللہ رب العالمین کے احسان کا کمال دیکھیں کہ رمضان کے بعد ماہ شوال کے صرف چھ روزے رکھنے سے پورے سال کے روزوں کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے تو وہ پورے سال کے روزے رکھنے کی مانند ہے۔“^①

ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے، حدیث رسول ﷺ کے مطابق ایک مہینے (رمضان) کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں، اور اس کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھ لیے جائیں تو یہ دو مہینوں کے برابر ہو جائیں گے، یوں انسان پورے سال کے روزوں کے اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اس نے پورے سال کے روزے رکھے اور جس کا مستقل معمول ہو جائے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے پوری زندگی روزوں کے ساتھ گزارا ہے اور وہ ان شاء اللہ عند اللہ ہمیشہ روزے رکھنے والا شمار ہوگا۔ لہذا یہ چھ روزے متواتر رکھ لیے جائیں یا ناغہ کر کے دونوں طرح سے جائز ہیں، تاہم شوال کے مہینے میں رکھنا ضروری ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی کئی نفل روزے مشروع ہیں۔ اسی طرح ہی اگر نماز تراویح ختم ہو گئی ہے تو نماز تہجد بھی تو مشروع ہے جس کا بہت اجر و ثواب ہے۔ اسی طرح ہی اگر صدقہ فطر ادا کر دیا ہے تو عام صدقہ و خیرات اور اپنے مال کی زکات ادا کریں، رمضان ختم ہونے کے بعد عبادات ختم نہیں ہو جاتیں، بلکہ یہ سلسلہ تو موت تک جاری رہنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَعْبُدُوا رَبَّكُمُ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [الحجر: ۹۹]

”اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مومن کا ہر لمحہ قیمتی ہے، لہذا آپ کی عمر کا ہر لمحہ عبادت بن سکتا ہے، اگر آپ کی نیت احتساب اور حصول اجر کی ہو یہاں تک کہ آپ کا کھانا پینا، سونا، اٹھنا بیٹھنا سب عبادت میں شمار ہوگا۔

① صحیح مسلم، سنن أربعہ، مسند أحمد، صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث (۶۲۵۳)

رمضان المبارک کے مہینے میں جس تربیتی کورس سے ہم گزرے ہیں اس سے ہم بھر پور فائدہ اٹھائیں، کم از کم روزانہ قرآن کریم کا ایک صفحہ ترجمے کے ساتھ پڑھیں، نمازوں کی پابندی کریں، اللہ تعالیٰ سے دعا و مناجات کریں۔ مگر افسوس کہ پورے ماہ کی مشق میں بندھے رہنے کے بعد جیسے ہی آخری روزہ ختم ہوا اور عید کا چاند نظر آ گیا تو ساری پابندیوں سے انسان خود کو آزاد سمجھنے لگتا ہے۔ عید کا دن طلوع ہونے سے پہلے ہی وہ کام شروع ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے اور شیطان کو خوش کرنے والے ہوتے ہیں۔ چاند کی خبر سنتے ہی بہت ساری بہنیں بازاروں میں نکل پڑتی ہیں۔ چاند رات منانے والوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ بازار جس کے متعلق نبی ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ”دنیا میں بدترین جگہیں بازار ہیں۔“^①

بازاروں میں اس رات آپ کو فیشن پرستی، موسیقی، شور شرابا، ہلا گلا، فحش اور لایعنی گفتگو، حد سے گزرا ہوا مذاق، بے ہودگی اور بے باکی یہ سب کچھ نظر آئے گا، اور یہ سب کچھ ایک روزے دار مومن کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔

① پہلی بات یہ کہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ ہم نے رمضان مبارک میں جو عبادت کی ہے کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا ہے؟

② کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہنم سے نجات دے دی ہے؟ کیا ہماری مغفرت ہو گئی ہے؟ اس سوال کا جواب کوئی دے سکتا ہے؟ یقیناً اس کا جواب کسی کے پاس نہیں، کیوں کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سوالوں کے جواب کی تلاش تھی۔

میری بہنو! آپ جانتی ہیں مسلسل ۲۹ یا ۳۰ روزوں کے بعد اسلام کو کیسا مومن مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا مومن پسند ہے جو اپنے نفس پر نگران ہو، ہر برائی کو محسوس کرے اور اپنے نفس کو اس سے بچائے، جیسا کہ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۳۶) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مُسْمُوعًا﴾

”کیوں کہ کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔“

لہذا جس طرح رمضان المبارک میں انسان فحش کاموں سے خود کو بچاتا ہے اسی طرح

رمضان المبارک کے بعد بھی بچانا چاہیے۔ غیر محرم افراد کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کی جائے۔ غیبت، عیب جوئی، طعنہ زنی، جھوٹ اور دوسروں کا مذاق اڑانے سے اپنی زبان کو رمضان ہو یا غیر رمضان، ان کاموں سے اپنی زبان کو ہمیشہ بچایا جائے۔ اسی طرح ہی موسیقی کے زہر سے اپنے کانوں کی حفاظت کی جائے اور ان سب حفاظتوں کے بدلے میں یقیناً دل بھی پاک و صاف رہے گا اور خیالات بھی پاکیزہ ہوں گے۔

جس طرح غذا سے جسمانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معدے میں جا کر ہضم نہ ہو اور خون بن کر سارے جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے، بالکل اسی طرح روزے سے روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ آدمی روزے کے مقصد کو پوری طرح نہ سمجھے اور اپنے دل و دماغ میں اترنے اور خیال، نیت، ارادے اور عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روزے کے حکم کے ساتھ ہی ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ فرمایا ہے، یعنی روزے فرض کرنے کی غرض و غایت تمہیں پرہیزگار بنانا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ روزے رکھنے سے تم ضرور متقی ہو جاؤ گے، کیونکہ متقی پرہیزگار وہی بنے گا جو زیادہ سے زیادہ روزے کے مقصد کو سمجھے گا اور اتنا ہی اپنے باطن کو پاکیزہ کرے گا۔

مثلاً جس طرح کسان محنت سے زمین تیار کر کے بیج ڈالتا ہے، فصل تیار ہونے تک اس کے ساتھ محنت و مشقت میں لگا رہتا ہے، پھر فصل کو کاٹتا ہے اور چین سے سارا سال اس پر گزر بسر کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایمان اور تقویٰ کا جو بیج آپ نے اپنے دل کی زمین کو نرم کر کے بویا ہے، پورے ماہ شب و روز کی مسلسل محنت سے اسے سینچا ہے، اب اس کی حفاظت کا وقت ہے۔ اسی کھیتی کو مسلسل نیکی، پرہیزگاری اور فرمانبرداری کا پانی دینے کا وقت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”تا کہ تم متقی بن جاؤ۔“ (یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو)

لہذا جس شخص کی رمضان المبارک میں کی گئی نیکیاں قبول ہوئی ہوں، اس میں رمضان کے دوران اور بعد میں بھی تقویٰ جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص خود کو جانچ کر دیکھ سکتا ہے کہ رمضان کے بعد اس میں کتنی تبدیلی ہوئی؟ یعنی نیک اعمال کی طرف کتنی رغبت ہوئی، بدی اور معصیت سے وہ کتنا دور ہوا ہے؟

اعمالِ صالحہ کی پابندی کرنا اور انہیں برقرار رکھنا، یعنی دل کا اپنے خالق کے ساتھ تعلق اور رشتہ جوڑ کر رکھنا، یہ ان اعمال میں سے ہے جو انسان کو قوت، ثبات اور اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق جیسی نعمت سے نوازتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی پابندی کرنے سے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۲۲) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾

”بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔“

ہماری دعا ہے کہ اے رب ذو الجلال! ہم سب کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمارے رمضان المبارک میں کیے گئے تمام اعمال کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرما لے۔ اے اللہ! تیری رحمت سے یہ ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائیں، اے اللہ! ہم سب کو نیک راہ پر چلنے کی اور برائی سے بچنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم گناہ گار ہیں تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے، بے شک تو بڑا غفور و رحیم ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنی رحمت سے جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرما دے اور ہمیں انبیاء و صالحین اور صدیقین کا ساتھ نصیب فرما نا۔ آمین

مصادر و مراجع

- ❁ تفسیر ابن کثیر
- ❁ تفسیر صلاح الدین یوسف
- ❁ صحیح بخاری
- ❁ صحیح مسلم

عمل صالح کے دنیوی فوائد

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورة الكهف (آیت: ۳۰) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴾

”یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں گے تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔“

سورة الزمر (آیت: ۶۱) میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمِغَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ الشُّوْءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾

”اور جن لوگوں نے پرہیزگاری کی انھیں اللہ ان کی کامیابی کے باعث بچالے گا، انھیں کوئی برائی (یا پریشانی) چھو بھی نہ سکے گی اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔“

عمل صالح کے دنیوی فوائد:

نیک عمل کا بدلہ آخرت میں تو ملے گا ہی، ان شاء اللہ، لیکن دنیا میں بھی اس کا حصہ ملتا ہے، چنانچہ دنیا میں اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضبوط حفاظت کی شکل میں ملتا ہے، مثلاً: شر سے بچ جانا اور خیر و سعادت سے ہمکنار ہو جانا۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو اسی فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرما دے گا جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثابت ہے۔ اور وہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے، اس لیے انھیں کسی بات کا غم نہ ہوگا۔

1- اللہ کا قرب حاصل کرنا:

اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب حاصل کرنے والوں کے متعلق بھی بتا دیا ہے کہ میرے

بندے میری قرابت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ صحیح بخاری کی ایک حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا اتنا قرب حاصل کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چھوٹا ہے، اس کی وہ ٹانگ بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، پھر اگر وہ مجھ سے مانگے تو بلا شبہ یقیناً میں اسے عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو بے شک میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔“⁽¹⁾

2- جبریل علیہ السلام کی محبت:

حدیثِ رسول ﷺ ہے:

”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو پھر اللہ جبرائیل علیہ السلام کو کہتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، جبریل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے، تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پزیرائی رکھ دی جاتی ہے۔“⁽²⁾

3- لوگوں کے دلوں میں محبت:

دنیا میں عملِ صالح کی ایک جزا یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے مومنوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ سابقہ حدیث سے پتا چل رہا ہے اور مزید یہ کہ سورتِ مریم (آیت: ۹۶) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾

”بے شک جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے، عنقریب ان کے لیے اللہ رحمان محبت پیدا کر دے گا۔“

یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا، جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے کہ اللہ کی محبت، جبریل علیہ السلام اور باقی سب فرشتوں کی محبت اور پھر آپ کے لیے لوگوں کے دلوں میں پیار و محبت کا جذبہ، نیک نامی اور اچھی شہرت حاصل ہوگی۔ اور یہ سب عملِ صالح

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۵۰۲) طبع دار السلام)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۴۰)

ہی کا ایک بدلہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ العنکبوت (آیت: ۲۷) میں بھی فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَتَيْنَاهُ أَجْرًا فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ فِي الْأَرْضِ لَكَيْسَ الضَّالِّينَ﴾ [العنکبوت: ۲۷]

”اور ہم نے اسے اس کے نیک اعمال کا اجر دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں وہ صالح لوگوں میں سے ہے۔“

4- رزق کی ضمانت:

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک دفعہ ایک شخص زمین کے ایک صحرائی علاقے میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنے اوپر

بادلوں سے ایک آواز سنی: ”فلاں کے باغ کو سیراب کرو۔“

”اس نے سراٹھا کر دیکھا تو آسمان پر بادلوں میں سے آواز آرہی تھی۔ بادل ایک جانب ہٹا اور ایک پتھر ملی زمین میں اپنا پانی اٹھ لیا۔ پانی کے بہاؤ والی ندیوں میں سے ایک ندی نے وہ سارا پانی اپنے اندر لے لیا۔ وہ شخص اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا تو وہاں ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا اپنی کدال سے پانی کا رخ (اپنے باغ کی طرف) پھیر رہا ہے۔ اس نے اس سے کہا: اللہ کے بندے! تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں، وہی نام جو اس نے بادل میں سنا تھا۔ اس (آدمی) نے اس سے کہا: اللہ کے بندے! تم نے مجھ سے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس بادل میں، جس کا یہ پانی ہے، (کسی کو) یہ کہتے سنا تھا: فلاں کے باغ کو سیراب کرو، تمہارا نام لیا تھا۔ تم اس میں کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: تم نے یہ بات کہہ دی ہے تو میں (تمہیں بتا دیتا ہوں) اس باغ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، میں اس پر نظر ڈال کر اس کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دیتا ہوں، ”یعنی اس کا ایک تہائی مسکینوں، سوال کرنے والوں اور مسافروں کے لیے کر دیتا ہوں“ ایک تہائی میں اور میرے گھر والے کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی (باغ کی دیکھ بھال اور بیج) میں لگا دیتا ہوں۔“^①

5- دنیا و آخرت کی نعمتوں کی خوش خبری:

دنیا میں اجر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی سعادت عطا فرمادی جاتی ہے اور اسی دنیوی سعادت

① سنن أبي داود، رقم الحديث (۷۴۷۴) صحیح مسلم، رقم الحديث (۲۹۸۴) صحیح الجامع، رقم الحديث

(۲۸۶۴) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (۱۱۹۷) صحیح ابن حبان، رقم الحديث (۳۳۵۵)

کے نتیجے میں انھیں دنیا میں خوشگوار اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے۔ کشادہ منزل، شیریں چشمہ، ثنائے جمیل اور اچھی شہرت عطا ہوتی ہے۔ یہ سب نیک عمل کا دنیوی فائدہ ہے اور اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عمل صالح کرنے والوں کے لیے دنیا میں بھی عزت و خیر ہے اور آخرت میں بھی بلند درجات کے حامل صالحین میں ہوں گے۔ سورۃ الطلاق (آیت: ۲-۳) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۗ﴾

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔“

6- آزمائشوں سے چھٹکارے:

صحیح حدیث میں نبی ﷺ سے غار والے تین آدمیوں کی خلاصی کا پتا چلتا ہے۔^① یعنی اللہ اپنے بندوں کے لیے آزمائشوں سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے اور اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ خیر و بھلائی کے وہ کام جو آپ اپنی آخرت کا ذخیرہ بنا چکے ہیں، یعنی نیکی کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں، انھیں تسلسل سے جاری رکھیں، کیوں کہ عمل صالح پر ہمیشگی کے ذریعے آپ نے جو فضیلت و مقام حاصل کیا ہے، اس کی حرص اور لالچ قائم رکھیں اور ان اعمالِ صالحہ کا پیش خیمہ ان عبادات کو بنائے رکھیں جیسا کہ نماز، روزے، تلاوت، صدقہ و خیرات اور نوافل ہیں اور اسی طرح ہی زکات و حج بھی عبادات اور اسلام کے وہ ارکان ہیں جن میں کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرنا مطلق طور پر جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان کو ہلکا لینا اور بے وقعت سمجھنا جائز ہے۔

عمل صالح کا وسیع دائرہ کار:

① عمل صالح مقرر عبادات اور مخصوص میدانوں میں محدود نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وسیع دائرہ کار ہے اور اس کے مفہوم میں بہت زیادہ کام شامل ہیں، مثلاً: کسی شخص نے مسجد بنائی یا مدرسے اور ہسپتال

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۲۷۲)

قائم کیے، یا اس نیت سے کارخانہ اور فیکٹری بنائی، تاکہ امت مسلمہ کی ضروریات پوری ہوں۔
2 یوں ہر شخص جو امت کی فلاح اور بہتری کے لیے جو مشن سرانجام دے رہا ہے وہ عمل صالح ہی تو کر رہا ہے۔ جیسے مصنف اپنے اصلاح کرنے والے قلم کے ساتھ، اور ڈاکٹر اپنی نفع مند ادویات کے ساتھ، محقق اپنے میدان میں، کسان اپنی زراعت میں، معلم و مدرس اپنے طلبہ کے سامنے کھڑا ہو کر، الغرض یہ سارے ہی لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ اسی طرح یہ تمام کام کر کے انھوں نے اعمالِ صالحہ ہی بجلائے ہیں اور انھیں ان اعمال پر اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔

3 عمل صالح کو برقرار رکھنا خطائیں اور گناہ مٹانے کا ایک سبب اور ذریعہ ہے۔
 لہذا جس شخص نے کسی فقیر کی غم خواری کی، کسی یتیم کی کفالت کی، جس نے کسی بیمار کی عیادت کی، کسی ڈوبتے کو بچایا، کسی حاجت مند اور مصیبت زدہ کی مدد کی، کسی تنگ دست کو مہلت دی اور کسی گمراہ کی راہنمائی کی تو اُس نے یہ عمل صالح ہی کیا۔ صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:
 «كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ»¹ ”ہر معروف اور نیکی صدقہ ہے۔“

4 ہر وہ عمل جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں تو اُس عمل کو سرانجام دینے والے کو اُس پر اجر و ثواب ضرور ملتا ہے، اور اس کا وہ عمل اعمالِ صالحہ میں سے شمار ہوتا ہے۔ اگر آپ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو یہ بھی آپ کا عمل صالح ہی ہوگا، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے پیاسے کتے کو پانی پلا دیا، اللہ عزوجل نے اس کے اس معمولی عمل کی قدر کرتے ہوئے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا اور اسے بخش دیا۔²

5 ایسے ہی تنگ دستوں کو مہلت دینا اور اُن سے بوجھ ہلکا کرنا اور لوگوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ایک نیک عمل ہے۔ لہذا سچی نیت کے ساتھ معاشرے کی عام خدمت کرنا اور عام مسلمانوں کی ضروریات کا پاس و لحاظ کرنا بھی اعمالِ صالحہ میں شمار ہوتا ہے۔

¹ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۲۱)

² صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۲۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۴۴)

کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانیں:

آپ کسی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھیں، خیر و بھلائی کا کام خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اُسے حقیر نہ جانیں، کیوں کہ اللہ رحیم و کریم تو ذرے کے برابر نیکی پر بھی اجر و ثواب عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس حقیقت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے، سورۃ الزلزال (آیت: ۷) میں یوں فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾

”جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا، اللہ اُسے دیکھ لے گا۔“

اس کی وہ نیکی ضائع نہیں ہوگی۔

محبت اللہ کے لیے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رضا کے لیے کسی سے محبت کرنے والے نور کے ایسے منبروں پر ہوں گے کہ انبیاء و شہداء ان پر رشک کر رہے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”نیکی کے کسی کام کو ہرگز حقیر اور چھوٹا نہ سمجھو، اگرچہ وہ عمل اپنے (مسلمان) بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“^①

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

”جب بھی دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“^②

اسی طرح ہی جو کوئی مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دعائے استغفار کرتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں۔ ”ہر مومن مرد اور عورت کے بدلے اس کے نام ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔“^③

گناہوں کی معافی:

1 نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۲۶)

② صحیح سنن أبي داود، رقم الحدیث (۵۲۱۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۷۲۷) صحیح ابن ماجہ،

رقم الحدیث (۳۷۰۳) مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۸۵۴۷)

③ مجمع الزوائد (۱۲۳/۱۵) و تکلم اسنادہ، تحفة الذاکرین للشوکانی (ص: ۴۱۴)

”صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا ڈالتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔“^①

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! جو شخص استطاعت نہ رکھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اُس سے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ انھوں نے پھر دریافت کیا: اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کسی شکستہ دل حاجت مند کی مدد کرے۔ انھوں نے پھر سوال کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نیکی کرے اور گناہ سے رک جائے، اُس کے لیے یہی صدقہ ہے۔“^②

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو بغض و عداوت رکھنے والے (مستحق) رشتے دار کو دیا جائے۔“^③

گناہوں کا نیکیوں میں بدل جانا:

میری بہنو اور بھائیو! اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے توبہ کرنے سے اللہ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے، جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت: ۷۰) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

① جامع ترمذی، رقم الحدیث (۲۶۱۲)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۴۴۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۸۸)

③ صحیح الجامع، رقم الحدیث (۱۱۱۰) صحیح الترغیب للألبانی، رقم الحدیث (۸۹۴، ۲۵۳۵)

”آدم کا ہر بیٹا خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو (جلدی سے) توبہ کر لیتے ہیں۔“^①
 لہذا اللہ تعالیٰ سے کبھی بھی ناامید نہ ہونا، کیوں کہ خود قرآن کریم سورۃ الزمر (آیت: ۵۳) میں
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أُسْرِفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ
 الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۗ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

”(اے میرے نبی! میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی
 جانوں پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ سارے
 گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے۔“
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں: حد سے
 تجاوز۔ اور یہاں اس کا مطلب ہے گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ
 ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی
 گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیوں کر معاف کرے گا۔
 بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کرے گا یا توبۃ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف
 فرمادے گا۔ اس آیت کے سبب و شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے کہ کچھ کافرو
 مشرک تھے جنھوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں
 حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ کی دعوت صحیح ہے، لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں اگر ایمان
 لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔^②

اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے
 جاؤ، اس کے احکام و فرائض کی مطلق پروا نہ کریں اور اس کی حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال
 کیا جائے۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت
 نادانش مندی اور بے عقلی و جہالت ہے۔ ان کی مثال تخم حنظل بو کر ثمرات و نوا کہ کی امید رکھنے کے

① جامع الترمذی، رقم الحدیث (۲۴۹۹)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۸۱۰)

متزاد ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غفور و رحیم ہے، وہاں اس کی نافرمانیاں کرنے والوں کے لیے عذاب الیم بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً: سورۃ الحجر (آیت: ۴۹، ۵۰) میں بیان کیا ہے:

﴿يُنَبِّئُ عِبَادِيَ أَيَّٰنَ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۴۹﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾

” (اے میرے نبی!) میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی

مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔“

غالباً یہی وجہ ہے کہ سورۃ الزمر کی آیت کا آغاز ﴿يُعْبَادِي﴾ (میرے بندو!) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لایا، سچی توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں تو وہ معاف فرمادے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور و رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل صالح اور توبہ کرنے والوں کو سزا نہیں دیتا، بلکہ وہ تو اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ [النساء: ۱۴۷]

”اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکرگزاری کرتے رہو اور با ایمان رہو، تو اللہ

بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے“

جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق اپنے آپ کو برائیوں سے بچاتا ہے اور عمل صالح کا اہتمام کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے تو ایسے شخص کی اللہ بہت قدر کرتا ہے۔ ایک جگہ پر فرمایا:

﴿عَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ [المؤمن: ۳]

”گناہ کا بخشنے والا (اور) توبہ کا قبول فرمانے والا۔“

حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر جنت

عطا فرمادی۔^①

فرشتوں کی دعا:

توبہ کرنے والوں کے لیے فرشتے بھی اللہ سے ان کی سفارش کرتے ہیں جس کا ذکر سورۃ

المؤمن (آیت: ۷ تا ۹) میں یوں کیا گیا ہے:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۴۷۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۶۶)

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٤﴾ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِيَ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے (فرشتے) اپنے رب کی تسبیح و حمد بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔ اے ہمارے رب! تو انہیں ہمیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے (بھی) ان کو جو نیک عمل کرتے ہیں۔ یقیناً تو تو غالب و باحکمت ہے۔ اور انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ، حق یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحمت کر دی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے۔“

قرآن کریم کی ان آیات میں ان ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ ہے اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ گروہ ہے ان فرشتوں کا جو اللہ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں، یعنی نقائص سے اس کی تزیین، کمالات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے، یعنی اپنے رب کے حضور بے عجز و تذلل (ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہوگی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ^(۱)

(۱) ابن کثیر، مسند أحمد (الموسوعة: ۴)

مؤمنین کے لیے ان کی دعا یہ ہے کہ اے اللہ! ان سب کو جنت میں جمع فرما دے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ

عِبَادَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ [الطور: ۲۱]

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ ملا دیا

ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔“

یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انھیں ادنیٰ مقام پر لے آئے، بلکہ ادنیٰ کو اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔

﴿الْكَافِرَاتِ﴾ سے مراد یہاں عقوبات ہیں، یا پھر جزا محذوف ہے، یعنی انھیں آخرت کی

سزاؤں سے یا برائیوں کی جزا سے بچانا۔

آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، کیوں کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے) دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔

جَعَلْنَا اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحِقُهُمُ اللَّهُ بِآبَائِهِمْ فِي الْجَنَّةِ.

یہ دعا بکثرت مانگتے رہا کریں:

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

تَرْتَضَهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنَِّّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الأحقاف: ۱۵]

”اے میرے رب! توفیق دے تو مجھ کو کہ میں شکر ادا کرتی رہوں تیری ان نعمتوں کا جو

تو نے عطا فرمائیں مجھے اور میرے والدین کو (یہ توفیق دے) کہ میں کرتی رہوں ایسے

نیک کام جن سے تو راضی ہو جائے اور نیک بنا دے تو میری خاطر میری اولاد کو، میں توبہ

کرتی ہوں تیرے حضور اور میں ہوں تیرے تابع فرمان بندوں سے۔“

اور اسی دعا سے ملتے جلتے الفاظ سورۃ النمل (آیت: ۱۹) میں بھی آئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ مجھے اور آپ سب کو اللہ نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿رَبَّنَا إِنَّا أَمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ۱۶]

”اے ہمارے مالک! بے شک ہم ایمان لائے، سو بخش دے ہمارے گناہ اور بچالے ہمیں دوزخ کے عذاب سے۔“ آمین

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر ❁
- تفسیر احسن البیان ❁
- صحیح البخاری ❁
- صحیح مسلم ❁
- حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

عملِ صالح کے اخروی فوائد

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

حسنِ خاتمہ:

اللہ رب العالمین نے اپنے نیک بندوں کے حسنِ خاتمہ کا سورۃ الفجر (آیت: ۲۷-۳۰) میں یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الطُّهْيِبَةُ ۙ ارجعي إلى ربِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ ۲۸﴾
 ﴿وَادْخُلِي جَنَّتِي ۖ ۲۹﴾

”اے اطمینان والی روح۔ تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش۔ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں چلی جا۔“
 یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ قیامت والے دن کہا جائے گا، اور بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوش خبری دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عساکر کے حوالے سے ایک ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضَى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ﴾^①

”اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا (یا کرتی) ہوں جو تیرے ساتھ مطمئن ہو،

① طبرانی کبیر (۸/ ۱۱۸) الفردوس دیلمی (۱۸۳۵) تاریخ دمشق ابن عساکر (۳۵/ ۸۱) و ضعفه الألبانی

في الضعيفة، رقم الحديث (۴۰۶۰)

تیری ملاقات پر یقین رکھے، تیرے فیصلوں پر راضی رہے اور تیرے دیے ہوئے پر قناعت کرے۔“

عملِ صالح کی پابندی اور تسلسل انسان کے حسنِ خاتمہ کا باعث بنتا ہے، اور وہ اس طرح کہ بلاشبہ مومن جس طرح نافرمانیوں اور برائیوں سے رک کر صبر کرتا ہے، اُسی طرح وہ اللہ عزوجل سے اجر و ثواب کی امید باندھتے ہوئے اطاعات بجا لا کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس پر اُس کا دل مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ خیر و بھلائی کے کاموں پر عزم بالجزم کر لیتا ہے، چنانچہ وہ نیکی کے ان کاموں کو بجا لانے اور گناہوں سے رکنے میں اپنے نفس سے جہاد کرتا ہی رہتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اُسے حسنِ خاتمہ کی توفیق دے دیتا ہے، جیسا کہ سورت ابراہیم (آیت: ۲۷) میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ [1]

”اللہ ایمان والوں کو پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

اس آیت کی تفسیر حدیث میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ ”موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا۔¹

حسابِ آخرت میں آسانی:

سورة العنكبوت (آیت: ۶۹) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْحَسِينِينَ﴾

”جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

یعنی دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں، اور راستوں سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اعمالِ صالحہ پر مداومت و پیشگی اختیار کرنا حسابِ آخرت میں آسانی کا سبب بنتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۶۹۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۳/۷۸۷)

ہے کہ حضرت حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”(قیامت کے دن) ایک آدمی اپنے اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: (اے میرے بندے!) تو نے (دنیا میں) کیا عمل کیا؟ اُس نے کہا: میں نے کوئی بھلا کام تو نہیں کیا، سوائے اس کے کہ میں ایک مال دار آدمی تھا تو میں جب لوگوں سے اپنے مال کا مطالبہ کرتا تو جتنا وہ آسانی سے دے پاتے، اتنا لے لیتا اور جتنا اُن پر مشکل ہوتا، اُسے معاف کر دیتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے میرے فرشتو!) میرے بندے سے درگزر کرو۔“^①

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی فرماتے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس وجہ سے معاف کر دیا کہ وہ تسلسل کے ساتھ اللہ کے بندوں سے درگزر کرتا تھا۔ آج اس دنیا میں اگر ہم بھی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کسی پر درگزر کریں گے تو کل قیامت کے دن اللہ رحیم و کریم ہم سے بھی درگزر کریں گے، ان شاء اللہ۔

اعمالِ صالحہ کی درجہ بندی:

اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمالِ صالحہ کے درجات میں بہت زیادہ فرق ہے، ایمان کے بعد اُن کے اعلیٰ درجات میں سے فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب کرنا ہے، اور اعمالِ صالحہ کے ادنیٰ درجات میں سے راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے، سنن ترمذی کی ایک حدیث میں ہے:

«إِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ»^②

”محارم سے اجتناب کرو، تم لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔“
بعض سلف کا کہنا ہے: ”اللہ تعالیٰ کی حرام کروہ چیزوں میں سے ایک ذرے کے برابر کوئی چیز ترک کر دینا عبادت کے بلند ڈھیروں سے بہتر ہے۔“^③

جنت کا داخلہ اعمالِ صالحہ سے نہیں، بلکہ رحمتِ الہی سے:

اللہ تعالیٰ انسان کو جتنے بھی نیک اعمال کرنے کی توفیق دے، بہر حال وہ اُس حد کو پہنچنے والے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۰۷۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۶۰)

② سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۳۰۵) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۲۱۷) مسند أحمد (۸۰۸۱) و الألبانی فی الصحیحۃ (۹۳۰) وغیرہ۔

③ سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۳۰۵)

نہیں ہیں کہ وہ اُن کے ذریعے اُس جنت میں داخل ہونے کے قابل بن جائے، جس جنت کی چوڑائی آسمانوں و زمین کے برابر ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بخت بندوں کو محض اپنی رحمت، فضل، احسان اور جود و کرم کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا۔ صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے:

”درستی کے ساتھ عمل کرتے رہو، میانہ روی اختیار کرو، بلاشبہ کسی شخص کو اُس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ))^①

”مجھے بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مجھے ڈھانپ لے۔“

جنت میں داخلہ:

اللہ کے بندوں کے لیے آخرت میں عمل صالح کی جزا عظیم الشان نعمتیں اور دائمی اجر و ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہیئگی کے گھر یعنی جنت میں مومنین اور صالحین کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے، اس کا ذکر سورۃ البقرہ (آیت: ۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

((وَيَبْشِرُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنْتُمْ بِمُتَشَابِهًا))

”(اے میرے نبی!) ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دے دو جن میں باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، جب کبھی اُن سے کوئی پھل انھیں کھانے کے لیے دیے جائیں گے تو ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں دیا گیا تھا، یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے۔“

جنت کے میوے ہم شکل:

((مُتَشَابِهًا)) کا مطلب یا تو جنت کے تمام میووں کا آپس میں ہم شکل ہونا یا دنیا کے میووں کے ہم شکل ہونا ہے۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے میووں

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۴۶۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸۱۸)

کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے میووں کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ ان کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ»^①

”انہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا (دیکھنا سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔“

جنتیوں کو ویکلم:

سورة الزمر (آیت: ۷۳) میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَسَيُقَاسُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِّمُوا عَلَيْكُمْ رَبِّكُمْ ۖ فَاذْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾

”اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے، ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آجائیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، اور وہاں کے نگہبان فرشتے ان کا ویکلم کرتے ہوئے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ ہو، تم بہت ہی اچھے رہے، اب اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔“

جنتیوں کا فرشتوں کو جواب!

سورة الزمر ہی کی (آیت: ۷۴) میں جنتوں کے پانے والے بدلے میں کیا جواب دیتے ہیں:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدًا وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ ۖ نَتَّبِعُونَ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۗ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾

”جنتی کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدا پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔“

اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقربین، پھر ابرار، اس طرح درجہ بدرجہ۔ ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا، مثلاً:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۷۷۹، ۴۷۸۰)

انبیاء انبیاء کے ساتھ صدیقین صدیقین کے ساتھ اور شہداء اپنے ہم جنسوں کے ساتھ۔ علما اپنے آقرن وہم عصر علما کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کی مثل کے ساتھ ہوگی۔^①

جنت کے دروازے اور ان کی چوڑائی:

حدیث رسول ﷺ میں ہے:

”جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک باب ریآن ہے جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔“^②

اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہیں، جیسے: ”باب الصلاۃ“، ”باب الصدقۃ“، ”باب الجہاد“ وغیرہ۔ ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔^④ جبکہ بعض احادیث میں چالیس یا ستر سال کی مسافت بھی آتی ہے۔^⑤

جنت میں سب سے پہلے جانے والے:

سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے میرے اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ ہوں گے۔^⑥ جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے ستاروں میں سب سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔

جنت میں جنتیوں کی حالت:

جنت میں جنتی بول و براز اور تھوک، بلغم سے پاک ہوں گے، اور ان کا پسینہ کستوری ہوگا، ان کی آنکھیں میں خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگھن ہوں گے، اور ان کی بیویاں الحور العین ہوں گی، ان کا قد آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ ہوگا۔^⑦

① تفسیر ابن کثیر.

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۲۵۷)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۹۷)

④ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۶۷)

⑤ سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۵۳۵) صحیح الترمذی وحسنہ الألبانی.

⑥ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹-۳۳۱)

⑦ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۳۲۶)

جنتیوں کی بیویاں کیسی ہوں گی؟

ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا حال یہ ہوگا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔^(۱) اور یہ دو بیویاں دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی اور ﴿وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ﴾ کے تحت ان کے علاوہ بھی بیویاں ہوں گی۔^(۲)

نیز سورت طہ (آیت: ۷۵-۷۶) میں فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَأْتِهِمْ مَوْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۖ جَنَّاتُ عَدْنٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَاوَىٰ﴾

”اور جو کوئی اس کے پاس ایماندار ہو کر حاضر ہوگا، اور اس نے (دنیا میں) نیک کام (بھی) کیے ہوں گے، تو ایسے لوگوں کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔ بیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو (گناہوں کی نجاست سے) پاک ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ

ذَهَبٍ وَيَكْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۗ نِعْمَ

الْثَوَابُ وَحَسَنَتُ مَرْتَفَعًا﴾ [الكهف: ۳۱]

”ان کے لیے بیشگی والی جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور وہ سبز رنگ کے نرم و باریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے، وہاں تختوں کے اوپر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے۔“

ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ:

قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۲۴۵)

(۲) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۳۸) فتح الباری (۶/۳۹۲) رقم الحدیث (۳۳۲۷)

کہ ایمان اور عمل صالح کا چولی دامن کا ساتھ ہے، عمل صالح کے بغیر ایمان ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عند اللہ اخروی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔ عمل صالح کیا ہے؟ جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الہی کی نیت سے کیا جائے۔

تمنائیں پوری ہونے کا ذریعہ:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

”جس نے اللہ سے سچے یعنی اخلاص دل کے ساتھ شہادت کی موت طلب کی، اللہ تعالیٰ اسے ضرور شہداء کے مرتبے پر پہنچا دیں گے، خواہ وہ اپنے گھر کے بستر کی موت ہی کیوں نہ مرے۔“⁽¹⁾

یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس مال نہیں۔ لیکن وہ صدقہ کرنے کی تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی ضرور صدقہ کرتا۔ اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی نیت کے مطابق اس کو اجر مل جائے گا۔ ہر انسان اپنی نیت سے متعلق جانتا ہے کہ میں کتنا مخلص ہوں لہذا اسی قدر ثواب کا حق دار ہے ورنہ نہیں۔

میری بہنو اور بھائیو! خلاف سنت عمل بھی نامقبول ہے اور نمود و نمائش اور ریا کاری کے لیے کیے گئے عمل بھی مردود ہیں، بلکہ جہنم جانے کے اسباب میں سے ہیں۔ لہذا جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جنت کی پُر آسائش زندگی ملے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرما کر واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے، یعنی اعمالِ صالحہ اختیار کریں گے، اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے، اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔

جن اعمال کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے:

میں خود کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتی ہوں، کیوں کہ انسان ایک

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۰۹)

(2) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۳۲۵)

طویل زندگی بسر کرتا ہے، اس حیاتِ فانی کے دوران میں وہ بہت سے نیک اعمال بجالاتا ہے، پھر جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اُس کے اعمال درج کیے جانے والے رجسٹر پلیٹ دیے جاتے ہیں، اب وہ اپنی اُن نیکیوں میں نہ تو کسی چیز کا اضافہ کر سکتا ہے اور نہ اپنے گناہوں میں کسی قسم کی کمی کی طاقت رکھتا ہے، الا یہ کہ اُس نے کچھ ایسے اعمال سرانجام دیے ہوں جن کے اثرات اُس کی موت کے بعد بھی باقی رہیں تو اُن اثرات کی وجہ سے اُس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین کاموں کے سوا اُس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور وہ تین کام یہ ہیں: (1) صدقہ جاریہ (2) وہ علم جس سے استفادہ کیا جائے (3) اور نیک اولاد جو اُس کے لیے دعا کرے۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرماتا ہے تو بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! یہ درجہ مجھے کیوں دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ درجہ تیرے لیے تیرے بیٹے کے استغفار کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔“^②

نیز سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

”بلاشبہ مومن کو اُس کی وفات کے بعد اعمال پہنچتے ہیں، اُن میں سے یہ بھی ہیں: وہ علم جس کی تعلیم دی اور اسے پھیلا یا، نیک اولاد جو پیچھے چھوڑی، قرآن مجید کا نسخہ جو وراثت میں چھوڑا، مسجد جو اُس نے تعمیر کی، مسافر خانہ جو اُس نے قائم کیا، نہر جو اُس نے جاری کی یا صدقہ جو اُس نے اپنی زندگی میں صحت و تندرستی کی حالت میں نکالا، ان سب چیزوں کا اجر و ثواب اُس کی موت کے بعد اُسے ملتا رہتا ہے۔“^③

اس طرح ہی انسان اپنے لیے فرشتوں سے بھی دعا کروا سکتا ہے، مثلاً: بندہ اپنے بھائی یا دوست

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۳)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۷۷)

③ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۲۴۲)

کے لیے گھر میں یا مسجد میں اس کی خیر و بھلائی کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ کھڑا اس کے لیے وہی دعا کرتا ہے۔ لہذا اس طرح یہ دعا آپ کے لیے فرشتوں کی طرف سے ہوگی۔

اسی طرح آپ اپنے لیے بھی دعائیں کر سکتے ہیں، جیسا کہ یہ ایک چھوٹی سی دعا ہے جو کہ آپ کے روزمرہ کی ضرورت ہے۔ جس کے پڑھنے سے آپ کے لاکھوں درجات بلند ہو سکتے ہیں جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہو اور کہے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»^①

”تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور اس کے دس لاکھ گناہ معاف فرما دیں گے اور اس کے دس لاکھ درجات بلند فرما دیں گے۔“

جنت میں خزانہ اور باغات:

میری بہنو اور بھائیو! عمل صالح ہی سے آپ جنت کے خزانے حاصل کر سکتے ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد اللہ بن قیس! کلمہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ پڑھا کرو، کیوں کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔“^②

اسی طرح آپ بغیر کسی مشکل کے جنت میں باغوں کے مالک بھی بن سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس رات مجھے معراج میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی، میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میری جانب سے اپنی امت کو سلام پہنچا دیں اور انھیں بتائیں کہ جنت کی مٹی خوشبودار ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے، اور جنت چٹیل میدان ہے اور ”سُبْحَانَ اللَّهِ“، ”أَلْحَمْدُ لِلَّهِ“، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“، ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کہنے سے جنت میں درخت لگتے ہیں۔“^③

① صحیح الترغیب و الترهیب (۱۹۴) صحیح الجامع الصغیر (۲۳۱)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۳۸۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۰۴)

③ السلسلة الصحيحة، رقم الحدیث (۱۰۵)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کی نیکی نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق بجا لانے کی توفیق سے نوازے، کیوں کہ یہ دنیا دار العمل ہے اور اخروی زندگی کامیاب بنانے کے لیے ایک ہی بار مہلت ہے، دوسرا کوئی چانس نہیں، لہذا اس میں جس قدر نیک اعمال ہو سکتے ہیں انسان کو کر لینے چاہئیں، کیوں کہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کا سورج کب اور کہاں ڈوب جائے؟ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”انسانوں میں سے اچھا انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھے ہوں۔“^①

کثرت کے ساتھ اپنے لیے ثابت قدمی کی دعا اور کافروں کے لیے یہ دعا کیا کریں جس طرح طالوت اور ان کے رفقاء نے جالوت اور اس کی دشمن قوم کے ساتھ مقابلے کے وقت کہا تھا:

﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ۲۵۰]

”اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔“

﴿رَبَّنَا إِنَّنَا لَمُتَّاعُونَ فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَتَنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ۱۶]

”اے ہمارے مالک! بے شک ہم ایمان لائے، سو بخش دے ہمارے گناہ اور بچالے

ہمیں دوزخ کے عذاب سے۔“

اے اللہ! ہم گناہ گار ہیں تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے، بے شک تو بڑا غفور و رحیم اور

رحم و کرم کرنے والا ہے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: ۱۲۷]

”اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ خدمت) بے شک تو ہی ہے سب کچھ

سننے والا اور سب کچھ جاننے والا۔“

﴿وَتُبَّ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: ۱۲۸]

”اور قبول فرما ہماری توبہ بے شک تو ہی ہے قبول فرمانے والا، رحم فرمانے والا۔“

مصادر و مراجع

حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

✽ تفسیر ابن کثیر

✽ تفسیر احسن البیان

✽ صحیح البخاری

✽ صحیح مسلم

ذوالحج کے پہلے دس دنوں اور قربانی کی فضیلت

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

حرمت والا مہینہ:

آج ہم ماہ ذوالحج کے پہلے دس دنوں کے فضائل و برکات کے متعلق بات کریں گے۔ یہ مہینہ سفر حج پر روانہ ہونے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کے لیے بڑی فضیلت و برکت اور حرمت والا مہینہ ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ التوبہ (آیت: ۳۶) میں اللہ تعالیٰ نے تو ان حرمت والے چار مہینوں کی تعیین نہیں کی، لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص راہنمائی سے امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی تعیین فرمادی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (حجۃ الوداع کے سال) نبی اکرم ﷺ نے یوم نحر کو خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں دیگر بہت سے اہم دینی مسائل و احکام کی طرف خصوصی توجہ دلانے کے علاوہ حرمت والے چار مہینوں کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا:

”تین مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم تو مسلسل ہیں اور (چوتھا) رجب مضر ہے جو جمادئ الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔“

اس ارشاد نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ ذوالحج بھی ان حرمت و فضیلت والے مہینوں سے ایک ہے۔ اور اس ماہ کے پہلے دس دن ”عشرہ ذوالحج“ کی تو اور بھی زیادہ فضیلت ہے۔

اس سے بڑھ کر اس کی حرمت اور کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تیسویں پارے میں عشرہ ذوالحج کی راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اسی طرح ہی نو ذوالحج یعنی یوم عرفہ اور دس ذوالحج یوم نحر و قربانی، ان دنوں کی بھی قسم کھائی ہے اور ان کی عظمت و حرمت کو اجاگر کرنے کے لیے سورۃ الفجر کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالْفَجْرِ ۱ وَ لَيْلِ عَشِيرٍ ۲ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ [الفجر: ۱-۳]

”قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ فجر سے مراد بطور خاص یوم نحر و قربانی کی صبح ہے اور دس راتوں سے ذوالحج کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ اسی طرح ہی صحیح بخاری، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”اللہ تعالیٰ کو ذوالحج کے ان دس دنوں میں کیے گئے عمل صالح سے بڑھ کر کسی دوسرے

دن کی عبادت محبوب نہیں۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار فرمایا:

﴿وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟﴾ ”کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔“

﴿إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ﴾

”سوائے اُس شخص کے جو اپنی جان و مال ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں نکلا اور کوئی چیز واپس نہ لایا (یعنی جان و مال سب اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور شہید ہو گیا)۔“ اس شخص

کا عمل زیادہ ہو سکتا ہے۔^①

اندازہ فرمائیں کہ شہید کے عمل شہادت اور مالی قربانی دینے کے سوا دوسرا کوئی عمل ان دس دنوں میں کیے گئے نیک عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ماہ ذوالحج کے پہلے دس دنوں کی فضیلت و برکت اپنی جگہ، مگر یوم عرفہ یعنی ۹ ذوالحج کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ نو ذوالحج کے روزے کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”یوم عرفہ کا روزہ دوسالوں کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے ایک گزرا ہوا، یعنی ماضی کا

سال اور دوسرا آئندہ، یعنی مستقبل کا سال۔“^②

لیکن یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جو لوگ حج کر رہے ہوں ان کے لیے یوم عرفہ کا روزہ

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۹۶۹)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸/۵۰-۵۱) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۲۴۲۵، ۲۴۲۶)

رکھنا ثابت نہیں، کیوں کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ششگنہ گزرا کہ میدانِ عرفات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دودھ کا پیالہ بھیجا۔

((فَشَرِبَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِعَرَفَةَ))

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ پی لیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے۔“

صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدانِ عرفات میں حُجَّاج کا روزہ رکھنا خلافِ سنت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں حاجیوں کو یومِ عرفہ (حج) کا روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

”عرفہ، قربانی اور تشریق کے دن ہم اہل اسلام کی عید ہوتی ہے اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔“

واضح رہے کہ عرفہ کے دن کے روزے کی ممانعت حُجَّاج کرام کے ساتھ خاص ہے۔ باقی لوگوں کے لیے نہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک عرفات میں موجود حاجی لوگوں کے سوا سب کے لیے یومِ عرفہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

لہذا عام لوگوں کے لیے یکم سے لے کر ذوالحج تک اور حُجَّاج کے لیے یکم سے لے کر آٹھ ذوالحج تک روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ ان روزوں کے بارے میں متعدد احادیث ملتی ہیں جن میں ان کا ثواب مذکور ہے، لیکن یہ کہ ہر دن کے روزے کا ثواب سال بھر کے روزوں کے برابر ہو ایسا نہیں، ویسے نقلی روزوں کا اجر و ثواب بہت ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم میں عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے خاص انعام ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ یومِ عرفہ سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے رہائی

دے، پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے قریب ہو جاتا ہے اور پھر فخر کے طور پر فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ ان لوگوں کو [میری رحمت و مغفرت کے سوا] کیا چاہیے؟ کس طرح گرد آلود و پراگندہ بال ہو کر مجھے پکارتے ہوئے دور دراز سے میرے لیے آئے ہیں۔ میں تمہیں

گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔^①

فريضة حج ادا کرنے میں جلدی کرنا:

حج اسلام کا عظیم رکن ہے، اس کا ہر رکن اور ہر عمل انسان کے مقصدِ حیات کو سمجھنے اور اس میں کامیاب ترین بنانے میں ترقی سے ہمکنار کرتا ہے اور اس کا منکر اللہ کا باغی قرار پاتا ہے اور استطاعت و وسعت کے باوجود اسے انجام نہ دینے والا اللہ کی رحمتوں سے بھی محروم رہتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں نے اپنے بندے کو جسمانی صحت اور مالی وسعت عطا کی مگر پھر بھی پانچ سال گزرنے کے باوجود وہ میرے پاس (حج کے لیے) نہیں آتا۔ ایسا آدمی میری رحمتوں اور برکات سے محروم ہوتا ہے۔“

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”فريضة حج ادا کرنے میں جلدی کرو، اس لیے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اسے کب کوئی بیماری یا شدید ضرورت اس سے روک لے۔“^②

ترکِ حج پر وعید:

جو شخص استطاعت کے باوجود فرضی حج نہیں کرتا، اپنے دنیاوی مشاغل میں مصروف رہے اور جان بوجھ کر فريضة حج ادا کرنے کو مؤخر کرتا جائے حتیٰ کہ اسی حالت میں حج کیے بغیر اسے موت آجائے، اس کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ سنن سعید بن منصور میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

”میں نے ارادہ کیا کہ ان شہروں کی طرف اپنے آدمی بھیجوں۔ وہ ہر اس آدمی کا پتا چلائیں جس نے طاقت کے باوجود حج نہ کیا ہو، تاکہ میرے آدمی ایسے لوگوں پر غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس (جزیہ) نافذ کر دیں۔“ اور آخر میں فرمایا: ”وہ مسلمان نہیں، وہ مسلمان نہیں۔“^③

① صحیح مسلم (۱۱۲/۹) شرح السنة (۱۹۳۱)

② مسند أحمد (۱/۲۶۴، ۳۶۴، ۳۲۳، ۳۵۵)

③ اس اثر کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”التلخیص الحبير“ (۲/۲۲۳) میں سنن سعید بن منصور کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند صحیح کہا ہے۔

گناہوں سے کُلی طہارت:

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو فریضہ حج سے سبکدوش ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور سابقہ گناہوں سے کُلی طور پر پاک ہو کر لوٹتے ہیں جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ جنم لیتے وقت اس دنیا میں گناہوں سے پاک آتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ حَجَّ، فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»^①

”جس نے حج کیا اور دوران حج میں اس سے نہ کوئی شہوانی فعل سرزد ہوا اور نہ ہی اس نے فسق و فجور (گناہ) کا ارتکاب کیا۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹا گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔“

اللہ کے مہمان:

حُجّاج کرام کے لیے یہی شرف کیا کم ہے کہ حج و عمرہ کرنے والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث میں اللہ کے وفد و مہمان قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”تین قسم کے لوگ اللہ کے وفد (مہمان) ہیں: ① جہاد کرنے والا۔ ② حج کرنے والا۔ ③ عمرہ کرنے والے۔“^②

لہذا عرفہ کا سارا دن حاجی اور غیر حاجیوں کو ذکر و دعاؤں میں گزارنا چاہیے۔

اللہ نے حاجی کے لیے انعام و بخشش کا اعلان فرمایا ہے تو اہل ایمان کے لیے بھی نیکیاں کمانے اور اجر و ثواب حاصل کرنے کا بہترین موقع مہیا کیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عشرہ ذوالحج افضل ہے یا عشرہ رمضان؟ تو انھوں نے فرمایا: عشرہ ذوالحج کے دس دن رمضان کے آخری عشرے کے دس دنوں سے زیادہ افضل ہیں۔ اور انہی میں عید قربانی (حج اکبر) بھی ہے اور یہ وہی دن ہے جس کے متعلق قرآن کریم کی سورۃ التوبہ (آیت: ۳) میں ارشادِ الہی ہے:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۵۲۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۵۰)

② سنن النسائي (۵/۱۱۳، ۶/۱۶) ”الحج والجهاد“.

﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾

”اور ”حج اکبر“ کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منادی کی جاتی ہے (یعنی اطلاع دی جاتی ہے) کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (دونوں) مشرکوں سے بے تعلق (یعنی بیزار) ہیں۔“

آپ اندازہ کریں کہ جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ بے تعلق ہو جائیں، اس کے لیے نہ دنیا میں کوئی جگہ ہے نہ آخرت میں کوئی مقام۔

۱۰۔ ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اس لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے جاتے ہیں۔ عمرہ چونکہ حج اصغر ہے، اس لیے اس سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ قرآن کی آیت اور حدیث نبوی ﷺ کی مذکورہ وضاحت سے اس نظریے کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”یوم عرفہ“ جمعہ کے دن آئے تو اسے ”حج اکبر“ کہا جاتا ہے۔ اور اس کا ثواب عام حج سے سترگنا زیادہ ہے۔ یہ درست نہیں، کیوں کہ ”حج اکبر“ تو ”یوم نحر“ کو کہا گیا ہے۔ اسی بنا پر ہی اس عید کو بڑی عید بھی کہا جاتا ہے۔ حج و قربانی کے علاوہ دیگر نیک اعمال کا اہتمام کریں، کیوں کہ نیکیاں کرنے کی کوئی حد نہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر ایک بہترین موقع عطا کیا ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس موقع کو ضائع نہ کریں:

﴿1﴾ مثلاً فضول کاموں اور بے مقصد باتوں سے پرہیز کریں۔ اور اپنے آپ کو گناہوں اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچانے کی کوشش کریں، کیوں کہ انسان پہاڑوں سے نہیں، بلکہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ہی ٹھوکر کھا کر گرتا ہے۔ لہذا اپنے آپ کو گناہ کی دلدل سے محفوظ رکھیں۔

﴿2﴾ تہلیل، تکبیر اور صبح و شام کے اذکار کا کثرت سے اہتمام کریں۔

﴿3﴾ استغفار اور ذکر جاری رکھیں۔ درود شریف بھی کثرت کے ساتھ پڑھیں۔

﴿4﴾ مقبول اوقات میں دعائیں مانگیں، خصوصاً عرفے کے دن۔

﴿5﴾ اسی طرح جو دعائیں اور ذکر آپ کو یاد نہیں وہ یاد کریں، کیوں کہ دعا مومن کی ڈھال اور شیطانی

وسوسوں اور اس کے حملوں سے بچنے اور نفسیاتی خواہشات کے خلاف مؤثر ترین ہتھیار ہے۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ وقت ذکر و دعا اور خصوصاً مسنون دعاؤں کا اہتمام کرے، اس لیے کہ مومن انفرادی و اجتماعی دعاؤں کے ذریعے بہت سے مصائب و آلام اور آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہتا ہے۔

(6) اسی طرح نماز جو کہ کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے اسے اول وقت میں ادا کرنے کی کوشش کریں اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کریں۔ ہر رکعت میں مختلف سورتیں پڑھنے کی کوشش کریں۔ (7) اسی طرح اشراق و چاشت کے نوافل پڑھنے کا بہت اجر و ثواب ہے، ان سے جسم کے ۳۶۰ جوڑوں کا صدقہ ہو جاتا ہے۔

(8) اسی طرح تہجد میں طویل قراءت کرنا بھی اجر و ثواب کا کام ہے، جو قیامت کے دن روشنی کا باعث ہوگی۔

(9) اور فارغ وقت میں اچھی اور دینی کتب کا مطالعہ کریں۔

(10) صدقہ: ایسے ہی ان دنوں میں کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کا اہتمام کریں، کیوں کہ یہ بہت اجر و ثواب کا کام ہے۔ اسی طرح اگر گھر میں ضرورت سے زیادہ چیزیں ہیں تو ان کو صدقہ کر دیں۔ ایسے ہی آپ اگر اپنی کوئی پسندیدہ ترین چیز اللہ کی راہ میں دے دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پسند کا نعم البدل عطا فرمائے گا، ان شاء اللہ۔ ایسے ہی والدین اور بیوی بچوں کے علاوہ عزیز و اقارب پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے۔

(11) قرآن: قرآن کریم کے متعلق یہ ہے کہ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کریں۔ قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر پڑھنا یا سننا اور ان کے معنی پر غور و فکر کرنا بھی اجر و ثواب ہے اور مختلف قرا کی تلاوت سننا بھی اجر ہے، اور ان دنوں میں آپ نئی سورتیں حفظ کریں۔ اگر کوئی حافظ ہے تو وہ حفظ کی دہرائی کرے۔ اسی طرح دوسروں تک قرآن کا پیغام پہنچانا بھی نیکی ہے۔

(12) روزہ: روزے کے متعلق پہلے تفصیل سے بات ہوگئی ہے، لہذا ۹ ذوالحجہ کے علاوہ ان دنوں میں زیادہ سے زیادہ نفلی روزے رکھیں۔ ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ اور ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کا روزہ

رکھنا سنتِ رسول ﷺ ہے۔ اور اگر کسی کے قضا شدہ روزے ہیں تو وہ ان دنوں میں رکھ لیں۔
رمضان کی طرح یہ دن بھی بہت اجر و ثواب والے ہیں۔

(13) عید و قربانی: قربانی ایک مختصر لفظ ہے، لیکن انسانی زندگی میں اس کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ اس کی ضرورت انسان کو اپنی زندگی کے مختلف مقامات پر اور مختلف انداز میں پڑتی ہے اور ساتھ ہی ہر قربانی کے پیچھے انسان کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور مقصد جتنا عظیم ہوتا ہے قربانی بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔ مثلاً: انسانی زندگی کا مقصد اطاعتِ الہی ہے جو تقربِ الہی اور کیفیتِ تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ سورۃ المائدہ (آیت: ۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾

”اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں (یا قربانیاں) قبول کرتا ہے۔“

تقربِ الہی کے لیے قربانی ضروری ہے۔ سورۃ الحج (آیت: ۳۷) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿ كُنْ يَنَالُ اللَّهُ لِحُومَهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ﴾

”اللہ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون، بلکہ اسے تو تمہارے دل کا تقویٰ و پرہیزگاری پہنچتی ہے۔“

اس آیتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اللہ قربانی کے جانوروں کا خون اور ان کا گوشت نہیں، بلکہ اپنے بندوں کا تقویٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے رب پر کس قدر یقین رکھتے ہیں؟ اس کے احکام کی کس قدر پابندی کرتے ہیں۔ اللہ کو تقویٰ کی صفت بے حد محبوب ہے۔

عید الاضحیٰ کا مقصد بھی جذبہٴ قربانی کو پیدا کرنا ہے اور یوں اپنی عزیز سے عزیز تر چیز کو حکم ربانی کے مطابق رضائے الہی کے حصول میں قربان کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ قربانی دراصل انسان کی عملی زندگی کا ایک امتحان ہے جس سے اس کے اندر نکھار اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جو شخص جس قدر اللہ کے احکام کو ترجیح دے گا، وہ اتنا ہی اللہ کا محبوب بندہ ہوگا۔ قربانی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ایک ذریعہ ہے جو کہ قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ اسے سنتِ ابراہیم علیہ السلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ

قربانی کیا چیز ہے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔“^۱
ہم قربانی کا صحیح مفہوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال و قابل رشک زندگی سے سمجھ سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک شخص کو جس سے جتنی محبت اور لگاؤ ہوتا ہے وہ اسی طرح اپنے محبوب کا امتحان بھی لیتا ہے۔ اس کرۂ ارضی پر رونما ہونے والے بعض تاریخی واقعات پر ہم نگاہ ڈالیں تو ہمیں بے شمار عاشقوں کی رنگینیاں، دلفریبیاں، اور عقیدت و محبت کی ان گنت کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ مگر فدائیت و للہیت، استقامت و ثابت قدمی، ابتلا و آزمائش سے لبریز، دل سوز، سبق آموز اور ناقابل فراموش داستان جو خلیل اللہ کی ہے اور جو ایثار و قربانی، اطاعتِ ربانی اور مشیتِ الہی کی تعمیل کے جذبے کی کار فرمائی اس خلیل و محبوبِ الہی میں ملتی ہے دیگر عشاقِ کائنات اس سے بالکل خالی و عاری ہیں۔

جب اس خلیل اللہ پر اللہ کی طرف سے آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر جگہ آپ اپنی قربانی پیش کرتے چلے گئے۔ سب سے پہلے آپ کو شعلہ انگلی ہوئی آگ میں ڈالا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ عراق کے شہر بابل میں پیش آیا، بالآخر وہاں سے ہجرت کی اور ملکِ شام چلے گئے، وہاں جا کر اولاد کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر میں آپ کو ایک نیک اور بردبار اولاد عطا کی، پھر اس کے معاملے میں بھی آزمائش میں ڈالا گیا۔ پہلی اولاد اور اسے بھی غیر ذی زرع وادی میں چھوڑنے کا حکم دیا گیا، اللہ کا خلیل اس آزمائش میں بھی کامیاب ہو گیا۔ پھر ایک اور آزمائش کا دور شروع ہو گیا، یعنی جب یہ بچہ دوڑنے کھیلنے کی عمر کو پہنچا تو اس کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم ہوا۔ قرآن کریم نے کچھ اس انداز سے اس کا نقشہ کھینچا ہے: سورة الصافات (آیت: ۱۰۲) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئِي رَجُلٌ أَدَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَأْتِي ۚ

قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تَأْمُرُ ۗ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝﴾

”پھر جب یہ بچہ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اس (ابراہیم) نے اس سے کہا میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیرا کیا خیال ہے۔“ اس نے جواب دیا ”ابو جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے اسے بجالائیے۔“

{۱} ضعیف ابن ماجہ، رقم الحدیث (۶۱۴) و سنن البیہقی وغیرہ۔ ضعیف الترغیب، رقم الحدیث (۶۷۲)

السلسلة الضعیفة، رقم الحدیث (۵۲۷)

ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب یہ بچہ دوڑ دھوپ کے لائق ہو گیا، یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ ۱۳ سال کا تھا۔ بہر حال پیغمبر کا خواب وحی اور حکم الہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے کے ساتھ مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا امتثال امر الہی کے لیے کسی حد تک تیار ہے؟ آپ نے اپنے جذبات و خواہشات کو بالائے طاق رکھا اور اس عظیم قربانی کی انجام دہی کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ سورۃ الصافات (آیت: ۱۰۳) میں ہے:

﴿قَابَتَا أَسْلَمَا وَ تَلَّهُ لِلْجَبِينِ﴾

”غرض جب دونوں مطیع ہو گئے وراں نے اس بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا۔“

یعنی اس طرح کروٹ پر لٹا لیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ لٹایا جاتا ہے۔ ”پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا“ ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انھیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے، جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔ بچے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا اور گردن پر چھری پھیرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندے کی اس اطاعت کا یہ جذبہ بے حد پسند آیا اور فرمایا:

﴿وَكَادَيْتُهُ أَنْ يَأْتِيَهُمْ ۝۱۰۳ قَدْ صَدَّقَتِ الرُّءْيَا ۝۱۰۴ إِنَّا كُنَّا لَكَ نَجْرَى الْمُحْسِنِينَ ۝۱۰۵﴾

هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿[الصافات: ۱۰۴-۱۰۶]

”تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، بیشک ہم نیکی

کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔“

یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، کیوں کہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے، حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی نہیں۔ یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخرو رہا۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد تو اس جذبہ اطاعت کو دیکھنا تھا، بچے کی قربانی مقصود نہ تھی۔

پھر آگے فرمان الہی ہے:

﴿وَقَدَّيْنَهُ بِذُنُوحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٤﴾ وَتَوَكَّنَا عَلَيْهِ ﴿١٠٥﴾ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٦﴾ سَلَّمَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾﴾

كذالك تجزي المحسنين ﴿[الصفات: ١٠٧-١١٠]﴾

”اور ہم نے ایک بڑی قربانی اس کے فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا، اور ہم نے ان کا ذکر ہمیشہ کے لیے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے باقی رکھا، سلام ہے ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“

اس آیت میں جس ذبیحہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک مینڈھا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے بھیجا۔^① اسے بڑا ذبیحہ قدر و منزلت کے اعتبار سے اور درجہ قبولیت پر فائز ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو اللہ کی طرف سے آج بھی مختلف مواقع پر قربانی کا مطالبہ ہوتا ہے، مگر انسان اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ ایسی ہی قربانیوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا خطاب ملا تھا۔ جب تک قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہے گی تب تک لوگ ان پر سلام بھیجتے رہیں گے اور جب بھی عید الاضحیٰ کا تاریخی دن آئے گا لوگ ان کی تاریخ کو دہرائیں گے، اس لیے جو لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی زندگی کا مقصد جانتے ہیں، وہ اطاعت الہی کے لیے تقرب الہی کی راہ اپنائیں اور اس راہ میں قربانی دینے کے لیے تیار رہیں، کیوں کہ آج بھی آگ ہے، اولاد ہے اور ظالم و جاہل بادشاہ، وقت کے نمرود بھی موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ثابت قدم رکھے۔

ہم قربانی کے متعلق بات کر رہے تھے کہ قربانی بہت ہی بہترین عمل ہے، قربانی کرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ یکم ذوالحج سے لے کر قربانی ذبح ہونے تک ناخن اور بال نہ کٹوائے۔ عید کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی کرے، پھر بال اور ناخن وغیرہ کاٹے۔ اسی طرح عید کے دن کی کچھ دیگر سنتوں پر عمل کرنا بھی باعث اجر ہے، جیسا کہ

① عید کی نماز کا اہتمام کرنا، مثلاً: غسل کرنا، نئے کپڑے پہننا، نئے نہیں تو پاک صاف پرانے بھی ٹھیک ہیں۔

① تفسیر ابن کثیر

② فتح القدیر للشوکانی

- 2] اور مردوں کے لیے خوشبو کا اہتمام کرنا، پھر نماز کے لیے عید گاہ جانا۔
- 3] مردوں اور عورتوں کا جاتے ہوئے اور واپسی پر تکبیرات پڑھنا اور راستہ بدل کر واپس گھر آنا۔
- 4] اور اخلاص نیت سے قربانی کرنا۔
- 5] قربانی کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اپنے گھروں (علاقوں) میں اسے ذبح کر کے اس میں سے خود بھی کھائے اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اس میں سے ہدیہ پیش کرے، اور ساتھ ہی اپنے گرد و نواح کے فقرا پر صدقہ بھی کرے۔

مگر آج کل لوگ اتنے نرم و نازک ہو گئے، یا پھر اس عبادت میں اتنے بے پروا ہیں کہ لوگوں کے پاس وقت نہیں، اتنی پیاری سنتِ مؤکدہ کے لیے لوگوں نے ایک نئی چیز ایجاد کی ہے کہ قربانیوں کے پیسے ایسے خیراتی اداروں، یعنی (دینی و جہادی تنظیموں) کو دے دیتے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے ان کے شہر سے باہر یا دوسرے ملک میں قربانی کر دیں، جب کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور عبادت کو تبدیل کرنا ہے۔ واجب یہ ہے کہ قربانی کو قربانی کرنے والے کے گھریا علاقے میں ذبح کیا جائے، جیسا کہ عہدِ نبوی ﷺ میں مسلمانوں کا عمل تھا، اور یونہی چلتا رہا، اب یہ نیا طریقہ ایجاد ہو گیا ہے، ڈر ہے کہ کہیں یہ بدعت میں شمار نہ ہو، کیوں کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”جس کسی نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات یا نیا (طریقہ) ایجاد کیا جو اس میں نہ تھا تو وہ مردود ہے۔“^①

نیز فرمایا:

”دین میں نئی نئی باتوں سے بچو، کیوں کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“^②

البتہ جو دوسرے علاقوں میں محتاجوں پر صدقہ کرنا چاہتا ہے تو صدقے کے لیے سارا سال دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مگر عبادت کو اس کی حقیقی شرعی صورت سے صدقے کے نام پر بدلنا ناجائز ہے۔

سورۃ الحشر (آیت: ۷) میں فرمانِ الہی ہے:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۵۵۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۱۸)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۶۷) سنن النسائي، رقم الحدیث (۱۵۷۸) ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۵)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَ رَبِّكَ وَمَا تَجِدُ إِلَّا إِحْسَانَ عِندَ أَكْثَرِ النَّاسِ﴾

﴿الْعَقَابِ﴾

”اور جو رسول اللہ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ شدید سزا دینے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاک کلام اور طریقہ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قربانی کا گوشت کھانا سنت ہے، خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں، پھر اللہ کی رضا کی خاطر عزیز و اقارب سے ملاقات کرنا بھی اجر و ثواب کا کام ہے۔

خدمتِ خلق: اسی طرح خدمتِ خلق بھی نیکی ہے، جیسا کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، پڑوسیوں کی خبر گیری کرنا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا، دین کی تعلیم و تبلیغ میں حصہ لینا اور اجتماعی بھلائی کے کاموں میں رضا کارانہ خدمت انجام دینا۔

کسی کی اصلاح کرنا: ایسے ہی اگر آپ کسی سے اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں تو اس پر احسان کریں اور سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ اس کی اصلاح کریں اور اسے جہنم سے بچا کر جنت کا راستہ دکھا دیں اور پھر اس راستے پر چلنے کے لیے اس کی مدد کریں جو بہت بڑی نیکی ہے۔

ہر انسان کسی نہ کسی سے پیار و محبت کرتا ہے، کوئی انسانوں سے تو کوئی مال و دولت سے، لیکن ہر کوئی ایک دن اس کا ساتھ چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو کیوں نہ ہم اپنے رب کے ساتھ محبت کریں جو ہمیں دنیا تو کیا قبر میں بھی اکیلا نہ چھوڑے گا، کیا خیال ہے؟ یعنی ہماری اپنے رب کے سامنے عبادت کی غرض سے خود کو جھکا دینے کی ایسی کیفیت ہو جس میں کمال درجے کی محبت شامل ہو اور یہ مطلق فرمان برداری کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اگر ہم شریعت کی نصوص کا جائزہ لیتے ہیں تب بھی اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عبادت اللہ کے سامنے محبت اور تعظیم کے ساتھ خود کو جھکا دینے کا نام ہے۔

غرض پوری زندگی اللہ کی فرمانبرداری کرنا، خود کو اس کے احکامات کا تابع کر دینا۔ جن کاموں کا اپنے رسولوں ﷺ کے ذریعے اس نے ہمیں حکم دیا ہے، انہیں سرانجام دینا اور جن سے روکا ہے ان سے رک جانے کا نام بھی عبادت ہے۔ عبادت ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں ہر قول اور عمل شامل ہے، خواہ وہ ظاہری ہو یا پوشیدہ۔ غرض دل، زبان اور اعضا و جوارح سے انجام پانے والے سارے وہ

کام اور باتیں اس میں شامل ہیں جن سے اللہ کی رضا مقصود ہو، وہ چاہے اللہ کے حکم کو بجالانے کا ارادہ و نیت ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں ان دس دنوں کی فضیلت اور برکت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، حاجیوں کی طرح ہمارے بھی تمام گناہوں کو اللہ رب العزت مٹا دے اور ہمیں ان دنوں کے علاوہ بھی نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو جائے۔ آمین!

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ سوائے حرم
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ

تقویٰ کی اہمیت

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورة الاحزاب (آیت: ۷۰-۷۱) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔“

یعنی ایسی بات جس میں کجی، انحراف و دھوکا اور فریب نہ ہو، بلکہ سچ اور حق ہو۔

﴿سَدِيدًا﴾ یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے، اسی طرح

تمہاری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات تمہارے اخلاق و کردار پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر

انحراف نہ ہو۔

﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا

عَظِيمًا﴾

” (تاکہ) اللہ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرمادے، اور جو بھی اللہ

اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا۔ اس نے بڑی مراد پالی۔“

یہی تقویٰ اور قولِ سدید کا نتیجہ ہے کہ تمہارے عملوں کی اصلاح ہوگی اور مزید مرضیات سے

نوازے جاؤ گے۔

میری بہنو! تقویٰ سراپائے خیر اور مجسمہ برکت ہے۔ اللہ کریم نے اس کی وصیت پہلے اور پچھلے

سب لوگوں کو فرمائی ہے۔ دنیا میں انسان کو حاصل ہونے والی چیزوں میں سے بہترین چیز تقویٰ ہے۔

لیکن لوگوں کی اکثریت تقویٰ کے متعلق کوتاہی کا شکار ہے، اس کوتاہی کے متعدد اسباب ہیں، مگر ہم

ان سب سے پہلے، تقوے کی حقیقت کے متعلق جاننے کی کوشش کریں گے۔ پھر اس کی اہمیت اور ثمرات و برکات کے اسباب حاصل کرنے کے متعلق بات کریں گے۔ آئیے سب سے پہلے تقوے کے شرعی معنی پر بات کریں۔

تقوے کے شرعی معنی:

علمائے امت نے نہ صرف تقوے کے لغوی معنی کو واضح کیا ہے بلکہ تقوے کے شرعی معنی کی بھی خوب وضاحت کی ہے۔ ان کے اقوال میں سے صرف ایک عبارت آپ کے گوش گزار کروں گی:

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا: ”کیا آپ کبھی خاردار راستے میں چلے ہیں؟“ جواب میں انھوں نے کہا: ”ہاں“ انھوں نے دریافت کیا: ”تو آپ نے کیا کیا؟“ انھوں نے جواب دیا: ”میں آستیں چڑھا لیتا ہوں اور محتاط ہو جاتا ہوں۔“ انھوں نے فرمایا: ”سو یہی تقویٰ ہے۔“^①

1- اللہ تعالیٰ کا تمام انسانیت کو تقوے کا حکم:

امام طبری کی رائے میں ﴿الْمُتَّقِينَ﴾ (تقویٰ والے لوگ) کی بہترین تفسیر یہ ہے کہ بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو منہیات کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اس کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اس کے احکامات کو بجا لا کر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔^②

پس جو شخص معصیتِ الہی سے گریز نہیں کرتا، گناہ نہیں چھوڑتا اور اپنا دامن ان سے نہیں بچاتا، وہ متقی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور سزا کا مستحق بنایا تو یقیناً اس نے خود کو متقی لوگوں کی جماعت سے دور کر دیا، کیوں کہ منہیات کا ارتکاب کرنے والے، اللہ کے اوامرا کرنے سے پیچھے رہنے والے کا تقویٰ سے کیسے تعلق ہو سکتا ہے؟

جو شخص وہاں پایا گیا جہاں ہونے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور وہاں نہ ہوا جہاں اس کو موجود رہنے کا حکم دیا گیا ہے تو ایسے شخص کو متقین سے اپنی نسبت کرنا کیسے زیب دے سکتا ہے؟

① تفسیر القرطبی.

② ملاحظہ ہو: تفسیر الطبری (۱/ ۳۳۳-۳۳۴) طبع دار المعارف بمصر

علامہ شوکانی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم نے ان پر جو کتاب نازل کی، اس میں تمام انسانیت کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۱۳۱) میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ﴾

”اور یقیناً ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی وصیت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

علامہ شوکانی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں: ہم نے ان پر جو کتاب نازل کی، اس میں انہیں حکم دیا: ﴿أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ یعنی ہم نے انہیں اور تمہیں تقوے کا حکم دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر وہ کتاب جو ہم نے نازل فرمائی اس میں یہ حکم تھا۔ یعنی تقوے کا حکم شروع سے ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے تقوے کی وصیت فرماتے رہے ہیں۔ لہذا تقوے کا حکم صرف امت محمدی کے لیے ہی نہیں، بلکہ پہلی امتوں کے لوگوں کے لیے بھی تقوے کی وصیت تھی اور اب بھی سب لوگوں کے لیے ہے، کیوں کہ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے روبرو سرخرو ہوں گے۔^①

2- تمام رسولوں ﷺ کو حکم تقویٰ:

اللہ جل جلالہ نے اپنے تمام پیغمبروں ﷺ کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ المؤمنون (آیت: ۵۱ اور ۵۲) میں اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾

”رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے، اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔“

ان دو آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کو تین باتوں کا حکم دیا ہے:

① تفسیر القاسمی (۵/۵۱۲)

1- پاکیزہ چیزیں کھانے کا۔ 2- نیک عمل کرنے کا۔ 3- تقویٰ اختیار کرنے کا۔

علامہ ابن حیان نے ان آیات کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے: رسولوں کو ندا دینے اور مخاطب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہر رسول کو اس کے زمانے میں ندا دی گئی اور مخاطب کیا گیا، کیوں کہ وہ سب تو ایک زمانے میں یکجا موجود نہ تھے اور ان کے لیے جمع کا صیغہ اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ سب کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ جس حکم کے ساتھ تمام رسولوں کو ندا دی گئی اور انھیں اس کی وصیت کی گئی، وہ اس قابل ہے کہ وہ اسے (مضبوطی سے) تھام لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔^①

3- نبی ﷺ کو تقوے کا حکم:

تقوے کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا: اللہ جل جلالہ سورة الاحزاب (آیت: ۱) میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

”اے میرے نبی! آپ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیجیے اور کافروں اور منافقوں کی پیروی

نہ کیجیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔“

اس آیت میں اعلیٰ (حضرت محمد ﷺ) کا ذکر کر کے ادنیٰ (امت) کو تنبیہ کی گئی ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اس بات کا حکم دے رہے ہیں تو ان سے کم درجہ والوں پر تو اس حکم کی تعمیل بطریق اولیٰ ہوگی۔ تقوے کی شان و عظمت کو نمایاں کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ﷺ اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو اپنی امتوں کو تقوے کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔

4- انبیاء ﷺ کا دعوتِ تقویٰ دینے کا اہتمام:

سابقہ انبیاء ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی اپنی قوموں کو توفیقِ الہی سے تقوے کی دعوت دینے کا اہتمام کیا۔ انبیاء ﷺ میں سے:

① نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تقوے کی دعوت دی۔ سورة الشعراء (آیت: ۱۰۵-۱۱۰)

① ملاحظہ ہو: تفسیر بحر المحيط (۶/۳۷۷)

- 2 دعوتِ ہود علیہ السلام سورۃ الشعراء (آیت: ۱۲۳، ۱۳۲)
- 3 دعوتِ صالح علیہ السلام سورۃ الشعراء (آیت: ۱۵۰، ۱۴۱)
- 4 دعوتِ ابراہیم علیہ السلام سورۃ العنکبوت (آیت: ۱۷)
- 5 دعوتِ لوط علیہ السلام سورۃ الشعراء (آیت: ۱۷۰-۱۷۴)
- 6 دعوتِ شعیب علیہ السلام سورۃ الشعراء (آیت: ۱۷۶ تا ۱۸۰)
- 7 دعوتِ الیاس علیہ السلام سورۃ الصافات (آیت: ۱۲۳-۱۲۴)
- 8 دعوتِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سورۃ الزخرف (آیت: ۶۳ تا ۶۴)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کو تقوے کی دعوت دی۔ بلا شک و شبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا دعوتِ تقویٰ کے لیے یہ اہتمام اس کی اہمیت کے پیش نظر تھا۔ سورۃ الزمر (آیت: ۱۰) میں اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو دعوتِ توحید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ يُعْبَادُ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ﴾

”آپ پیغام پہنچا دیجیے! اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔“

5- ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو تقوے کا حکم:

اللہ کریم نے تقوے کا حکم نبی کریم ﷺ کی پاک بیویوں کو بھی دیا۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب (آیت: ۵۵) میں اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾

”اور (عورتو!) اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اسی سے ڈرتی رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

شاہد ہے۔“

یہ آیت چونکہ پردے کے حوالے سے ہے اس لیے اس مقام پر عورتوں کو تقوے کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے وہ یقیناً تمہیں حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں

ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔ لہذا مومن مسلمان عورتوں کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تقوے کو تمام احوال میں اختیار کریں۔^①

6- نبی کریم ﷺ کا تقوے کی دعوت کے لیے اہتمام:

نبی کریم ﷺ اپنے رب ذوالجلال کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کثرت سے تقوے کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اپنے خطبات کے آغاز میں (خطبہ الحجاب) پڑھا کرتے تھے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی خطبے میں چار آیات کریمات بھی ہیں، سورت آل عمران (آیت: ۱۰۲) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تم نہ مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔“ (یعنی مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا)

نیز سورۃ النساء کے آغاز میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء: ۱]

”اے لوگو! تم اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرما کر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا اور اس اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہیں۔“

سورۃ الاحزاب (آیت: ۷۰-۷۱) میں بھی ارشاد باری تعالیٰ نے تقوے کا ذکر فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔“

یعنی ایسی بات جس میں کجی، انحراف و دھوکا اور فریب نہ ہو، بلکہ سچ اور حق ہو۔
﴿سَيِّئًا﴾ یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے، اسی طرح تمھاری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات تمھارے اخلاق و کردار پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔

﴿يُصِيحُّ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

” (تاکہ) اللہ تمھارے کام سنوار دے اور تمھارے گناہ معاف فرما دے، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔“

ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار دفعہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا ان آیات کا اپنے خطبات میں تلاوت فرمانے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اپنے خطبات میں ان کے پڑھنے کی تعلیم دینے میں بلاشبہ دعوت تقویٰ کے متعلق آپ کا اہتمام واضح ہے۔

7- صحابہ رضی اللہ عنہم کو کثرت سے تقوے کی وصیت:

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کثرت سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت فرمایا کرتے تھے:
(1) امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان فرمایا:

”رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں مؤثر و عظیم فرمایا جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل ڈر گئے۔ ایک شخص نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ الوداع کرنے والے کی نصیحت ہے۔ آپ ﷺ ہمیں کس بات کی ذمہ داری سونپتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمھیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور سمع و طاعت کی۔ اگرچہ (آپ کا امیر) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔“⁽¹⁾

(1) صحیح سنن ابی داؤد (۳/۸۷۱)، رقم الحدیث: (۳۸۵۱-۴۶۰۷)

2 حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تم اپنے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنی پانچ نمازیں پڑھو، رمضان مبارک کے مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکات ادا کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔“¹

3 حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا:

”تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، برائی کے پیچھے نیکی لگا کر اس کو مٹا دو، اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔“²

4 حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کی ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے ابو ذر! جو میں تجھے کہوں، اس کی طرف دھیان کرنا؛ میں تمہیں خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔“³

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے فرمایا:

”تم اس وقت کیسے ہو گے جب کہ تم گھٹیا لوگوں میں رہ جاؤ گے؟ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! وہ کیسے ہو گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب ان کے وعدوں کی پاسداری اور امانتوں کی حفاظت نہ ہو گی، انھوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اس وقت میں کیا کروں؟“ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرنا، معروف کو تھام لینا اور منکر کو چھوڑ دینا۔“⁴

ایک حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ کسی بھی بھلائی کو حقیر مت سمجھو۔ اگر چہ (صرف پانی طلب

1 صحیح سنن الترمذی (۱/۹۰)، رقم الحدیث (۵۰۲-۶۱۹) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

2 سنن أبي داود، جامع ترمذی (۶/۱۰۴)، رقم الحدیث (۲۵۳) مستدرک حاکم، صحیح الجامع (۹۶)

3 المسند (۳۵/۴۵۳)، رقم الحدیث: (۲۱۵۷۳) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

صحیح الترغیب و الترہیب (۱/۲۲۶)

4 مسند أحمد (۱۱/۵۴)، رقم الحدیث (۶۵۰۸)

کرنے والے کے لیے اپنے ڈول سے اس کے برتن میں پانی ڈال دو یا اپنی بہن یا بھائی سے فرحت و ابتنسام کے ساتھ گفتگو کرو۔^(۱)

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«إِنِّي اللَّهُ وَاصِبِي»^(۲) ”اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو۔“

نبی کریم ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے افراد، جماعتوں، مردوں اور عورتوں کو ہر حالت اور ہر جگہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

8- اہل ایمان کو تقوے کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مرتبہ ایمان والوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۱۰۲) میں فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے، دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی ایک جگہوں میں تمام لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پچھلے لوگوں، رسولوں ﷺ، خاتم الرسل ﷺ، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، اہل ایمان اور تمام انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بات بلاشبہ تقوے کی شان و عزت اور اہمیت کو خوب نمایاں کرتی ہے۔

(۱) الأدب، باب الاحتباء (۵۴/ ۳۹۱، رقم الحدیث (۸۷، ۱۱) مختصر صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۱)

ترمذی، مسند أحمد، صحیح الجامع، رقم الحدیث (۷۲۴۵)

(۲) صحیح البخاری (۳/ ۱۲۵، رقم الحدیث (۱۲۵۲)

9- نبی ﷺ کا اللہ سے تقوے کا سوال کرنا:

عظیم لوگوں کی دعائیں بھی عظیم ہوتی ہیں، مخلوق میں سے سب سے زیادہ شان و عظمت والے ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔ ہمارے لیے تقوے کی قدر و منزلت کو جاننے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ باوجود متقیوں کے امام ہونے کے اپنے رب کریم سے تقوے کا سوال کیا کرتے تھے۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کی ثابت شدہ دعاؤں میں موجود ہے جسے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اللہ سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَىٰ وَالتَّقَىٰ وَالْعَفَافَ وَالْمَغْفِرَةَ»⁽¹⁾

”اے اللہ! بلاشبہ میں آپ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔“

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر کے لیے نکلتے وقت جب اونٹ پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ (اللہ اکبر) کہتے، پھر کہتے:

«سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ»

[الزخرف: ۱۳-۱۴]

”پاک ہے وہ ذات، جس نے اس کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ورنہ اس کو قابو کرنے کی ہم میں طاقت نہ تھی اور ہم اپنے رب کی طرف ہی پلٹ کر جانے والے ہیں۔“

«اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوَىٰ وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَىٰ، اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هَذَا وَاطْوِعْنَا بَعْدَهُ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْظَرِ وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ»⁽²⁾

”اے اللہ! ہم آپ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوے کا سوال کرتے ہیں اور ایسے عمل کا جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس سفر کو آسان فرما دیجیے اور اس کے فاصلے کو ہمارے لیے سمیٹ دیجیے۔ اے اللہ! بلاشبہ میں آپ سے مشقتِ سفر، منظر کی بڑی تبدیلی اور مال و اہل کے برے تغیر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔“

(1) صحیح مسلم (۴/۲۰۸۸، رقم الحدیث: ۲۷۲۱)

(2) صحیح مسلم، کتاب الحج (۲/۹۷۸، رقم الحدیث ۴۲۵-۱۳۴۲)

10- نیکی کا صرف متقیوں سے قبول کیا جانا:

تقوے کی عظمت و شان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف متقی لوگوں کی ہی نیکی کو قبول فرماتے ہیں، جیسا کہ یہ بات معروف ہے کہ حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے دو بیٹوں میں سے جس کی قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اس ہی کے قول کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (آیت: ۲۷) میں واضح الفاظ سے ذکر فرمایا ہے، ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾

”اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔“

یعنی جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو وہ اسی کو قبول فرماتے ہیں، اسی کو اپنی طرف اٹھاتے ہیں، اسی کو سنتے ہیں اور اسی کی بنا پر ثواب عطا فرماتے ہیں۔^①

11- تقویٰ: بہترین زادِ راہ:

تقوے کو اللہ تعالیٰ نے بہترین زادِ راہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [البقرة: ۱۹۷]

”اور زادِ راہ لو، بلاشبہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل مندو! میرا تقویٰ اختیار کرو۔“

قبر میں انسان کا ساتھ تقویٰ اور نیک عمل کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں دیتی۔

شیخ سعدی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے ﴿وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے: ”اے پختہ

عقل والو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، جو کہ ان تمام چیزوں میں سے جن کا عقل حکم کرتی ہے، عظیم ترین چیز ہے، اور اس کا ترک کرنا جہالت اور خرابی عقل کی دلیل ہے۔^②

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ ہم سب کو تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

① تفسیر أبي السعود (۶/ ۱۰۷- ۱۰۸) و فتح القدير (۳/ ۶۵۱) و تفسیر السعدي.

② تفسیر السعدي (۸۱/ ۱)

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ تقویٰ ... اہمیت، برکات، اسباب تالیف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

تقویٰ کی قدر و منزلت

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

12- بہترین لباس تقویٰ:

تقوے کی قدر و منزلت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین لباس قرار دیا ہے، جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت: ۲۶) میں ارشادِ رب العالمین ہے:

﴿يَبْنَىْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيْشًا ۗ وَ لِبَاسٍ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۗ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَكَّرُوْنَ﴾

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور باعثِ زینت (بھی) ہے، اور تقوے کا لباس اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں بیان کردہ حقیقت کو واضح کرنے کے لیے صرف دو مفسرین کے اقوال پیش خدمت ہیں:

① علامہ قرطبی نے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿لِبَاسٍ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بلاشبہ تقویٰ بہترین لباس ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے: جب آدمی تقوے کا لباس نہ پہنے، تو وہ برہنہ ہو جاتا ہے، اگرچہ اس نے کپڑے زیب تن بھی کیے ہوں۔“^①

بندے کا بہترین لباس اپنے رب کی تابع داری ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کچھ خیر نہیں۔

① منقول از تفسیر القرطبی (۲/ ۴۱۲)

2] قول شیخ سعدی: تقوے کا لباس بندے کے ساتھ جاری رہتا ہے، نہ تو وہ بوسیدہ ہوتا ہے اور نہ ہی ختم ہوتا ہے، اور وہ قلب و روح کا جمال ہے۔ جہاں تک لباس ظاہری کا تعلق ہے، وہ ستر ظاہری کی کچھ وقت کے لیے پردہ پوشی کرتا ہے، انسان کے لیے (ظاہری) خوبصورتی اور حسن و رعنائی کا باعث بنتا ہے، اس کے علاوہ اس میں کچھ منفعت نہیں۔ اور اگر یہ لباس نہ ہو، تو ظاہری ستر کی بے پردگی ہوتی ہے، جو کہ بحالتِ مجبوری بندے کے لیے ضروری ہے، لیکن لباسِ تقویٰ کے نہ ہونے کی حالت میں سترِ باطنی ختم ہو جاتا ہے اور بندے کے نصیب میں ذلت و رسوائی آتی ہے۔^{1]}

13- متقین کو کھانا کھلانے کا حکم:

تقوے کے مقام و مرتبہ میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنا کھانا صرف متقین کو کھلائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُصَاحِبُ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ»^{2]}

”تم صحبت اختیار نہ کرو مگر مومن کی، اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر متقی۔“

ملا علی قاری شرح حدیث میں تحریر کرتے ہیں: ”وَلَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ“ یعنی مومن یا پرہیزگار، جو کھانے سے حاصل شدہ قوت کو الملک العلام کی عبادت میں صرف کرے، اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ تو اپنا کھانا متقی کے علاوہ کسی اور کو نہ کھلانا۔^{3]}

علامہ خطابی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے غیر متقی کی صحبت، اس سے میل جول اور اس کو کھلانے پلانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس سے دلوں میں باہمی الفت و مودت پیدا ہوتی ہے، تو گویا آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص متقی اور پرہیزگار نہیں، تم اس کے ساتھ دلی الفت و محبت نہ رکھو اور نہ ہی اس کو ساتھی بناؤ۔^{4]}

1] تفسیر السعدی (ص: ۲۹۰)

2] مسند أحمد (۱۷/ ۴۳۷)، رقم الحدیث: (۱۱۳۵۵) سنن أبي داود (۱۳/ ۱۳۳)، رقم الحدیث: (۴۸۳۲) سنن الترمذی،

رقم الحدیث (۲۳۹۵) صحیح الترغیب، رقم الحدیث (۳۰۳۶)

3] ملاحظہ ہو: مرآة المفاتیح (۸/ ۷۵۰)

4] ملاحظہ ہو: معالم السنن (۴/ ۱۱۵)

امام ابن حبان نے اس حدیث پر درج ذیل عنوان قائم کیا ہے:

”ذِكْرُ الْإِسْتِحْبَابِ لِلْمَرْءِ أَنْ يُؤْتِرَ بِطَعَامِهِ وَصُحْبَتِهِ الْأَتْقِيَا وَأَهْلَ الْفَضْلِ“

اس حدیث میں:

”اس بات کے پسندیدہ ہونے کا ذکر ہے، کہ آدمی متقیوں اور اہل فضل کو اپنے کھانے

اور صحبت (یعنی پیار و محبت و دوستی) میں ترجیح دے۔“⁽¹⁾

اس حدیث میں غیر متقی لوگوں کو بطور دعوت کھانا کھلانے سے منع کیا گیا ہے، لہذا انھیں

ضرورت و حاجت کی بنا پر کھانا کھلانے سے منع مقصود نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدھر

(آیت: ۸) میں نیک لوگوں کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴾

”اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

یہ بات تو واضح ہے کہ ان کے قیدی کافر تھے، نہ تو وہ مومن تھے اور نہ متقی۔⁽²⁾

14- عزیمت والے کام:

تقوے کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرنے والی ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزیمت

والے کاموں میں سے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۱۸۶) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾

”اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔“

تقویٰ ایسی شان و عظمت والا کام ہے کہ اس کا عزم کرنا ہر ایک پر واجب ہے۔ اور اس کے

کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔ میری بہنو! تقویٰ اختیار کرنے والا

اصحابِ عزیمت کا اجر و ثواب پائے گا۔ لہذا لوگوں کے لیے صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا لازمی امر ہے۔

حضرت عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

(1) الإحسان في ترتيب صحيح ابن حبان (۲/۳۲۰)

(2) ملاحظہ ہو: معالم السنن (۴/۱۱۵)

”رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں انتہائی مؤثر وعظ فرمایا کہ اس کی بنا پر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل ڈر گئے، ایک شخص نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! (ایسے معلوم ہوتا ہے کہ) جیسے یہ الوداع کرنے والے کی نصیحت ہے۔ آپ ہمیں کس بات کی ذمہ داری سوچتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سماع و طاعت کی۔ اگرچہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو...“^①

امام ترمذی نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا:

«إِتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ! وَاتَّبِعِ الْحَسَنَةَ السَّيِّئَةَ تَمُحُّهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»^②

”تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، برائی کے پیچھے نیکی لگا کر اس کو مٹا دو اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔“

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا:

”اے ابو ذر! جو میں تجھے کہوں اس کی طرف دھیان کرنا!“ میں تمہیں خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں... الحدیث۔“^③

میری بہنو! آج ہم اپنی خلوتوں کو بے خوف ہو کر استعمال کرتے ہیں اور اسے اپنا پرائیویٹ معاملہ سمجھ کر حد و شریعت سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں، مگر جان لیں کہ نیک وہ نہیں کہ جس کی جلوت پاک ہو، بلکہ نیک وہ ہے کہ جس کی خلوت بھی پاک ہو، بے حیائی کا ظاہر و باطن دونوں حرام کیے گئے ہیں، جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت: ۳۳) میں ارشاد الہی ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَالْإِثْمَ﴾

① ملاحظہ ہو: سنن أبي داود (۳/۸۷۱)، رقم الحديث (۳۸۵۱-۴۶۰۷)

② جامع ترمذی (۶/۱۰۴)، رقم الحديث (۲۰۵۳)

③ مسند أحمد (۳۵/۴۵۳)، رقم الحديث (۲۱۵۷۳)

”اے میرے نبی! آپ فرمادیجیے کہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور جو گناہ ہیں۔“

آج ہمارے ایمان کی آزمائش ہے ٹھیک اسی طرح ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو سورۃ المائدہ (آیت: ۹۴) میں کہا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُبْلِغُواكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيِّبِ تَتَأَلَّفُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے ذریعے ضرور آزمائے گا وہ شکار جن تک تمہارے نیزے اور ہاتھ پہنچ سکیں گے، تاکہ اللہ معلوم کر لے کہ کون ہے جو اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے گا تو یقیناً وہ دردناک سزا کا مستحق ہوگا۔“

اس آیت میں بنی اسرائیل یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ایمان بالغیب کو مچھلیوں کے شکار سے آزما یا گیا تھا۔

میری بہنو اور بھائیو! جہاں تک میں سمجھتی ہوں کہ آج ہمارا ایمان بالغیب انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے آزما یا گیا ہے جو اس وقت کا بہت بڑا فتنہ ہے جہاں ایک کلک آپ کو بہت کچھ دکھا سکتی ہے۔ مگر ہمیں یہ جاننا ہے کہ ہم خفیہ گروپ بنا کر اپنی خلوتوں میں ان پر کیا کرتے ہیں؟ بہت ہی کم خوش قسمت لوگ ہوں گے جو ان کے ذریعے نیکی کا کام کرتے ہوں گے، جب کہ لوگوں کی اکثریت ان پر اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت کو تو برباد کیا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ اللہ کی حدوں کو پامال کرتے ہوئے اپنے لیے جہنم کے گھرے کھود رکھے ہیں، جنہیں یہ لوگوں سے تو چھپا لیتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے، کیوں کہ اس کا علم ان کے ساتھ ہے، لہذا ہمارا لکھا پڑھا اور دیکھا ہوا سب ہمارے نامہ اعمال میں محفوظ ہو رہا ہے۔

یہ ہماری آزمائش و امتحان ہے تاکہ:

﴿لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ﴾ [الحديد: ۲۵]

”اللہ تعالیٰ جاننا چاہتا ہے کہ کون کون اللہ تعالیٰ سے غائبانہ ڈرتا ہے۔“

انٹرنیٹ اور موبائل پر لکھنے والے ہاتھ اور پڑھنے والی زبان و آنکھیں، سب ایک دن بول بول کر گواہی دیں گے۔ جیسا کہ سورت یس (آیت: ۶۵) میں فرمان الہی ہے:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلَهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

”آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ پیر ہم سے بات کریں گے اور ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔“

لہذا جو لوگ اپنی خلوتوں میں بے خوف ہو کر شریعت کی حدود کو پامال کرتے ہیں، کیا یہ جلوت میں گناہوں سے پاک اور بے خوف زندگی گزار سکتے ہیں (نہیں، ہرگز نہیں) کیوں کہ گناہ کرنے والا گناہ کے دوران اتنا ڈرا ہوا ہوتا ہے کہ معمولی ہوا کا جھونکا بھی دروازہ ہلا دے تو اس کی پوری ہستی ہل کر رہ جاتی ہے، کیوں؟ رسوائی کا ڈر، امیج خراب ہونے کا ڈر، یعنی اپنی عزت و ذلت کا خوف ہے، مگر جس نے عزت عطا کی ہے اس کا ڈر ہی نہیں ہے۔

میری بہنو! اس دن کیا ہوگا جب ہمارے شوہر و بچے اور والدین بھی سامنے دیکھ رہے ہوں گے اور رشتہ دار و احباب بھی موجود ہوں گے، بلکہ پورا زمانہ دیکھ رہا ہوگا اور تھرڈ ایمپائر کی طرح کلپ روک روک کر اور ریورس کر کے دکھایا جا رہا ہوگا، ہائے رے رسوائی! آج ہمارے پاس وقت ہے، صرف توبہ کے چند لفظ اور آئندہ سے پرہیز کا عزم ہمارے پچھلے کیے ہوئے کو صاف کر سکتا ہے اور ہم اس رسوائی سے بچ سکتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے اچھا کر دے۔ خلوت کے گناہ انسان کے عزم و ارادے کو متزلزل کر کے رکھ دیتے ہیں، یوں وہ خود اعتمادی اور معاملات میں شفافیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”مجھے امت کے کچھ لوگ دکھلائے گئے جو قیامت کے دن مکہ کے پہاڑوں جیسی نیکیاں لے کر آئیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ ان ساری نیکیوں کو اکارت کر دیں گے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان کی کچھ نشانیاں تو بیان فرما دیجیے تاکہ کہیں ہم ان جیسے نہ ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے ہی دینی بھائی ہوں گے، تمہاری جنس اور نسل میں سے ہوں گے، وہ تمہاری ہی طرح رات کی نیکیوں کو حاصل کرنے والے ہوں گے، یعنی

تمھاری طرح ہی قیام اللیل کیا کریں گے، لیکن ان کا معاملہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ خلوت اور تنہائی میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں مبتلا ہو جائیں گے،^①

تقوے کی برکات:

تقوے کے ثمرات اور خیرات و برکات کے بارے میں کتاب و سنت میں بہت کچھ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: تقویٰ کے ذریعے:

- | | |
|--|-------------------------------------|
| ① اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و تکریم پانا۔ | ② اللہ تعالیٰ کی دوستی کا حصول۔ |
| ③ رسول کریم ﷺ کی دوستی کا حصول۔ | ④ محبوب الہی بننا۔ |
| ⑤ اللہ تعالیٰ کی معیت کا پانا۔ | ⑥ رحمتِ خاصہ پانے والوں میں شمولیت۔ |
| ⑦ گناہوں کی معافی۔ | ⑧ اجرِ عظیم۔ |
| ⑨ فرقان و نور۔ | ⑩ دشمنوں کے مکر سے بچاؤ۔ |
| ⑪ غم سے نجات۔ | ⑫ اولاد کی حفاظت۔ |
| ⑬ خارج از تصور جگہ سے رزق۔ | ⑭ کاموں کا سدھرنا۔ |
| ⑮ ہر معاملے میں آسانی۔ | ⑯ قابلِ تعریف انجام کار۔ |
| ⑰ حصولِ فلاح۔ | ⑱ جہنم سے نجات۔ |
| ⑲ جنت کی وراثت۔ | |

15- اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و تکریم پانا:

تقوے کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی بدولت بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہو جاتا ہے۔ جس قدر تقوے میں بلند ہوگا اسی قدر اللہ رب العزت کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ اونچا ہوگا، جیسا کہ سورۃ الحجرات (آیت: ۱۳) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ

أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَىٰ اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

① سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۳۸۶)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں جماعتیں اور قبیلے بنا دیا ہے، تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے اور باخبر ہیں۔“

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ارشادِ ربانی: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری ایک دوسرے سے بلندیِ تقوے کی بنا پر ہے، حسب و نسب کی وجہ سے نہیں۔^①

نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے وہ معانی بیان فرمائے ہیں جو کہ لوگوں کے ہاں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں، اور وہ معانی یہ ہیں کہ لوگوں کے نزدیک فقیر حسب و نسب والا نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی نہ تو کچھ توقیر ہوتی ہے، نہ ہی اس کی پروا کی جاتی ہے۔ ان کے ہاں حسب و نسب والا تو وہ ہے جس کو مال میں فراوانی میسر ہو اور وہ آنکھوں کو بھاتا ہو، لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ تکریم نہیں۔ ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾

”یقیناً تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔“

اس کے معنی کے متعلق کہا گیا ہے: ”جس چیز کے ساتھ آدمی لوگوں کے ہاں بلند قدر ہوتا ہے وہ مال ہے، اور جس چیز کے ساتھ آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں عالی مرتبت ہوتا ہے وہ تقویٰ ہے۔“ اگر مقام و مرتبہ تقوے میں ہے تو پھر مال و دولت کی اتنی فکر کیوں؟

16- اللہ تعالیٰ کی دوستی کا حصول:

تقوے کے عظیم الشان فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل کرانے کا سبب ہے۔ جیسا کہ سورۃ الجاثیہ (آیت: ۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاللَّهُ وَرَى الْمُتَّقِينَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ متقیوں کے دوست ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنا دوست بنانا معمولی بات نہیں۔ اس کے ثمرات و برکات انتہائی بیش قیمت

① تفسیر ابن کثیر (۴/ ۲۲۸)

ہیں، جیسا کہ ایک ارشادِ ربانی اس حقیقت کو خوب واضح کر رہا ہے، چنانچہ سورت یونس (آیت: ۶۲-۶۳) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْأَنْ أُولِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۗ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ متقی تھے۔ ان کے لیے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔“

قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ملنے والی جن پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا، جو ان پر ان کے رب کی طرف سے عنایات ہوں گی، وہ یہ ہیں:

﴿1﴾ ان پر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔

﴿2﴾ وہ مغموم نہ ہوں گے۔

﴿3﴾ ان کے لیے دنیوی زندگی میں خوش خبری ہے۔

﴿4﴾ آخرت میں بھی ان کے لیے خوش خبری ہے۔

﴿5﴾ عظیم کامیابی کے حصول کی شہادت ہے۔

﴿ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ”یہی بڑی کامیابی ہے۔“

﴿1﴾ کیوں کہ ایمان و تقویٰ والوں کے سوا کسی اور کے لیے کامیابی نہیں۔

﴿6﴾ ان کے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ قَالَ: مَنْ عَادَىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنَّهُ بِالْحَرْبِ﴾^{﴿2﴾}

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو

﴿1﴾ تفسیر السعدی (ص: ۳۸۵)

﴿2﴾ صحیح البخاری (۱۱/۳۴۰-۳۴۱، رقم الحدیث (۶:۵۰۲))

میں نے یقیناً اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔“

اس حدیث کی شرح میں علامہ فاکہانی لکھتے ہیں: اس میں شدید دھمکی یا وارنگ ہے، کیوں کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ لڑائی لڑائی کریں گے اس کو ہلاک کر دیں گے اور یہ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ شخص کو ناپسند کیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی، اس نے اللہ کے ساتھ عناد رکھا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عناد رکھا، اللہ اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اور جب یہ بات اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ دشمنی رکھنے کے متعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھنے والوں کے لیے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جس نے ان سے دوستی رکھی اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائیں گے۔⁽¹⁾

علامہ طوفی نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ولی اطاعت و تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و نصرت کے ذریعے اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دستور بنا رکھا ہے کہ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دوست کا دشمن اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوتا ہے۔⁽²⁾

17- محبوبِ الہی بننا:

تقویٰ کے انتہائی اہم ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور یہ حقیقت قرآن و سنت کی متعدد نصوص میں بیان کی گئی ہے۔ سورت آل عمران (آیت: ۷۶) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾

”کیوں نہیں، جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔“

جب کہ سورۃ التوبہ (آیت: ۴) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتے ہیں۔“

(1) فتح الباری (۱۱/ ۳۴۲-۳۴۳)

(2) فتح الباری (۱۱/ ۳۴۳)

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ))^①

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے محبت کرتے ہیں جو تقی، غنی اور خفی ہو۔“

”غنی“ سے مراد دل کا غنی ہونا ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اور (تحقیق)

تو نگری تو دل کی تو نگری ہے۔“

”خفی“ سے مراد ایسا شخص ہے جو عبادت میں انہماک اور اپنے کاموں میں مصروفیت کی بنا پر عام لوگوں میں مشہور نہ ہو۔^② رب العالمین کا محبوب بننا کچھ معمولی بات نہیں۔ اس کی عظیم الشان برکات میں ہی سے یہ بھی ہے:

❶ اللہ تعالیٰ کا ایسے شخص کا سمع و بصر بننا۔

❷ دعاؤں کا قبول ہونا، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی سنتا بھی ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے مقرر کردہ فرائض ادا کرنے سے زیادہ کسی اور

چیز سے بندہ میرے قریب نہیں ہوتا۔ وہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے

یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا

کان بن جاتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ وہ اس کے

ساتھ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور قدم ہو جاتا

ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو اس کو ضرور دیتا ہوں اور

اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔“^③

❶ صحیح مسلم (۴۰/۲۲۷۷، رقم الحدیث: ۱۱/۱۹۶۵)

❷ شرح النووي (۱۰۰/۸)

❸ صحیح البخاری (۱۱/۳۴۰-۳۴۱، رقم الحدیث (۶۵۰۲)

مخدّثین نے اس حدیث شریف کے متعدد معانی بیان کیے ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں جو بطور مثال ہیں:

① یہ کہ وہ میری اطاعت اور فرمانبرداری اُسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح کہ اپنے ان اعضا کو پسند کرتا ہے۔

② وہ کلیتاً میرے ہی ساتھ مشغول رہتا ہے، وہ اپنے کان کو وہی سناتا ہے جو میں پسند کرتا ہوں اور اپنی آنکھ سے صرف وہ دیکھتا ہے جس کا میں نے حکم دیا ہے۔

③ میں اس کے مقاصد کو (اتنی آسانی کے ساتھ) اس کے لیے پورا کرتا ہوں گویا کہ وہ (خود ہی) اپنے کان اور آنکھ کے ساتھ انھیں پورا کر رہا ہے۔

④ میں اس طرح اُس کا مددگار بن جاتا ہوں جس طرح کہ اس کے کان، آنکھ اور قدم دشمن کے مقابلے میں اس کی معاونت کرتے ہیں۔

⑤ اس میں مضاف محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ میں اس کے کان کا محافظ بن جاتا ہوں، پھر وہ اس کے ساتھ صرف حلال چیزیں سنتا ہے اور اسی طرح اس کی آنکھ کا محافظ بن جاتا ہوں۔ اور اللہ رب العزت کے لیے اپنے محبوب بندے کے لیے ان سب امور کا بیک وقت جمع کرنا کچھ مشکل نہیں۔ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ.

18- رسول کریم ﷺ کی دوستی کا حصول:

تقوے کی جلیل القدر برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ متقی لوگ رسول کریم ﷺ کے دوست بننے کے عظیم المرتبت اعزاز سے سرفراز ہوتے ہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا:

”بلاشبہ میرے یہ اہل بیت سمجھتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں، نہیں ایسا ہرگز نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ متقی لوگ مجھ سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں، وہ کوئی بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔“^①

① الإحسان في ترتيب صحيح ابن حبان، كتاب الرقائق، باب الخوف و التقوى (٢/ ٤١٤-٤١٥، جزء من رقم الحديث: ٦٤٧)

19- آسمان اور زمین والوں کی محبت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتے

ہیں: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت فرماتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو۔“

حضرت جبرائیل علیہ السلام اس (شخص) سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان

والوں میں آواز دیتے ہیں: ”یقیناً اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت فرماتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو۔“^①

اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہوں تو اس کو بندوں کا محبوب بنا دیتے ہیں۔ سورت مریم

(آیت: ۹۶) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اور ان کے لیے رحمان محبت

پیدا کر دے گا۔“

امام ترمذی کی روایت میں ہے:

﴿ثُمَّ تَنْزَلُ لَهُ الْمَحَبَّةُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ﴾^②

”پھر اس کے لیے اہل زمین میں محبت نازل کی جاتی ہے۔“

اے اللہ! ہمیں بھی ایسے خوش نصیب لوگوں میں شامل فرما دیجیے۔ آمین یا ذا الجلال والاكرام۔

20- اللہ تعالیٰ کا متقیوں کے ساتھ ہونا:

تقوے کی عظیم الشان برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت و تائید کے

ذریعے اہل تقویٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ ان کی حفاظت فرماتے ہیں اور ان کے معاملات سدھارنے

میں ان کی مدد فرماتے ہیں۔ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۹۴) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾

① صحیح البخاری (۱۰/۴۶۱، رقم الحدیث (۶۰۴۰) صحیح مسلم (۴/۲۰۳۰، رقم الحدیث: ۱۵۷/۲۶۳۷)

② سنن الترمذی (۳/۷۶، رقم الحدیث: ۲۵۲۸-۳۳۸۴)

”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین کر لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

”ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے اور اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصرت و تائید کے ذریعے دنیا و آخرت میں متقی لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔“⁽¹⁾

اللہ تعالیٰ کی معیت اس کی تائید و نصرت کے ذریعے بھی ہے اور وہ معیت حقیقی بھی ہے۔ لیکن جیسے اس کی عظمت و جلالت کے لائق ہے، جیسا کہ سورۃ النحل (آیت: ۱۲۸) میں ارشادِ باری ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ متقی پر ہیزگاروں اور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

سو یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں اور مخالفین کے مقابلے میں وہ ان کا حامی و ناصر ہے اور وہی کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔⁽²⁾

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ تالیف: شاہ اسماعیل شہید
- ✽ تقویۃ الایمان
- ✽ تالیف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی
- ✽ تقویٰ و اہمیت، برکات، اسباب

(1) تفسیر ابن کثیر (۱/ ۲۴۵)

(2) تفسیر ابن کثیر (۲/ ۶۵۳)

تقویٰ کے ذریعے رحمتِ خاصہ پانے والوں کی صفات (3)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

ہمارا سابقہ درس تقویٰ کے حوالے سے تھا اور آج ہم اس کے حوالے سے ہی بات کریں گے۔
تقویٰ کی عظیم القدر برکات ان لوگوں کے لیے ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الاعراف
(آیت: ۱۵۶) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴾

”اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، تو میں اس کو ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں
گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکات ادا کرتے ہیں اور وہ ہماری آیات کے ساتھ
ایمان لاتے ہیں۔“

شیخ سعدی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میری رحمت عالم
علوی و سفلی، نیک و بد، مومن و کافر سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مخلوق میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی
رحمت پہنچی ہوئی ہے اور اس کے فضل و احسان نے ان کو ڈھانپ رکھا ہے۔

لیکن رحمتِ خاصہ جس کے ساتھ سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے وہ ہر ایک کے لیے نہیں۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ﴾ ”تو میں وہ رحمت
ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہوئے (تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے) بچتے
ہیں۔“ ﴿ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ ﴾ ”اور وہ جو زکات (واجب مستحقین لوگوں کو) دیتے ہیں۔“ ﴿ وَالَّذِينَ
هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴾ ”اور وہ لوگ جو ہماری آیات کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔“^①

① تفسیر السعدی (۱/ ۹۳۷)

میری بہنو اور بھائیو! یہ اس کی وسعتِ رحمت ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیثِ رسول ﷺ میں ہے:

”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ۱۰۰ حصے ہیں۔ یہ اس رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔“^(۱)

21- گناہوں کی معافی:

تقوے کی بنا پر اللہ کریم گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور متقیوں کو اجرِ عظیم سے نوازتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الطلاق (آیت: ۵) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اس شخص کے گناہوں کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اس کو معمولی عمل کے بدلے میں بہت بڑا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔^(۲)

22- دشمنوں کے مکر سے بچاؤ:

برکاتِ تقویٰ میں سے ایک انتہائی قیمتی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقوے کو دشمنوں کے مکر و فریب سے بچاؤ کے اسباب میں سے بنایا ہے، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۱۲۰) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ تَصِيرُوا أَتَقَوُّوْا إِلَّا يُطِرْكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾

”اور اگر تم صبر و تقویٰ کے ساتھ رہو گے تو ان کا مکر تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔“

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹/۲۷۵۲) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۲۴۳)

(۲) تفسیر ابن کثیر (۴/۴۰۴)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ پس جو شخص اس سلسلے میں بندگی کے عہد کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ایسے شخص کو آفات اور خوف ناک باتوں سے محفوظ نہ کریں اور بطورِ رب اپنے عہد کو پورا نہ فرمائیں۔

23- رزق کی فراوانی و غم سے نجات:

تقوے کی عظیم الشان برکات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے لیے غموں سے نکلنے کی راہ پیدا فرمادیتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الطلاق (آیت: ۲-۳) میں رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، وہ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور وہ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا﴾ کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے:

”اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کے ہر دکھ سے نجات عطا فرمادیتے ہیں۔“

سو ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اپنے تمام احوال میں رضائے الہی کے حصول میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے اور اسی ثواب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر سختی اور مشقت سے نکلنے کے لیے نجات اور چھٹکارے کی صورت پیدا فرمادیتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ اس کو مشکلات اور بندھنوں میں جکڑ دیتے ہیں۔ وہ نہ تو ان سے چھٹکارا حاصل کر پاتا ہے اور نہ ان کے اثرات سے بچ سکتا ہے۔^①

ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ الاعراف (آیت: ۹۶) میں اللہ رب العالمین کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں ضرور کھول دیتے، لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے

① صحیح البخاری (۱۰۸/۷)

اعمال کی وجہ سے انھیں پکڑ لیا۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر بستیوں والوں میں ایمان و تقویٰ آجائے تو ان کے لیے خیر کو عام فرمادیں گے اور وہ انھیں ہر جانب سے میسر ہوگی۔
اس آیت کے حوالے سے تین باتیں:

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ والوں کے لیے (برکات) کے دروازے کھولنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ اور: ”برکات السماء“ سے مراد بارش ہے اور ”برکات الأرض“ سے مقصود پودے، پھل، مویشیوں اور چوپایوں کی کثرت اور امن و سلامتی کا حصول ہے۔ یہ اس لیے فرمایا گیا، کیوں کہ آسمان باپ کے قائم مقام اور زمین ماں کی جگہ ہے۔ ان ہی دونوں سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق و تدبیر کی بدولت تمام منافع اور عمدہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔^①

24- کاموں کا سدھرنا:

تقوے کی عظیم المرتبت برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے اعمال سدھار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (آیت: ۷۰-۷۱) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس نے بڑی کامیابی کو پالیا۔“

اللہ تعالیٰ نے تقوے اور سیدھی بات کہنے کے ثمرات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ یعنی یہ (تقویٰ) تمہارے اعمال کی درستی کا سبب اور قبولیت کا ذریعہ بن جائے گا، کیوں کہ تقویٰ اختیار کرنے سے اعمال شرفِ قبولیت پاتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① التفسیر الکبیر (۱۲/۱۸۵)

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ [المائدة: ۲۷]

”اللہ تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتے ہیں۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ [الأحزاب: ۷۱]

”جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی کو پا لیا۔“

25- ہر معاملے میں آسانی:

تقوے کی برکات سے ہی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے معاملات میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴾ [الطلاق: ۴]

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی فرمادیں گے۔“

تقویٰ اختیار کرنے میں جو مشقت اور تنگی درپیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے آسانی سے تبدیل فرما دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مردوں اور عورتوں کو دین کے احکام کو مضبوطی سے تھامنے کی نصیحت کی گئی ہے، کیوں کہ جو کوئی اس کی تعمیل کرتے ہوئے پیش آمدہ مشقت پر صبر کرے گا، وہی متقی ہے۔

26- فرقان و نور:

تقوے کی جلیل القدر برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورۃ الانفال (آیت: ۲۹) میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کو فرقان و نور کی عظیم نعمت سے بہرہ ور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴾

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو گے، تو وہ تمہیں (فرقان) دے گا

(یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی چیز دے گا) اور تم سے تمہارے گناہوں کو دور کر

دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کو عطا کی جانے والی جن چیزوں کا ذکر فرمایا ہے،

ان میں سے ایک فرقان ہے۔ حافظ ابن جوزی نے اس کی تفسیر میں علمائے امت کے چار اقوال نقل کیے ہیں: مگر ابی سے نکلنے کی راہ؛ ابن ابی طلحہ نے یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

”﴿يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ یعنی تم حق و باطل کے درمیان تمیز کرو گے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تقویٰ دل کو منور کرتا ہے، سینے کو کھول دیتا ہے اور علم و معرفت کو زیادہ کر دیتا ہے۔“

تقوے کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت بندے کی سعادت کی نشانی اور کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقوے کے بدلے میں دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے بہت کچھ رکھا ہے۔ اس آیت کریمہ میں تقوے کے عوض ملنے والی چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ہر ایک دنیا و ما فیہا سے اعلیٰ ہے: پہلی چیز الفرقان ہے اور وہ علم و ہدایت ہے، جس کے ذریعے متقی ہدایت اور گمراہی، حق و باطل، حلال و حرام، اور خوش نصیب اور بد نصیب لوگوں کے درمیان تمیز کرتا ہے۔

دوسری اور تیسری چیز۔ ﴿يُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ اور ﴿يَغْفِرُ لَكُمْ﴾ ہیں اور ان دونوں کا استعمال ایک دوسرے کے لیے کیا جاتا ہے، لیکن جب یہ دونوں ایک مقام پر استعمال کیے جائیں تو ﴿يُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کی تفسیر چھوٹے گناہوں کی معافی اور ﴿يَغْفِرُ لَكُمْ﴾ کی تفسیر بڑے گناہوں کی معافی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ حافظ ابن کثیر کی تفسیر کے مطابق ﴿يُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ سے گناہوں کا مٹانا اور ﴿يَغْفِرُ لَكُمْ﴾ سے مراد گناہوں کی لوگوں سے پردہ پوشی ہے۔

چوتھی چیز اجرِ عظیم ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے اور رضائے الہی کو اپنی خواہش پر ترجیح دینے والے کے لیے بہت بڑا ثواب ہے، یہ اس ارشادِ ربانی سے معلوم ہوتی ہے:

﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والے ہیں۔“^①

نور و فرقان کے متعلق سورۃ الحدید (آیت: ۲۸) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں

① تفسیر ابن کثیر (۲/۳۳۴)

اپنی رحمت کا دو ہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے پھرتے رہو گے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“

﴿وَيَجْعَلُ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ﴾ یعنی دنیا میں تم ہدایتِ الہی کے مطابق زندگی بسر کرو گے اور آخرت میں تم اس کے ساتھ پل صراط پر چلو گے۔ وہ پل جو قیامت کے دن جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا، اسی کا نام پل صراط ہے، اس سے گزر کر جہاں پہنچیں گے وہاں جنت کا دروازہ ہوگا، وہاں نبی کریم ﷺ موجود ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: سب سے پہلے میں اور میرے امتی پل صراط کو طے کریں گے اور اہل جنت کا استقبال کریں گے۔

پل صراط کی کچھ تفصیل:

1] بال سے زیادہ باریک ہوگا۔

2] تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔

3] سخت اندھیرے میں ہوگا۔ اس کے نیچے گہرائیوں میں جہنم بھی نہایت تاریکی میں ہوگی۔ سخت بھری ہوئی اور غضبناک ہوگی۔

4] گناہ گار کے گناہ اس پر گزرتے وقت اس کی پیٹھ پر ہوں گے، اگر اس کے گناہ زیادہ ہوں گے تو اس کے بوجھ سے اس کی رفتار ہلکی ہوگی اور جو شخص گناہوں سے ہلکا ہوگا تو اس کی رفتار پل صراط پر تیز ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس صورت میں اپنی پناہ میں رکھے۔

5] اس پل کے اوپر آنکڑے لگے ہوتے ہوں گے اور نیچے کانٹے لگے ہوں گے جو قدموں کو زخمی کر کے انہیں متاثر کریں گے۔ اور کچھ لوگ اپنی بد اعمالیوں کے لحاظ سے اس سے متاثر ہوں گے۔

6] جن لوگوں کی بے ایمانی اور بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کے پیر پھسل کر جہنم کے گڑھے میں گر رہے ہوں گے ان کی چیخ و پکار اس قدر بلند ہوگی کہ پل صراط پر دہشت طاری ہو جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ پل صراط کی دوسری جانب جنت کے دروازے پر کھڑے ہوں گے، آپ ﷺ اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہیں گے: (يَا رَبِّ سَلِّمْ، يَا رَبِّ سَلِّمْ)

آپ بھی اپنے پیارے نبی ﷺ کے لیے درود پڑھتے رہا کریں: اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی الْحَبِیْبِ مُحَمَّدٍ۔

میری بہنو! لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے بہت سوں کو پل صراط سے گرتا ہوا دیکھیں گے اور بہت سوں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے نجات پا گئے ہیں۔ وہاں پر بندہ اپنے والدین کو پل صراط پر دیکھے گا، لیکن ان کی کوئی فکر نہیں کرے گا، وہاں تو بس ایک ہی فکر ہوگی کہ کسی طرح خود پار ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قیامت کو یاد کر کے رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: عائشہ کیا بات ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے قیامت یاد آگئی۔ یا رسول اللہ! کیا ہم وہاں اپنے والدین کو یاد رکھیں گے؟ کیا وہاں ہم اپنے محبوب لوگوں کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یاد رکھیں گے، لیکن وہاں تین مقامات ایسے ہوں گے جہاں کوئی یاد نہیں رہے گا:

1 جب کسی کے اعمال تولے جائیں گے۔

2 جب نامہ اعمال دیے جائیں گے۔

3 جب پل صراط پر ہوں گے۔

یا اللہ! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر دیجیے جو پل صراط کو تیری رحمت کے ساتھ آسانی سے پار کر لیں گے۔ آمین

27- جہنم سے نجات:

تقوے کی عظیم ترین برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو آگ سے نجات عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ سورت مریم (آیت: ۷۱-۷۲) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝٤١ ثُمَّ نُثَبِّئُ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنُذَرُ

الظَّالِمِينَ فِيهَا حِثًّا﴾

”اور تم میں سے ہر شخص اس پر سے ضرور گزرے گا۔ یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ پھر ہم تقویٰ اختیار کرنے والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا کر چھوڑ دیں گے۔“

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: ”ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ثُمَّ نُثَبِّئُ الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾

”پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے۔“ یعنی جب تمام مخلوق جہنم کی آگ کے اوپر سے گزرے گی اور کافر گناہ گار اپنے گناہوں کے بقدر اس میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ متقیوں کو ان کے اعمال کے مطابق نجات دیں گے۔ ان کا پل صراط کو عبور کرنا اور اس میں ان کی رفتار ان کے دنیا کے اعمال کے حساب سے ہوگی۔^①

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
”پس وہ انہیں لے چلیں گے اور وہ ان کے پیچھے جائیں گے۔“^②

اور ان میں سے ہر انسان کو، منافق ہو یا مومن، نور دیا جائے گا، پھر وہ ان کے پیچھے جائیں گے۔ جہنم کے پل پر آنکڑے اور کانٹے ہوں گے۔ جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، وہ انہیں پکڑ لیں گے۔ پھر منافقوں کا نور بجھ جائے گا اور اہل ایمان نجات پا جائیں گے۔ نجات پانے والوں کا جو پہلا گروہ ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے اور وہ ستر ہزار ہوں گے، ان کا حساب بھی نہ لیا جائے گا۔ پھر ان کے بعد لوگ آسمان کے روشن ترین ستارے جیسے ہوں گے، پھر اسی طرح.... باقی اپنے اعمال کے حساب سے ہوں گے۔^③

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو جہنم کے پل پر سے گزرتے وقت اس میں گرنے سے محفوظ فرما کر سلامتی سے پار فرما دیں گے۔ اللہ اکبر! تقویٰ کا صلہ کس قدر عظیم ہے! اس دن ہم کس قدر اس کے محتاج ہوں گے! اے رب کریم اپنے فضل و کرم سے اس دن ہمیں اپنی اس عنایت سے محروم نہ فرمانا۔ آمین یا ذالجلال والاکرام۔

28- قابلِ تعریفِ انجام:

اس کائنات میں سنتِ الہیہ ہے کہ قابلِ تعریف اور بہترین انجام صرف تقویٰ والے لوگوں کے لیے ہے، اس حقیقت کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ القصص (آیت: ۸۳) میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۗ وَالْعَاقِبَةُ

① تفسیر ابن کثیر (۳/ ۱۴۸)

② ملاحظہ ہو: المسند (۲۳/ ۳۲۸، رقم الحدیث: ۱۵۱۱۴)

③ صحیح مسلم، کتاب الإیمان (۱/ ۱۷۷-۱۷۸، رقم الحدیث: ۱۹۱/۳۱۶)

لِلْمُتَّقِينَ

”یہ آخرت کا گھر ہم انہی لوگوں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں نہ تو بڑائی کی

چاہت رکھتے ہیں اور نہ فساد کی اور عمدہ انجام متقیوں کے لیے ہے۔“

یعنی ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”انجام کار متقیوں کے لیے ہے۔“ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے تائید الہی ہے اور دنیا و آخرت میں ان کا انجام قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں عمدہ انجام (اہل) تقویٰ کا ہے۔⁽¹⁾

بہنو! تقویٰ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالانے اور منہیات کو چھوڑ دینے کا نام ہے اور آخرت میں عمدہ انجام بھی انہی کا مقدر ہوگا۔ اے اللہ! میں تیرے حضور التجا کرتی ہوں کہ ہمیں بھی اپنا تقویٰ عطا فرما دے اور دنیا و آخرت میں ہمارا بہترین انجام فرما۔ آمین۔ إِنَّكَ سَمِيعٌ مُّجِيبٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمٌ۔

29- جنت کی وراثت:

تقوے کا ایک عظیم القدر ثمرہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو ابدی نعمتوں والی جنتوں کا وارث بنا دے گا۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس بات کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ جل جلالہ نے سورت مریم (آیت: ۶۳) میں فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾

”یہ ہے وہ جنت جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو وارث بناتے ہیں جو متقی ہوں۔“

جنت کا وارث بنانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر یہ انعام فرمائیں گے کہ وہ کامل ترین نعمتوں اور انتہائی مسرتوں والی جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ علامہ الوسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس طرح ہم فوت ہونے والے کا مال وارث کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور اسی کو اس مال سے بہرہ ور ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ اسی طرح جنت کے وارث بنانے سے مقصود یہ ہے کہ متقی کا صلہ اس کے پاس باقی رہے گا۔ وارث بنانے کے الفاظ استعمال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وراثت میں انتقال ملکیت کی کامل ترین صورت ہے، کیوں کہ اس میں فسخ کرنا، واپس لینا یا باطل کرنا ممکن نہیں۔⁽²⁾

(1) تفسیر ابن کثیر (۹۰۱/۳)

(2) ملاحظہ ہو: روح المعانی (۱۱۳/۱۶) الکشاف (۵۱۶/۲) و تفسیر البیضاوی (۳۵/۲) تفسیر أبي السعود

(۵/۲۷۳) تفسیر السعدی (۱/۲)

اسی لیے تو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ

لِلْمُتَّقِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۳]

”اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو،

جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرنے والے اور اس پر ایمان والے بندوں کے لیے دنیاوی نعمتوں اور عزت کے علاوہ آخرت میں جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اگر دنیا میں انھیں تنگی، مشقت، دشمنی اور مصیبت کا سامنا کرنا بھی پڑا ہوگا تو دائمی نعمتوں اور مصیبتوں سے خالی زندگی اور آخرت میں حاصل ہونے والی مسرتوں اور خوشیوں کے مقابلے میں اس کی حیثیت انتہائی معمولی اور قلیل ہوگی۔

30- فرضیتِ تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی کئی ایک احادیث میں تقوے کی فرضیت بیان فرمائی ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور یاد رکھنا ایمان دار شخص کو متقی بنانے میں بہت اہم کردار ادا کرے گا۔ چونکہ بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے حکم کی فوری تعمیل کے بغیر چارہ کار نہیں۔

31- برکاتِ تقویٰ کو پیش نگاہ رکھنا:

میری بہنو! سمجھ دار انسان ہمیشہ مفید چیز کو پسند کرتا ہے اور اس کے حصول کی رغبت رکھتا ہے۔ اسی طرح ضرر رساں چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تقوے کی دنیا و آخرت میں کتنی ہی برکات اور ثمرات ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و تکریم کا پانا، اللہ تعالیٰ کا ولی بننا، رسول اللہ ﷺ کی دوستی کا حاصل ہونا، محبوبِ الہی بننا، معیتِ الہیہ کا پانا، رحمتِ خاصہ سے بہرہ ور ہونے والوں میں شامل ہونا، گناہوں کا معاف ہونا، اجرِ عظیم کا ملنا، فرقان و نور سے نوازا جانا، دشمنوں کے مکر سے محفوظ کیا جانا، غم سے نجات، خارج از تصور جگہ سے رزق کا میسر آنا، کاموں کا سنورنا، ہر معاملے

میں آسانی کا نصیب ہونا، قابلِ تعریف انجام ہونا، جہنم سے نجات ملنا، جنت کے وارثوں میں شامل ہونا، فلاح کا حاصل ہونا۔ اگر تقوے کے یہ سب فوائد اور منافع انسان کی نگاہوں کے سامنے رہیں تو انسان ضرور اپنے رب سے تقویٰ والی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

- 1- انسان کو متقی بنانے والی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے: وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر ایمان لائے، ہر قسم کی تقدیر، خواہ وہ خیر کی ہو یا شر کی، کیوں کہ اس کے بغیر مسلمان متقی نہیں بن سکتا۔⁽¹⁾
- 2- اللہ عزوجل کی اپنے بندوں پر عنایت: اللہ کی بندوں پر عنایت یہ ہے کہ جو کوئی راہ ہدایت پر آئے وہ اس کو مزید ہدایت عطا فرماتے ہیں اور نعمتِ تقویٰ سے نوازتے ہیں۔⁽²⁾
- 3- اللہ تعالیٰ کے اٹل اور قطعی ضابطوں میں سے ایک یہ بھی ہے: وہ یہ کہ جو شخص اس کی راہ کی اتباع کرے اور دیگر راہوں کو چھوڑ دے، وہ اس کو متقی لوگوں میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور فرما دے گا۔ [الأنعام: ۱۵۳]

- 4- اللہ عزوجل نے اپنی عبادت کو تقوے کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔ [البقرة: ۲۱]
- 5- روزوں کی عظیم ترین برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ روزے داروں کو متقی بنانے کا سبب بنتے ہیں۔ [البقرة: ۱۸۳]
- 6- عدل کرنا: اللہ تعالیٰ نے عدل کو بھی تقویٰ قرار دیا ہے۔ [المائدة: ۸]
- 7- عفو و درگزر کرنا: بندے کو تقوے کے قریب کرنے والی ایک بات عفو و درگزر کرنا بھی ہے۔ [البقرة: ۲۳۷]

- 8- قصاص: اللہ کریم نے قصاص کو فرض کیا اور اس کو تقویٰ کا سبب بنایا ہے۔ [البقرة: ۱۷۹]
- 9- مشکوک چیز کو ترک کرنا: تقویٰ تک پہنچانے والی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ شک و شبہ والی چیز اور کام سے دور ہو جائے۔⁽³⁾

- 10- متقی لوگوں کی صحبت کا اختیار کرنا: کیوں کہ صحبت کی تاثیر کا انکار ممکن نہیں، کیوں کہ صحبت

(1) جامع ترمذی، رقم الحدیث (۶۲۲۴۴)

(2) فتح القدیر (۵۱/۵) تفسیر أبي السعود (۹۶/۹)

(3) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۵/۱)

کے قوی اثرات ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر ایک غور کرے کہ وہ کس سے دوستی استوار کر رہا ہے۔“^(۱)

11- متقی حضرات کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا: کہ اس سے دل میں راہِ تقویٰ پر گامزن ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ذوق و شوق میں اضافہ کی اللہ تعالیٰ سے قوی اُمید ہوتی ہے۔

12- حصولِ تقویٰ کے لیے: تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ سے کثرت سے دعا کرتے رہنا

چاہیے، کیوں کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ وہ اس کے ساتھ وہ کچھ پالیتا ہے جو کہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر پاتا۔ لہذا حصولِ تقویٰ کے لیے بھی دعا کرتے رہا کریں، کیوں کہ یہ ایک انتہائی مؤثر، قوی اور کارگر ہتھیار ہے۔ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ متقی شخص ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے تھے کہ وہ انھیں تقویٰ عطا فرمائیں۔

لہذا ایک دوسرے کو تقوے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے، کیوں کہ تقوے کی نصیحت کرنے والے کو اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے نعمتِ تقویٰ سے نوازتے ہیں اور بسا اوقات اس کی تلقینِ تقویٰ سے دوسرے بھی فیض یاب ہو جاتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انتہائی کثرت سے تقوے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

میری بہنو! میں نے آپ کو تقوے کے معنی و مطلب اور اس کے فوائد اور منافع کے بارے میں قدرے تفصیل سے بتانے کی کوشش کی ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی تقوے سے منہ موڑ کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہو تو اس کا نصیب؟ لہذا جو بھی بہن بھائی تقوے کے فیوض و برکات کو جاننا، سمجھنا اور یاد رکھنا چاہتے ہوں وہ کثرت اور توجہ سے قرآن و سنت کا مطالعہ جاری رکھیں، کیوں کہ ان دونوں میں اسبابِ تقویٰ کے بارے میں بہت کچھ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تقوے کے لیے کثرت سے سوال کرتے رہا کریں اور باقی لوگوں کو بھی کثرت سے تقوے کی دعوت دینے کو اپنا دستورِ حیات بنائیں۔ شاید کہ اللہ رب العالمین آپ کی کوشش کی برکت سے انھیں دولتِ تقویٰ سے نواز دے۔ آمین وَمَا ذَلِكْ عَلَيَّ اللَّهُ بِعَزِيزٍ

{1} مسند أحمد (۱۳/۳۹۸، رقم الحدیث: ۸۲۸) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۴۸۲۳، ۱۲۳)

خلاصہ یہ کہ تقوے کی رغبت رکھنے والے متقی لوگوں کی صحبت اور مجلس اختیار کریں۔ جو شخص اپنی اولاد کے لیے تقوے کو پسند کرتا ہے تو وہ ان کے لیے دین دار بیویاں تلاش کرے اور بیٹیوں کے لیے دین و اخلاق والے شوہروں کا انتخاب کرے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو تقوے والی زندگی عطا فرمائے اور ہماری اولادوں، بہن بھائیوں اور ان کی اولادوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق دے اور اہل تقویٰ کی صحبت عطا فرمائے اور شریر قسم کے، یعنی شیطان صفت لوگوں کی صحبت سے محفوظ فرمائے۔ آمین میرے مسلمان بھائیو اور بہنو! آپ سے اپیل ہے کہ آپ تقوے کی اہمیت، برکات اور اس کے اسباب کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں اور انھیں ہمہ وقت مد نظر رکھنے کا اہتمام کریں۔ خود میں اپنے لیے اور آپ سب کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی دعا کرتی رہوں گی، ان شاء اللہ، کیوں کہ یہ تمام معاملات کی اساس و اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو مزید نیکیوں کے لیے ذوق و شوق اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اِنَّكَ سَمِيعٌ مُّجِيبٌ

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ تقویۃ الایمان
- ✽ تقویٰ و اہمیت، برکات، اسباب
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: شاہ اسماعیل شہید
- ✽ تالیف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی

اسلام میں نماز کا مقام و مرتبہ اور اس کے طبی فوائد (1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورة الانعام (آیت: ۱۶۲) میں فرمان الہی ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

” (اے میرے نبی!) آپ فرمادیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات میرا

جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔“

اور خاص نماز کے لیے فرمان الہی ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ [البقرة: ۴۳]

”اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

لفظِ صلاة کا شرعی مفہوم:

میری بہنو! قرآن کریم کے مختلف مقامات پر نماز کا بکثرت ذکر آیا ہے، اس ایک آیت میں ہی نماز کا ذکر دوبار آیا ہے۔ لہذا سب سے پہلے ہم لفظِ صلاة کا شرعی معنی جاننے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ لفظِ ”صلاة“ ایک مخصوص طریقہ پر اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دی جانے والی اس عبادت کا نام ہے جو مخصوص و معلوم افعال اور اقوال پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے اور اختتام سلام پھیرنے سے۔ اس عبادت کا نام ”صلاة“ اسی لیے رکھا گیا ہے، کیوں کہ یہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔^①

عربی لغت میں ہر قسم کی دعا کو ”صلاة“ کہا جاتا تھا، اور پھر یہی لفظ ایک مخصوص نوعیت کی دعا

① دیکھیں: المغنی لابن قدامة (۵/۳) شرح کبیر (۵/۳)

یعنی نماز کا نام قرار پایا۔ یا یہ کہیں کہ لفظ ”صلاة“ ہر قسم کی دعا کو کہا جاتا تھا جس میں کسی قسم کا کوئی شریک نہ ہو، حتیٰ کہ نفس بھی ہر قسم کے وسوسوں سے پاک ہو۔ پھر یہ لفظ مخصوص شرعی عبادت (یعنی نماز) کے معنی میں منتقل ہوا۔ یہ اس لیے کہ، لفظ ”صلاة“ اور دعا میں باہمی مناسبت پائی جاتی ہے اور دونوں الفاظ (معنوی لحاظ سے) ایک دوسرے سے متقارب (قریب اور ملتے جلتے) ہیں، اس لیے شریعت میں جب بھی لفظ ”صلاة“ مطلقاً استعمال کیا جائے تو اس سے (عام دعا نہیں، بلکہ) مخصوص نوعیت کی شرعی عبادت، یعنی نماز ہی مراد لی جائے گی۔⁽¹⁾

دعا کی اقسام:

غرض نماز پوری کی پوری دعا ہی ہے اور دعا دو طرح کی ہوتی ہے:

(1) دعائے ضرورت: پہلی دعا یہ کہ بندہ اپنے رب کے سامنے ہاتھ اٹھا کر خود اپنی حاجات و ضروریات مانگے، یا کوئی ایسا سوال کرے جس سے اسے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا ہو، یا کسی نقصان سے نجات مطلوب ہو۔

(2) دعائے عبادت: دوسری دعائے عبادت نماز ہے، مثلاً: بندہ جب قیام و رکوع کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ کی حمد و ثناء کے بعد اپنے لیے بھی دعائیں کرتا ہے، پھر اسی طرح سجود و قعود کر کے اجر و ثواب حاصل کرتا ہے۔ اس لیے جو شخص بھی اس قسم کی عبادت سرانجام دیتا ہے گویا کہ وہ اپنے پروردگار سے دعا کرتا ہے اور بزبانِ حال و قال اس سے مغفرت اور عفو و درگزر کا سوال کرتا ہے اور مختلف افعال سرانجام دے کر مختلف دعائیں مانگتا ہے۔ غرض دعا کی اقسام کی اس توضیح سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نماز ساری کی ساری دعائے عبادت ہے۔

فرضیتِ نماز:

نماز تو شرائعِ قدیمہ سے ہی چلی آ رہی ہے جو کہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر واجب (فرض) ہے اور یہ وجوب (فرضیت) قرآنِ کریم، سنتِ مطہرہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

(1) دیکھیں: شرح عمدۃ الأحكام لشیخ الإسلام ابن تیمیة (۲/۳۰-۳۱)

قرآن کریم کے دلائل:

قرآن کریم میں نماز کی فرضیت کی دلیل کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ [النساء: ۱۰۳]

”یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ اوقات پر فرض ہے۔“

نماز اور شرايع قدیمہ:

① دعائے حضرت خلیل علیہ السلام:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ [ابراہیم: ۴۰]

”اے میرے پروردگار! مجھے اور میری آل و اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔“

② اوصاف حضرت اسماعیل علیہ السلام:

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾ [مریم: ۵۵]

”وہ اپنے اہل خانہ کو نماز قائم کرنے اور زکات ادا کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، اور اپنے

رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔“

③ یثاق بنی اسرائیل:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ [البقرة: ۸۳] ”اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو۔“

④ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم الہی:

﴿وَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طہ: ۱۴] ”اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

⑤ حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کو حکم الہی:

﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ [آل عمران: ۴۳]

”اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔“

⑥ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نماز کا حکم:

﴿وَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طہ: ۱۴]

”اور (اے نبی!) آپ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کیجیے۔“

7 جن کی تعریف اللہ نے بیان کی:

﴿وَالَّذِينَ يَبِينُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ [الفرقان: 64]

”اور (اللہ کے بندے) اپنی راتیں قیام و سجدے میں گزارتے ہیں۔“

8 ارشاد الہی ہے:

﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ 14

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [السجدة: 16-17]

”ان کی پشتیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، وہ اپنے رب کو خوفِ جہنم اور طمعِ جنت کے ساتھ پکارتے اور ہمارے عطا کردہ رزق سے خرچ کرتے ہیں، کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، جو کچھ وہ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔“

9 ارشاد الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ [المؤمنون: 9]

”اور وہ لوگ (فلاح پاگئے کا میاب ہو گئے) جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“

10 ارشادِ ربانی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى﴾ 14 ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ [الأعلى: 14-15]

”فلاح پا گیا وہ بھی جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ اور جس نے اپنے رب کا ذکر کیا اور پھر نماز پڑھی۔“

فلاح و نجات اور کامیابی پانے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز پر تہیگی کرنے والے ہیں، اور وہ اپنی نمازوں میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر نماز اپنے وقت پر نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انھیں نماز سے نہیں روکتی اور نہ ہی دنیا کا کوئی فائدہ انھیں نماز سے غافل کرتا ہے۔

11 اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں میں اس کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اسے قائم کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ نماز سے انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم و ثبات کا

باعث اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: ۱۵۳]

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔“

نماز اور صبر کوئی مادی (مرئی) چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا لے کر ان سے مدد حاصل کر لے۔ یہ تو معنوی (غیر مرئی) چیزیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم قدم پر اس کی دستگیری اور راہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ کورات کی تنہائی میں تہجد کی نماز بھی پڑھنے کی تاکید کی گئی، کیوں کہ آپ ﷺ کے ذمے جو عظیم کام لگایا گیا تھا، اس میں آپ ﷺ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ خود نبی ﷺ کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام فرماتے:

﴿كَانَ النَّبِيُّ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى﴾^①

”نبی ﷺ کو جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام فرماتے۔“

⑫ نماز اور فحاشی و گناہوں سے تحفظ: سورة العنكبوت (آیت: ۴۵) میں فرمایا ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

”اور نماز قائم کریں، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب؟ جب دوا توں کا التزام کیا جائے:

ایک، دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے۔ دوسرا، پرہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔

اسی طرح نماز میں بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور

① مسند أحمد، رقم الحدیث (۵/ ۳۸۸) صحیح أبي داود، رقم الحدیث (۱۳۱۹) صحیح الجامع الصغیر

(۲/ ۸۵۸، رقم الحدیث: ۴۷۰۳)

برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت، جب نماز کو سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق اُن آداب و شرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں، اور قبولیتِ عمل کے لیے تین شرطیں ہیں:

① ایمان ② اخلاص ③ وہ عمل جو سنت و شریعت کے مطابق ہو۔

علاوہ ازیں نماز کے لیے بالخصوص یہ بھی ضروری ہے کہ نمازی پاک ہو، وقتِ مقررہ کی پابندی کرے، الا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو، ارکانِ صلاۃ (قیام، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال و اطمینان کا اہتمام کرے، اسی طرح خشوع و خضوع اور مواظبت (ہیشگی) کا بھی، نیز رزقِ حرام سے اجتناب اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ پڑھنے کا التزام کرے۔

میری بہنو! ہماری نمازیں ان آداب و شرائط سے عاری ہیں، اسی لیے ان کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو قرآنِ کریم میں بتلائے گئے ہیں۔

⑬ نماز مومن کے لیے نور ہے: نماز مومن کے ظاہر و باطن کو منور کر دیتی ہے، زندگی کو حلاوت بخشتی ہے، تاریک راستوں کو روشن کر دیتی ہے، جیسا کہ سورۃ الحدید (آیت: ۱۲) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَوْمَ تَكْرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾

”اس (قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں بائیں دوڑ رہا ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نفاق کے مرض میں مبتلا لوگ اس نور سے محروم رہیں گے، وہ مومنوں کے نور کو دیکھ کر ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیں گے، لیکن کچھ ہی فاصلے کے بعد ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی، جیسا کہ سورۃ الحدید (آیت: ۱۳-۱۴) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتِسِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا ورائكم فالتبسوا نورا فضرب بينهم بسور له باب باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب﴾

”اس دن منافق مرد اور عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی

تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ انھیں جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور ادھر ہی روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا، اس کے اندرونی حصے میں تو رحمت (جنت) ہوگی اور باہر کی طرف عذاب [جہنم] ہوگا۔“

اس آیت میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرمادے گا۔ اس وقت وہ اہل ایمان سے کہیں گے:

﴿يٰۤاٰۤرۤؤۤهُمۤ اَلۤمۤ نَكُنۤ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَّلٰكِنۡمۡ فَنَنۡتُمۡ اَنۡفُسِكُمۡ وَ تَرۡبٰصۡتُمۡ
وَ اَرۡبَبۡتُمۡ وَ غَرَبۡتُمۡ اَلۤاٰمَانِيۡ حَتّٰى جَاۤءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَ غَرَبۡمۡ بِاللّٰهِ الْغُرُوۡدُ﴾

”وہ مومنوں سے پکار پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن کہیں گے: کیوں نہیں! آپ ہمارے ساتھ ہی تو تھے، لیکن تم نے تو خود ہی اپنے آپ کو فتنے میں پھنسا رکھا تھا۔ اور [اسی] انتظار میں رہے کہ [مومنین کسی گردش زمانہ کا شکار ہو کر رہیں گے]، اور تم شک و شبہ ہی کرتے رہے، اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آپہنچا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دینے والے نے دھوکے ہی میں رکھا۔“

بالآخر اللہ کا فیصلہ، یعنی انہیں بھی موت آگئی اور ان کی تمام آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔ اور اب اس دھوکا دینے والے ساتھی (شیطان) کے ساتھ ہمیشہ کے لیے سخت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھو۔ میدانِ حشر میں نور صرف مومنین صالحین کے لیے مخصوص ہوگا، ایمان کی صداقت اور سیرت و کردار کی پاکیزگی ہی نور میں تبدیل ہو جائے گی جس سے نیک بندوں کی شخصیت جگمگا اٹھے گی۔ جس شخص کا عمل جتنا تابندہ ہوگا، اس کے وجود کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی اور جب وہ میدانِ حشر سے جنت کی طرف چلے گا تو اس کا نور اس کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انہیں ان کے اعمال کے بقدر نور دیا جائے گا۔“

نیز فرمایا:

”ان میں سے بعض وہ ہوں گے جنہیں اتنا نور دیا جائے گا، جیسا کہ ان کے آگے نور کا پہاڑ ہے اور بعض کو اس سے بھی زیادہ نور دیا جائے گا۔ بعض کو اتنا نور دیا جائے گا کہ گویا اس کے دائیں ہاتھ پر نور کی کجور ہے۔ بعض کو اس سے تھوڑا کم دیا جائے گا۔ اور ان میں جس آخری شخص کو نور دیا جائے گا وہ اتنا ہوگا کہ جیسے اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر نور ہے۔ لمحہ بھر کے لیے روشن ہوگا اور پھر بجھ جائے گا۔ جب روشن ہوگا تو وہ آگے قدم بڑھائے گا اور جب بجھ جائے گا تو وہ رک جائے گا۔“⁽¹⁾

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی خاص رحمت سے مؤمنین کا ساتھ نصیب فرمائے اور ایسا نور عطا فرمائے جس کی روشنی ہمیں جنت میں نبی ﷺ تک پہنچا دے، آمین۔

[14] نماز و زکات کا حکم: قرآن کریم سورۃ البینہ (آیت: ۵) میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی موجود ہے:

﴿وَمَا أُصْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا

الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾

”انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے بندگی کو خالص رکھیں، یکسو ہو کر اور نماز کو قائم کریں، اور زکات دیتے رہیں، یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔“

”حَنِيفٌ“ کے معنی ہیں، ماہل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ ﴿حُنَفَاءُ﴾ ”حَنِيفٌ“ کی جمع ہے، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف ماہل اور یکسو ہوتے ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی راہ ہے۔ (ابن کثیر) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (داعی و حاکم) بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

”تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، اس لیے جب تم ان کے پاس پہنچو گے تو انہیں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ کی طرف دعوت دو، جب وہ تمہاری یہ بات مان لیں، تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر (روزانہ) دن

⁽¹⁾ مستدرک حاکم (۲/ ۴۰۸) صححه و وافقه الذہبی و الألبانی فی صحیح الترغیب و الترهیب (۳۶۲۹)

اور رات میں پانچ نمازیں فرض کر دی ہیں اور جب وہ تمھاری یہ بات بھی مان لیں تو پھر انھیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکات دینا فرض قرار دیا ہے، جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی، اور (وہیں) ان کے غربا و فقرا پر خرچ کی جائے گی، پھر جب وہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیں تو پھر خبردار ان کے اچھے اچھے اموال (ہی) کو زکات کے لیے نکالنے سے بچو، اور (ہاں) مظلوم کی بددعا (آہ) سے ڈرو، کیوں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔⁽¹⁾

اس حدیث پر غور کریں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن والوں کو سب سے پہلے توحید اور رسالت پر ایمان کی طرف دعوت دینے کی تعلیم دی جا رہی ہے، کیوں کہ عقیدہ اصل الاصول ہے، اور توحید کی طرف سب سے پہلے دعوت دینا تمام انبیاء و رسل صلی اللہ علیہم وسلم کا منہج رہا ہے، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی «قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا» کی ندادے کر اپنی دعوت کا آغاز توحید ہی سے فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسی کلمے سے افراد و اقوام کو دعوت دینے کی وصیت فرمائی۔

15] نماز؛ دین کا ستون: میری بہنو! نماز کو اسلام میں ایک عظیم مقام اور انتہائی بلند مرتبہ حاصل ہے جو دلائل اس کی عظمت و بلندی اور اس کے دین اسلام کا ایک ستون ہونے کو ثابت کر رہے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نماز دین کا وہ ستون ہے جس کے بغیر اس کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذَرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ»⁽²⁾

”اس امر [دین] کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز اور اس کی کوبان کی چوٹی جہاد ہے۔“

اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات واضح و ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگر ستون ہی گر جائے تو اس پر قائم کی گئی عمارت خود بخود گر جائے گی۔

16] اسلام میں نماز کی چند امتیازی خصوصیات: اسلام میں نماز کی شان بڑی نمایاں اور انتہائی

⁽¹⁾ صحیح البخاری، کتاب الإیمان، رقم الحدیث (۱۴۹۶) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، رقم الحدیث (۱۲۱)

⁽²⁾ مسند أحمد (۲۳۱۵۱) صحیحہ الأرنؤوط، سنن الدارقطنی (۶/۲۹۷) صحیح ابن حبان (۶۵۶۲)

⁽³⁾ سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند الإمام أحمد (۵/۲۳۱)

عظیم ہے، جس کی وجہ سے اسے تمام دوسرے اعمالِ صالحہ میں ایک انفرادی مقام حاصل ہے....، ان امتیازی خصوصیات میں سے چند امور درج ذیل ہیں:

1- نماز کو اللہ تعالیٰ نے [ایمان] کے نام سے موسوم فرمایا ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۴۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَوَدُوعٌ رَحِيمٌ﴾

”اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں لفظِ ایمان سے مراد نمازیں ہیں، اور نماز کو ایمان اسی لیے کہا کہ یہ بندے کے قول و عمل کی تصدیق کرتی ہے۔

2- نماز وہ عمل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے [قرآنِ کریم کے مختلف مقامات پر] خصوصیت کے ساتھ اس لیے فرمایا تا کہ دوسرے اسلامی احکام میں اس کی امتیازی خصوصیت واضح ہو جائے۔

3- نماز کی عظمت اور اس کی شانِ رفیع کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی ایک اور عبادت کو [ایک جگہ ملا کر] ارشاد فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَبُوا مَعَ الرُّكْعَيْنِ﴾ [البقرہ: ۴۳]

”اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

4- نماز کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صحت کو کامل طور پر حصولِ طہارت، زینتِ لباس اور استقبالِ قبلہ کی شرطوں سے مشروط فرمایا اور یہ ایسی شرطیں ہیں کہ جن کا بیک وقت پایا جانا کسی اور عبادت کے لیے ثابت نہیں ہے۔

5- نماز ہی وہ عبادت ہے کہ جس کو انجام دیتے وقت انسان کے تمام اعضاء، جیسے: دل، زبان اور جسم کے دوسرے جوارح استعمال ہوتے ہیں، جبکہ ایسا [لازمًا] کسی دوسری عبادت میں نہیں ہوتا۔

6- نماز وہ عبادت ہے کہ جس کو انجام دینے کے دوران میں کسی اور چیز میں مشغول ہو جانے سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ کہ دل میں اٹھنے والے خیالات، کلام اور دوسرے امور میں سوچنے سے بھی

منع کیا گیا ہے۔ نماز سے اللہ تعالیٰ درجات کو بلند فرماتا اور خطاؤں کو مٹاتا ہے۔

7- صحیح مسلم کی حدیث کی رو سے نماز ہی نبی کریم ﷺ کی صحبت و رفاقت میں دخول جنت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ نماز کے لیے چل کر جانے پر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، درجات بلند کیے جاتے ہیں اور خطائیں مٹا دی جاتی ہیں۔

8- نماز کی وجہ سے نمازی کے لیے جنت میں ضیافت تیار کی جاتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص صبح یا شام کو مسجد گیا تو اللہ تعالیٰ ہر صبح و شام اس کے بدلے جنت میں اس کی نزل (ضيافت) تیار کرتا ہے۔“⁽¹⁾

عربی میں نزل (ضيافت) اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کو آتے ہی استقبالی ضیافت مہمان نوازی کے طور پر پیش کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

9- اللہ تعالیٰ ایک نماز سے دوسری نماز تک سرزد ہونے والے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”جو کوئی مسلمان فرض نماز کا وقت پائے تو اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور خشوع کے ساتھ (دل لگا کر) نماز ادا کرے اور اچھی طرح رکوع (و سجود) کرے تو یہ نماز اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی، بشرطیکہ کوئی کبیرہ گناہ نہ کر بیٹھے اور یہی معاملہ اس (نمازی بندے) کے ساتھ عمر بھر ہوگا۔“⁽²⁾

10- نمازیوں کی تعریف اللہ نے فرمائی:

نماز وہ بلند و برتر عبادت ہے کہ جسے قائم کرنے والے لوگوں کی مدح و تعریف خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، اور ان لوگوں کی بھی جو اپنے اہل و عیال کو بھی نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں، سورۃ مریم (آیت: ۵۴-۵۶) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۗ وَكَانَ

(1) صحیح البخاری، کتاب الأذان، رقم الحدیث (۶۶۲)

(2) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث (۵۴۲)

يَا مَرُءُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿١﴾

”اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بیان کیجیے، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز پڑھنے اور زکات دینے کا حکم دیتا تھا اور وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں بھی پسندیدہ تھا اور مقبول۔“

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے انعام یافتہ بندوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اللہ کے احکام سے غفلت و اعراض کیا اور نماز کو ضائع کر دیا۔ نماز کو ضائع کرنے والے یا اس میں کاہلی و سستی برتنے والے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے سخت مذمت فرمائی ہے، جیسا کہ سورت مریم (آیت: ۵۹) میں فرمان الہی ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا﴾

”پھر ایسے ناخلف برے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا، اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، بس عنقریب انہیں ہلاکت اور تباہی کا سامنا ہوگا۔“

نماز کو ضائع کرنے سے مراد یا تو بالکل نماز کا ترک کرنا ہے جو کہ کفر ہے۔ یا ان کے اوقات کو ضائع کرنا ہے، یعنی وقت پر نہ پڑھنا، جب جی چاہا پڑھ لی، یا بلا عذر ایک ہی بار اکٹھی کر کے پڑھنا، یا کبھی دو پڑھ لینا تین چھوڑ دینا، کبھی چار اور کبھی پانچوں نمازیں چھوڑ دینا۔ یہ تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں۔ ایسے شخص کے لیے اس آیت کریمہ میں سزا کی سخت وعید فرمائی ہے۔ ﴿غِيًّا﴾ کے معنی ہلاکت اور انجام بد کے ہیں، یا پھر یہ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

11- نماز، جسمانی و نفسیاتی راحت ہے:

نماز مومن کی ظاہری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ اس کے باطن کی طہارت اور دل کی نظافت کا بڑا اساسی اور موثر ترین ذریعہ ہے، نماز سے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں، مصائب میں راحت میسر آتی ہے اور غمی میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ خود امام الانبیاء نبی الہدیٰ ﷺ کبھی مغموم ہوتے تو مؤذن حرم نبوی کو حکم دیتے:

﴿يَا بَلَالُ! أَقِمِ الصَّلَاةَ أَرِحْنَا بِهَا﴾^①

① سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۹۸۵)

”بلال! نماز کے لیے اذان کہہ دو، اور [اقامت کے ذریعے نماز شروع کر کے] ہمیں راحت و سکون پہنچاؤ۔“

12- نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”ہم گھر میں آپ ﷺ کے ساتھ محو گفتگو ہوتیں، وہ ہم سے گفتگو فرماتے اور ہم انہیں اپنی باتیں سناتیں اور جب نماز کا وقت ہوتا تو اذان سنتے ہی آپ ﷺ اس طرح ہمیں چھوڑ کر مسجد کی طرف چل پڑتے، جیسا کہ وہ ہمیں جانتے تک نہیں، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ))^① ”نماز سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے۔“

13- نماز اسلام کا آخری کڑا:

میری بہنو! نماز ہی وہ منفرد عبادت ہے جو دنیا میں آخر تک رہے گی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اسلام کے کڑے ایک ایک کر کے توڑ دیے جائیں گے، پس جب ایک کڑا ٹوٹ جائے گا، تو لوگ اس کے بعد دوسرے کڑے پر ٹوٹ پڑیں گے، چنانچہ اسلام کا سب سے پہلا کڑا جو ٹوٹ جائے گا، وہ حکم ہوگا (یعنی اللہ تعالیٰ کی احکامات ہوں گے)۔ اور آخر میں ٹوٹنے والا کڑا [نماز] ہوگا۔“^②

ایک دوسری سند سے مروی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

”لوگوں سے جو چیز سب سے پہلے اٹھالی جائے گی وہ امانت ہوگی، اور جو چیز آخر تک رہے گی وہ نماز ہوگی، اور کچھ نمازی ایسے بھی ہوں گے جن میں کوئی بھلائی [خیر] نہیں ہوگی۔“^③

یعنی ایسے نمازی ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی حصہ نہیں ہوگا، گویا ان کی نمازیں

اجر و ثواب سے خالی ہوں گی۔ شیخ البانی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو صحیح الجامع میں حسن قرار دیا ہے۔^④

① سنن النسائي، رقم الحديث (۳۶۸۰) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (۱۱۰۷)

② مسند الإمام أحمد (۲۵۱/۵) صحيح الترغيب و الترهيب (۱/ ۲۲۹)

③ ”معجم طبراني صغير“، دیکھیں: مجمع البحرين (۷/ ۲۶۳) رقم الحديث (۴۴۲۵)

④ صحيح الجامع (۲/ ۳۵۳)

14- فرضیت نماز بلا واسطہ:

نماز کی شان و عظمت کو اجاگر کرنے والے دلائل میں سے ہی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے [دوسرے احکام و عبادات کی طرح] حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے [بذریعہ وحی] فرض نہیں قرار دیا، بلکہ اسے بغیر کسی واسطے یا ذریعے کے اسراء و معراج کی شب میں ساتوں آسمانوں کے اوپر سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اہل زمین پر فرض قرار دیا۔

15- نمازوں میں تخفیف:

نماز کی امتیازی شان اس امر سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں، اور اس عدد کی فرضیت یہی ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز سے کتنی محبت اور کس قدر پیار ہے، [اگرچہ] اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے بندوں پر رحم اور کرم نوازی فرما کر اس کی تعداد میں تخفیف کر دی، اور دن رات میں پچاس کے بجائے صرف پانچ نمازیں فرض قرار دیں۔

16- نماز کی ایک خاص شان:

نماز کی رفعت و عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگرچہ ادا کیگی اور فرضیت کے اعتبار سے صرف پانچ نمازیں مقرر ہوئیں، لیکن میزان حسنات میں اجر و ثواب کے اعتبار سے یہ مکمل پچاس نمازوں کے برابر ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ ①

17- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت:

میری بہنو! نماز ہی وہ عظیم ترین عبادت ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت پر دنیا سے آخرت کی طرف انتقال کے وقت [اپنی امت کو وصیت فرمائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت یہ تھی:

((الصَّلَاةُ، الصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ))

”لوگو! نماز، نماز، نماز کا خیال رکھنا اور جو لوگ تمہارے ماتحت ہیں [غلام اور کنیریں]

ان پر ظلم و زیادتی نہ کرنا۔“

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۴۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مزید بیان کرتی ہیں:

((حَتَّىٰ جَعَلَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ يُلْجَلِجُهَا فِي صَدْرِهِ وَمَا يَفِيضُ بِهَا لِسَانُهُ))^①

”یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں یہ وصیت کی باتیں اگلنے لگیں، اور [شدت

مرض کی وجہ سے] آپ انھیں زبان سے ادا نہیں کر پارہے تھے۔“

آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ اس عبادت کا کتنا مقام ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی وصیت

کی ہے، اور یہ وہی عبادت ہے جسے نماز کا نام دیا گیا ہے۔

18- نماز اور قیامت:

نماز ہی وہ عمل ہے جس کے بارے میں (قیامت کے دن) بندے سے سب سے پہلے سوال

کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”قیامت کے روز بندے سے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ [فرض]

نماز ہے، پس اگر اس نے نمازیں پوری پڑھی ہوں گی تو وہ پوری لکھی جائیں گی، لیکن اگر

پوری نہ پڑھی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرمائے گا:

میرے بندے کے نامہ اعمال میں (دیکھو!) کیا کوئی نفل بھی ہیں؟ اگر ہیں تو ان سے

اس کے فرضوں کی کمی کو پورا کر دو۔ پھر اسی طرح اس کی زکات کو دیکھا جائے گا، پھر اس

کے بعد اسی طرح دوسرے فرض اعمال کا حساب ہوگا۔^②

یاد رکھیں نماز ایسا عمل ہے جس کے صحیح ہونے پر دوسرے اعمال کی بنیاد ہے، اگر یہ صحیح ہوئی تو

دوسرے اعمال بھی صحیح ہوں گے ورنہ بندہ خائب و خاسر، یعنی ناکام ہو جائے گا۔

19- نماز میں اطمینان اور چوری:

ہر مسلمان اس عظیم عبادت کو اللہ رب العزت کے لیے نہایت ہی حلم و وقار اور اطمینان کے

ساتھ سرانجام دے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کے وقت اس کی عظمت مقام کا خیال رکھے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، اسی اثنا میں ایک شخص مسجد میں

① مسند أحمد (۶/۲۹۰، ۳۱۱، ۳۲۱) علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”إرواء الغلیل“ (۷/۲۳۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

② سنن أبي داود، مسند الإمام أحمد: (۴/۶۵، ۳۰۱، ۳۷۷)

داخل ہوا اور جلدی جلدی نماز پڑھ کر آپ ﷺ کو سلام عرض کی، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا:

«إِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ...»

”واپس چلے جاؤ، اور [دوبارہ] نماز پڑھو، کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔“

اس نے دوبارہ نماز دہرائی، پھر وہی بات اسے کہی گئی، اس نے تیسری بار پھر نماز دہرائی.... لیکن آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ تم جاؤ اور نماز پھر سے پڑھو، ابھی تک تم نے نماز نہیں پڑھی... اس پر بالآخر اس نے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ سے نماز سکھانے کی درخواست کی۔⁽¹⁾

نماز میں سکون اور اطمینان نہ ہونے کی صورت میں نبی ﷺ نے ایسی نماز کو باطل قرار دیا ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ نے: ”ایسے شخص کو ”نماز کا چور“ کہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! بھلا نماز میں کوئی چوری کیسے کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”چور وہ ہے جو مکمل رکوع اور سجدہ نہ کرے۔“⁽²⁾

20- نقش و نگار والے اور ریشمی کپڑے میں نماز:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کالی اور سفید دھاریوں والی قمیص یا چادر میں نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کی توجہ اس کی دھاریوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ دھاری دار قمیص یا چادر ابو جہم بن حذیفہ کو دے دو اور ان سے سادہ قمیص یا چادر مجھے لا دو، اس قمیص نے مجھے نماز سے غافل کر رکھا تھا۔“⁽³⁾

ایسے ہی ریشمی کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا:

”نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی کوٹ بطور ہدیہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے

(1) صحیح البخاری، کتاب الأذان، رقم الحدیث (۷۵۷)

(2) مشکاة (۱/ ۲۷۹) مجمع الزوائد (۱/ ۱۲۳/ ۲) تخريج صلاة الرسول ﷺ (ص: ۵۲)

(3) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۶۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۵۶)

زیب تن فرما کر نماز پڑھی، مگر جب نماز سے فارغ ہوئے تو اسے سختی سے اتار پھینکا۔ گویا آپ ﷺ کو وہ سخت ناگوار گزرا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ”تقویٰ شعرا لوگوں کے لیے یہ غیر مناسب ہے۔“^①

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ریشم کا لباس پہن کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی، مگر ریشم پہننے کا گناہ اسے ضرور ملے گا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”کوئی مسلمان نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں اس نماز کا صرف دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا، یا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔“^②

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کے لیے اس کی نماز کا صرف وہی حصہ ہے جسے وہ عقل و ہوش اور سمجھ بوجھ کے ساتھ ادا کرے گا، یعنی نماز میں جتنی دیر غافل رہے گا، اس کی وہ نماز گویا نماز ہی نہیں ہوگی۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے:

”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ نماز (ظاہری طور پر تو) پڑھیں گے، لیکن حقیقت

میں وہ نماز نہیں پڑھ رہے ہوں گے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ وہی زمانہ تو نہیں۔“

اور علامہ اقبال نے بھی ایسے ہی نمازی کے متعلق کیا خوب کہا ہے:

تیرے سجدے کہیں تجھے کافر نہ کر دیں
تو جھکتا کہیں اور ہے اور سوچتا کہیں اور

میری بہنو! نماز میں اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھیں، ان کے متعلق نبی ﷺ نے بڑی سخت وعید

فرمائی ہے۔ مسند احمد بیہقی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین کاموں سے منع فرمایا ہے کہ میں نماز میں مرغ کی طرح

ٹھونگے ماروں اور کتے کی طرح (ایڑیوں پر) بیٹھوں اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر جھانکوں۔“^③

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۷۵)

② سنن أبي داود (۴/۲۹۷)، رقم الحدیث: (۴۹۸۶)

③ بحوالہ فقہ الصلاة أبو عدنان (۳/۴۵۲۴)

نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت:

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت کا باعث ہے۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ نماز کے دوران میں اپنی نظروں پر کنٹرول نہیں رکھتے، ایسے لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو لوگ نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں وہ بہر صورت (اپنی اس حرکت سے) باز آجائیں ورنہ (ہوسکتا ہے ان کی نظر) ان کی طرف نہ لوٹے (سلب کر لی جائے)۔“⁽¹⁾

ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نظریں آسمان کی طرف بلند کرنے سے لازماً باز آجائیں، یا (پھر ایسا ہوسکتا ہے کہ) ان کی نگاہیں اچک لی جائیں۔“⁽²⁾

صحیح عبادت کے لیے حصولِ علم:

جب بھی کوئی شخص کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے وہ پہلے اس کی پوری معلومات حاصل کرتا ہے تاکہ وہ اسے ٹھیک طریقے سے ادا کر سکے، چاہے اس کا تعلق امورِ دنیا سے ہو یا دین سے، لہذا عمل کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حصولِ علم کو ہر مسلمان مرد و زن پر فرض قرار دیا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسلام کے تمام احکام و مسائل اور آداب و فضائل کو اچھی طرح جاننے کی کوشش کرے۔ معلمِ اخلاق، معلمِ انسانیت اور ہادیِ برحق ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرعی احکام سے روشناس کرانے کے لیے سب سے پہلا مدرسہ حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں قائم کیا جو کہ دارِ ارقم کے نام سے معروف تھا۔ آج بھی علم حاصل کرنے کی بہت سی جگہیں ہیں جہاں پر زندگی گزارنے کا طریقہ اور عبادات کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے، لیکن فرق اتنا ہے کہ غیروں کی ترقی آگے بڑھنے میں ہے اور ہماری ترقی اس میں ہے کہ ہم پیچھے ہٹتے جائیں یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور تک پہنچ جائیں۔ لہذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلام کے متعلق جاننے کی کوشش کرے، بالخصوص ان احکام و مسائل کا علم حاصل

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۹۶۶)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۹۶۷)

کرے جو ہمارے عقائد و عبادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور عقائد کے بعد عبادات میں افضل ترین عمل نماز ہے اور نماز ادا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا تھا:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»⁽¹⁾

”نماز اسی طرح ہی پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

اس حدیث رسول ﷺ سے ایک تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نماز نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو تو قابل قبول ہوگی ورنہ پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس میں مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں بتایا گیا، یعنی طریقہ ایک ہی ہے۔ مگر جو لوگ اپنی طرف سے یہ حکم لگاتے ہیں کہ عورتیں کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں اور سینے پر باندھیں، اور مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور زیر ناف باندھیں اور عورتیں سجدہ کرتے وقت زمین پر کوئی اور بیٹ اختیار کریں اور مرد کوئی اور۔

یاد رکھیں یہ دین میں مداخلت ہے، کیوں کہ نماز نبوی ﷺ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں، اور مردوں کے لیے ایک ہی بیٹ اور ایک ہی شکل کی نماز ہے۔ قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ استراحت، قعدہ اور ہر مقام پر پڑھنے کی دعائیں بھی یکساں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے مرد اور عورت کی نماز کے طریقے میں کوئی فرق نہیں بتایا اور ہماری نماز، نماز نبوی ﷺ تبھی ہوگی جب ہم اس کی شرائط، واجبات، سنن، ارکان، آداب اور احکام کو اچھی طرح جاننے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، اپنی جد و جہد اور اپنا وقت اس میں صرف کریں گے۔ ہر مسلمان یہ حقیقت ذہن نشین کر لے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس عبادت کو اپنے دربار میں شرف قبولیت سے نوازتا ہے جس کی راہنمائی نبی ﷺ نے اپنے اقوال و افعال سے اپنی امت کو فرمائی ہے۔ ہمارے لیے ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات ہی حرفِ آخر ہیں۔

میری بہنو! دین میں تعصب یا اندھی تقلید کی کوئی جگہ نہیں، ہر شخص کے قول و عمل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھنا لازمی ہے اور آپ ﷺ کے ہر حکم پر کسی قبیل و قال کے بغیر لبیک کہنا ہر صاحب ایمان پر فرض ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»⁽²⁾

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۳۱)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۶۹۷)

”جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، وہ عمل مردود [نا قابل قبول] ہے۔“
 ایک مسلمان جب اس عظیم عبادت کے لیے بدنی طہارت حاصل کر لیتا ہے، وہیں پر اس کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ قلبی طہارت بھی حاصل کرے، پھر اخلاص و اتباع کی راہ اختیار کرتے ہوئے اسے انجام دے کر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور محسن بندوں کی کوششوں اور کاوشوں کو کبھی ضائع نہیں فرماتا۔

نماز میں خشوع:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون کے شروع (آیت: ۱-۲) میں اپنے کامیاب و کامران بندوں کے متورد اعمال و اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشادِ الہی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشِعُونَ﴾

”یقیناً ایمان والوں نے فلاح [کامیابی] حاصل کر لی، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔“

سورۃ المؤمنون (آیت: ۱۱۹) میں فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾

”اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

سورۃ المؤمنون (آیت: ۱۰-۱۱) میں ان کے لیے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

”یہی وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور وہ جنت کا اعلیٰ حصہ ہے جہاں سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔^①

اتنی اہم عبادت میں خشوع کا معاملہ بڑا اہم اور انتہائی عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعض دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ”قلبِ خاشع“ طلب کیا اور ایسے قلب (دل) سے اللہ کی پناہ مانگی ہے جس میں خشوع نہ ہو، کیوں کہ اللہ کے لیے خشوع اختیار کرنے والوں کو کامیابی کی خوشخبری دی گئی ہے۔ نمازی کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ نماز میں تلاوت اور تسبیح و تقدیس کے ذریعے گویا اپنے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۷۴۲۳)

پروردگار سے مناجات کر رہا ہے۔

خشوع سے مراد قلب و جوارح کی یکسوئی ہے، اور قلبی یکسوئی یہ ہے کہ بندہ نماز کی حالت میں بے قصد خیالات و وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے، اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل میں بٹھانے کی سعی کرے۔ اور اعضا کی یکسوئی یہ ہے کہ بندہ [حالت نماز میں] ادھر ادھر نہ دیکھے، بالوں یا کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے، بلکہ اس پر خوف و خشیت اور عاجزی کی ایسی کیفیت طاری ہو جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔ مگر یہاں آپ کو یہ احساس ہو کہ میں بادشاہوں کے بادشاہ کے سامنے کھڑا یا کھڑی ہوں جو بہت ہی عظمتوں والا ہے، اور دل میں یہ یقین ہو کہ اب میں تلاوت اور تسبیح و تقدیس کے ذریعے اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا یا کر رہی ہوں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے۔“^①

مناجات اس کا نام نہیں کہ غافل دل اور بے توجہی کے ساتھ زبان کو حرکت دے کر کچھ الفاظ ادا کر دیے جائیں، بلکہ مناجات تو یہ ہے کہ زبان اس کی ترجمانی کرے جو دل میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن خثیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے گریہ و زاری کی ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے جوش کھاتی ہوئی ہنڈیا سے آوازیں آتی ہیں۔“^②

الغرض نماز میں خشوع کی کیفیت ہی نماز کی اصل روح ہے، نماز میں خشوع نہ ہو تو وہ نماز بے جان اور بے روح ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم کی سورۃ القیامہ (آیت: ۳۱) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَلَا صِدْقَ وَلَا صَلٰٰةَ﴾ ”پس اس نے نہ تو تصدیق کی اور نہ ہی نماز پڑھی۔“

ایسے لوگوں کے لیے کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت و بربادی کا اعلان فرمایا ہے۔ سورۃ الماعون (آیت: ۳-۷) کی تفسیر پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ نے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۳)

② سنن أبی داود، رقم الحدیث (۷۹۹) سنن النسائی (۱۳/۳)

کیا فرمایا ہے:

﴿قَوْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾

”ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں اور استعمال کی چیزوں سے روکتے ہیں۔“

جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو آپ کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے، کیوں کہ اس وقت آپ اللہ سے ہم کلام ہوتے ہیں، کوشش کریں کہ آپ اور آپ کے رب کے درمیان کوئی دوسرا نہ آئے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: میں نے سنا ہے کہ مسلمان جب عبادت کرتے ہیں تو ان کے دل میں بُرے بُرے خیالات آتے ہیں، جبکہ ہم عبادت کرتے ہیں تو ہمیں نہیں آتے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر ایک گھر فقیر کا ہو اور دوسرا گھر امیر کا تو چور کہاں جائے گا؟ یہودی نے کہا: امیر کے گھر میں۔ جواب میں حضرت علیؑ نے فرمایا: تبھی تو شیطان ان کو ستاتا ہے جن کے دلوں میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اور جن کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی وہاں شیطان کا کیا کام؟ پھر نمازی کچھ دیر کے لیے جائے نماز پر بیٹھا اپنے لیے خیر و برکات کی غرض سے ذکر و اذکار کرتا ہے، ایسے نمازی کے لیے فرشتے تب تک دعائیں کرتے رہتے ہیں جب تک وہ جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”فرشتے برابر اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اس جگہ پر بیٹھا رہتا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے، فرشتے کہتے ہیں: ”یا اللہ! اس پر رحم فرما، یا اللہ! اس (کے گناہوں) کو بخش دے، یا اللہ! اس کی توبہ قبول فرما، اور فرشتوں کی یہ دعائیں اس کے حق میں تب تک جاری رہتی ہیں جب تک وہ انھیں ایذا نہیں دیتا۔“ (یعنی جب تک اس کا وضو نہیں ٹوٹ جاتا) ^①

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۴۷)

”ناگوار یوں کے باوجود کسی مسلمان کا اچھی طرح وضو کرنا، مساجد تک زیادہ قدم چلانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے انتظار میں بیٹھنا (اجر کے اعتبار سے) اللہ کی راہ میں دفاعی محاذ پر رہنے کے برابر ہے۔“⁽¹⁾

جو شخص کوئی نماز بھول جائے:

نماز وہ عمل ہے جس پر جتنے رہنے اور پابندی اختیار کرنے کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہے، ہر حال میں [اپنے مکلف بندوں پر] اسے واجب قرار دیا ہے اور اس میں کسی بیمار، یا حالتِ خوف، یا مسافر، یا پھر کسی اور مشکل میں پھنسے ہوئے شخص کو معذور شمار نہیں کیا گیا۔ البتہ [بعض مخصوص ظروف اور احوال میں] کبھی اس کی شرائط، تو کبھی اس کی رکعات کی تعداد، اور کبھی اس کے افعال میں تخفیف، یعنی کمی کا وقوع ثابت ہے، جیسا کہ قضا کا حکم ہر اس شخص کو دیا گیا ہے جو کوئی بھول جانے کی وجہ سے بروقت نماز نہ پڑھ سکا ہو تو وہ قضا ہی پڑھ لے، کیوں کہ کسی بھی حال میں اس کے لیے نماز کی فرضیت ساقط نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا»⁽²⁾

”جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے، یا سویا رہ جائے تو اسے چاہیے کہ جو نہی اسے یاد آئے تو پڑھ لے اور یہی اس کا کفارہ ہے (یعنی یاد آنے پر پڑھ لینا ہی اس نسیان (بھول) کا کفارہ ہے)۔“

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا:

”ہم ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے، کچھ لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کاش آپ ہم سب لوگوں کے ہمراہ آخر شب آرام فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے ڈر ہے کہ مبادا تم نماز سے سوتے رہو۔“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سب کو جگا دوں گا، چنانچہ سب لوگ سو گئے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنی پشت اپنی اونٹنی سے لگا کر بیٹھ گئے، مگر جب ان کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہوا تو وہ بھی سو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت بیدار

(1) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث (۵۸۷-۲۵۱)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۹۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۶۹، ۶۱۸۴)

ہوئے کہ سورج کا کنارہ نکل چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! تمہارا قول و قرار کہاں گیا؟“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یا رسول اللہ! مجھے آج جیسی نیند کبھی نہیں آئی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری ارواح کو قبض کر لیا اور جب چاہا انھیں واپس کر دیا۔ اے بلال! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے لیے اذان دو۔“ اس کے بعد آپ نے وضو کیا، جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی۔⁽¹⁾

اس حدیث رسول ﷺ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قضا نماز کا پڑھنا ضروری ہے۔

فوت شدہ نمازوں کی ترتیب:

وقت گزر جانے کے بعد قضا نماز باجماعت ادا کرنے کے متعلق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنگِ خندق کے دن ایسے وقت آئے جب سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے، عرض کی: اللہ کے رسول! میں نمازِ عصر بمشکل سورج غروب ہونے کے قریب ادا کر سکا ہوں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ کی قسم! عصر کی نماز میں بھی نہیں پڑھ سکا۔“

پھر ہم نے وادی بھا کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے نماز کے لیے وضو فرمایا اور ہم سب نے بھی وضو کیا، پھر آپ ﷺ نے غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ عصر ادا کی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔⁽²⁾

امام بخاری رحمہ اللہ کے رجحان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضر نمازوں کی طرح فوت شدہ نمازوں کو بھی ترتیب کے مطابق ادا کیا جائے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ صرف بعض فقہاء کا موقف یہ ہے کہ پہلے حاضر وقت کی نماز ادا کی جائے، اس کے بعد سابقہ فوت شدہ نمازیں ادا کی جائیں، تاہم رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ یہ ہے کہ پہلے فوت شدہ نمازیں حسب ترتیب پڑھی جائیں، پھر حاضر وقت کی نماز کو ادا کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر عمل کرنے ہی میں خیر و برکت ہے۔

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۹۵)

(2) صحیح البخاری، باب ۳۶۔ بعد قضاء نماز: رقم الحدیث (۵۹۶، انظر: ۵۹۸)

غشی طاری ہونے کی صورت میں:

قضائے نماز کے حوالے سے ہی عرض ہے کہ اگر کسی شخص پر غشی طاری ہو جائے، یعنی بیہوشی یا کومہ میں چلا جائے اور وہ تین دن یا تین دن سے کم مدت تک ایسی ہی حالت میں رہے تو اس کو اپنی نمازوں کو پڑھنا چاہیے۔ یہ قول حضرت عمار، عمران بن حصین اور سرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔⁽¹⁾ لیکن اگر یہ مدت تین دن سے تجاوز کر جاتی ہے تو پھر اس شخص پر فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں ہے، اور ایسا شخص مجنون کے حکم میں آجاتا ہے، کیوں کہ دونوں اشخاص میں زوالِ عقل کی صفت قدر مشترک ہے، اس لیے دونوں پر مفقود العقل کا حکم منطبق ہوگا۔ واللہ اعلم۔⁽²⁾ یہ تھی کچھ قضا نمازوں کی تفصیل۔

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ .

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ نماز
- ✽ فقہ الصلاة
- ✽ اسلام میں نماز کا مقام و مرتبہ
- ✽ نماز کے خزانے
- تالیف: امام احمد بن حنبل۔ تحقیق و تقدیم: شیخ حامد الفقی
- تالیف: ابو عدنان محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ
- تالیف: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعید بن علی بن وهف التھانی
- ترجمہ و تفسیر: ابو شمس عبداللطیف لکھنوی
- تالیف: شعبہ توعیہ الجالیات الزلفی

(1) دیکھیں: شرح کبیر (۸/۳) مغنی لابن قدامة (۳/۵۰-۵۲)

(2) دیکھیں: مجموع فتاویٰ سماحة الشیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ جمع و ترتیب از ڈاکٹر عبد اللہ طیار، و شیخ احمد بن عبد العزیز ابن باز (۲/۴۵۷)

وضو و نماز کے طبی فوائد و ثمرات

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

نماز اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جسے ادا کرنے کے پابند سبھی مسلمان ہیں اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں رہی ہے، چنانچہ ہر نبی کو نماز کے حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا، اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کی شریعت میں نماز نہ ہو۔

جب تک آپ حالت نماز میں ہیں، آپ بادشاہوں کے بادشاہ کے دروازے پر ہیں اور جو بادشاہ کے دروازے پر دستک دے گا تو اس کے لیے دروازہ ضرور کھلے گا۔ الغرض اسلام میں نماز کی امتیازی خصوصیات بہت ہی زیادہ ہیں جن میں سے کچھ ذکر کی جا چکی ہیں، اور اسے کسی دوسری عبادت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جسے ہر حال میں ضائع نہیں، بلکہ ادا کرنا ہے۔ گذشتہ قوموں کی تباہی و بربادی کا اصل سبب انکار نماز تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری اولاد کو نمازی بنا دے۔ آمین

میری بہنو! نماز اور وضو کے بیشمار روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے بکثرت طبی فوائد بھی ہیں اور وہ فوائد کیا ہیں؟ انسانی جسم پر اس کے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ دیکھتے ہیں میڈیکل سائنس کی نظر سے۔

میڈیکل اور سائنسی نقطہ نظر:

سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو نماز کے بے شمار طبی فوائد کا پتا چلتا ہے۔

سب سے پہلے نمازوں کے اوقات کو لے لیجئے ہر ایک دن میں پانچ فرض نمازوں کی تقسیم اللہ رب العزت نے ایسی فرمائی ہے کہ جو نمازیں خالی پیٹ ادا کی جاتی ہیں، یعنی فجر، عصر اور مغرب کی

نمازیں تو یہ رکعتوں کے لحاظ سے مختصر ہیں، اس کے برعکس جو نمازیں کھانے کے بعد ادا کی جاتی ہیں وہ ظہر اور عشاء کی نمازیں ہیں اور ان کی مجموعی تعداد (فرض اور سنتیں ملا کر) زیادہ ہے تاکہ جسم کی نماز کے ذریعے گویا کچھ ورزش ہو جائے۔ اسی طرح رمضان میں تراویح کی نماز سب سے لمبی ہوتی ہے، ان میں ہمارے لیے فائدہ یہ ہے کہ افطاری کے بعد پیٹ میں ایک ساتھ بہت سا کھانا پہنچ جاتا ہے جو نماز تراویح کے ذریعے ہضم ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: ”اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر اور نماز کے ذریعے ہضم کرو۔“

امریکہ کے ڈاکٹر شاہد اطہر اپنی کتاب ”اسلامی عبادات میں علاج“ میں لکھتے ہیں کہ طبی فوائد کے لحاظ سے نماز کے ۳ گوشے ہیں: تلاوت قرآن، رکوع اور سجدہ، مگر ان سے پہلے وضو۔

1- وضو کی برکات:

دین اسلام میں کوئی بھی ایسا عمل نہیں جسے ادا کرتے ہوئے مسلمان کو فائدہ نہ ہو اور انہی کاموں میں سے ایک وضو کرنا ہے، جو نماز ادا کرنے کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ (آیت: ۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو تو (جسم کے لباس سے باہر رہنے والے حصوں یعنی) اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو۔“

یعنی ایک، دو یا تین مرتبہ دھونا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا حدیث سے ثابت ہے، اس سے زیادہ بار نہیں۔ مسح پورے سر کا کیا جائے صرف ایک بار، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے گدی تک لے جائیں، پھر وہاں سے آگے کو لائیں جہاں سے شروع کیا تھا۔ اور پھر اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لیں۔^(۱)

فرض نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہے، وضو سے پہلے نیت کا کرنا فرض ہے، لیکن نیت کے کوئی خاص الفاظ ثابت نہیں، نیت دل سے ہوتی ہے۔ ہاں وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، پھر وضو کے اعضا کو ترتیب وار دھویا جائے، ان کے درمیان وقفہ نہ کیا جائے، یعنی ایک عضو دھونے کے

{1} سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۴۶)

بعد دوسرے عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے، بلکہ اعضا تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئیں، اعضائے وضو میں سے کوئی حصہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہ ہوگا، کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے، ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔^①

اسی کا نام وضو ہے اور اس کی برکات کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”قیامت کے دن جب تم میرے حوضِ کوثر پر آؤ گے تو تمہارے چہرے، ہاتھ اور پاؤں وضو سے روشن ہوں گے، یہ علامت میری امت کی ہے جو کسی اور امت کو حاصل نہیں ہوگی۔“^②

نبوی نسخہ:

وضو کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے غصے پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے، اسی لیے اسے نبوی نسخہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عطیہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، چونکہ شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے وضو کر لینا چاہیے۔“^③

یعنی وضو انسانی جسم کے اندر سے شیطانی اثرات کو ختم کر دیتا ہے۔

طبی نقطہ نظر سے:

طبی نقطہ نظر سے بھی وضو انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ایک دفعہ ایک مسلمان کو ایک چینی ڈاکٹر نے وضو کرتے ہوئے دیکھا تو وہ چینی ڈاکٹر مسلمان کے پاس گیا اور اس سے پوچھتا ہے کہ جس طریقے سے آپ ہاتھ دھو رہے تھے یہ طریقہ آپ کو کس نے بتایا ہے۔ مسلمان نے اسے جواب دیا کہ ہم اس طرح ہاتھ منہ دھونے کو وضو کہتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہمیں سکھایا ہے، ہم اس طریقے سے دن میں پانچ بار اپنے انہی اعضا کو دھوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے امام کو ملنا چاہتا ہوں وہ کہاں رہتے ہیں؟ مسلمان شخص نے جواب دیا کہ وہ تو چودہ سو سال پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ پھر

① تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر، و ایسر التفاسیر.

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۸۳/۲۴۸)

③ سنن أبي داود، رقم الحدیث (۸۷۸۶)

وہ کہتا ہے کہ میں چینی طریقہ سے علاج کا ماہر ڈاکٹر ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ قدرت نے انسان کے جسم میں کھال کے نیچے چھیاٹھ مقامات پر ایک خاص قسم کے سوئچ نصب کیے ہیں۔ چینی طریقہ علاج میں ان چھیاٹھ مقامات پر ایک خاص طریقے سے مساج کیا جاتا ہے جس سے پچاس سے زیادہ بیماریوں کا موثر علاج ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ جس طریقے سے وضو کر رہے تھے اس میں آپ نے وضو کے دوران میں جسم کی انہی باسٹھ جگہوں پر ہاتھوں سے مساج کیا ہے جہاں قدرت نے سوئچ نصب کر رکھے ہیں اور دن میں پانچ دفعہ وضو کرنے کی وجہ سے آپ کی بہت سی بیماریاں خود بخود غیر محسوس طور پر آپ کے جسم سے رفع ہوتی رہتی ہیں جس کا آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

پھر اس نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ جس شخص نے آپ کو یہ طریقہ سکھایا ہے وہ یقیناً دل میں انسانیت کا درد رکھنے والا ایک عظیم محقق اور علم طب کا ماہر ہوگا۔ یہ اس کا خیال تھا مگر میرا ماننا ایسا ہے کہ میرے اور آپ کے امام انبیاء ﷺ جیسا کائنات میں نہ کوئی تھا نہ ہے، نہ ہوگا۔ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ.

اسی طرح آج کے دور میں ہسپتالوں میں ہاتھوں کو بار بار دھونے اور صفائی کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا ہے، تاکہ جراثیموں سے روک تھام ہو سکے۔ اسلام بڑا بہترین دین ہے، اس کی تعلیمات بھی بہت عمدہ اور انتہائی اہمیت کی حامل ہیں، جس نے مسلمانوں کو ۱۴ سو سال پہلے یہ تعلیم دی تھی کہ مسلمانو! صفائی نصف ایمان یا ایمان کا حصہ ہے، تم اس کا خیال رکھا کرو اور ہاں، جب نماز کا ارادہ کرو تو وضو کر لینا، یعنی اپنے جسم کو پانی سے دھولیا کرو۔ اور ایک مسلمان دن میں ۵ مرتبہ پانی سے اپنے جسم کو دھوتا ہے جس سے انسان کے جسم پر کسی قسم کی میل اور نہ ہی کوئی جراثیم باقی رہتا ہے۔ اب یہ جسمانی و قلبی طور پر ہر قسم کی طہارت حاصل کرنے کے بعد شہادت کا اقرار کرتے ہوئے کہتا ہے:

« أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ »

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اے

اللہ! تو مجھے توبہ کرنے والوں میں شامل کر اور پاک لوگوں میں مجھے شمار کر۔“

2- نماز کے فوائد:

اب نمازی قیام کے لیے قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ کمر کی ہر ہڈی برابر ہو جائے اور آپ کا نفس بیدار اور مشتاق ہو اور اپنے رب سے مناجات کا پیاسا ہو، جیسے کوئی عاجز در ماندہ غلام کھڑا ہوتا ہے، اور اگر جماعت کے ساتھ کھڑا ہو تو اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا لے۔ اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا جائے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اللہ اکبر کہتے ہوئے سینے پر باندھ لے اور اپنی نظروں کو جائے سجدہ پر رکھتے ہوئے اللہ کے حضور تکبیر کہتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے۔^(۱)

تکبیر، اللہ اکبر کہنا:

جب آپ کسی نماز کے لیے قبلہ رو کھڑے ہو جائیں تو رفع یدین کرتے ہوئے، یعنی دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ، یعنی ”اللہ اکبر“ کہیں، کیوں کہ نماز کے آغاز میں رفع یدین اور تکبیر تحریمہ نبی اکرم ﷺ کی قولی و فعلی احادیث سے ثابت ہے اور یہ قبولیت نماز کی شرط بھی ہے۔ اللہ اکبر کہنے کے بعد دعا الاستفتاح جو کہ بہت ساری ہیں، ان میں سے کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے، مثلاً: جب آپ اپنی زبان سے یہ کہتے ہیں:

«اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ،
اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنْقَى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللَّهُمَّ
اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ»

”اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے جتنا تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان کر دیا ہے، اے اللہ! مجھے غلطیوں سے پاک کر جس طرح سفید کپڑا داغ دہوں سے صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ! پانی سے، برف سے اور اولے سے میری غلطیوں کو مجھ سے دھو دے۔“

(۱) صحیح البخاری (۲/۲۱۱)

(۲) سنن البيهقي و مستدرک الحاكم (۲/۷۳)

(۳) فتح الباري (۲/۲۱۷)

جب آپ اپنے رب سے یہ دعا مانگتے ہیں اور اس طرح گریہ و زاری سے مناجات کا آغاز کرتے ہیں تو آپ کا دشمن پھر آپ کے سامنے آجاتا ہے اور آپ کو رب سے پھیر کر اہل و عیال اور دولت و مال کے ساتھ گمراہ کن اقدامات کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے، آپ فوراً اللہ بزرگ و برتر کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور شیطانِ رجیم سے پناہ چاہتے ہیں، اس کی چالوں، مکاریوں اور وسوسہ اندازیوں سے دور رہنے کی درخواست کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ“

اس وقت آپ کے قلب (یعنی دل) کے زندہ و بیدار وجدان میں یہ احساس ابھرتا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کی دعا سن لی ہے اور آپ کو وہ مددِ ربانی اور استعانت نصیب ہوگئی ہے جس سے آپ کو اس دشمن پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے، اور آپ کا دل ان آلاشوں سے نجات پا گیا ہے، اور اپنی تمام تر توجہ اپنے رب کی طرف پھیر دی ہے۔ اس وقت اپنے رب کی ان صفات اور اسما کی مدد سے آپ پڑھتے ہیں جو آپ کے موقف، حاجت اور شکایت کے بالکل مناسب ہیں اور وہ یوں شروع کرتے ہیں:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”تمام بہترین تعریفیں تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے ہیں۔“

جو میرے رب کے لیے مناسب ہو سکتی ہیں جنہیں وہ جانتا ہے اور میں نہیں جانتا یا جانتی، وہ سب میرے رب کے لیے ہیں جو میری اور سارے کائنات کی پرورش کرتا ہے، جس طرح کہ اپنی نعمت اور تدبیرِ کائنات سے پورے جہاں کی پرورش کرتا ہے اور یہ ساری تعریفیں اور تدبیریں اللہ کے لیے ہیں۔

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ ”بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ہے۔“

میری بہنو! اللہ تعالیٰ اپنی دو صفات کے ذریعے پوری دنیا والوں کی تربیت اور پرداخت کرتا ہے اور تنہا وہی اس پر قادر ہے اور تمام چیزیں اس کی غلام ہیں، ان کی وہ تربیت اور پرورش کرتا ہے، انہیں نوازتا ہے اور ان کے لیے تدبیر و انتظام کرتا ہے، کیوں کہ وہ ﴿مَلِكٌ يُؤْتِي الدِّينَ﴾ ہے، ”وہ یومِ جزا کا مالک ہے۔“ اور بس اسی کے ہاتھ میں جزا و سزا ہے، وہ ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا، اگر کوئی اچھائی ہوگی تو اسے وہ چند کر دے گا اور اپنے پاس سے مزید اجرِ عظیم دے گا۔ اور کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ وہ آخرت کے حساب و کتاب، جنت کے درجات اور جہنم کی پستیوں سب کا مالک تو ہو

اور دنیا کا مالک نہ ہو؟ ناممکن ہے، وہ ساری دنیا کا مالک ہے، اور دنیا کے تمام انسانوں اور باقی مخلوقات کی پرورش و پرداخت وہی کرتا ہے اور اپنی نعمت و تدبیر سے تنہا ان کے لیے سارے انتظامات کرتا ہے، اس لیے میں اس سے عہد کی تجدید کرتے ہوئے اسی سے مدد چاہتی ہوں:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

”میں صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں اور صرف اسی سے مدد مانگتا ہوں۔“

ساری تعظیم، ساری محبت، سارا خوف اور تمام توقعات، تمام سوال، پکار اور فریاد سب تجھی سے وابستہ ہیں، وہ ذات پاک! جو اپنی نعمتوں سے میری اور سارے جہاں کی پرورش کرتا ہے، میں اپنے دین کے تمام معاملات میں صرف تجھی سے مدد چاہتی ہوں، تو ہی اول ہے اور تو ہی آخر ہے، جو چیز بھی مجھ تک پہنچتی ہے اس کا آغاز تجھی سے ہوتا ہے اور جو انجام اور بدلہ مجھے ملتا ہے اس کا مرجع اور منتہی بھی تو ہی ہے، ہر حکم اور عمل اور ہر چیز کا لوٹنا تیری ہی طرف ہے، تو دلوں کو بدلنے والا ہے اور اپنے بندوں پر غالب اور زبردست ہے۔

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ ”ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔“

تو میرے ہر کام اور ہر اقدام میں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر، ہدایتِ فطرت اور ہدایتِ رسالت سے میری بصیرت کو روشن کر اور اس بصیرت کے آفتاب کو میرے دل و دماغ، میری سماعت و بصارت، میرے رگ و ریشہ اور روح میں صوفشاں رکھ تا کہ میں اپنی زندگی کے تمام کام علم و بصیرت کی روشنی میں انجام دوں، تا کہ ہمیشہ اعتدال اور میاں نہ روی پر قائم رہوں، میری زندگی میں نہ کوئی کمی ہو نہ ضلالت نہ بدبختی اور ہر قدم پر مجھے ثبات عطا فرما، تا کہ میں ہمیشہ منعم علیہ بندوں کے راستے پر گامزن رہوں۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ”ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔“

اپنے محبوب بندوں انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی رفاقت عطا کر اور ان نیک بندوں کی صحبت میرے دل میں گھر کر دے اور اس انس اور نعمت کی بدولت گمراہوں اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے راستے کی معرفت عطا کر۔

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ ”ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں

کی۔“ تاکہ میں اس سے احتراز کر سکوں اور بچ سکوں، شیطان میرے باپ دادا کے طور طریقوں کو میرے سامنے مزین نہ کر سکے، نہ ہوائے نفس اور بھیمی خواہشات کو روغن مل کر مجھے دھوکا دے سکے اور اگر کبھی اس نے مجھے فریب دے بھی دیا تو میں جلد رشد و ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طرف لوٹ آؤں۔

جب آپ اس مناجات میں سچے ہوں گے، دل آپ کا حاضر ہوگا تو نفس آپ کا بیدار ہوگا اور آپ کی روح جو آسمانوں کے بلند ترین حصے تک جا چکی ہوگی، اپنے رب کے جواب کو سنے گی اور کلامِ الہی کی شیرینی کو محسوس کرے گی۔ اور کتابِ عزیز کے ثمرات سے مستفید ہوگی، پھر آپ طولِ طویل مناجات اور مکالمہ میں لگ جائیں گے، قرآن کا جتنا حصہ ممکن ہوگا پڑھیں گے۔ سورت فاتحہ کے بعد قرآنِ کریم کے کسی بھی حصے کی تلاوت کر لیں یا کسی بھی سورت کی تلاوت کر لیں، نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت ضرور کیا کریں، اس میں بہت فوائد ہیں۔ قرآنِ کریم اللہ کا نازل کردہ کلام ہے، قرآنِ کریم کی اثر انگیزی بڑی زبردست ہے۔ اگر اس کلامِ الہی کو پہاڑوں پر نازل کر دیا جاتا تو وہ بھی لرز جاتے اور اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتے۔ جیسا کہ سورۃ الحشر (آیت: ۲۱) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ

الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خوفِ الہی سے دب جاتا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

قرآنِ کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن میں بلاغت و فصاحت، قوتِ استدلال اور وعظ و تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انھیں سن کر پہاڑ بھی باوجود اتنی سختی اور وسعت و بلندی کے خوفِ الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے اور پہاڑوں کی قوت و طاقت کے مقابلے میں انسانی دل کی حیثیت ہی کیا ہے؟ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئیں تاکہ تو نصیحت حاصل کرے، اسے سن کر پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرے۔

میری بہنو! اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اُسے اٹھانے کی قوت عطا

کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل اور رحمت سے سرفراز کرتا ہے۔ رب ذوالجلال نے ہمیں قرآن کریم کی جو عظیم دولت عطا کی ہے اور جس فضل و رحمت کا ہم پر فیضان کیا ہے اس پر ہی ہماری ساری راحت و مسرت موقوف ہے۔

3- تلاوت قرآن کے فوائد:

سورت یونس (آیت: ۵۷) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے اور راہنمائی کرنے والی ہے (مگر اہوں کے لیے) اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔“

یعنی جو شخص قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے، کیوں کہ آپ کا رب قرآن کریم کے ذریعے سے آپ کو احکام و قوانین سے باخبر کرے گا، پاکیزہ اور پر امن زندگی گزارنے کے طریقے بتائے گا، اپنے ہدایت یافتہ انبیاء اور ان کے نیک پیروکاروں کے قصے سنائے گا اور ان لوگوں کی داستان آپ کے سامنے رکھ دے گا جن پر ان کے رب نے انعام کیا، انہیں دنیا و آخرت کی عزت اور بہبودی عطا کی، اور اپنے دشمنوں اور اپنے رسولوں کے دشمنوں کے حالات سنائے گا اور ان سخت سزاؤں کا بھی اس میں ذکر ہے جن سے اس نے انہیں دوچار کیا، کیوں کہ وہ اس کے اہل تھے، اس میں ان اسماء و صفات کو بھی دہرایا گیا ہے جن سے اپنی ذات کو متصف کیا ہے، جو دل میں اس سے عظیم محبت اور اس پر توکل کو ابھارتی ہیں اور صرف اسی سے رشتہ جوڑنے کی دعوت دیتی ہیں، اس میں آخرت کی خبروں اور اس میں نہریں بہنے والے باغات اور جہنم کی آگ اور انسانوں اور پتھروں کے ایندھن کا ذکر کیا ہے۔

اس پورے عرصے میں آپ حاضر رہیں گے، اللہ اور اس کے رسولوں کے دشمنوں کو دیکھیں گے اور اپنے نفس، عقیدہ، اخلاق اور اعمال کا سوال کریں گے: کیا تمہارے اندر بھی وہ صفات اور اعمال موجود ہیں جو تمہیں ان ظالموں میں داخل کر دیں؟ آپ کو احساس ہوگا اور میرا خیال ہے کہ یقینی طور پر احساس ہوگا، جو اب اثبات میں ہے، فوراً آپ اپنے نفس کو ان سے نجات دلائیں اور اسے اپنے رب

کے دامن میں پناہ لینے پر آمادہ کریں۔ اور پکار اٹھیں کہ وہ آپ کو علم نافع اور ہدایت دے اور آپ کی معزز و باشعور انسانیت کو قوی بنا کر ان لوگوں سے دور رکھے، تاکہ آپ مخلص لوگوں میں شامل ہو سکیں۔

میری بہنو! قرآن حکیم کے معانی و وعظ کے اصل معنی ہیں عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ اور واعظ کی مثال طیب یا ڈاکٹر کی ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اسی طرح قرآن کریم بھی ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دو چار ہونا پڑے گا، اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائدِ حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو گندگی و پلیدی ہوتی ہے اسے صاف کرتا ہے۔ یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے، لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انھی کے لیے اسے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اور سورت بنی اسرائیل (آیت: ۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾

”یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔“

قرآن بڑی بابرکت کتاب ہے، قرآن کی پکار کو ذرا سنو تو سہی کیا کہہ رہا ہے:

﴿فَإِنَّ تَذٰكِرًا لِّكُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُمْ لَعَلَّهَا تَكْفُرُ﴾ [التکویر: ۲۶] ”لوگو! (مجھ سے منہ موڑ کر) کہاں جاتے ہو۔“

قرآن کریم کی مثال بارش کی طرح ہے، کیوں کہ بارش جب بھی نازل ہوتی ہے مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ سب قرآن کریم کی برکتیں ہیں اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش وقتاً فوقتاً نازل ہو، نہ کہ ایک ہی مرتبہ۔ اور تلاوت قرآن سے انسانی جسم، دماغ اور دل پر بھی شفا بخش اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ تھے تلاوت قرآن کے بعض روحانی فوائد۔

اب طبی فوائد! جن کے متعلق امریکی ریاست فلوریڈا کے ڈاکٹر احمد قاضی نے اپنے کلینک میں تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ تلاوتِ قرآن سے انسانی جسم کے رگ و ریشے پرسکون اور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ اثرات کیا ہیں؟

1] ہائی بلڈ پریشر کم ہوتا ہے۔

2] جسم کو سکون ملتا ہے۔

3] دل کی دھڑکن آہستہ اور نارمل ہو جاتی ہے۔

لہذا تلاوتِ قرآن میں ہر مسلمان کے لیے تو ہر حال میں خیر ہی خیر ہے سوائے ابلیس اور اس کے چیلوں کے۔

4- رکوع کے فوائد:

اسی طرح ہی تلاوتِ قرآن کے بعد نماز کے ارکان میں سے رکوع کرنا بھی ایک رکن ہے، جیسا کہ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَأَذْكُرُوا مَعَ الزَّكِيَّةِ﴾ [البقرة: ۴۳] ”اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

اے مسلمان! تو کتنا خوش نصیب ہے، تیری ہر قسم کی عبادت میں تیرے لیے کتنے فوائد ہیں کہ تو رکوع کرتا ہے اپنے رب کریم کے حکم کے مطابق، جس میں تیرے رب کی رضا بھی ہے اور تیرے جسم کے لیے شفا بھی ہے، کیوں کہ جب تو اپنے رب کے سامنے رکوع میں اس طرح جھک جاتا ہے کہ تیرے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ہوتے ہیں اور تیری کمر بالکل سیدھی ہو جاتی ہے تو اس طریقے کو سنت کے مطابق رکوع کا نام دیا جائے گا جو قبولیتِ نماز کے لیے از بس ضروری ہے۔

لہذا اب آپ اپنے رب کی بارگاہ میں رکوع چلے جائیں گے جس نے آپ پر فضل و احسان کیا ہے، حالانکہ آپ کی طرف سے کوئی صلہ اسے نہیں ملنے والا، کیوں کہ آپ تو بس فانی ہیں، اسے کیا دے سکتے ہیں؟ آپ کا دل اور آپ کی زبان اپنے عظیم رب کی تسبیح کرے گی۔ اور پھر آپ ((سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ)) کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، ”اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد و ثنا بیان کی۔“ سن لے اے بزرگ و برتر اے کبیر و عظیم ذات میری دوبارہ حمد کو۔

میری بہن! تیرے اس عمل میں تیرے رب کی رضا ہے اور تیرے لیے طبی فائدہ یہ ہے کہ اس

طریقے سے معدے کو قوت پہنچتی ہے، نظام ہضم یا ہاضمہ درست رہتا ہے، قبض دور ہوتی ہے، معدے کی دوسری خرابیاں، نیز آنتوں اور پیٹ کے عضلات کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے۔ رکوع سے جگر اور گردوں کے افعال میں درستی پیدا ہوتی ہے۔ اس عمل سے پیٹ کی چربی کم ہو جاتی ہے اور اس طریقے سے چونکہ دوران رکوع میں ہاتھ نیچے کی طرف جاتے ہیں اور کندھوں سے لے کر ہاتھ کی انگلیوں تک پورے حصے کی ورزش ہو جاتی ہے جس سے بازوؤں کے پٹھے طاقتور ہو جاتے ہیں اور ان میں جو بڑی عمر کے لوگ ہیں ان کے لیے فوائد یہ ہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے جوڑوں میں جو فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں وہ از خود خارج ہو جاتے ہیں۔

یعنی ایک مسلمان جب اپنے رب کے سامنے جھکتا ہے تو وہ اپنے رب کی فرمانبرداری کرتا ہے، اس کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اپنے لیے اللہ سے مغفرت کا سوال کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بہت ساری نعمتیں بھی حاصل کرتا ہے جو بیماریوں سے نجات کی شکل میں ہیں، پھر رکوع سے اٹھنے کی دعائیں مانگی جاتی ہیں جن کا بہت اجر و ثواب ہے۔ یہ تھے کچھ رکوع کے فوائد اور اب سجدے کے متعلق بات کریں گے۔

5- سجدہ قربِ الہی کا ذریعہ:

سجدے کا مقام و مرتبہ، عز و شرف اور فضیلت و اہمیت بہت زیادہ ہے، اس کا تعلق نماز کے ارکان سے ہے اور سجدہ نہایت اہم رکن ہے۔ یہ عبادت کا ایسا رکن ہے جو آج صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسلام سے پہلے کے باقی تمام مذاہب نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ۹۰ سے زیادہ مقامات پر سجدے کا ذکر ہے۔ سورۃ العلق (آیت: ۱۹) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ”سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔“

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”بندہ سجدے کی حالت میں سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے، اس لیے اس حالت میں اللہ کو پکارو اور سجدے میں بکثرت دعائیں کیا کرو۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں کہا کرتے تھے:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۸۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۱۰/۱۸۳)

”اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، چھوٹے بھی اور بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے بھی اور چھپے بھی“^①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ وفات سے پہلے بکثرت یہ فرماتے تھے: ”(اے اللہ!) میں تیری حمد کے ساتھ تیری ستائش کرتا ہوں، تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ کلمے کیا ہیں جو میں دیکھتی ہوں کہ آپ نے اب کہنے شروع کر دیے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میرے لیے میری امت میں ایک علامت مقرر کر دی گئی ہے کہ جب میں اسے دیکھ لوں تو یہ (کلمے) کہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: جب سے آپ پر ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ اتری اس وقت سے میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے جو بھی نماز پڑھی اس میں یہ دعا مانگی:

«سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ»

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں جلد ہی اپنی امت میں ایک نشانی دیکھوں گا اور جب میں اس کو دیکھ لوں تو بکثرت کہوں: «سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ» تو (وہ نشانی) میں دیکھ چکا ہوں۔ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ [النصر: ۱]

”جب اللہ کی نصرت اور فتح آ پہنچے“ (یعنی) مکہ فتح ہو اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور اس سے بخشش طلب کریں بلاشبہ وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔“^②

سجدے میں اللہ کے قرب کا مطلب یہ ہے کہ انسان قدر و منزلت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتا ہے۔ مسافت و مساحت کے اعتبار سے قریب مراد نہیں۔ سجدے کی خوبصورتی یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم فرش پر اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہیں اور وہ عرش پر سنی جاتی ہے۔ پھر آپ سجدے سے اٹھتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں پر اپنے رب سے استغفار کرتے ہیں، پھر اسی طرح سجدے میں چلے جاتے ہیں، اور پھر اسی طرح دوسری رکعتیں بھی پڑھتے ہیں۔

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۸۶)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸)

6- رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ:

سجدے کا ادا کرنا جہاں انسان کے لیے ذریعہ نجات و باعثِ جنت ہے، وہیں سجدے کی وجہ سے قیامت کے روز رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ کی ضمانت بھی ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی (خدمت کے لیے) ان کے ساتھ (صفہ میں آپ ﷺ کے قریب) رات گزارا کرتا تھا، (جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو) میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ (ایک مرتبہ) آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”(کچھ) مانگو۔“ تو میں نے عرض کی: میں آپ ﷺ سے یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے سوا کچھ اور؟“ میں نے عرض کی: بس یہی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے معاملے میں سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔“^①

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے جنت میں لے جانے والا کوئی عمل پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”بکثرت سجدے کو اختیار کر لو۔ اور تم جب بھی سجدہ کرو گے تو اللہ تمہارے ہر سجدے کے عوض تمہارا ایک درجہ بلند کرے گا اور ایک گناہ مٹا دے گا۔“^②

7- نورِ جبین:

اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے والی جبینِ نیاز قیامت کے دن خوب منور و روشن ہوگی، بلکہ وہ مومن کی پہچان بن جائے گی۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جب اللہ اہلِ جہنم میں سے کسی پر رحمت کی نظر کرتا ہے تو فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے والوں کو جہنم سے نکال لاؤ۔ وہ انہیں نکال دیتے ہیں اور انہیں وہ سجدوں کے نشانات کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ اور اللہ نے آگ پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ سجدوں کے نشانات کو بھسم کرے۔ لہذا اہلِ جہنم میں سے عبادت گزار جہنم سے نکال دیے جائیں گے۔ پورے بنی آدم کو آگ کھا جائے گی سوائے سجدوں کے نشانات کے۔“^③

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۹۴)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۹۴۳)

③ صحیح البخاری (۲/۲۹۳) صفة الصلاة للالباني (ص: ۸۸)

8- شیطان کا رونا:

سجدے کے مقام و مرتبہ، اور فضیلت کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”جب بنی آدم آیتِ سجدہ پڑھتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا اور کہتا ہے: میں برباد ہو گیا، ابنِ آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کر لیا اور جنت پائی، مجھے سجدے کا حکم ہوا اور میں نے انکار کیا جس سے میرا ٹھکانا جہنم ہو گیا ہے۔“^①

سجدہ ادا نہ کرنے کے نتیجے میں شیطان لعین راندہ درگاہ ہوا تھا، جبکہ اس کا ادا کرنا بندہ مومن کے لیے باعثِ نجات و ذریعہٴ جنت ہے۔ خصوصاً اگر وہ حکمِ الہی اور حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب کم از کم نمازِ پنج گانہ میں ہی سجدہ کر کے اس حکم سے عہدہ برآء ہو۔ اور اگر کوئی شخص پنج گانہ فرائض ہی کا تارک ہے تو پھر وہ بھی شیطان کی طرح سجدے کا نافرمان ہے اور اسے اپنا ٹھکانا معلوم ہونا چاہیے۔

9- سجدے کے طبی فوائد:

میڈیکل ریسرچ کہتی ہے کہ دل پورے جسم کو خون سپلائی کرتا ہے، لیکن دماغ کے دل سے اوپر ہونے کی وجہ سے خون پورے پریشر سے دماغ تک نہیں پہنچتا۔ اور یہ کمی دماغ کی کمزوری اور ڈپریشن کا سبب بنتی ہے۔ اگر انسان ہر روز ایک بار بھی ایسی پوزیشن میں آئے کہ اس کا دماغ اس کے دل سے نیچے ہو جیسے سجدہ، کیوں کہ سجدے میں ایک ایسی انوکھی اور منفرد حالت ہوتی ہے جس میں انسان کا دل اس کے دماغ سے بلند ہوتا ہے، باقی تمام حالتوں میں دماغ دل سے اوپر رہتا ہے۔ اور جب انسان سجدہ کرتا ہے تو سجدے کی حالت میں زائد خون انسان کے دماغ کی طرف جاتا ہے، اس طریقے سے دل کے لیے خون سر کی طرف پمپ کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس طرح دل کا کام کم ہو جاتا ہے اور اسے آرام ملتا ہے۔ اور دماغ کو مزید غذائیت ملتی ہے، اس سے دماغ طاقتور اور تر و تازہ رہتا ہے جس سے سکون، اطمینان اور خوشی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے دماغی صلاحیتیں اجاگر ہونے لگتی ہیں اور اس کی یادداشت، نظر، قوتِ سماعت، ارتکازِ توجہ اور دیگر ذہنی صلاحیتوں پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر، اے انسان! تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلائے گا۔“

① صحیح مسلم (۶۹/۲/۱) سنن البیہقی (۲/۲۱۲)

کچھ تحقیقات ڈاکٹر ذاکر نائک کی:

معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر ذاکر نائک کی تحقیق کے مطابق:

1] سجدے کی حالت میں انسان کی سانس کی نالی میں جمع شدہ پتلا بلغم بہہ کر نکل جاتا ہے اور ایسے لوگ ناک کے انفیکشن جیسی بیماری سے بچے رہتے ہیں۔

2] اسی طرح پھیپھڑوں میں جمع شدہ مادہ بھی سجدے کی برکت سے بہہ نکلتا ہے اور اس سے پھیپھڑوں کے انفیکشن کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ جبکہ عام حالات میں سانس لیتے ہوئے صرف دو تہائی ہوا پھیپھڑے باہر نکالتے ہیں اور سجدے کی حالت میں پھیپھڑے کے نیچے کے پٹھے پر دباؤ پڑنے سے بقیہ پھیپھڑے ایک تہائی ہوا باہر نکالتے ہیں جو پھیپھڑوں کی صحت و تندرستی کے لیے نہایت اہم ہے۔

3] ان کا کہنا ہے کہ حالتِ سجدہ کی وجہ سے بوا سیر کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں۔

4] ٹوٹل نماز میں قیام، رکوع اور سجود کی وجہ سے پاؤں اور ٹانگوں کے پٹھے بھی حرکت میں آ جاتے ہیں اور ان میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے جو جسم کے لیے مفید ہوتی ہے۔

5] اور اس سے ریڑھ کی ہڈی کے امراض لاحق ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

6] جو لوگ باقاعدگی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں وہ لوگ شاید ہی گردن کے پٹھوں کی بیماریوں کا شکار ہوتے ہوں گے، کیونکہ ان کی گردن کے پٹھے روزانہ ۵۰ سے زیادہ سجدے کرنے سے کافی مضبوط ہو چکے ہوتے ہیں۔

میری بہنو! ان تمام طبی فوائد اور حکمتوں کے باوجود یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ مسلمان روزانہ ۵ نمازیں ان طبی فوائد کو حاصل کرنے کے لیے نہیں پڑھتے، بلکہ انہیں ایک دینی فریضہ سمجھ کر پڑھتے ہیں اور ان کے پیش نظر ان کی نمازوں کا اصل مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کے حکم کی تعمیل اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے، تاہم غیر مسلموں کو نماز کے یہ تمام فوائد بتائے جاسکتے ہیں، کیونکہ اسلام کے تمام احکامات میں بکثرت حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اسلام انسان کے لیے نہ صرف روحانی فلاح کا پیغام لے کر آیا ہے، بلکہ دنیاوی لحاظ

سے بھی دیکھا جائے تو اس کی برکت سے ملنے والی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں۔ نماز میں انسان کے لیے بہت ہی فائدے ہیں۔ بے نماز جہنم میں ہوگا اور اس کے لیے کسی کی سفارش اسے فائدہ نہ دے گی۔ ارشادِ الہی ہے:

”بیشک نماز ایمان والوں پر مقررہ وقت میں ادا کرنا فرض ہے۔“ [النساء: ۱۰۳]

جو شخص اس کی قدرت اور استطاعت نہیں رکھتا اس سے وضو، غسل، تیمم، کپڑے، قبلہ رو ہونا، قیام و قعود سب ساقط کر دیا، لیکن متعین نماز ساقط نہیں کی یہاں تک جنگ کے موقع پر بھی اسے منسوخ نہیں کیا، کیوں کہ ہر بندہ ہر حال میں اپنے رب کا محتاج ہے، بلکہ مرض اور مصائب و شدائد میں تو اور زیادہ ضرورت مند ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اس سے نوازتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

10- یہ ہے نماز کی روح اور اس کی معنویت و حقیقت:

اس پر اللہ نے دنیا و آخرت کی سعادت اور کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ یہ نماز انسان کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ سورۃ العنکبوت (آیت: ۴۵) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

”یقیناً نماز بے حیائی سے اور برائی سے روکتی ہے۔“

افسوس ہے اس شخص پر جو مغز کو ضائع کر دے اور چھلکوں پر مرٹے اور کتنے ناکام ہیں وہ لوگ جنہوں نے نماز سے بدترین غفلت برتی اور اس کی حقیقت کو فراموش کر دیا اور اس کے پاکیزہ ثمرات اور ان بھلائیوں سے محروم رہ گئے جن سے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے، جن کے ذریعے ارواح کو نشوونما ملتی ہے، دلوں کی حفاظت ہوتی ہے، اخلاق پاکیزہ ہوتے ہیں ہر فرد اور معاشرہ سنورتا ہے، لوگ کبار اور فواحش سے بچتے ہیں، اور رب العالمین کی تمام نعمتوں سے بہتر طور سے استفادہ کرتے ہیں اور نیکی و تقویٰ، عدل و احسان اور حقوق کی پاسداری وغیرہ بلند اور پاکیزہ صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ لہذا اپنی نمازوں کو بہتر بنائیے، پوری طرح رکوع و سجود کا اہتمام کیجیے اور ان کی حدود کا خیال رکھیے۔

11- نماز فجر و عصر:

نمازیں تو سب ہی بڑی فضیلت والی ہیں، لیکن فجر و عصر کی نماز کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی

گئی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلَّى الْبُرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ»^①

”جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (یعنی فجر و عصر) پابندی سے ادا کیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“

حضرت جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس نے نماز فجر ادا کی وہ اللہ کے ذمے میں آگیا۔ اللہ تمہیں اپنے ذمے کو ترک کرنے کے لیے کسی معاملے میں مواخذہ نہ کرے، ورنہ جسے اس نے اپنے ترک ذمہ کے لیے طلب کر لیا تو وہ اسے پکڑے گا۔ اور اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دے گا۔“^②

مگر فجر کی نماز تو وہی انسان پڑھتا ہے جس کے دل میں اللہ کی محبت ہو۔ اور یقیناً آپ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا آپ کے دل میں بہت عظیم مقام بھی ہے۔ اب اللہ کی اس محبت کا ٹیسٹ ہے جو آپ کے دلوں میں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز ایسے وقت میں رکھی ہے تاکہ ہمارے دلوں میں اپنی محبت کا امتحان لے سکے اور اگر کسی نے اپنے بستر کو نماز فجر پر فوقیت دی تو ایسے شخص کے متعلق بتائیے کہ ایسے دل میں اللہ کی محبت کہاں ہے؟

گزر گئی نماز فجر مگر تم سوتے رہے
قیمتی وقت تھا مگر تم خوابوں میں کھوٹے رہے
ہو گئی صبح مگر تم بیدار نہ ہوئے
عمر بھر سو کر بھی ہم بیزار نہ ہوئے

اس طرح جن لوگوں نے ٹی وی پروگراموں، کھیل کے مقابلوں اور ٹاک شو کو نماز پر فوقیت دی، بتائیں ان کے دلوں میں اللہ کی محبت کہاں ہے؟ ایسا انسان نماز پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا:

”ان پر نماز بھاری ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر بھاری نہیں۔“ [البقرة: ۴۵]

① صحیح البخاری (۵۲/۲) صحیح مسلم (۱۳۵۱۵/۳)

② صحیح مسلم (۱۵۸/۵) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۱۸۴) صحیح الجامع (۱۲۳/۵)

12- نمازِ ظہر کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر کو اول وقت میں ادا کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

”اگر ان لوگوں کو نمازِ ظہر بروقت ادا کرنے کے اجر و ثواب کا پتا چل جائے تو وہ ضرور اس کی طرف بھاگے بھاگے آئیں اور ایک دوسرے پر سبقت و پہل کرنے لگیں۔“^①

نمازِ ظہر کے وقت تجھے کام نے الجھا دیا
مگر اے انسان بے نمازی بنا کر تجھے کتنا پھسا دیا
دے گا رزق رازق تجھے نماز کے بعد بھی
پالے گا رب تیرا گھر نماز کے بعد بھی

13- نمازِ عصر:

اسی طرح اللہ نے عصر کی نماز بھی آرام والے وقت میں اسی لیے رکھی ہے تاکہ پتا چلے کہ محبت کا جذبہ ہمارے دلوں میں کتنا موجود ہے۔ نمازِ عصر کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”جس کی عصر کی نماز فوت (یعنی قضا) ہوگئی وہ ایسے ہے جیسے کہ کسی کے اہل و مال ہی ہلاک و برباد ہو گئے ہوں۔“^②

دیکھ آ گئی نمازِ عصر تو انائی لے کر
نمازِ عصر کا فائدہ قوت ہے اس میں، تو اسے ادا کر
تندرست ہے تو آج اس لیے شکر ادا کر
اپنے بدن کو تو سجدوں کی لذت دیا کر

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۱۵) صحیح مسلم (۴/۱۵۷)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۰/۲)

14- نمازِ مغرب:

نمازِ مغرب کو ٹھنڈی نمازوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔^①

چل دیا آفتاب غروب ہونے کو
نمازِ مغرب کا وقت ہے اب شروع ہونے کو
ختم ہو گیا تیری زندگی کا ایک اور دن
چلا گیا یہ بھی ہاتھوں سے تیرے نیکیوں دن

15- نمازِ عشا:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
”جس نے نمازِ عشا باجماعت ادا کی اس نے گویا نصف رات قیام کیا۔ اور جس نے فجر
کی نماز بھی جماعت سے پڑھی تو اس نے گویا ساری رات ہی نماز میں گزار دی۔“^②
اس نماز کی کتنی فضیلت ہے۔

اب تجھے چاہیے، اے مسلمان رات سونے سے پہلے
نمازِ عشا پڑھ لے اپنی زندگی کھونے سے پہلے
پائے گا سکون تو اللہ کے ذکر میں
ملے گا قرار تیرے دل کو، اسی فکر میں

نمازوں کے متعلق آپ اُس نصیحت کو یاد رکھیں جسے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نماز کے بارے میں ہے، فرمایا:
”فرض نماز کو مت چھوڑنا، جس نے فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑی اس سے حفاظتِ الہی
کی ذمہ داری اٹھ گئی۔“^③

① صحیح البخاری (۵۲/۲) صحیح مسلم (۳/۵/۱۳۵)

② مختصر مسلم للمنزہی، رقم الحدیث (۳۲۴) صحیح الجامع (۳/۵/۱۳۲)

③ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۰۳۴)

بے نماز کا انجام:

بے نماز ان بدنام زمانہ لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کا ذکر حدیث میں موجود ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

”بے نماز کا ساتھ قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“^①

اللہ ایسے انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین

اپنی زندگی میں ہم نے بہت سارے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جب کبھی یہ وعظ و نصیحت اور مجلس ذکر میں ہوتے ہیں تو اس وقت ان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور ضمیر جاگ اٹھتا ہے مگر جیسے ہی وعظ و نصیحت بھول جاتا ہے تو دل پر وہی پرانی قسوت اور سختی آجاتی ہے، یعنی خدا خونی و دل کی نرمی ختم ہو جاتی ہے، کیوں کہ وعظ و نصیحت کی مثال کوڑے کی طرح ہے، کوڑے کی مار جب پڑتی ہے تو جسم درد محسوس کرتا ہے، مگر جیسے جیسے مار کو کچھ وقت گزرنے لگتا ہے تو درد کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دل دوبارہ دنیا کی رنگینیوں میں الجھ جاتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو وعظ و نصیحت سے بس اتنے ہی وقت کے لیے متاثر ہوتے ہیں جب تک وہ سنتے رہتے ہیں اور اس کی تاثیر بھی اتنی دیر تک رہتی ہے جتنی دیر تک مجلس رہتی ہے جیسے ہی مجلس بروخواست ہوتی ہے ان کے دل و دماغ سے وعظ کی تاثیر بھی ختم ہو جاتی ہے۔

غرض دنیا کی طرف کھینچنے والے اسباب بہت ہیں، جبکہ آخرت کی طرف راغب کرنے والے امور اس سے کم ہیں، کیوں کہ دنیا کو رنگین بنا کر پیش کیا گیا ہے، جبکہ آخرت ان دیکھی ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں چونکہ آخرت کا ذکر زیادہ ہے اس لیے انسان کی طبیعت بھی آخرت کی طرف زیادہ مائل ہے، جبکہ یہ غلط ہے۔ انسان فطرتاً دنیا کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ دنیا اور آخرت کے مقابلے میں انسان کی مثال پانی جیسی ہے۔ چونکہ پانی فطرت کے مطابق بہاؤ اختیار کرتا ہے، وہ اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے۔ دنیا کی مثال نیچے کی ہے اور آخرت کی مثال اوپر کی۔ اس پانی کو نیچے کی طرف لانے کے لیے کسی خارجی محرک کی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ اسے اوپر کی طرف چڑھانے کے لیے خارجی محرک کی بہت ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفس کو آخرت کی طرف راغب کرنے کے لیے دین میں ترغیب اور ترہیب کا پہلو استعمال کیا جاتا ہے۔ طبعاً انسان دنیا کی طرف

① صحیح ابن حبان (۱۴۶۷)

راغب ہے، جبکہ آخرت کی طرف اسے مائل کرنے کے لیے شدید مشقت کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب اپنی طبع کے خلاف کام کر کے آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اسے کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔ آپ اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کریں گی تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا، ان شاء اللہ، کیوں کہ اس میں ہی ہمارے رب کی رضا ہے اور ہمارے لیے جنت و انعام ہے، وہ جنت جس کے ایک لمحے کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ دکھی اور مصیبت زدہ تھا۔ اسے جنت کی نہر میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اسے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی سختی و تنگی دیکھی ہے؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! میرے ساتھ کبھی سختی کا گزر نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہے۔“^①

میری بہنو! ایسی جنت حاصل کرنے کے لیے آپ کوشش کریں جس کا ایک لمحہ دنیا کے ہر دکھ اور پریشانیوں کو ختم کر دے گا، ایسی جنت حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ بھلائی کے کاموں میں گزاریں، بلکہ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں، جیسا کہ اللہ کا حکم ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ [البقرة: ۱۶۸] ”بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکلو۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے ”سابقوا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مفہوم محض ”دوڑو“ کے لفظ سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ مسابقت کے معنی مقابلے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم دنیا کی دولت، لذتیں اور فائدے سمیٹنے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی جو کوشش کر رہے ہو اسے چھوڑ کر نیک کاموں کو ہدف و مقصود بناؤ اور ان کی طرف دوڑنے میں بازی لے جانے کی کوشش کرو۔

نیکی کے کاموں کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی کریں، کیوں کہ جب آپ نماز نہیں پڑھتے تو یہ مت سوچیں کہ وقت نہیں ملا یا میرے کپڑے پاک نہ تھے، کوئی بات نہیں، اللہ معاف کرنے والا ہے۔ ایسا مت کہیں، بلکہ یہ سوچ لیں کہ ایسی کیا خطا ہوئی ہے ہم سے کہ اللہ نے ہمارا اپنے سامنے کھڑا

ہونا پسند نہیں فرمایا۔ میری بہنو! ہم میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ کل سے نماز شروع کروں گی، میرا ان سے یہ سوال ہے کہ کل صبح تک تمہاری زندگی کی کیا ضمانت ہے؟ کل صبح تک اگر سانس نہ رہی تو کیا کرو گی؟ آپ کچھ وقت کے لیے تصور کیجیے کہ اگر میں نماز پڑھے بغیر سو گئی؟ اور آنکھ روم کے بجائے قبر میں کھلی تو وہاں کیا کروں گی؟ کیا جواب دوں گی؟ اپنے رب العالمین کو یہ کہوں گی کہ یا اللہ تو بہت رحیم و کریم ہے، اللہ ہمیں اپنی رحمت سے معاف فرما دے۔ نہیں وہاں معافی کی ہرگز گنجائش نہیں ہوگی، کیوں کہ تو بہ کا دروازہ قبر کا دروازہ بند ہونے سے پہلے کھلا تھا اب نہیں۔ لہذا اللہ تو بہت رحیم ہے، اس میں کوئی شک نہیں، مگر میرے رب نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ [البروج: ۱۷]

”بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“

میری بہنو! قبر میں جانے سے پہلے آپ اس کی پکار کو غور سے سن لو:

کہ وہ آپ کو روزانہ پکار پکار کر کیا کہتی ہے

یاد رکھ میں ہوں اندھیری کوٹھری

میرے اندر تو اکیلا ہی آئے گا

کام، مال و زر وہاں نہ آئے گا

نرم بستر تیرے گھر پر ہی رہ جائیں گے

جب تیرے اپنے تجھے چھوڑ آئیں گے

جب قبر میں کفن تیرا کھل جائے گا

تیرا ایک ایک بال تک جھڑ جائے گا

یاد رکھیں یہی وہ قبر ہے جس کے متعلق نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا یا پھر جہنم کے گڑھوں میں ایک گڑھا ہوگا۔“^①

لہذا اپنی قبر کو جنت کا باغ بنانے کے لیے اپنی نمازوں کو ضائع نہ کریں۔ پانچ نمازوں پر ٹوٹل وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ فجر ۸ منٹ، ظہر ۲۰ منٹ، عصر ۱۰ منٹ، مغرب ۱۲ منٹ، عشاء ۲۰ منٹ، ٹوٹل:

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۴۶۰) اس کی سند ضعیف ہے۔

ایک گھنٹا اور ۱۰ منٹ تقریباً۔ مگر افسوس کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹا اور ۱۰ منٹ بھی ہم اللہ کے لیے نہیں نکال سکتیں، جبکہ اس میں فائدہ ہمارا ہی ہے۔ مگر افسوس کہ ہمیں دنیا جمع کرنے کی فکر ہے، ہماری زندگی کی بھاگ دوڑ صرف دنیاوی مستقبل کے لیے ہے کہ کچھ کر لیں۔

میری بہنو اور بھائیو! سے

اُجڑ گیا وہ باغ جس کے لاکھوں مالی تھے

سکندر جب دنیا سے چلا تو دونوں ہاتھ خالی تھے

دنیا کے پیچھے بھاگنے والو! نبی ﷺ کی اس دعا کو یاد رکھو جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

”اے اللہ! محمد ﷺ کے گھر والوں کو صرف اتنی روزی دے جس سے ان کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے۔“^①

اس کے برعکس ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کا مستقبل بن جائے، ان کے لیے آسانیاں ہو جائیں، ورنہ لوگ کیا کہیں گے؟ ہمیں صرف یہ فکر لگی رہتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ لوگ آخر میں بس اتنا ہی کہتے ہیں: ”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“

اور یہی زندگی کی حقیقت ہے اور کچھ نہیں

اے ابن آدم! تیرے انجام سے تو اب شیطان بھی خوف زدہ ہے، مگر تو اپنے رب سے کیوں نہیں ڈرتا؟ اپنی اندھیری قبر کو روشن کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟ اب بھی تیرے پاس وقت ہے، اعمال نامے کھلے ہوئے ہیں، قلمیں چل رہی ہیں، بدن تندرست و توانا ہیں، زبان آزاد ہے، توبہ سنی جا سکتی ہے اور عمل قبول ہو سکتے ہیں، لہذا توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کر لے۔ میری بہنو! ہماری نمازوں سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ پڑھنے سے اس کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ ان سے ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ لہذا اپنی نمازوں کا خیال رکھیں اور نماز میں ہمارا ایسا انداز ہو جیسے نگاہوں کے سامنے گویا کعبۃ اللہ، نیچے پل صراط، دائیں جنت بائیں جہنم اور پیچھے موت کا فرشتہ لگا ہے۔ اور یہ نماز ہماری زندگی کی آخری نماز ہے اور اپنے اللہ سے اس نماز کے قبول ہونے کی امید ہو۔

بہنو! وقت کی قدر کرو، اس خود غرض دنیا کے پیچھے اپنا قیمتی وقت برباد مت کیجیے، صحت اور

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۴۶۰)

وقت کو اللہ کی طرف سے غنیمت جانو، کیوں کہ یہ وقتی زندگی برف کی طرح ہے، اس کو نیکی کے کاموں میں گزارو، ورنہ پگھل تو رہی ہے ختم بھی ہو جائے گی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پورے خضوع و خشوع اور دل کی حضوری کے ساتھ بروقت نمازیں ادا کرنے کی توفیق و ہمت اور قوت عطا فرمائے اور اس کے روحانی فوائد سے بھی مستفید ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔

اے ہمارے رب! ہمیں غفلت اور گناہوں کی دلدل میں غرق ہونے سے محفوظ فرمालے، اور ہمیں صحیح منہج پر دین سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، ہمارے دلوں کو نور و ہدایت سے منور اور ظاہر کو عمل کی روشنی سے مزین فرمادے۔ اے اللہ! ہمیں صورتوں اور سیرتوں سے بھی مکمل مسلمان بنا دے، اللہ! ہر قسم کی عبادت اور نمازیں صرف اور صرف خالص تیری ذات کے لیے ہوں۔ آمین

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ نماز تالیف: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ تحقیق و تقدیم: شیخ محمد حامد الفقیہی
- ✽ فقہ الصلاۃ تالیف: محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ اسلام میں نماز کا مقام و مرتبہ تالیف: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعید بن علی بن وہب القحطانی ترجمہ و تفہیم: ابوشمس عبداللطیف الکشمری
- ✽ نماز کے خزانے تالیف: شعبہ توعیہ الجالیات الزلفی
- ✽ مسنون نماز تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف

انسان خسارے میں ہے... مگر!

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورة العصر کی مختصر تفسیر:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ وَالْعَصْرِ ﴿۲﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِفِیْ خُسْرٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَّصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿العصر﴾

قرآن کریم کی یہ سورت انتہائی جامع اور مختصر کلام کا بے نظیر نمونہ ہے، دنیا و آخرت میں انسان کی سعادت مندی اور بدبختی کے اسباب کا ذکر اس سورت کا موضوع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورت کو غور و فکر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستی کے لیے یہی کافی ہو جائے۔^① اس سورت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتنا پیار تھا کہ ان میں سے اگر دو صحابی آپس میں ملتے تو اس وقت تک جدا نہیں ہوتے تھے جب تک ایک دوسرے کو سورة العصر نہ سنالیتے، پھر وہ سلام کر کے رخصت ہو جاتے۔^②

اس سورت کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کی قسم کھا کر کہا ہے:

﴿وَالْعَصْرِ﴾ ”مجھے زمانے کی قسم ہے۔“

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِفِیْ خُسْرٍ﴾ ”بے شک انسان سراسر خسارے میں ہے۔“

1- زمانے کی قسم:

میری بہنو! اللہ رب العزت نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ بلاشبہ انسان خسارے میں ہے اور عصر سے مراد یہ زمانہ ہے جس میں بنو آدم ہے، اس میں شب و روز کی یہ گردش اور دن کا ادل بدل کر آنا جیسے رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

① تفسیر ابن کثیر.

② المعجم الأوسط للطبرانی (۶/۳۶، رقم الحدیث: ۵۱۲۴) سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، رقم الحدیث (۲۶۴۸)

اس کے علاوہ کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ زمانے کا یوں گزرنا اللہ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے، لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔^①

2- انسان خسارے میں:

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر قسم کھا کر کہا کہ انسان خسارے اور ہلاکت میں ہے، لہذا انسان کی عمر کا زمانہ، اس کے سال، مہینے اور دن رات، بلکہ گھنٹے اور منٹ ہی اس کا سرمایہ ہے جس کے ذریعے وہ دنیا و آخرت کے عظیم منافع حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی عمر کے اوقات کا بے بہا سرمایہ دے کر ایک تجارت پر لگایا ہے تاکہ وہ عقل و شعور سے کام لے اور اپنی عمر کے اوقات کو خالص نفع بخش کاموں میں لگائے تو اس کے منافع کی کوئی حد نہیں رہتی۔ اگر اس کے خلاف کسی نقصان دہ کام میں لگا دیا تو نفع کی کیا امید ہوگی، بلکہ اس کا اصل مال بھی ضائع ہو جائے گا اور اگر کسی نے اس سرمائے کو نہ کسی نفع بخش کام میں لگایا نہ نقصان دہ کام میں تو کم از کم یہ خسارہ تو لازمی ہے کہ اس کا منافع اور اصل مال دونوں ضائع ہو جائیں گے۔ یہ محض ایک تمثیل ہی نہیں، بلکہ حقیقت ہے جس کی تائید نبی رحمت ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

«كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَايَعُ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مَوْبِقُهَا»^②

”ہر شخص اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے، پس اسے آزاد کرا لیتا ہے یا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔“

اس قسم کے انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز دنیا کے لیے سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں، پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو اسے موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ جہنم کا ابدی رہن بنا ہے۔

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۱۵۳۵) سنن أبی داود، رقم الحدیث (۳۲۵۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث

(۲۶۷۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۶۴۶)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۳)

3- خسارے سے محفوظ لوگ:

ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عملِ صالح کے جامع ہیں، کیوں کہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی ہر آسائش سے بہرہ ور ہوں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر انسان کو اس پر متوجہ کیا ہے کہ خسارے سے بچنے کے لیے ان چار چیزوں پر عمل کرے اور اس معاملے میں ذرا بھی غفلت نہ برتے۔ اپنی عمر کے ایک ایک منٹ کی قدر پہچانے اور خود کو ان چار چیزوں کے ساتھ مشغول کر دے تاکہ خسارے سے محفوظ رہے۔

1- ایمان لانا:

وہ چار چیزیں کیا ہیں ان کا تعلق کن کے ساتھ ہے۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان خسارے سے بچ سکتا ہے؟ ان کا تذکرہ اللہ رب العزت نے یوں فرمایا ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔“

کسی چیز کو سچے دل سے ماننا اور یقین کر لینا۔ ایمان کا مطلب شرعی طور پر ان چھ چیزوں کا زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضا کے ساتھ عمل کر کے اس پر ایمان کی مہر تصدیق کہلاتا ہے:

اللہ پر ایمان:

اللہ پر ایمان لانا، مطلب یہ کہ بندہ صدقِ دل سے اقرار کرے کہ آسمان و زمین کا بلکہ پوری کائنات کا خالق و مالک صرف ایک اللہ ہے عبادت و بندگی کے لائق بس اسی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ہر قسم کی خیر ہے، اس کے حکم کے بغیر نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ فائدہ حتیٰ کہ درخت کا کوئی پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔

فرشتوں پر ایمان لانا:

اس بات پر ایمان رکھنا کہ یہ اللہ کی ایک غیبی اور نوری مخلوق ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کریم اور نبی ﷺ کی احادیث میں ملتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے ذمے جو کام لگایا جاتا ہے، اسے وہ پورا کرتے ہیں۔

آسمانی کتابوں پر ایمان لانا:

اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں انہیں تسلیم کیا جائے۔ اور ان میں سے صرف آخری کتاب قرآن کریم کی تعلیمات و احکام کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا جائے یعنی دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں ہے۔

رسولوں پر ایمان لانا:

اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لانا کہ اللہ نے اپنے پسندیدہ بندوں کو عام انسانوں کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا، وہ سب برحق، یعنی واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے اور حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔ تمام انبیاء پر اجمالی اور نبی محمد ﷺ پر تفصیلی ایمان لانا اور ان کی اتباع کرنا ضروری ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت نے سورۃ الاعراف (آیت: ۱۵۷ تا ۱۵۸) میں فرمایا ہے:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ

الْمُقْلِحُونَ﴾

”جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور (قرآن) کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

قرآن کریم کی اس آیت کے آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں گے:

﴿فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ﴾ [الأعراف: ۱۵۸]

”سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود بھی اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“

یہ آیت بھی رسالتِ محمدیہ کی عالم گیری کے اثبات میں بالکل واضح ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف: ١٥٨]

”آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔“

اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیجیے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ پوری بنی نوع انسانی کے راہ نما اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں اور نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ ﷺ کو ﴿النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ﴾ کہا گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں: ان پڑھ، یعنی آپ ﷺ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیے، یعنی کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء عاجز آ گئے۔

آپ نے جو تعلیمات پیش کیں ان کی صداقت و حقانیت کی دنیا معترف ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں، اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے ورنہ ایک امی ایسا قرآن پیش نہیں کر سکتا اور نہ ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انھیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن و سکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

یوم آخرت پر ایمان لانا:

اس بات کو تسلیم کرنا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور دنیا میں جو اعمال ہم نے کیے ہیں اللہ رب العزت کے سامنے حاضر ہو کر ان کا حساب دینا ہے۔ وہ اچھے اور برے اعمال کا بدلہ پانے کا دن ہے، یعنی جزا و سزا کا دن ہوگا۔

تقدیر پر ایمان لانا:

جو ہوا ہے اور جو ہونے والا ہے سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، اور قضا و قدر کے ہر فیصلے کو اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب میں قلم بند کر رکھا ہے، نیز اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں کرتا اور نہ

ہوتا ہے۔ یہ ہیں ایمان کے چھ ارکان جن پر عمل کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی منکر ہے تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے۔

2- نیک اعمال:

دوسری چیز جو انسان کو خسارے سے بچاتی ہے وہ ہے: نیک عمل۔ جیسا کہ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور انھوں نے نیک عمل کیے۔“

میری بہنو! نیک عمل کے لیے دو شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ وہ عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور اس میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ تک نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی ایسا عمل جو لوگوں میں رائج ہو اور ان کے نزدیک وہ محبوب بھی ہو، لیکن وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو تو وہ عمل صحیح نہ ہو گا۔ اور اگر عبادات و اعمال میں یہ شرط نہیں پائی گئی تو ایسے اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَدْ مَنَّآ اِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾ [الفرقان: ۲۳]

”اور انھوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر ان کے اعمال کو ضائع و برباد کر دیا۔“

﴿هَبَاءً﴾ ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے آنے والی سورج کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں، لیکن اگر کوئی انھیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ قیامت کے دن ان کے اعمال بھی انہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے، کیوں کہ ان کے اعمال اخلاص سے خالی ہیں۔ دوسری شرط یہ کہ رسول اللہ کے طریقے کے مطابق ہو، تو وہ ”عملِ صالح“ کہلاتا ہے۔

ایک خطرناک مغالطہ:

عام طور پر معاشرے میں رائج کسی غیر ثابت شدہ عمل اور کسی بدعت کا انکار کیا جاتا ہے تو فوراً یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا شریعت میں اس عمل سے منع کیا گیا ہے؟

یہ ایک انتہائی خطرناک خیال ہے جو نبی ﷺ کے بیان کیے گئے ضابطے کے خلاف ہے۔ نیز جو دین کی حد بندی کی گئی ہے اس کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی وفات سے پہلے ہی اس دین کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ سورۃ المائدہ (آیت: ۳) میں اللہ رب العزت

فرماتے ہیں:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضَيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کی تم پر تکمیل کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات (عمل، عبادت وغیرہ) ایجاد کی جو اس میں موجود نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے۔“¹

چنانچہ معلوم ہوا کہ دین اور دین کی تمام باتیں واضح اور مکمل ہیں، اس میں اب کوئی پوشیدگی باقی نہیں ہے، اس لیے نہ تو اس میں کسی طرح کا کوئی اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کمی۔

میری بہنو! ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

”مجھے آسان دین حنیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔“²

لیکن افسوس! اس امت نے اپنے طور پر رسوم و رواج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب گلو کر لیے ہیں، جن سے شادی اور مرگ دونوں عذاب بن گئے ہیں۔ لہذا ہر طرح کی بدعات سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جس عمل کو عبادت سمجھ کر کر رہے ہیں وہ عبادت ہی نہ ہو اور اللہ کی خوشنودی کے بجائے اس کی ناراضی ملے اور اس کی رحمت کی جگہ اس کے غضب کے مستحق ٹھہریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ هَذَا اللَّهُ تَعَالَى.

ایمان کی قیمت:

اعمالِ صالحہ کے بغیر ایمان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں ایمان کا ذکر کیا ہے، ساتھ ہی نیک اعمال کا ذکر کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیک اعمال ایمان کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ نیک عمل کے بغیر ایمان ایک ایسی

¹ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۶۹۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۱۸)

² مسند أحمد، رقم الحدیث (۲۶۶/۵)

چاہی ہے جس کے دندانے نہ ہوں، اور جس طرح بغیر دندانے والی چاہی سے تالا نہیں کھلتا، اسی طرح ایسا ایمان جو نیک عمل سے خالی ہو اس سے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ لہذا اگر ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ جمع کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ جو ایمان صرف زبان تک محدود رہتا ہے اس کا اثر انسانی زندگی پر کچھ نظر نہیں آتا، یعنی اعضائے انسانی آنکھ، کان، ناک اور دل و دماغ سے اس کا اظہار نہ ہو تو وہ ایک بے معنی سالفظ بن کر رہ جاتا ہے جس کی کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں ہوتی۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے:

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مکمل مسلمان بنائے۔ آمین

انسان کے لیے دو مضر چیزیں:

انسان کو عام طور پر ایمان اور عملِ صالح سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں:

1) **شبہات:** اس کے دل میں ایمان اور نیک عمل میں کچھ نظری اور فکری شبہات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے عقائد ہی خراب ہو جائیں۔ عقائد کی خرابی سے نیک اعمال کا برباد ہونا واضح ہے۔

2) **شہوات:** نفسانی خواہشات جو انسان کو بعض اوقات نیک عمل سے روک دیتی ہیں اور کبھی برے اعمال میں مبتلا کر دیتی ہیں، اگرچہ وہ نظری اور اعتقادی طور پر نیکی پر عمل اور برائی سے بچنا ضروری سمجھتا ہو مگر نفسانی خواہشات اس کے خلاف ہوں اور وہ ان خواہشات سے مغلوب ہو کر سیدھا راستہ چھوڑ بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

3- حق کی وصیت:

تیسری چیز جس کی وجہ سے انسان خسارے سے محفوظ رہے گا وہ ہے: ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ﴿وَتَوَكَّأْصُوا بِالْحَقِّ﴾ ”اور جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔“ اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی اس آیت میں اہل ایمان کی جس صفت کا تذکرہ فرمایا ہے وہ یہ کہ ایمان والے جب بھی کسی کو وصیت کریں گے تو اچھی بات ہی کی کریں گے، مثلاً: اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین کریں گے۔

یعنی کسی شخص کو تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرنے اور نیک کام کی ہدایت کرنے کا نام وصیت ہے۔ مطلب یہ کہ انسان خود ہی راست بازی اور حقوق ادا کرنے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ ایک دوسرے کو حق اختیار کرنے، حق پر قائم رہنے اور حقوق ادا کرنے کی تاکید بھی کرتا رہے، ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لیے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال، احباب اور متعلقین کے برے اعمال سے غفلت برتنا، نجات کا راستہ بند کرنا ہے، اگرچہ وہ خود نیک اعمال کا پابند ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لیے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی قدرت و طاقت کے مطابق نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں عام مسلمان، بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں۔ خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اولاد اور گھر والے کچھ بھی کرتے رہیں، اس کی کچھ فکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے!

4- صبر کی وصیت:

میری بہنو! چوتھی چیز جو انسان کو خسارے و ہلاکت سے بچاتی ہے وہ ہے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ ”اور ایک دوسرے کو وصیت کی صبر کی۔“

یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و فرائض اور شریعت پر عمل کرنے میں صبر اور معاصی سے اجتناب پر صبر، اسی طرح لذت و خواہشات کی قربانی پر صبر کرنا، مطلب یہ کہ اسلام یا حق کو غالب کرنے کے راستے میں جتنی بھی مشکلات حائل ہوں یا مصائب سے دوچار ہونا پڑے تو وہ صرف خود ہی صبر اور برداشت سے کام نہ لے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے کیوں کہ صبر کے ساتھ حق کی تلقین شامل ہے۔ اس کی اہمیت و شرف اور فضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ممتاز ہونا واضح کر دیا ہے، لہذا ایمان، نیک عمل، حق کی وصیت اور صبر کی تلقین، یہ چار ایسی صفات ہیں کہ جن لوگوں میں یہ پائی جائیں ان کے متعلق یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا بھر پور فائدہ اٹھایا اور آخرت میں وہ عظیم خسارے سے محفوظ رہیں گے۔ ان شاء اللہ عبادت کے تعلق سے دین کی یہ وہ ضروری معلومات تھیں جو ہر مسلمان کے لیے سمجھنا ضروری ہے، تاکہ وہ صحیح طور پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی بجالائے اور عبادت میں ان تمام امور سے اپنے آپ

کو محفوظ رکھے جن کا ثبوت ہمارے پیارے نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں نہیں ہے، کیوں کہ اس کے بغیر عمل کے درست ہونے کی ضمانت نہیں ہے، لہذا کسی بھی بندہ مومن کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ کسی بھی عبادت میں نبی ﷺ کو جانے اور پھر آپ ﷺ کو نہ مانے، بلکہ کسی اور کے طور طریقے کو سنتِ نبوی ﷺ پر فوقیت دے، اس قسم کے لوگوں کے لیے اللہ رب العزت نے اپنے کلام قرآن کریم میں مختلف وعیدیں فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صحیح دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ اور ہمیں اپنے مومن بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

مصادر و مراجع

حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر احسن البیان ❁

صحیح بخاری ❁

صحیح مسلم ❁

ویلنٹائن ڈے کی تاریخ و حقیقت

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

ارشادِ الہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [النور: ۱۹]

”جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور

آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔“

ہر قسم کی حمد و ثناء اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اس دین کے ذریعے ہمیں عزت

بخشی، یہ دین عطا کر کے ہم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اس دین کو ہمارے لیے شریعت و نظام زندگی

کے طور پر پسند فرمایا، اور درود و سلام ہو اشرف الانبیاء، امام المرسلین ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر،

آپ ﷺ کی آل اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔

ویلنٹائن ڈے کی شرعی حیثیت:

میری بہنو! اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ نظام چلا آ رہا ہے کہ حق و باطل میں جنگ جاری

رہے اور ہدایت و گمراہی کے درمیان مقابلے کا سلسلہ چلتا رہے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں

دین پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، مسلمانوں کے ساتھ موالات و دلی محبت اور کافروں کے ساتھ

معادات اور دلی نفرت و دشمنی کو ہم پر واجب قرار دیا ہے اور دین کے دشمنوں سے مشابہت سے منع

فرمایا ہے، خواہ کافر طاقت و تہذیب میں کتنی ہی ترقی کر جائیں اور مسلمان پسماندگی، کمزوری اور

اختلاف کے چاہے جس قدر شکار ہو جائیں، کیوں کہ دینِ توہیم پر جے رہنے ہی میں عزت اور صراطِ مستقیم

پر گامزن رہنا ہی باعثِ فخر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾

[المائدة: ٤٨]

”آپ کے پاس جو حق آیا ہے، اس سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیں، تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔“

چونکہ اسلام مکمل اور پورا دین ہے، اس لیے اب اس میں سے جہاں کچھ کمی کرنے والا قابلِ مذمت اور خطا کار ہے، وہیں اس پر کچھ اضافہ کرنے والا حد سے بڑھنے والا گناہ گار ہے۔ اسی طرح عید اور عید منانے کا طریقہ اُن امور سے ہے جن کی مشروعیت اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص رکھی ہے۔ چنانچہ عید خوشی کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے جسے لوگ کسی معین وقت میں انجام دیتے ہیں، واضح رہے کہ (شریعت کی نظر میں) یہ ایک تعبدی امر ہے جس میں لوگ خوشی کا اظہار کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبلہ، نماز اور روزہ کی طرح عیدین بھی شریعت، طریقہ عبادت اور مکان عبادت وغیرہ کے ضمن میں آتی ہیں جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ﴾ [الحج: ٦٧]

”ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جسے وہ بجالانے والے ہیں۔“ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی اسی خصوصیت کی طرف اپنے ایک فرمان میں توجہ دلائی ہے:

﴿إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَإِنَّ هَذَا عِيدُنَا﴾^①

”ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے تھی)۔“

یہ تو تھیں مسلمانوں کی عیدیں، اب صورتِ حال یہ ہے کہ موجودہ دور میں کافر قوموں پر مادی وسائل کی فروانی ہو گئی ہے، رابطے کے وسائل عام ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جو کہ دین سے دور ہوتی جا رہی ہے، نتیجہ یہ کہ بہت سے مسلمان لڑکے لڑکیوں میں ان کافروں کی اندھی تقلید کے مظاہر دیکھنے میں آرہے ہیں۔

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۹۵۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۹۲)

انہی مذموم خصلتوں میں سے پچھلے چند سالوں سے ہمارے معاشرے میں بھی ایک دن منانے کی رسم کو بڑے شد و مد سے رائج کیا جا رہا ہے۔ دیگر رسموں اور عادات کی طرح مسلمان اپنی ”وسعتِ ظرفی“ اور روشن خیالی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے اسے بھی قبول کرتے جا رہے ہیں، جبکہ اس رسم اور اس طرح کی دوسری غیر اسلامی رسموں کو قبول کرنے کا اصل اور حقیقی سبب وسعتِ قلبی نہیں، بلکہ اپنے دین سے جہالت اور ہمارے دینِ اسلام کے اندرونی اور بیرونی مخالفین کی فکری یلغار سے ہارنا ہے۔

یہ رسم جسے میں بیان کرنا چاہتی ہوں اسے ”ویلنٹائن ڈے“، یا ”عیدِ حب“ کہا جاتا ہے، جو عہدِ حاضر میں عیسائیوں کا سب سے مشہور تہوار ہے، اور اس رسم کو پورا کرنے کے لیے ایک خاص تاریخ مقرر کی گئی ہے جو کہ ”چودہ (14) فروری“ ہے، اُس دن اس رسم کی تکمیل کے لیے اکثر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں، بلکہ مرد و عورت میں بھی، جو شرعی طور پر نامحرم ہوتے ہیں، خاص قسم کے کارڈز کا تبادلہ ہوتا ہے، جس پر لکھا ہوتا ہے: (Be My Valentine) ”میرے ویلنٹائن“ ”محبوب“ ”بنو“، اور ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

مرد و عورت کے درمیان سرخ گلاب کے پھولوں کے تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور سرخ رنگ کا لباس پہنتے ہیں۔ اسی طرح اس موقع پر ایسی مٹھائیاں خریدتے ہیں جن پر سرخ رنگ کے دل کا نقشہ بنا ہوتا ہے۔ خدائے محبت ”Cupid“ کی تصویر بنائی جاتی ہے۔ جو ایک بچے کی شکل ہے جس کے ہاتھ میں ایک کمان ہے جس سے وہ اپنی محبوبہ کے دل میں تیر پیوست کر رہا ہوتا ہے۔

پھر ایک دوسرے کو تحفہ تحائف دے کر اپنی محبت اور دوستی کا اظہار و اقرار کرتے ہیں، اور ناجائز و حرام تعلقات کا آغاز یا تجدید کرتے ہیں۔ بے حیاؤں کا عالمی دن جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی، زنا اور بے حیائی کا راستہ، اسلام سے دشمنی، دیوثی کا راستہ وغیرہ وغیرہ کھلتا ہے جس کا آغاز بھی جہنم اور انجام بھی جہنم ہے۔

اس عید کے عدم ثبوت کے دلائل اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین میں سے دینے سے پہلے ضروری ہے کہ اس ”ویلنٹائن ڈے“ یا ”عیدِ حب“ کی اصلیت اور تاریخ جانی جائے، کیوں کہ کوئی بھی کام یا عبادت کرنے سے پہلے اس کے متعلق معلومات ضروری ہیں۔ اسی طرح ہی ”ویلنٹائن ڈے“

کی حقیقت کو جاننا بھی ضروری ہے، لہذا اس دن کی تاریخ کے بارے میں مختلف طول طویل باتیں ملتی ہیں، لیکن ہم مختصراً ذکر کریں گے۔

① ویلنٹائن ڈے کے متعلق کہا گیا ہے کہ تقریباً 1700 سال پہلے جب روم میں بہت سے رب مانے جاتے تھے، بہت سے باطل معبودوں کی عبادت کی جاتی تھی، بارش والا معبود الگ، روشنی والا الگ، اندھیرے والا الگ، محبت والا الگ، طاقت والا الگ، کمزوری والا الگ، غرض کہ کفر و شرک کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ ایسے میں رومیوں کے ایک مذہبی راہنما ”ویلنٹائن“ نے عیسائیت قبول کر لی، جس کا اثر عام لوگوں پر کافی گہرا ہوسکتا تھا، لہذا عیسائیت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے حکومتِ روم کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی حل نہ تھا کہ ”ویلنٹائن“ کو قتل کر دیا جائے تاکہ اُن لوگوں کے آباء و اجداد کا دین اور مسلک و مذہب محفوظ رہے، پس حکومتِ روم نے ”ویلنٹائن“ کو قتل کر دیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب روم میں عیسائیت عام ہو گئی تو لوگوں نے ”ویلنٹائن“ کے قتل کا دن منانا شروع کر دیا، تاکہ اُس بڑے عیسائی کو یاد رکھا جائے اور اُس کے قتل پر ندامت کا اظہار کیا جائے، وہ اظہار کیسے کیا جاتا تھا؟ اس کا ذکر ان شاء اللہ تھوڑا آگے چل کر آئے گا، لیکن اس سے پہلے کچھ اور وضاحت.....

② یہ بھی کہا گیا ہے کہ 14 فروری رومیوں کی ایک معبودہ (معبودہ کی مونث، دیوی) ”یونو، Juno“ کا دن تھا، اس معبودہ کے بارے میں رومیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کے سب معبودوں کی ملکہ ہے۔ (کہیں یہ مذکور ہے کہ وہ سب معبودوں، بادلوں اور آسمانی بجلی وغیرہ کے بادشاہ معبود جو پیٹر (Jupiter, or, Jove) کی بیوی تھی، اور اس کو عورتوں اور شادی کے معاملات کے لیے خاص سمجھا جاتا تھا، پس اسی کفریہ عقیدے کی بنا پر اُس معبودہ کا دن عورتوں سے محبت جتانے، شادی کرنے یا بغیر شادی کے ہی شادی والے تعلقات بنانے کے لیے خاص جان کر منایا جانے لگا۔

③ رومیوں کی ایک اور معبودہ ”لیسیوس“ نامی بھی تھی، جس کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک مونث بھیڑیا تھی، اور کہیں اُسے انسان ہی بتایا جاتا ہے، اور اسے ”ریا سیلیویا“ بھی کہا اور لکھا جاتا ہے۔

رومیوں کے باطل خرافاتی عقائد میں سے اُن کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ اِس ”لیسیوس“ یا ”ریاسیلویا“ نے روم کے دونوں بانیوں ”رومیولیس“ اور ”ریمولیس“ کو اُن کے بچپن میں دودھ پلایا تھا، کہیں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ان کی ماں ہی تھی، اور اس بن بیاہی ماں کا دعویٰ تھا کہ ان بچوں کا باپ ایک باطل معبود مارس ہے (یعنی یہ دونوں بچے ناجائز تعلق کی پیداوار تھے)۔

اور پھر جب یہ دونوں بچے بڑے ہوئے اور انھوں نے روم دریافت کیا، اور وہاں اپنی حکومت بنالی تو انھوں نے اِس 14 فروری کو ”محبت“ نامی عبادت گاہ میں اس بھیڑیا معبودہ کا دن منانا شروع کیا، اِس عبادت گاہ کو ”محبت“ نام اس لیے دیا گیا کہ ان کے کفریہ عقیدے کے مطابق ان کی یہ بھیڑیا معبودہ روم بنانے والے دونوں بچوں سے محبت کرتی تھی، (یا جس ناجائز محبت کا یہ نتیجہ تھے اُس محبت کی یاد منائی جاتی تھی، جس کی یاد مناتے ہوئے آج بھی اِس دن ناجائز تعلقات بنائے جاتے ہیں، یا اُن کی تجدید کی جاتی ہے)۔

یوم عاشقان اردو ترجمہ عید الحب: کلیۃ الدعوة واصول الدین جامعۃ ام القری مکہ مکرمہ، ترجمہ شیخ مقصود الحسن فیضی۔

4 اس عید کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قدیم رومی بادشاہ ”کلاڈیس 2“ نے رومی مردوں کی مطلوبہ تعداد کو اپنی فوج میں شامل کرنے میں کافی مشکلات محسوس کیں، جب اس کا سبب تلاش کرنا چاہا تو پتا چلا کہ شادی شدہ مرد اپنی بیویوں اور خاندان کو چھوڑ کر فوج میں شامل ہونا نہیں چاہتے، تو کلاڈیس 2 نے شادیوں سے ممانعت کا فیصلہ صادر کر دیا، مگر روم کے ایک بڑے پادری ”ویلنٹائن“ نے اپنے بادشاہ کی بات کو غلط جانتے ہوئے اُس کی خلاف ورزی کی اور اپنے کنبہ میں خفیہ طور پر محبت کرنے والے جوڑوں کی شادیاں کرواتا رہا، کچھ عرصہ بعد یہ بات بادشاہ کو معلوم ہوگئی تو اس نے ”ویلنٹائن“ کو گرفتار کر کے 14 فروری 1269 یا 269 عیسوی میں قتل کروا دیا، اور یوں یہ ”ویلنٹائن“ محبت کرنے والوں کے سلسلے میں ایک مثالی شخصیت بن گیا۔

اس طرح کنبہ نے مذکورہ بالا بھیڑیا لیسوس کی پوجا کی جانے والی عید کو بدل کر ویلنٹائن نامی ”شہید محبت“ راہب کی پوجا کی عید بنا دیا، آج بھی یورپ کے بعض شہروں میں اس کا مجسمہ نصب ہے۔ پھر بعد میں 1969ء کو کنبہ نے راہب ویلنٹائن کی عید منانے کو غیر قانونی قرار دے دیا، کیوں کہ ان کے خیال کے مطابق یہ میلے ایسی خرافات سے عبارت ہیں جو دین و اخلاق سے میل نہیں

رکھتے، اس کے باوجود آج بھی عام لوگ اس عید کو مناتے اور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

5] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قدیم روم میں جوان لڑکوں کے اور لڑکیوں کی ملاقات اور میل جول پر سخت پابندی تھی، سوائے ایک میلے یا عید کے موقع پر جسے ”لیوپیر کالیا“ کہا جاتا تھا، یہ میلہ یا عید بھی ایک جھوٹے باطل معبود لیوپر کاس کی تعظیم کے لیے منائی جاتی تھی جسے رومی اپنے چرواہوں اور جانوروں کی حفاظت اور مدد کرنے والا سمجھتے تھے۔

اس دن جوان لڑکیاں اپنے نام کی پرچیاں بوتلوں میں ڈال کر رکھ دیتیں اور مرد یا لڑکوں کے ان پرچیوں کو نکالتے جس کے ہاتھ جس کے نام کی پرچی لگتی ان کو ایک سال تک یعنی اگلی ”عید Lupercalia“ تک ایک دوسرے کے ساتھ تعلق استوار کرنے کی عام چھٹی ہو جاتی، کبھی وہ جوڑا شادی کر لیتا اور کبھی بغیر شادی کے ہی سال بھر یا سال سے کم کسی مدت تک میاں بیوی جیسے تعلق کے ساتھ رہتا۔

اس میلے یا عید کی تاریخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ 15 فروری تھی، اور یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ 13 سے 15 فروری تک یہ عید منائی جاتی رہتی تھی، ویلنٹائن کی موت کی یادگار منانے کی تاریخ اسی میلے کے ساتھ جا ملی اور دونوں کی کہانیاں اور گناہ مل کر ایک دن منائے جانے لگے۔

1969ء تک تو بین الاقوامی طور پر یہ دن اس ویلنٹائن سے منسوب کر کے رومی بنیادی کنیسہ کی طرف سے منایا جاتا رہا، اور اس سے کچھ عرصہ پہلے تک اسی کنیسہ کی طرف سے یہ دن بھیڑیا معبود کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔

6] پندرہویں صدی کے آغاز میں ”اگن کورٹ“ کی جنگ میں ایک فرانسیسی ریاست ”اورلینز“ کا نواب ”Duke of orleans“، انگریزوں کے ہاتھوں قید ہوا جسے کئی سال تک لندن کے قلعے میں بند رکھا گیا، وہاں سے وہ اپنی بیوی کے لیے عشقیہ شاعری بھیجتا رہا، جس میں سے تقریباً ساٹھ نظمیں اب بھی برٹش میوزم میں موجود ہیں، اس کی شاعری کو جدید دور کے ”ویلنٹائنز“ کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔

7] اس کے تقریباً دو سو سال پہلے ویلنٹائن کے دن پر پھول وغیرہ دینے کی رسم کا یوں آغاز ہوا کہ فرانس کے بادشاہ ”ہنری چہارم Henry iv“ کی ایک بیٹی نے پادری ویلنٹائن کا دن مناتے

ہوئے یہ اہتمام کیا کہ ہر عورت اور لڑکی کو اس کا اختیار کردہ مرد یا لڑکا پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کرے۔

8] انیسویں صدی کے درمیان میں اس گندگی کو پھیلانے میں تیزی پیدا ہوئی اور طرح طرح کے کارڈز اور پیغامات کی چھپائی ہونے لگی، امریکہ وغیرہ نے ان کارڈز کی ترسیل کے لیے ڈاک کے نرخ بھی کم کر دیے، اور آہستہ آہستہ ابلیس کا شکار ہو کر بہت سے لوگ اپنی اپنی دنیا کمانے کے چکر میں طرح طرح کی ایجادات کرتے، اور ان کو ہر ممکن طور پر نشتر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ میری مسلمان بہنو! اور بھائیو! اس دن کی نسبت ان قصوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ہو، بہر صورت اس کی اصلیت کفر و شرک کا گناہ اور فحاشی کی غلاظت ہی ہے، اور اب بھی اس دن کو غیر اخلاقی اور یقیناً ہمارے دین کے مطابق حرام میل ملاقات رکھنے والے مرد و عورت یا لڑکے اور لڑکیوں کے لیے شیطان نے ایک عید کا نام دے کر دھوکے کا ایک لباس مہیا کیا، جسے اوڑھ کر کھلے عام ایک دوسرے کو ناجائز تعلقات کی دعوت دی جاتی ہے، بلکہ ایسے ہی تعلقات قائم کر لیے جاتے ہیں، اور ابلیس کا دیا ہوا یہ لباس ہر دفعہ مزید خوش منظر ہو کر آتا ہے کہ اہل معاشرہ بھی اس کے پیچھے ہونے والے شیطانی کاموں کو اچھا اور بہتر اور فطری سمجھتے ہیں۔

اس بات سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ عید یا دن مسلمانوں کا ہرگز نہیں اور جو کچھ اس دن میں کیا جاتا ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام تو بہت بلند اور برتر ہے، اس میں ایسی اور کسی بھی قسم کی بے ہودگی، بے حیائی، بے غیرتی اور فحاشی کی گنجائش نہیں، اور تو اور عیسائی کینیہ نے بھی اس ویلنٹائن ڈے میں ہونے والی خرافات کو کسی دین کے ساتھ منسوب رکھنا نامناسب سمجھتے ہوئے اس کی باقاعدہ سرپرستی ترک کر دی۔

لیکن افسوس! مسلمانوں کو اس کی کوئی پروا نہیں، اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور اپنی تجارت کو بڑھانے چکانے کے لیے اس غیر اسلامی حرام دن کو منانے کی رسم کی تمام تر ضروریات کو بدرجہ اولیٰ مہیا کیا جاتا ہے، اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے۔

اس عید یا دن کو منانے میں اب ہمارے مسلمان بھائی بہن بھی ابلیس نغروں اور فکر کے زیر اثر اس میں شامل ہو جاتے ہیں، اور اس کے گناہ کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔

شریعتِ اسلامیہ کا اس بارے میں موقف:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم لوگ اپنے سے پہلی قوموں کی قدم بقدم پیروی کرو گے، اگر وہ لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم لوگ بھی اس میں داخل ہونے کی کوشش کرو گے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ پہلی قوموں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر اور کون؟“^[1]

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ امتِ محمدیہ کے کچھ لوگ ہر برے اور خلافِ شرع فعل میں یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلیں گے اور بغیر کچھ سوچے سمجھے ان کی تقلید میں مبتلا ہو جائیں گے، حتیٰ کہ غلیظ سے غلیظ کام میں بھی وہ ان منحوس و ملعون قوموں کے نقشِ قدم کو اپنائیں گے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ اگر یہود و نصاریٰ میں کوئی ایک شخص بھی ہوگا جو اپنی ماں کے ساتھ کھلے عام بد فعلی کرے گا تو اس امت میں بھی ایسے نالائق اور بے غیرت لوگ پیدا ہوں گے۔^[2]

یہ حدیث بطورِ خبر کے نہیں ہے، بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کی تقلید میں مبتلا ہونے سے خبردار اور ان کی مشابہت سے دور رہنے کی دعوت دے رہے ہیں، لیکن بد قسمتی سے امتِ مسلمہ کا ایک بہت بڑا طبقہ اس میں گرفتار نظر آتا ہے، آج یہود و نصاریٰ کے متعدد اخلاق و عادات اور طور طریقے ان میں گھس آئے ہیں، جو اسلامی اخلاق و عادات، بلکہ مسلمانوں کے دین و صحت پر کھلی یلغار ہیں، خاص کر نوجوان لڑکے لڑکیوں اور بالخصوص اسکول و کالج کے طالب علموں کی ایک بڑی جماعت اس میں ملوث ہے۔ انہی امور میں ایک چیز ”عید الحب“، عیدِ عاشقاں، یومِ عاشقاں، یا ویلنٹائن ڈے بھی ہے۔ ماضی قریب تک مسلمانوں، بلکہ اس علاقے کے غیر مسلموں میں اس عید کا نام تک معروف نہ تھا، لیکن سائنسی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں اہل مشرق کی کمزوری نے انہیں معاشرت میں بھی مغرب کا تابع بنا دیا ہے۔

اس عید کے موقع پر جس محبت کا اظہار کیا جاتا ہے عمومی طور پر وہ غیر محرم، خواہ مرد ہو یا عورت،

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث (۷۳۲۰) مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۰۶۴۱)

[2] مستدرک الحاکم (۱/۱۲۸، ۴/۴۵۵)

کے ساتھ عشق و غرام کی محبت ہوتی ہے جسے شریعت نے جملہً و تفصیلاً حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ اس کا نتیجہ زنا و فواحش اور والدین سے اولاد کی بغاوت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اٹلی کی حکومت نے اس عید کو 1969ء میں غیر قانونی قرار دے دیا تھا، اور اگر کچھ لوگ اسے میاں بیوی تک محدود رکھتے ہیں اولاً تو ان کی تعداد بہت ہی کم ہے، ثانیاً اگر میاں بیوی میں حقیقی اور شرعی محبت نہ ہوگی تو اسے پھول کے ہاروں اور چاکلیٹ کے پیکیٹوں سے نہیں خریدا جاسکتا۔

Cupid کی تصویر اور اس کا مجسمہ پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا ہدیہ و تحفہ پیش کرنے والا دانستہ رومیوں کے اس عقیدے کو قبول کر رہا ہے کہ محبت کا خدا اور ہے اور دنیا کو پیدا کرنے والا رب اور ہے، جبکہ یہ کھلا ہوا شرک ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔^①

علمائے اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ عید الحب یا ویلٹائن ڈے منانا، ناجائز و حرام ہے، چنانچہ سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی نے اپنے ایک طویل فتوے میں اس عید میں شرکت، اس کے اقرار، اس موقع پر مبارک باد دینے اور اس میں کسی بھی قسم کے تعاون کو حرام قرار دیا ہے۔^②

اسی مفہوم و معنی کے کئی فتوے ہیں جن میں سے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ کے دو مفصل فتوے اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور علمی بحث و فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کا فتویٰ نمبر 8848 بھی ہیں، جبکہ مشار الیہ فتویٰ 21203 بھی کافی مفصل و مدلل ہے جس کا صرف دو حرفی خلاصہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اس لیے ہر غیرت مند مسلمان کے لیے یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے اور اس ثبات پر عزت و فخر محسوس کرے، غیر قوموں کی مشابہت میں مبتلا ہونے سے بچے، ان کی عیدوں میں شرکت، ان کی عیدوں کو اپنے ملکوں میں رواج دے کر اور کافروں کی شریک و بدعیہ عیدوں کے موقع پر انھیں تحفہ تحائف اور مبارکباد پیش کر کے اپنے دین کو برباد نہ کرے۔

اس کفر و شرک، بے حیائی، بے غیرتی اور گناہ کی بنیاد پر منائے جانے والے دن اور اس میں کیے جانے والے کاموں کی تاریخ اور اصلیت بتانے کے بعد اب ہم کوئی لمبی چوڑی تفصیلی بات

① مجلہ الرسالہ، شمارہ بابت ربیع الثانی 1435ھ، صادرہ از الجریسی گروپ آف کمینیز قسم الشؤون الاسلامیہ۔

② فتویٰ نمبر: 21203، تاریخ: 11/23/1420ھ

کرنے کے بجائے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین آپ کے سامنے رکھتے ہیں، کیوں کہ ایمان والوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی حجت نہیں اور نہ ہی اور کوئی ضرورت رہتی ہے، اور جو نہ مانے اور کسی تاویل کے ذریعے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرے یا کسی فلسفے کا شکار ہو کر اس گناہ کو گناہ سمجھنے میں تردد محسوس کرے تو پھر وہ اپنے ایمان کی خبر لے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم اور تنبیہ ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ [آل عمران: ۲۸]

”ایمان والے ایمان والوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس کے لیے اللہ کی طرف سے مددگاری نہیں۔“

سورة المائدة (آیت: ۵۱) میں نافرمانی کا نتیجہ بھی بتا دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرَىٰ اَوْلِيَاءَ ۗ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

”اے ایمان لانے والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ تو آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (تمہارے ہرگز نہیں) اور تم لوگوں میں سے جو کوئی انھیں دوست بنائے گا تو بے شک وہ انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔“

قرآن کریم کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا آپس میں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض و عناد ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون، بازو اور محافظ ہیں۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ ویلنٹائن کا دن یا ”محبت کی عید“ غیر اسلامی تہوار ہے اور اسے منایا جانا اسلام کے بجائے دوسرے دین کے لیے رضا مندی کا اظہار ہے، اور اُس باطل دین کو پھیلانے کی کوشش اور سبب ہے، ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

[آل عمران: ۸۵]

”جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا اور وہ

آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔“

گویا اب عمل صرف قرآن کریم ہی پر ہوگا، کیوں کہ قرآن نے پچھلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ یہ ہے:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))^①

”جس نے جس قوم کی نقالی کی وہ اُن ہی (اُسی قوم) میں سے ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ عام ہے اور اس میں سے کسی چیز کو نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں، لہذا طرز رہائش، عادات و اطوار، رسم و رواج اور خوراک و پوشاک، کسی بھی معاملے میں کافروں کی نقالی کرنا جائز نہیں، اپنی برائی کو اچھائی بنانے کے لیے اُسے اچھائی سے تبدیل کرنا ہوتا ہے، ورنہ محض کوئی اچھا نام دینے سے وہ برائی اچھائی نہیں بنتی۔

کافروں کی نقالی جس میں کافروں کے تہوار وغیرہ منانا، یا اُن تہواروں میں کسی بھی طریقے سے شمولیت کرنے کے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اور اللہ کے خلیل محمد رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اب چند اُن پاکیزہ ہستیوں کے اقوال کے ذریعے بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو نبیوں اور رسولوں ﷺ کے بعد سب سے زیادہ پاکیزہ اور تقویٰ والی، اور اللہ کے دین کو درست ترین طور پر سمجھنے والی ہستیوں کے قول و فعل کے مطابق ہیں، اور ان ہستیوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کہا جاتا ہے، جن کے تقویٰ اور پاکیزگی کی گواہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی دی، جن سے محبت صرف سچے ایمان والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

خليفة دوم امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه کا فرمان ہے:

((اِجْتَنِبُوا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فِيْ اَعْيَادِهِمْ))^②

”اللہ کے دشمنوں سے اُن کی عیدوں (کے دنوں) میں دُور رہو۔“

یعنی جب کسی جگہ پر کفار کے ساتھ معاشرتی رہن سہن ہو تو خاص طور پر اُن عیدوں کے دنوں

① سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٢٥) امام الباني رضي الله عنه نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

② سنن البيهقي الكبرى، كتاب الجزية، باب: 56 و إسنادہ صحیح۔

میں اُن سے دور رہا کرو۔ امیر المومنین علیؑ کو ایک دن کچھ تحفہ موصول ہوا، دریافت فرمایا:

((مَا هَذِهِ؟)) ”یہ کیا ہے؟“

بتایا گیا: ”اے امیر المومنین! یہ نیروز (تہوار) کا دن ہے، (اور یہ اس تہوار کا تحفہ ہے)۔“

امیر المومنین علیؑ نے ارشاد فرمایا:

((فَاصْنَعُوا كُلَّ يَوْمٍ نَيْرُوزًا)) ”تو ہر ایک دن کو ہی نیروز بنا لو۔“

ابو اسامہ جو اس روایت کے راویوں میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

((كَرِهَ أَنْ يَقُولَ نَيْرُوزًا))^①

”حضرت علیؑ نے اس چیز سے کراہت کا اظہار فرمایا کہ کسی دن کو نیروز کہا جائے۔“

غور فرمائیے کہ امیر المومنین علیؑ۔ رضی اللہ عنہ و أرضاه۔ نے کسی دن کو وہ نام تک دینا پسند نہیں فرمایا جو کافروں نے دیا ہوا تھا، یہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی قلبی قبولیت اور عملی تطبیق و نفاذ کی ایک بہترین مثال ہے۔

آج ہم انہی شخصیات سے محبت اور ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ہماری سوچ و فکر، اور ایمان و عمل ان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاصؓ کا فرمان ہے:

”مَنْ بَنَى بِلَادِ الْأَعَاجِمِ وَصَنَّعَ نَيْرُوزًا وَمَهَّرَ جَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتَّى

يَمُوتَ وَهُوَ كَذَلِكَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“^②

”جس نے کفار کے شہروں میں رہائش گاہیں بنائیں اور اُن کے تہوار اور میلے منائے اور

اُن کی نقالی کی، یہاں تک کہ اسی حال میں مر گیا، قیامت کے دن اس کا حشر اُن کافروں

کے ساتھ ہی ہوگا۔“

ایسی روایات کو حکماً مرفوع، یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ یہ غیب کی خبر ہے

اور غیب صرف اللہ کو ہے اور اللہ کی طرف سے جتنی خبر اللہ کے رسول ﷺ کو دی گئی پس کسی صحابیؓ

① حوالہ سابقہ، باسناد صحیح.

② سابقہ حوالہ، صحیح الإسناد.

کی طرف سے ایسی کوئی خبر اس کی اپنی بات نہیں ہو سکتی، اور یہ خبر بھی اللہ عز و جل کے اس فرمان کے موافق ہے جس میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾

[آل عمران: ۸۵]

”اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کچھ اور کو دین (بنانا، اپنانا) چاہے گا تو اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“

اور رسول ﷺ کے مذکورہ سابقہ فرمان کے مطابق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾^(۱)

”جس نے جس قوم کی نقالی کی وہ اُن ہی (یعنی اُسی قوم) میں سے ہے۔“

یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اُس فرمانِ مبارک کی مزید تشریح و بیان ہے۔

بات کو ختم کرنے سے پہلے میں یہاں ایک وضاحت کرتی چلوں کہ ”ویلنٹائن“ کے دن، یا کسی بھی ایسے دن میں جو کافروں کے عقائد کے مطابق اختیار کردہ ہو اور کافروں کی عادات کے مطابق ہو، کسی محرم سے بھی سرخ لباس پہن کر اور سرخ پھول پیش کر کے محبت جتانے کی گنجائش نہیں رہتی، کیوں کہ رشتہ خواہ جائز و محرم اور حلال ہو، اظہارِ محبت کا طریقہ ناجائز ہی رہے گا۔

اور یوں بھی اگر ہم اپنے اللہ، اور اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا رہیں تو ہمارے سارے ہی دن، اور سارے ہی اوقات اپنے محرم رشتہ داروں کی محبت سے بھرے رہ سکتے ہیں، ہمیں نہ تو محبتوں کی ”عیدیں منانے“ کی حاجت محسوس ہو، اور نہ ہی کوئی ماں، باپ یا کسی اور کا کوئی دن منانے کی ضرورت پیش آئے۔

یہاں میں ایک اور بات بھی واضح کرنا چاہتی ہوں کہ ویلنٹائن کے دن، یا عیدِ محبت منانے کو ایک اور زاویے سے بھی دیکھتے چلیں کہ اس میں جو کچھ بھی کیا جاتا ہے وہ قطعاً غیر ضروری ہے اور ان غیر ضروری چیزوں پر ایک پائی بھی خرچ کرنا تبذیر و فضول خرچی ہے، اور ایسی فضول خرچی کرنے والوں کا اللہ کے یہاں کیا رتبہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے:

{1} صحیح سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۰۳۱) مسند أحمد، رقم الحديث (۵۱۱۴)

﴿ إِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴾ [الإسراء: ۲۷]

”اور فضول خرچی مت کرو، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔“

کفر و شرک اور گناہ و غلاظت کی اس عید کو مناتے ہوئے اگر ایک پیسہ بھی خرچ کیا جائے، اپنے قیمتی وقت میں سے اگر ایک لمحہ بھی صرف کیا جائے تو خرچ کرنے والا سوائے اللہ کے عذاب کے کچھ اور نہیں کمائے گا، اور اگر یہی کچھ کسی مسلمان کی مدد کے لیے خرچ کیا جائے، یا اپنی اور اپنوں کی کوئی جائز ضرورت پوری کرنے کے لیے خرچ کیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ نتیجہ بالعکس ہوگا۔ جو لوگ اس عیدِ محبت کو گوارا کرتے ہیں اور دوسروں کی خواتین کو پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں یا ایسا کر گزرنے کو بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں اور اس کارنامے کی انتہا، جنسی بے راہ روی تک لے جانے کے خواہش مند ہوتے ہیں، انہیں اپنے رب اللہ القوی القدر کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہیے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ إِتْلَٰهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴾ [الإسراء: ۳۲]

”اور زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ، بے شک زنا بڑی ہی بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔“

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ کے بعد والی کچھ آیات مبارکہ میں کچھ دیگر کاموں کا ذکر کرنے کے بعد، اس زنا سمیت سب ہی کاموں کے بارے میں اپنا یہ فیصلہ سنایا:

﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئَةً عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴾ [الإسراء: ۳۸]

”ان سب کاموں کی برائی آپ کے رب کے ہاں بہت ناپسندیدہ ہے۔“

جو کام اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے، اُس کام اور اس سے متعلق تمام حرکات و سکنات اور آلات و اسباب کا انجام اللہ کے ہاں اچھا نہیں ہوگا، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت ہے کہ برے لوگوں کو برے کام کرنے کی خوب مہلت دیتا ہے اور انہیں ان کی غلط فہمیوں میں ہی چھوڑ دیتا ہے۔

لہذا میرے وہ بھائی بہن جو ویلنٹائن ڈے، یا عیدِ محبت ”منانے“ میں، یا اس میں کسی بھی انداز سے شرکت کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، یا دوسروں کو مشغول کرتے ہیں، وہ یہ بات سمجھ لیں کہ جن برائیوں اور گناہوں کی طرف وہ جاتے ہیں، یا دوسروں کو ان میں مبتلا کرتے ہیں، وہ ان سب کی

آخرت تباہ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر دنیا میں کوئی پکڑ نہیں ہوتی تو اس پر خوش نہ ہوں اور نہ کسی دھوکے کا شکار ہوں، کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اپنائے ہوئے قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ وہ گناہ گاروں کو اور اُس کی آیات مبارکہ کا قولی یا عملی طور پر انکار کرنے والوں کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں میں مگن اپنی آخرت کو مکمل طور پر تباہ کرتے رہتے ہیں اور اسی حال میں ان کو موت آجاتی ہے۔ ان ہی لوگوں کے متعلق فرمانِ الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأَمْلِي لَهُمْ ؕ إِنَّ

كَيْدِي مَتِينٌ ﴿﴾ [الأعراف: ١٨٢-١٨٣]

”اور جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں، ہم ایسے طریقوں سے ان لوگوں کو دھیرے دھیرے ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں جن طریقوں کا وہ علم نہیں رکھتے، اور میں اُن لوگوں کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی زبردست ہے۔“

چلتے چلتے ویلنٹائن ڈے، یا عیدِ محبت منانے اور منوانے والے، اپنے غیرت مند مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لیے میرا پیغام ہے کہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہیں، اور اس میں عزت و فخر محسوس کریں، غیر قوموں کی مشابہت میں مبتلا ہونے سے بچیں، ان کی عیدوں میں شرکت، ان کی شرکیہ و بدعیہ عیدوں کے موقع پر انھیں تحفہ تحائف اور مبارکباد پیش کر کے اپنے دین کو برباد نہ کریں۔

اب آخر میں آپ کو امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کی یہ نصیحت سناتی چلوں:

عَفْوًا تُعَفُّ نِسَاؤُكُمْ فِي الْمَحْرَمِ وَأَجْتَنِبُوا مَا لَا يَلِيقُ بِمُسْلِمٍ

”اپنی عفت کی حفاظت کرو، تمہاری عورتوں کی عفت گھروں میں محفوظ رہے گی اور دور

رہو اُس سے جو کسی مسلمان کی شان کے مطابق نہیں۔“

إِنَّ الزَّيْنَ دَيْنٌ فَإِنْ أَفْرَضْتَهُ كَانَ الْوَفَاءُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ فَاعْلَم

”زنا قرض ہے اگر تم نے یہ قرض لیا تو اس کی ادائیگی تمہارے گھر والوں میں سے ہوگی،

پس یاد رکھو۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے دینِ اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھے، اے ہمارے رب! ہمیں غیر قوموں کی مشابہت اختیار کرنے سے محفوظ فرمانا، اے اللہ! اس درس و تحریر کو ہمارے دین و

دنیا اور آخرت کی خیر کے اسباب میں بنادے اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم کسی بھی قسم کی گمراہی کا شکار نہ ہوں اور حق پہچاننے اور اُسے قبول و بیان کرنے کی قوت عطا فرما، اور اسی پر عمل کرتے ہوئے ہماری زندگی کی شام ہو جائے، آمین

مآخذ و مصادر

- ✽ قرآن کریم
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ صحیح سنن ابی داؤد للالبانی
- ✽ مسند احمد
- ✽ مستدرک حاکم
- ✽ یوم عاشقان اردو ترجمہ: عمید الحب (کلیۃ الدعوة و اصول الدین جامعۃ ام القرئی مکہ مکرمہ)
- ترجمہ: شیخ مقصود الحسن فیضی
- ✽ مجلہ الرسائل، شمارہ بابت ربیع الثانی 1435ھ، صادرہ از البحرسی گروپ آف کمپنیز قسم الشئون الاسلامیہ۔ الدمام

اسلام کی بہادر بیٹیاں اور ان کے کارنامے (1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورۃ الجمعہ (آیت: ۲) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

اسلام کا مقصد:

آج ہم اسلام کی چند بیٹیوں کا تذکرہ کریں گے، لیکن پہلے ہم آپ کو اسلام سے قبل عورت کا کیا مقام تھا اسے بتانے کی کوشش کریں گے، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے:

اسلام کا مقصد وحید تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا ہے، اس کی شہنشاہی میں پست و بلند، شاہ و گدا، امیر و غریب، عالم و جاہل، عورت و مرد سب مساوی، یعنی ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے اس نے اپنی تعلیمات، احکام اور قوانین کے ذریعے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین تصور کرتا تھا۔ اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی، صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ سمجھا جاتا تھا، ان میں صنفِ نازک (یعنی عورت!) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا، اسلام آیا تو اس نے دونوں صنفوں (مرد اور عورت) کی

جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا، اس لیے جب اس کے باغ تمدن میں بہار آئی تو ایک نیا جہان رنگ و بو پیدا ہو گیا۔

اسلام سے پہلے عورت کا مقام:

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے، لیکن اسلام کا نقطہ نظر ان سب سے جداگانہ ہے، یہاں عورت نسیم اخلاق کی نکہت اور چہرہ انسانیت کا غازہ سمجھی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے، لیکن جب اسلام آیا اور اللہ نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہمیں ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔⁽¹⁾

عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

جہاں تک عورتوں کے تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ ہے تو اس کی دلیل اس حدیث سے ملتی ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چند عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مرد آپ سے فائدہ اٹھانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں، اس لیے آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے کوئی دن مقرر فرمادیں:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ملاقات کے لیے ایک دن کا وعدہ کر لیا، چنانچہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی اور شریعت کے کچھ احکام بتائے۔“⁽²⁾

اس حدیث کی بنا پر عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلے سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں، اصل بات یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے فائدہ اٹھا کر ایک مسلمان عورت مذہب، اخلاق اور معاشرت کے پرانے اصولوں کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں؟

جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے، وہ اس شبہے کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کیے ہیں ان سے بھی

(1) صحیح البخاری (ج: ۱)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۰۱)

اس شبہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لیے کوئی عمدہ نمونہ نہیں قائم کیا، جبکہ حالات بدل رہے ہیں۔

یورپین تمدن اور یورپین طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ اور مسلمان عورتیں زمانے کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں۔ ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں۔ اس لیے ان کا راہِ راست سے ہٹنا دور از عقل نہیں۔ اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی قدیم تاریخ کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی چمک ان سے اور بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ ایک صحیح مسلمان عورت موجودہ دور کے موثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

میری بہنو! اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے، لیکن ازواجِ مطہرات و بناتِ طیبات رضی اللہ عنہا اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن ان تمام حیثیات کی جامع ہیں، یعنی آج کی عورت سے کہیں بڑھ کر ہیں اور ہماری مسلمان بہنوں بیٹیوں کے لیے انہی کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے اسوہ حسنہ بن سکتے ہیں۔

جب انہیں کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں گی تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری، خدا ترسی، پاکیزگی، عفت اور صلاح و تقویٰ کے ساتھ دنیا کو کیوں کر نباہ سکتی ہیں اور دنیا و آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں؟ اور یوں موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے، کیوں کہ اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیے، بلکہ انہیں مردوں کے مساوی درجہ دے کر مکمل فردِ انسانیت قرار دیا ہے۔ صحیح البخاری کی حدیث ہے کہ مرد اپنے اہل کاراعی بنایا گیا ہے اور عورت کو شوہر کے گھر کی راعیہ، اور ان میں سے ہر کسی سے اس کی رعیت کے متعلق جواب طلبی ہوگی۔^①

اس بنا پر اسلام میں عورت کی جو قدر و منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و مذاہب سے بالکل مختلف تھی، کیوں کہ تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے، لیکن اگر اس سے

① صحیح البخاری، مسند أحمد (۳/۱۷۶)

یہ سوال کیا جائے کہ ان افسانہ نہائے پارینہ میں صنفِ نازک کی سعی و کوشش کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعۃً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر و غرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا۔

اس سلسلے میں یونان بلاشبہ اپنے ”ربات النوع“ کو پیش کر سکتا ہے، ہندوستان متعدد عصمت و عفت و عفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے، یورپ کا ”گولڈن ڈیڈس“ چند جنگ آزما عورتوں کو منظرِ عام پر لاسکتا ہے، لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے اور تمدن کا قدم ایک انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ نہیں تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

اسی طرح اگر ہم قومی تاریخ کو چھوڑ کر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ اس کے اوراق بھی صنفِ نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں۔ مصر اس سلسلے میں آسیہ بنت مزاحم ؑ کو پیش کرے گا، جو کہ صرف اپنی ذات تک تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے کہ ان کے ایمان اور صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انھیں جنت میں ان کا مقام محل دکھا دیا تھا۔ حضرت آسیہ ؑ کا ذکر نبی ﷺ نے ان مقدس خواتین میں شمار فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں۔ حدیث میں ہے:

«كَفَاكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ»^①

”تمہارے لیے (بطور نمونہ) دنیا کی تمام عورتوں میں سے مریم، خدیجہ، فاطمہ اور آسیہ کافی ہیں۔“

لہذا ان کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلم ہے، لیکن کیا ان مقدس اور پاک خواتین کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟ بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنارِ عاطفیت میں جگہ دی ہے، انھوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام سر دیے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اس لیے میں صرف انہی سعادت مند عورتوں کے کارناموں کو آپ کے گوش گزار کروں گی، کیوں کہ یہ صنفِ نازک کا پہلا قدم تھا جو نسوانی ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا، اور یہ کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں اور میں ان کو ایک ایک کر کے آپ

① جامع ترمذی، کتاب المناقب

کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں، تاکہ کہ آپ جان سکیں کہ اسلام کی بیٹیاں کس قدر بہادر تھیں اور انہوں نے صبر اور ہمت کے ساتھ کیسے اسلام کی خدمات کو سرانجام دیا، تاریخ ان کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔
آج ہم تاریخ کے انہی صفحات میں سے اُسوہ صحابیات رضی اللہ عنہن اور مسلمان عورتوں کی بہادری کو جاننے کی کوشش کریں گے تاکہ میری بہنیں یہ جان سکیں کہ عورتیں کیا کچھ کر سکتی ہیں۔

عورت اور دعوت و تبلیغ:

بہنو! سب سے پہلے ہم تعلیم و تربیت کے حوالے سے بات کریں گے، اس سلسلے میں اشاعتِ اسلام، یعنی دعوت و تبلیغ بھی مذہب کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی دعوت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔^①

۲۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ترغیب سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آستانہ اسلام پر سر جھکا دیا تھا۔^②

اسی طرح ہی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا کے سمجھانے پر اسلام قبول کیا تھا۔^③

۳۔ ام شریک دوسیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا، اس لیے کہ وہ گھروں میں جا جا کر نہایت مخفی طور پر دعوتِ اسلام کی خدمت کو انجام دیتی تھیں۔^④

چونکہ اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات میں سے سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا ہے۔ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور نظامِ مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز بلند کی جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

عورت صاحبِ حیثیت و صاحبِ رائے ہے:

اسلامی معاشرے میں عورت کی رائے اور حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے جبکہ آج کے ماڈرن دور

① أسد الغابة (ج: ۵)

② الإصابة (ج: ۸)

③ موطأ، کتاب النکاح.

④ الإصابة في تمييز الصحابه، مالک، کتاب النکاح.

میں زمانہ جاہلیت کی طرح عورتیں اب بھی ظلم و زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔ صاحبِ ہوس اور صاحبِ اقتدار نے اس کو ظلم و زیادتی کا شکار بنایا، سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہی عورت کی حرمت کی ضمانت دی اور اس کا تقدس بحال کیا، اس کی فطری کمزوری کو اپنے احکام اور ہدایات سے معاشرے میں ایک اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا۔ لڑکی لڑکے کی تفریق کو ختم کیا۔ بہن اور بیٹی کے ساتھ اچھے برتاؤ پر جنت کا وعدہ کیا، نیک عورت کو دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ قرار دیا۔ ماں کی عظمت اور حسنِ سلوک کو دنیا کی ہر چیز پر مقدم رکھا، اور اس کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی اور اسلام نے عورت کو صاحبِ رائے قرار دیا۔

عورتوں کے معاملات میں ان کی رضا و خوشی اور خود مختاری کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بہت اہمیت دی، اس سلسلے میں رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

”شادی شدہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا (طلاق یا بیوگی کے بعد) جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لیا جائے۔“

اور اگر وہ دوشیزہ کنواری ہے تو اس کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ وہ محض اس کی خاموشی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ مرد و عورت کے درمیان معاملات و تعلقات، عقائد و عبادات اور اخلاقی عادات میں کوئی فرق نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ))^①

”عورتیں بھی مردوں جیسی (ان کے مردوں کی طرح ہی حقوق) ہیں۔“

حجۃ الوداع وغیرہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عورتوں کے ساتھ انتہائی خیر و خوبی کی روش اختیار کرو، کیوں کہ وہ تمہارے زیر نگرانی ہیں۔“^②

ع نسوانیتِ زن کا نگہبان ہے فقط مرد
(علامہ اقبال)

① سنن أبي داود، رقم الحديث (۲۳۴) سنن الترمذی، مسند أحمد، سنن البيهقي صحيح الجامع (۲۳۳۳)

② صحيح البخاري و صحيح مسلم، سنن الترمذی أبواب الرضاع، صحيح الجامع، رقم الحديث (۹۶۰)

نبی ﷺ نے فرمایا: ”بیوی شوہر کے لیے مددگار ہے۔“

بیوی کے مقام اور مرتبے کو واضح طور پر نہ صرف بتایا، بلکہ اس کے کردار اور ذمے داریوں کا بھی تعین فرمایا۔ عورت بحیثیت بیوی دینی و دنیاوی ضروریات کے تحت باہر نکل سکتی ہے، پاکیزہ مقاصد اور اچھے کاموں کے لیے باہر جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بیوی کا بازار جانا اور صنعت و حرفت و زراعت اور دیگر امور میں حصہ لینے کی بھی اجازت دی گئی۔

میری بہنو! کوئی بھی ایسا کام نہیں ہے جس کے کرنے سے عورت کو اسلام نے روک دیا ہو، بلکہ عورت کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے صاحبِ رائے مانا ہے۔ کتبِ حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عورتوں سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے، اور وہ بھی ایسی رائے دیتی تھیں جسے آپ ﷺ اختیار فرمالتے تھے۔

جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی اکثریت بغیر عمرہ ادا کیے لوٹنے کی شرط کو ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی اور نبی ﷺ بہت پریشان تھے۔ اسی حالت میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور انھیں صورت حال بتائی اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی دانشمندانہ مشورہ دیا، فرمایا کہ آپ حکم دینے کے بجائے آپ خود عمل شروع کر دیں اور آپ ﷺ نے مزید کسی سے گفتگو نہ فرمائی، بلکہ جو ارکان ادا کرنے تھے انھیں آگے بڑھ کر ادا کیا، یعنی آپ ﷺ نے جانور ذبح کیا، سب لوگ اٹھ گئے اور انھوں نے بھی اپنے جانور ذبح کیے اور ایک دوسرے کا سر موٹہ لگے، لیکن غم کی کیفیت اس قدر شدید تھی کہ خطرہ تھا کوئی کسی کا گلا ہی نہ کاٹ بیٹھے۔ لیکن ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے نے اس نازک صورتِ حال میں نہایت عمدگی سے کام کیا۔^①

حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا اس درجے کی صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر انسان ان کی تحسین کرتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا تھا۔^②

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۷۳۱-۲۷۳۲)

② أسد الغابة (ج: ۵)

عورت اور سیاست:

اسلام میں عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے، اور امام اس کی امان کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ فتح مکہ کے زمانے میں ام ہانی رضی اللہ عنہا نے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ تھیں، ایک مشرک کو پناہ دی تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سلام کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ”ام ہانی! مرحبا ہو۔“ اور بعد میں انھوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! میرے بھائی کا خیال ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے جسے میں نے امان دے رکھی ہے۔“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿قَدْ أَجْرُنَا مَنْ أَجْرَتْ وَأَمْنًا مَنْ أَمَّنْتَ يَا أُمَّ هَانِي﴾⁽¹⁾

”ام ہانی! تم نے جس کو پناہ یا امان دی ہم نے بھی اسے امان دی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی اسٹیٹ میں اگر مسلمان عورت بھی کسی کافر کو ذمی بنا کر پناہ دے دے تو قانوناً اس کی پناہ کو لاگو کیا جائے گا، کیوں کہ اس سلسلے میں عورت بھی ایک مسلمان مرد جتنا ہی حق رکھتی ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں عورت کو کوئی حق نہیں دیا گیا، اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے اور یہ وہ ام ہانی رضی اللہ عنہا ہیں جن سے چھیالیس حدیثیں مروی ہیں۔

عورت اور علم:

بہنو! عورتوں میں عالماۃ دین اور حافظات قرآن بھی تھیں۔ اسلامی علوم، یعنی قراءت، تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض میں متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن کمال رکھتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، اور ام ورقہ رضی اللہ عنہن نے پورا قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا، یعنی حافظات قرآن تھیں⁽²⁾ اور ام سعد رضی اللہ عنہا ایک طبخچر کی حیثیت سے قرآن مجید کا درس دیا کرتی تھیں۔⁽³⁾

حدیث میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن عموماً اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں۔⁽⁴⁾

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۱۵۸)

(2) فتح الباری (ج: ۹)

(3) أسد الغابة (ج: ۵)

(4) طبقات الكبرى (۱۲۶/۲)

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر، نہ صرف دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں رضی اللہ عنہم پر، بلکہ باسٹنائے چند تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فوقیت حاصل تھی، جامع ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”ہمیں کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھی ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں۔“
امام زہری رضی اللہ عنہ جو سرخیل تابعین تھے، فرماتے ہیں:
”عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالمہ تھیں، بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے (مسئلے) پوچھا کرتے تھے۔“⁽¹⁾

امام زہری رضی اللہ عنہ کی ہی ایک شہادت یہ بھی ہے:
”اگر تمام مردوں اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو اکیلی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔“⁽²⁾
عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

”قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمر، حضرت علی، عبد اللہ بن مسعود، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ لیا جاسکتا تھا۔ وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں فتوے دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل ہیں۔ ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔ علم تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص کمال حاصل تھا، چنانچہ صحیح مسلم کے آخر میں ان کی تفسیر کا معتد بہ حصہ منقول ہے۔ اور تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ترمذی وغیرہ میں موسیٰ بن طلحہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

{1} طبقات ابن سعد (ج: ۲/ق: ۲)

{2} المستدرک للحاکم (۴/۱۲)

”میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔“⁽¹⁾

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑے خوش الحان انداز کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔⁽²⁾

عورت اور امامت:

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے، اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام سلمہ، ام ورقہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی امامت کیا کرتی تھی۔⁽³⁾ اسلامی علوم کے علاوہ دیگر علوم میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن دست گاہ رکھتی تھیں، مثلاً: علم اسرار میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پوری واقفیت تھی۔⁽⁴⁾ اور خطابت، یعنی وعظ و تبلیغ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت سکن کا خاص شہرہ تھا۔⁽⁵⁾ اسی طرح ہی خوابوں کی تعبیر میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا مشہور تھیں۔⁽⁶⁾

عورت اور شاعری:

اسلام نے عورت کو بڑی آزادی کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ ادب کے ساتھ عورت اچھی قسم کی شاعری بھی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ شاعری میں عربوں میں حضرت خنساء، سعدی، صفیہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا، بنت حارث، زینب بنت عوام، اروی، ام ایمن اور رقیہ رضی اللہ عنہن زیادہ نامور ہیں۔ اور حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے جواب کے لیے تو آج تک عربوں میں کوئی عورت پیدا نہیں ہوئی۔ ان کا دیوان شائع کیا گیا ہے۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا دیوان بہت ضخیم ہے، ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے۔ اس میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے علاوہ ساٹھ دیگر عورتوں کے مرثیے بھی شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں ان کا فرنیچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

(1) مستدرک للحاکم (ج: ۴)

(2) مسند أحمد (ج: ۶)

(3) أسد الغابة (ج: ۵)

(4) زرقانی (۲۷۲/۳)

(5) الإصابة (ج: ۸)

(6) الإصابة (ج: ۸)

مصادر و مراجع

- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ سیرۃ الصحابیات رضی اللہ عنہن
- ✽ عورتوں کے امتیازی مسائل
- ✽ معرکہ قادسیہ کے سنہرے واقعات
- ✽ مسلم خواتین کے سچے واقعات
- تالیف: مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ
- تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- تالیف: عبدالمالک مجاہد
- تالیف: محمد شیتھ ادیس تیمی

اسلام کی بہادر بیٹیاں اور ان کے کارنامے

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

عملی کارنامے:

عورتوں کے تجارت و کارخانے تھے اور اس سے مراد صنعت و حرفت ہے جس میں حیاکت (دھاگا بُننا)، فلاحت، (زراعت و باغبانی) کتابت، تجارت اور خیاطت (سلائی) وغیرہ داخل ہیں۔ مسند احمد بن حنبل اور اسد الغابہ کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات رضی اللہ عنہن عموماً کپڑا بنایا کرتی تھیں جو ان کو اور ان کی اولادوں کے لیے کافی ہوتا تھا۔^①

عورت اور تجارت:

صحابیات رضی اللہ عنہن میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں، جیسا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مکہ میں تجارت مشہور و معروف تھی، ان کے باپ اور شوہر کے مرنے سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سخت دقت پیش آئی۔ ذریعہ معاش تجارت تھی جس کا کوئی نگران نہ تھا، تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر اپنا مال تجارت کے لیے بھیجتی تھی۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت نہایت وسیع پیمانے پر ملک شام سے تھی۔^② خولہ، ملیکہ، ثقیفہ اور بنت مخزبہ رضی اللہ عنہن عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔^③

عورت اور کاشتکاری:

کاشتکاری تمام صحابیات رضی اللہ عنہن نہیں کرتی تھیں، بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی، مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشتکاری کرتی تھیں۔ مہاجر عورتوں میں حضرت

① مسند أحمد (ج: ۵) أسد الغابة (ج: ۵)

② الإصابة (۴/۲۸۱)

③ أسد الغابة (ج: ۵)

اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مشغلہ تھا۔^①

عورت اور کتابت:

بہنو! جیسا کہ آج کل کی عورت رائٹر ہے، مصنف ہے، اسی طرح ہی لکھنا پڑھنا بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن جانتی تھیں، چنانچہ شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل تھی، جنہوں نے ایام جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ شفاء کے علاوہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا اور کریمہ بنت المقداد رضی اللہ عنہا بھی لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا دیوان بہت ضخیم ہے، ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے۔ اس میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے ساتھ ساٹھ اور عورتوں کے مرثیے بھی شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں ان کا فرنیچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔ جیسا کہ تھوڑا پہلے عورت اور شاعری کے زیر عنوان بھی ذکر ہوا ہے۔

مذہبی خدمات:

جہاں تک مسلمان عورتوں کی مذہبی خدمات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں سب سے اہم خدمت غزوات ہیں، اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے جس جوش، خلوص، عزم اور استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔

✿ غزوہ احد میں جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا، اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف چند جانثار رہ گئے تھے، اس وقت حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپ ﷺ کی طرف بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ ابن قتیہ جب دوڑتا ہوا نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اسے روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آ گیا، انہوں نے تلوار ماری، لیکن وہ دہری زہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی۔^②

✿ غزوہ مسیلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔^③

① صحیح البخاری (ج: ۲)

② ابن ہشام.

③ طبقات الكبرى، ابن سعد، (ج: ۸)

❁ اسی طرح غزوہ خندق میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جس بہادری سے ایک یہودی عمرو کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملے کو روکنے کی جو تدابیر اختیار کیں وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہیں۔^①

❁ غزوہ حنین میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا خنجر لے کر نکلتا ایک مشہور بات ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خنجر کے متعلق پوچھا تو کہا: یا رسول اللہ! اگر کوئی مشرک ادھر آجائے تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم! اللہ تیری مدد فرمائے گا۔^②

❁ ایسے ہی غزوہ یرموک جو خلافتِ فاروقی میں رونما ہوا تھا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، ام ابان رضی اللہ عنہا، ام حکیم رضی اللہ عنہا، خولہ رضی اللہ عنہا، ہند رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید نے جو انصار کے قبیلے سے تھیں خیمہ کی چوب سے نوریوں کو قتل کیا تھا۔^③

عورت اور طب و جراحی:

اسی طرح اے بہنو! جب ہم میڈیکل لائن کی طرف آتے ہیں تو اس میں بھی اسلام کی بیٹیوں کے بہت سے کارنامے ایسے ہیں جنہیں انہوں نے سرانجام دیا ہے۔ ان میں سے کچھ کے کام ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ مثلاً: ام زیاد، ربیع بنت معوذ، حمنہ بنت جحش، ام عطیہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کو زیادہ مہارت حاصل تھی، رفیدہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ (یعنی میڈیکل کیمپ)، جس میں جراح خانہ بھی تھا، مسجدِ نبوی کے پاس تھا جہاں سرجری اور آپریشن وغیرہ کیا جاتا تھا۔^④

میدانِ جنگ میں اس کے علاوہ بھی صحابیات رضی اللہ عنہن کئی خدمات بھی سرانجام دیتی تھیں، یعنی ڈاکٹر و نرس کا کام، مثلاً: زخمیوں کو پانی پلانا اور ان کی مرہم پٹی کرنا، مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدانِ جنگ سے لے جانا، تیراٹھا کر دینا، خورونوش کا انتظام کرنا، قبر کھودنا اور فوج کو ہمت دلانا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ام سلیط رضی اللہ عنہا نے غزوہ احد میں مشکین بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا۔^⑤

① سیر أعلام النبلاء (۲/ ۱۷۰)

② الإصابة في تمييز الصحابة (۴/ ۴۶۱)

③ الإصابة (۸/ ۲۳۵)

④ ابن سعد (ج: ۸)

⑤ صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۸۸۱)

یہ تھا اسلام کی بہادر خواتین کے کارناموں کا ایک مختصر و دھندلا سا خاکہ۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لیے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟

جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی شریک رہتی تھیں، صحیح البخاری میں ہے کہ غزوہ احد میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے مشکیزے بھر بھر کر زخمی فوجیوں کو پانی پلاتی تھیں، ان کے ساتھ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ام سلیط رضی اللہ عنہما نیز دو اور صحابیات بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی عورتیں انہی خدمات کے لیے اکثر غزوات میں شریک رہی ہیں۔^①

ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی۔^②

انغوث اور ارمات کی لڑائیوں میں، جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں، مسلمانوں نے اپنے شہداء اور زخمیوں کو ”عذیب البجانات“ میں منتقل کیا جو مسلم فوج کے عقب میں میدان جنگ سے قریباً دو گلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ وہاں مسلم خواتین ان کے انتظار میں تھیں۔ مسلم فوجی چونکہ پچھلے کئی ماہ سے اس جنگی مہم میں شامل تھے، اس لیے وہ اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ یہی محترم خواتین اس میڈیکل کیمپ کو چلا رہی تھیں۔

قارئین کرام! زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کا کام تو یہ خواتین کر ہی رہی تھیں مگر اس جنگ میں ایک اور سخت ترین کام کی ذمہ داری بھی انھی کے نازک کندھوں پر آپڑی تھی۔ سنگلاخ زمین کو کدالوں سے کھود کر ان میں شہداء کو دفن کرنا بلاشبہ جان جوکھوں کا کام تھا مگر اسلام کی بیٹیاں تاریخ کے صفحات پر یہ سنہری کارنامے بھی ثبت کر رہی تھیں۔ شہداء کو دفن کرتے وقت انھیں کئی دفعہ اپنے شوہر، بھائی یا بیٹے کی تدفین بھی کرنا پڑتی مگر پہاڑوں سے بلند حوصلہ اور اللہ پر مضبوط ایمان انھیں ہر محنت و مشقت برداشت کرنے کی قوت فراہم کرتا رہا اور یہ پیکر تسلیم و رضا بن کر اپنی ڈیوٹی ادا کرتی رہیں۔

خواتین کے اس کیمپ کے انچارج حبیب بن جریر انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں چونکہ مرہم پٹی اور زخمیوں کے علاج میں خاص مہارت حاصل تھی، اس لیے اس مشن کا انچارج انھی کو بنایا گیا۔^③

① سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النساء يغزون، رقم الحديث (2526)

② صحيح البخاري، كتاب الطب، باب هل يداوي الرجل المرأة والمرأة الرجل، رقم الحديث (5679)

③ تاريخ الطبري (3/ 546)

ایک مسلمان پردہ نشین عورت:

اس مسلمان بہادر اور ہمت والی عورت کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ معرکہ اجنادین میں ضرار بن ازد رضی اللہ عنہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے اور ان کی رہائی کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنھیں اسلامی تاریخ میں سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، طلیعہ (مقدمۃ الجیش) لے کر آگے بڑھے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ راستے ہی میں تھے کہ ایک نقاب پوش نیزہ بردار گھڑ سوار ان کے قریب سے گزرا جس کی آنکھوں کی شہتیریں بھی نظر نہیں آرہی تھیں، وہ تہا داد شجاعت دے رہا تھا، اس کی بے مثال جرأت و پامردی کو دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا:

”کاش میں اس گھڑ سوار کو پہچان لیتا کہ کون ہے؟ واللہ وہ واقعی شہسوار ہے۔“

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں، حتیٰ کہ وہ نقاب پوش شہسوار رومی لشکر میں گھس کر اس کی صفوں کو منتشر کر دیتا ہے اور شیر کی طرح دھاڑتا ہے، ساری فوج تھرا اٹھتی ہے، میدان کارزار سے جب وہ باہر نکلتا ہے تو اس کے نیزے سے گرم خون کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک وہ بہت سے جوانوں اور فوجی افسروں کو خاک و خون میں ملا چکا ہوتا ہے، پھر وہ دوبارہ موت کا فرشتہ بن کر طوفانِ بلا خیر کی طرح میدان کارزار میں کود پڑتا ہے۔ اس کی جرأت و پامردی کو دیکھ کر لوگ شک و تردّد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تصور کرنے لگتے ہیں، اچانک کسی طرف سے خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اُن کے سامنے آگئے، رافع بن عمیرہ رضی اللہ عنہ ان سے پوچھتے ہیں:

”وہ گھڑ سوار جو ابھی ابھی ہمارے سامنے سے گزرا، کون ہے؟ اس نے تو واقعی دل و جان

کی بازی لگادی ہے۔“ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: ”اس کی بے مثال جرأت

و بہادری نے تو مجھے بھی حیرت و استعجاب میں ڈال دیا ہے۔“

اسی دوران میں وہی شہسوار بجلی کی طرح نمودار ہوا اور تار بڑ توڑ ایسے حملے کیے کہ دشمنوں کی فوج میں افراتفری پھیل گئی، پھر جب وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو سب اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے نام بتانے اور چہرے سے نقاب ہٹانے کی منین کرنے لگے تا کہ اس سے تعارف حاصل کریں، مگر اس نے کچھ جواب نہیں دیا، لیکن جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے کہا:

”اے سپہ سالار! میری کیا مجال کہ میں آپ کے حکم سے سر تابی کروں، مگر حیا مانع ہے،

کیوں کہ میں ایک ہودج گزریں اور پردہ نشین عورت ہوں اور یہ سب کچھ میں نے سوزشِ دل اور غموں سے نڈھال ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔“

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ”تم کون ہو؟“ جواب آیا: ”میں خولہ بنت ازد ہوں، میں اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی نے بتایا کہ تیرا بھائی دشمنوں کے ہاتھوں قید ہو گیا ہے، چنانچہ میں گھوڑے پر سوار ہوئی اور معرکہ کارزار میں کود پڑی۔“

خولہ کی داستانِ الم سن کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حد درجہ متاثر ہوئے اور یکبارگی اسلامی لشکر کو لکارتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، خولہ ان کے ہمراہ اس وقت تک جہاد کرتی رہیں جب تک کہ ان کا بھائی رہا نہیں ہو گیا۔^①

اس روز مردوں کے علاوہ خواتین نے بھی لشکرِ اسلامی کے حوصلے بڑھانے میں زبردست کردار ادا کیا۔ آئیے ان کا تھوڑا سا ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

قارئینِ کرام میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جنہوں نے سیدہ ”خساء“ کا نام نہ سنا ہو۔ اس کے باوجود ان کا تھوڑا سا تعارف کرواتی چلوں۔ خساء بنو سلیم کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی یہ خاتون مومن عورتوں کے لیے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ یہ شاعرہ بھی تھیں، بہت بہادر اور جبری تھیں۔ سیدہ خساء رضی اللہ عنہا کا نام تماشری بنت عمر تھا۔ خساء ان کا لقب ہے جو ناک کی لمبی ہڈیوں کے باعث انھیں دیا گیا۔ ان کے چار بیٹے تھے اور چاروں ہی سخیلے جوان، شہسوار، طاقتور، بہادر اور اسلام کی عظمت پر جان قربان کرنے والے تھے۔ سیدہ خساء نے اپنے بیٹوں کو وہیں اپنے خیمے میں بلوالیا اور پھر ان کو نصیحت فرماتے ہوئے جو الفاظ کہے، وہ سننے اور پڑھنے کے لائق ہیں۔

اپنے شاہکار خطاب میں سیدہ نے فرمایا:

”میرے بچو! تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے ہو۔ کسی نے تمہیں جبری طور پر اس دین میں داخل نہیں کیا۔ اب تم پر اس دین کی حفاظت فرض ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کا جو اجر و ثواب ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ دشمن کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ دشمن کی طرف آگے بڑھو۔ جب جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں تو ان شعلوں میں کود پڑو۔“

① نساء فاضلات في ظل الإسلام

میری بہنو! سیدہ نے ان کو لمبی چوڑی نصیحتیں کی تھیں۔ میں کئی مرتبہ سوچتی ہوں کہ وہ کتنی عظیم ماں تھی جو اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں تیار کر کے جہاد کے لیے بھیج رہی تھی۔ اور پھر سیدہ کے چاروں بیٹوں نے اپنی والدہ کی نصیحت پر من و عن عمل کیا اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور اس مقصد کے لیے وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں۔^①

قرونِ اولیٰ کی تمام لڑائیوں کا موقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو گے تو عموماً صفوفِ جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے فرض کے ادا کرنے میں مشغول پاؤ گے۔ ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے سرانجام دیتا تھا۔ کیا ان تمام واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں نے اس درجے کو قائم رکھا اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو یہ درجہ صرف مذہب، اخلاق اور حسنِ معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا۔ اور آج کی عورت بھی انہی چیزوں سے اپنے درجے کو بلند کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی امہات المؤمنین اور صحابیات رضی اللہ عنہن جیسا اُسوہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں ہم آپ کو ایک بہادر ہی نہیں، بلکہ ایک صابرہ ماں کا واقعہ بتانا چاہتے ہیں۔

بہادر اور صابرہ مائیں:

حجاج بن یوسف ثقفی کے انسائیت سوز کرتوتوں کا نام لب پہ آتے ہی روگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب بنو امیہ کے مقابل حجاز میں اپنی خلافت قائم کی اور حجاج نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے مکہ مکرمہ پر بڑے سروسامان سے فوج کے ساتھ چڑھائی کی، اور اس کے ڈر سے فرماں روئے مکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے رفقاء نے ان سے علاحدہ ہونا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ دو بیٹے حمزہ و حبیب بھی ان سے علاحدہ ہو گئے اور حجاج سے جا ملے، اور

① سنن أبی داود، رقم الحدیث (۲۵۳۱)

مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے گھبرا کر اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

”امی جان! مجھے میرے لوگوں نے دھوکا دیا، ذلیل کیا، حتیٰ کہ میرے لڑکوں نے مجھے رسوا کیا، اگر میں دنیا کو چاہوں تو دشمن مجھے دے سکتے ہیں، آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

”بیٹے! تم اپنے معاملے کو مجھ سے زیادہ اچھا سمجھتے ہو، اگر تمہارا یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے ہو، تو جو کر رہے ہو کیے جاؤ، تمہارے ساتھی اسی راہ میں مارے گئے ہیں تم اپنی گردن ایسی رسی میں نہ پھنساؤ کہ بنو امیہ کے لوٹدے اس سے کھیلیں، لیکن ہاں! اگر تم نے حصولِ دنیا کا قصد کیا تھا تو تم بہت ہی نااہل انسان ہو، جس نے یوں ہی خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے رفقاء کو بھی موت کے منہ میں دھکیل دیا، اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ میں حق پر تھا، لیکن میرے ہمراہیوں نے مجھے دھوکا دیا، جس سے کمزور ہو گیا ہوں، تو جان لو کہ یہ بندہ حر اور مردِ مومن کی شان نہیں ہے، بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہاری زندگی تاکہ؟ ذلت آمیز ایسی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے، اللہ کی قسم! میرے نزدیک حصولِ عزت کے لیے تلوار کی ایک ضربِ ذلت کے کوڑے سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔“

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے زرہ اتار ڈالی۔ پھر کہا: مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے نہ کریں۔ ماں نے جواب دیا: ”جانِ مادر! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے تو کھال کھینچے جانے کی اُسے کیا پروا، تم جو کچھ کر رہے ہو بصیرت کے ساتھ کیے جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طلبگار رہو۔“

ماں کا جرات مندانہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دنگ رہ گئے اور پیار سے ان کے سر کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا:

”میری بھی یہی رائے ہے امی جان! اس وقت تک مجھے نہ دنیا کی خواہش ہوئی اور نہ حکومت کی تمنا، مجھے یہ راستہ اختیار کرنے پر صرف اس امر نے مجبور کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی تھی اور نہ ممنوعات سے پرہیز ہو پا رہا تھا، میں زندگی کی آخری سانس تک حق کے لیے لڑتا رہتا، لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلے میں میں آپ سے رائے

لے لوں، آپ نے تو میری بصیرت میں اضافہ کر دیا، امی جان! میں آج ضرور جامِ شہادت نوش کر لوں گا، آپ زیادہ مغموم نہ ہونا، آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیجیے، آپ کے بیٹے نے کبھی کسی ناجائز کام کے کرنے کا قصد تک نہیں کیا، اور نہ کبھی بدکاری کی طرف توجہ کی ہے، نہ اس نے بد عہدی کی ہے نہ کسی پر ظلم کیا ہے، نہ کسی ظالم کا معین و مددگار ہوا ہے اور نہ رضائے الہی کے خلاف کوئی کام کیا ہے، بارِ الہ! میں یہ باتیں اپنے نفس کی براءت کی غرض سے نہیں، بلکہ اپنی والدہ کی تسلی کی خاطر اور غمِ غلط کرنے کے لیے کہتا ہوں۔“

حضرت اسماءؓ کہتی ہیں:

”مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے گا، تم اللہ کا نام لے کر دشمنوں پر حملہ آور ہو، اور اگر فتح یاب ہو گئے تو مجھے تمہاری فتحِ مندی سے مسرت ہوگی، میں تمہارا انجامِ کار دیکھنے کو چلتی ہوں۔“

”اماں آپ تکلیف نہ کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، بس دعا فرمائیے۔“

اسماءؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں، دعائیں دیتی ہوئی اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگا کر وداع کرتی ہیں اور عبد اللہ بن زبیرؓ نہایت بے جگری کے ساتھ لڑ کر شہید ہو جاتے ہیں، فوراً ان کے سر مبارک کو ان کے تن سے جدا کر کے عبد الملک بن مروان کے پاس بھیج دیا جاتا ہے، اور جسدِ اطہر کو سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ حضرت اسماءؓ کا جب ادھر سے گزر ہوا تو اپنے بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی، کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثرِ منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی۔ لیکن وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں، اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا: ”کیا ابھی تک اس شہسوار کا سواری سے اترنے کا وقت نہیں آیا ہے؟“^①

میری بہنو! اس ایک فقرے میں استقلال اور جرات کی کتنی روح بھری ہے۔ انھیں جنم دینے والی اور ان کی تربیت کرنے والی بھی آپ کی طرح عورتیں اور مائیں ہی تھیں، کوئی اور مخلوق نہیں تھیں، بس فرق ہے تو تقویٰ و ایمان میں۔ اللہ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو صبر و ہمت اور تقویٰ والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

مصادر و مراجع

- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ سیرة الصحابیات رضی اللہ عنہن
- ✽ عورتوں کے امتیازی مسائل
- ✽ معرکہ قادیسیہ کے سنہرے واقعات
- ✽ مسلم خواتین کے سچے واقعات
- تالیف: مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ
- تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- تالیف: عبدالمالک مجاہد
- تالیف: محمد شیتھ ادیس تیمی

نیک عورت: بہترین متاعِ دنیا

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

قدیم معاشرے میں عورت کا مقام:

اسلام سے پہلے قدیم معاشرے میں عورت بحیثیت بیٹی باپ کے لیے زحمت سمجھی جاتی تھی، بہت سے لوگ بیٹی کی پیدائش کو اپنے لیے عار اور باعثِ شرم سمجھتے تھے، انھیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ کوئی ان کا داماد بنے۔ جب بیٹیاں بڑی ہوتیں تو وہ اس بات کو باعثِ شرم سمجھتے کہ وہ ان کے لیے رشتہ تلاش کریں۔ اور بیٹی کسی غیر لڑکے کے حوالے کر دیں اور پھر وہ داماد بن کر ان کے گھر آئے۔ چنانچہ یہ لوگ لڑکی کے وجود کو بالکل برداشت نہ کرتے، بلکہ اس کے وجود کو باعثِ شرم سمجھتے تھے۔

اسلام میں بیٹی کی حیثیت:

لڑکی کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے اسرار و رموز رکھے ہیں، اور اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لڑکی کو رحمت قرار دیا ہے، اور اس کی تعلیم و تربیت پر جنت کی بشارت دی ہے، اور خود آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت فرمائی۔ مگر فطری ضرورت پر ہر باپ بیٹے کی تمنا کرتا ہے، کیوں کہ اس سے اس کا نسب وابستہ ہوتا ہے اور وہ اس کے علوم و فنون، اور دولت و جائیداد کا وارث اور محافظ بنتا ہے۔ اس ذاتی غرض کی بنا پر لڑکے کی تمنا کرتا ہے اور اس کی پرورش، تعلیم و تربیت پر بخوشی زیادہ سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب یہ خود غرض انسان سوچتا ہے کہ لڑکی پرائے گھر جائے گی، اس سے میری کوئی بنیادی ضرورت پوری نہیں ہوگی، نہ اس سے میرا سلسلہ نسب چلے گا تو یہ خود غرض

انسان لڑکی کے وجود اور اس کی تعلیم و تربیت کو بوجھ سمجھتا ہے، جبکہ لڑکی اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور لڑکا نعمت۔ لڑکی بحیثیت بیٹی کے بھی ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے، اسے اسلامی معاشرے میں اور خاندان میں ہمیشہ شفقت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں واضح حکم دیا گیا ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُنَّ أَشْيَاءَ وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ

خَيْرًا كَيْدًا﴾ [النساء: ۱۹]

”تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو، گو تم انہیں ناپسند کرو، لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھی ہو۔“

یہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور حدیث میں بھی نبی ﷺ نے اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے: نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ”مومن مرد مومنہ عورت سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت تمہیں ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔“^①

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات والا دین ہے۔ اس نے زندگی کے ہر پہلو میں راہنمائی فرمائی ہے۔ شادی کرنے سے پہلے جو اصول و قواعد بتائے ہیں ان میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ لڑکی سے نکاح کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہونے والی بیوی اور ہونے والا شوہر ایک دوسرے کا جائزہ لیں، ایک دوسرے کو دیکھیں، آیا کہ صورت اور سیرت و کردار کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے نبھاسکیں گے یا نہیں۔ اس سلسلے میں سے رسول کریم ﷺ کی عملی زندگی نے تمام انسانی رشتوں اور ان کے حقوق و ذمہ داریوں کی حدود کا تعین فرما دیا ہے۔ اصل نبھا تو لڑکی نے کرنا ہوتا ہے، والدین اس کے ساتھ نہیں رہیں گے، اس لیے اسلام جو دین فطرت ہے اس نے انسانی فطری تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے شادی کے معاملے میں لڑکی لڑکے کو اختیار دیا ہے، تاکہ وہ والدین کی رائے کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی رائے اور رضا و خوشنودی بھی بتا سکیں اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حتمی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکورہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی: میں نے

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۴۶۷/۶۱)

ایک انصاری عورت سے نکاح کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اسے دیکھ لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں، فرمایا: جاؤ اس عورت کو دیکھ لو، یہ تم دونوں کے درمیان محبت قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔^{1}

لیکن اس کا خیال رکھا جائے کہ دیکھنے سے زیادہ تجاوز نہ کیا جائے۔

عورت بحیثیت بیوی:

اسلامی معاشرے میں لڑکی کو بحیثیت بیوی بھی وہی مقام حاصل ہے جو بحیثیت بیٹی یا ماں حاصل ہے، بلکہ یقینی حالات میں بیوی کی حیثیت خاندان کی اساس و بنیاد ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس کے ذریعے خاندانی تسلسل اور حسب و نسب قائم رہتا ہے اور خاندان و قبائل کی پہچان بن جاتی ہے۔ قرآن پاک نے بیوی کو اللہ تعالیٰ کی نشانی قرار دیا اور شوہر بیوی کے درمیان اللہ نے جو محبت اور رحمت رکھی ہے، قرآن پاک نے اس پر انسانوں کو دعوتِ فکر دی ہے کہ تم غور کرو، دو فریق جو اپنے اپنے ماحول میں پل کر جوان ہوتے ہیں، ان میں رنگ و نسل، حسب و نسب، تہذیب و تمدن اور دیگر ثقافتی امور میں فرق ہونے کے باوجود پہلی ہی ملاقات میں دو قالب ایک جان میں کیسے ڈھل جاتے ہیں، اسی مفہوم کو اس آیت میں کس قدر بہتر طریقے سے بیان کیا گیا ہے، سورۃ الروم (آیت: ۲۱) میں فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

”اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو، اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں غور کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد عورت کا رشتہ محبت و چاہت اور دل بستگی و شیفگی کی نشوونما کے لیے ہوتا ہے۔ دونوں کے باہمی روابط اور تعلق داری میں دوام و استحکامِ زندگی بھر دیتا ہے۔ یہ ایسی انمول حقیقت ہے جس کی مثال نہیں ملتی ہے، مرد و زن کے درمیان یہ اندازِ زندگی جب تک قائم رہے

{1} سنن الترمذی، سنن النسائی.

گا اس وقت تک یہ جوڑا قرآن پاک کی اس آیت کا مصداق بنا رہے گا۔ شوہر بیوی کے درمیان یہ اندازِ زندگی تو ایک ظاہری ڈھانچے کی مانند ہے، لیکن قرآن پاک اس سے بھی بڑھ کر دلوں کی چاہت اور اندرونِ خانہ دل کی گہرائیوں میں شیر و شکر اس طرح چاہتا ہے کہ دونوں کی سوچ ایک ہو جائے اندازِ فکر میں یگانگت پیدا ہو جائے اور دونوں کا ظاہر و باطن ایک ہو جائے۔

میاں بیوی کی انہی اندرونی کیفیات کو قرآن پاک نے جامع انداز سے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

”وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔“

یعنی جس طرح انسانی لباس انسانی جسم کو ڈھانپ دیتا ہے اسی طرح میاں بیوی کی ایک دوسرے کے لیے محبت و چاہت کی بنا دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیے گئے ہیں، یعنی ایک کا سکون دوسرے سے وابستہ کیا گیا ہے۔ عورت کو مرد کے لیے اور مرد کو عورت کے لیے لباس قرار دیا، اور ہر ایک کو اس کا حق دلایا۔ قرآن پاک میں اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة: ۲۲۸]

”اور عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہے، جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کا حق عورتوں پر ہے، تاہم مردوں کو ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔“

اسی حوالے سے بخاری و مسلم کی حدیث ہے جس کی راوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ازدواجی تعلق کی سب سے مضبوط بنیاد محبت کا جذبہ ہے۔ محبت کا جذبہ نہ ہو تو یہ تعلق ایسے ہوگا جیسے دو اجنبی کسی سفر کے دوران میں مل بیٹھے ہوں، اسلام نے عورت کو ایک خاص مقام دیا ہے، لیکن اسلام نے اسے مکمل زندگی گزارنے کا شیڈول بھی بتلایا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے عورت کو اس کی قائدانہ صلاحیت اور تدبیر منزل کی ذمے داری کا احساس

دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”عورت اپنے شوہر اور اس کے گھر والوں کی نگران ہے اور ان کے تعلق سے اس سے باز پرس ہوگی، یعنی اس سے پوچھا جائے گا۔ (کہ کہاں تک اس نے ان کے حقوق کا خیال

رکھا اور اپنے فرائض کی ادائیگی کو کہاں تک نبھائے رکھا۔^①

لہذا میری بہنو! ایک کامیاب بیوی وہی ہو سکتی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے فرائض کو اپنی پوری صلاحیت سے نبھائے، ہر ایک ذمے داری کو پوری تہذیب سے انجام دے۔ بلاشبہ شادی ہونے اور بیوی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کے لیے آزمائش و امتحان کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایک ہی گھر کے تمام افراد شوہر، اولاد، ساس اور دیگر تمام عزیز واقارب کے ساتھ ان کے درجے کے لحاظ سے برتاؤ کرنا کہ گھر کا ہر فرد اس سے راضی رہے۔ اگر کوئی بیوی اس انداز سے اجتماعی زندگی گزارتی ہے تو وہ ایک کامیاب بیوی ثابت ہو سکتی ہے۔ بیوی کی اسی ہوشمندی و دانشمندی اور احساس ذمہ داری رکھنے والی عورت کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس طرح تعریف فرمائی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”اپنے گھر پر جمی رہو یہ تمہارا جہاد ہے۔“^②

مطلب یہ ہے کہ جس میں جو صلاحیت ہو اس سے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا ہی اصل جہاد ہے۔ شوہر کے حقوق ادا کرنا، بچوں کی تعلیم و تربیت کرنا ہمہ وقتی ذمہ داری ہے جس کو کف ٹائم جاب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس مشقت و محنت کو بیوی کے لیے جہاد سے تعبیر کیا ہے، لیکن بیوی کی ذمے داری صرف چوبیس گھنٹے گھر میں رہنا نہیں، بلکہ حسب ضرورت اس کو گھر سے باہر بھی جانا پڑے تو وہ جاسکتی ہے جس کی اجازت اور اس کے پر وٹو کول کو قرآن پاک میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ [الأحزاب: ٥٩]

”اے میرے نبی! آپ اپنی ازواج مطہرات سے اور اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ (باہر نکلیں) تو اپنی چادریں اپنے سر سے نیچے لٹکا لیا کریں یہ ان کے لیے موجب شناخت ہوگا تو انھیں کوئی پریشان نہیں کرے گا۔“

① صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن أبي داود، سنن الترمذی، صحیح الجامع، رقم الحدیث (۴۴۴۵)

② مسند أحمد (۶/۶۸)

قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں ہر عورت اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر جاسکتی ہے، البتہ ضرورت سے مراد دین و دنیا کی شرعی ضرورت ہے، اور اس کے لیے شریعت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے اس کو جانا چاہیے۔

عورتوں کے لیے باہر نکلنے کے شرعی آداب:

شرعی ضرورت کے تحت عورت گھر سے باہر نکلے تو باپردہ ہو، نظریں غیر محرم سے بچاتے ہوئے اپنے زیب و زینت کی نمائش نہ کرے۔ ضرورت سے زیادہ بازار میں وقت نہ گزارے۔ اسلام نے خود عورت کے ہی تحفظ اور اس کے گوہر عصمت کی حفاظت کے پیش نظر اسے اپنے گھر میں ٹکی رہنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۳) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾

”اور اپنے گھروں میں جمی رہو اور اگلی جاہلیت کے زمانے کی طرح بناؤ سنگار (مردوں کو دکھاتی نہ پھر۔“

لہذا عورت کی مملکت، اس کا تاج محل، بلکہ شیش محل وہ گھر ہے جہاں وہ زندگی بسر کرتی ہے۔ اسے اسی میں ٹکی رہنا چاہیے اور بلا ضرورت وہاں سے نکل کر سڑکوں، بازاروں یا دفتروں کے چکر نہیں کاٹنے چاہئیں، لیکن اگر کسی ضرورت و مجبوری کے تحت گھر سے نکلنا ہی پڑے تو اس کی بعض شرائط اور کچھ آداب ہیں جن کا پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے شوہر بیوی کے بہتر تعلقات قائم رکھنے کے لیے ایک اصول ارشاد فرمایا جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول ﷺ سے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو (حسنِ اخلاق میں) اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھا ہوں۔“^①

شوہر بیوی کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ شوہر بیوی کی دل جوئی کرے اور اس کی راحت و آرام کا خیال رکھے، ہر حال میں خواہ سفر ہو یا حضر ہو۔ اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے بیوی کی ذمے داریوں کا احساس دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”عورتوں میں سے بہترین عورت وہ بیوی ہے کہ جب تو اس کو دیکھے تو وہ تجھے خوش کر دے اور جب تو اس کو حکم دے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو سفر میں جائے تو اپنی آبرو کی اور تیری اولاد کی اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔“

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی قبول صورت بھی ہو اور قبول سیرت بھی ہو، یعنی شکل و صورت کی بہتر ہو، لباس اچھا ہو اور آرائش و نمائش پسندیدہ ہوں، یہ تمام چیزیں اور ان کے ساتھ شوہر کو خوش کرنا عورت کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طریقے پر قبول سیرت میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ شیریں زبان ہو، خندہ پیشانی والی ہو، مسکراہٹ کے ساتھ شوہر سے پیش آئے اور وہ تمام صفات اس کے اندر موجود ہوں جو سورۃ

الاحزاب (آیت: ۳۵) میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والیوں کے اوصاف کے ضمن میں بیان فرمائی ہیں:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

”بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمان برداری کرنے والے مرد، اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔“

جس بیوی میں یہ اوصاف ہوں دنیا میں اس کا گھر جنت کا نقشہ ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت زیادہ اجر تیار کیا ہوا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں سورۃ الاحزاب کی (آیت: ۳۵)

میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی دل داری کا اہتمام کیا ہے۔ اس لیے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن نے کہا تھا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں ہی سے خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں؟ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔^①

ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت و اطاعتِ الہی اور اخروی درجات و فضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے، دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر و ثواب کما سکتے ہیں۔ جنس کی بنیاد پر کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ انسانی فطرت اور اس کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے قرآن پاک نے کس خوبصورتی کے ساتھ اپنی تعلیمات کو سمجھاتے ہوئے عورتوں کو ہدایت کی۔ غیر محرم سے بات کرنے کا طریقہ و انداز بیان فرمایا:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ [الأحزاب: ۳۲]

”کسی سے نرمی سے بات نہ کرو، کیوں کہ جس شخص کے دل میں مرض ہے وہ کوئی غلط

امید نہ لگا بیٹھے۔“

اس کی مخاطب اگرچہ ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو قرار دیا گیا ہے، لیکن اندازِ بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امتِ مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے، اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان متقی عورتوں کے لیے ہیں۔

کیوں کہ یہ فکر ایمان والیوں کو ہی ہوتی ہے کہ کہیں ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے اور جن کے دل خوفِ الہی سے عاری ہیں، انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ ان ہدایات کی پروا نہیں کرتیں۔

عورت صنفِ نازک ہے:

میری بہنو اور بھائیو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو صنفِ نازک کہا ہے، مگر آج کی عورت کو یہ خطاب نہیں چاہیے، کیوں کہ اسے تو مردوں کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر بازاروں میں کام کرنا اچھا

① جامع ترمذی، رقم الحدیث (۳۲۱۱) مسند أحمد (۶/۳۰۱)

لگتا ہے، کاش کہ تمہیں سمجھ آجائے کہ اسلام نے تمہیں کتنا مقام عطا فرمایا ہے۔ میری بہن ذرا اُس حدیث پر غور کریں جس میں نبی کریم ﷺ نے آپ کو آگینوں (شیشے) کی طرح نازک کہا ہے، اتنا خیال رکھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سفر میں تھے اور سفر میں اونٹ چلانے والے نوجوان صحابی انجھہ رضی اللہ عنہ حُدی خوانی کیا کرتے تھے جس سے اونٹ تیز بھاگنے لگتے، جبکہ بعض اونٹوں پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سوار تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے نوجوان صحابی انجھہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«يَا اَنْجَسَةَ! رِفْقًا بِالْقَوَارِيرِ»^①

”فسوس! انجھہ! شیشوں کو آہستگی سے لے کر چل۔“

شیشوں سے آپ نے عورتوں کو مراد لیا ہے۔ فرمایا: یہ بھی شیشے کی طرح نازک اندام ہوتی ہیں۔

انہی اوصاف کو ایک مشہور شاعر ماہر القادری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

عورت کو حیا کی چادر دی عزت کا اعزاز بھی بخشا

شیشوں کی طرح نزاکت پیدا کی کردار کے جوہر چمکائے

اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! «أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟» ”عورتوں میں

سے بہتر و نیک بیوی کونسی ہے؟“ آپ ﷺ نے چار اوصاف کا ذکر فرمایا:

① وہ عورت کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے (اپنے اندازِ دلربائی سے) خوش

کر دے۔

② اور جب وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے۔

③ اگر وہ اسے قسم دے دے تو وہ اس کی قسم کو پورا کر دے۔

④ اور اگر وہ گھر سے غائب ہو تو وہ اس کے اہل و مال اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔^②

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”چار چیزیں ایسی ہیں کہ جسے وہ مل گئیں اسے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں دستیاب

ہو گئیں: (1) شکر گزار دل، (2) ذکرِ الہی میں مشغول رہنے والی زبان، (3) مصیبت

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (6149) صحیح مسلم، رقم الحدیث (2323)

② سنن النسائي للالباني، رقم الحدیث (3030) مشکاة (2/976، رقم الحدیث: 3272)

کے وقت صبر کرنے والا بدن (4) اور ایسی بیوی جو اپنے نفس یا عصمت اور شوہر کے مال میں بغاوت کرنے والی نہ ہو۔^①

اسی مفہوم کی کئی دیگر احادیث ہیں مگر مسلمان کے لیے عمل کرنے کے لیے تو ایک ہی کافی ہے۔ اے امتِ محمدیہ کی مسلمان عورتو! اگر نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارو گی تو ان شاء اللہ تمہاری زندگیاں پرسکون گزریں گی، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعتِ رسول ﷺ کی وجہ سے گھروں میں برکتوں کا نزول ہوگا، ورنہ نبی ﷺ کی حدیث کے حوالے سے عورتوں کی اکثریت جہنم کا ایندھن بن جائے گی۔ اسلام نے جو مقام ہمیں عطا کیا ہے اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر تمام مسلمان عورتیں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اپنے سینے میں سجالیں تو آخرت میں جنت تو ملے گی اور ان کی دنیا بھی جنت بن جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ عورت متاع دنیا ہے
- ✽ سیرۃ الصحابیات رضی اللہ عنہن
- ✽ تالیف: مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف
- ✽ عورتوں کے امتیازی مسائل

① شعب الإيمان، سنن البیہقی، مشکاة، رقم الحدیث (۳۲۷۳)

نیک عورت: بہترین متاع دنیا

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

عورتوں کی چند اچھی اور بعض بُری صفات:

عورتوں کی چند اچھی صفات ذکر کرنے کے بعد اب ہم ان صفات و عادات کا ذکر کریں گے جنہیں بُرا سمجھا جاتا ہے۔ انہی بُری عادات کا شیخ حسین رضوان نے اپنے درس میں تذکرہ کرتے ہوئے بعض سلف صالحین میں سے شیخ غزالی کے حوالے سے رحیبانی نے اپنی کتاب مطالبِ اُولیٰ النہی شرح عالیۃ المنتہیٰ میں ذکر کیا ہے ان میں سے: ① اُکَانہ ② والمُتَانہ ③ والحِثَانہ ④ والحِرَاقہ ⑤ والبرَاقہ ⑥ والشِراقہ ہیں۔

① اُکَانہ: جو عورت بیمار ہونے یا رہنے کا مظاہرہ کرتی ہے اور اکثر سر باندھ کر رکھتی ہے اور ہمیشہ اذیت میں ہونے کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔

② مُتَانہ: جو مالدار ہوتی ہے، یعنی وہ مال جو اسے اپنے والدین کی طرف سے ملا ہو اور وہ اس مال سے اپنے شوہر کا تعاون کرتی اور مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیتی ہے اور پھر جلتاتی رہتی ہے کہ میں نے تمہارے لیے یہ کیا اور وہ کیا وغیرہ وغیرہ۔

③ حِثَانہ: وہ عورت جس کی دوسرے شوہر سے اولاد ہو اور وہ ہمیشہ ان کو ہی یاد کرتی ہو۔

④ حِرَاقہ: وہ عورت ہے جو ہر چیز پر غور کرتی ہو اور پھر اپنے شوہر سے اس کا مطالبہ کرتی ہے جو اس کی حیثیت سے زیادہ ہے۔

⑤ بَرَاقہ: وہ عورت جو غیر محرم مردوں کو بہت غور سے دیکھتی ہے۔

⑥ شَرَّاقہ: وہ جو بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں، لفظوں سے پیاری اور معنوں میں فاحش ہوں۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا ارشاد ہے: چار صفتوں والی عورتوں سے شادی نہ کرنا، ان کے علاوہ کسی

سے بھی شادی کر لینا، اور وہ چار کون ہیں؟ ① المختلعه، ② المباریہ ③ العاھرہ ④ الناشرہ۔

① المختلعه: وہ عورت جو بغیر کسی عذر کے اپنے شوہر سے خلع لیتی ہے، جبکہ اس کا شوہر اس کو پیار کرتا ہے۔

② المباریہ: وہ عورت جو بہت زیادہ ریا کاری کرتی ہے، اپنے شوہر سے اکثر بلا ضرورت مطالبہ

کرتی ہے، کپڑے، جوتے وغیرہ خریدنے کے لیے تاکہ لوگوں کو دکھاسکے، یعنی دکھلاوا کرتی ہے۔

③ العاھرہ: وہ عورت جو اپنے شوہر کے علاوہ غیر مرد سے بھی تعلقات رکھتی ہے۔ (نعوذ باللہ)

④ الناشرہ: وہ عورت جو خود کو اپنے شوہر سے ہمیشہ اعلیٰ سمجھتی ہے اور شوہر کو کم تر۔

عطاء الخرسانی کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”تین امور ہکان کر دیتے ہیں: ① بُرا پڑوسی، ② ظالم اور غیر منصف امام و حاکم ③ اور

وہ عورت جس پر اس کا شوہر نفقہ کا حق ادا کرتا ہے اور وہ اس سے خیانت کرتی ہو، یعنی

اس کا شوہر جیسے ہی گھر سے کام کے لیے نکلتا ہے اور وہ گھر میں غیر مرد کو داخل کر لیتی ہے

یا غیر مردوں سے فون پر بات کرتی ہے۔“

اسی طرح حضرت داود علیہ السلام کی ایک حکمت ہے جس میں بُری عورت کے بارے میں کہا گیا

ہے کہ اس کی مثال اس شکاری کے جال کی طرح ہے جس سے فقط وہی بیچ سکتا ہے جس پر اس کا اللہ

راضی ہے، ایسے ہی کسی اعرابی حکیم سے بُری عورتوں کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا بُری عورت وہ

ہے جو جسم کی کمزور ہو، اور وہ حیض کا بہانہ کرتی ہے، جبکہ وہ پاک ہوتی ہے، اور بیمار ہونے کا بہانہ کرتی

ہے، جبکہ وہ بالکل تندرست ہوتی ہے، جو کھاتی ہے بہت زیادہ اور اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی، یعنی ہر

وقت کھاتی رہتی ہے، زبان دراز، بہت جلال و غصہ کرنے والی، ہر کسی کو اپنی زبان سے زخمی کرتی ہے،

بلا وجہ ہنستی ہے اور بلا وجہ روتی ہے، اور اپنے شوہر کو ہمیشہ بدعا دیتی رہتی ہے، برے الفاظ استعمال کرتی

ہے، اونچی آواز میں بات کرتی ہے، اپنی نیکیاں ڈفن کر لیتی ہے اور برائیاں پھیلاتی ہے، اور جب اپنے

مانیکے جاتی ہے تو وہاں سب کے سامنے اپنے شوہر کی برائیاں کرتی ہے، اور کبھی کوئی اچھائی بیان ہی

نہیں کرتی، دنیا والوں کا ساتھ دیتی ہے، شوہر کے خلاف نہ کہ شوہر کا ساتھ دے، نہ مال جمع کرتی ہے،

بلکہ فضول خرچی کرتی ہے، اپنے شوہر پر رحم نہیں کرتی، اگر وہ گھر کی طرف آتا ہے تو وہ باہر چلی جاتی

ہے، اگر وہ ہنستا ہے تو یہ روتی ہے، ہر کام اس کے برعکس کرتی ہے۔

آج کل اکثر گھروں میں ایسی عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کو بد دعا دیتی اور لعنت ملامت کرتی رہتی ہیں، نہ شوہر کا خیال رکھتی ہیں اور نہ ہی اپنی اولاد کا، اور کھانا بھی بسم اللہ پڑھے بغیر کھاتی ہے، جس میں نہ برکت نہ فائدہ بس اپنا پیٹ بھرتی ہے، اور اگر کہیں باہر جاتی ہے تو اس کا حجاب یا پردہ ڈھیلا ہوتا ہے، یعنی آسانی سے اسے دیکھا جاسکتا ہے، اس کے بچے کمزور ہوتے ہیں، اس کی وجہ بے پرواہی ہے، اور اس کا گھر گندا ہوتا ہے، نہ صفائی کا خیال نہ فکر، اور عورتوں کی مجالس میں گھر کے حالات بیان کر کے بس روتی رہتی ہے اور شکوہ کرتی رہتی ہے، اگر اس کے گھر کے قریب سے گزر ہو تو اس کی آواز بجلی کی طرح گرجتی سنائی دیتی ہے، ظلم کر کے روتی ہے اور غیر موجود ہو کر گواہی دیتی ہے، یعنی بغیر دیکھے اور سنے جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اس کی زبان ہمیشہ جھوٹ بولنے کی عادی ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہی عورتوں کے متعلق ایک آدمی نے کہا کہ عورتیں چار قسم کی ہوتی ہیں:

پہلی: وہ جس کی طرف دیکھو تو خوشی محسوس کرو اور اس کو قسم دو تو وہ اس کو پوری کرے۔

دوسری: وہ جو مال والی ہو اور تمہارے مال کو اپنے مال کے ساتھ جمع کر کے ایک ہی سمجھے۔

تیسری: جو تمہارے گھر داخل ہوتے ہی واہلا کرے اور تمہارے جاتے ہی کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کر دے۔

چوتھی: وہ جو بُری یعنی بدکار ہو، برے اخلاق والی ہو، جس سے تمہاری اولاد ہو اگر تم اسے طلاق دے دو تو تمہاری اولاد در بدر ہو جاتی ہے اور اگر اسے رکھو تو تمہاری زندگی عذاب بن جاتی ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ اس قسم کی بری عورتوں سے بچ کر رہو: وہ جو بات کرے تو اونچی آواز والی ہو، اور چلے تو تیزی سے قدم اٹھائے، اور اگر غصہ کرے تو کوئی لحاظ نہ کرے اور اگر شوہر گھر سے خارج ہو تو اس پر لعنت کرے۔ افسوس کی بات یہی ہے کہ آج کل اکثر عورتوں کا یہی حال ہے، بس چند لوگ ہیں جن پر اللہ کی خاص رحمت ہے، آج حالات ایسے ہیں کہ نیک عورتوں کی تلاش میں نکلو تو ملتی نہیں، بس وہ چیدہ چیدہ ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہو۔

مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے سوائے بری عورت کے، یعنی بُرا کردار و بُرا اخلاق۔ ہر بیماری کا علاج ہو سکتا ہے سوائے بری عورت کے۔ بری عورت کے ساتھ رہنے سے بہت زیادہ بہتر ہے کہ آپ کسی شیر، یا سانپ کے ساتھ رہ لو۔ بُری عورت ظلم کر کے روتی ہے، نا انصافی کرتی ہے، جب

بات کرتی ہے تو جاہلوں جیسی ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا“ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر مومن کو ایسی عورت کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔ یہ تھیں چند بڑی عادات جو اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔

قدیم زمانے کی ماں کی نصیحت:

قدیم زمانے کی ایک ماں اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت کیا نصیحت کرتی ہے؟ امامہ بنت حارث نے اپنی بیٹی کی شادی قبیلہ کندہ کے حکمران عمرو بن حجر سے کی، ام یاس بنت عوف بن مسلم شیبانی نے اس کی رخصتی کے وقت تنہائی میں اسے جو نصیحتیں کیں وہ آج بھی ہر دلہن کے لیے ایک ماں کی آواز کی حیثیت رکھتی ہیں، ام یاس کہتی ہے:

”میری بیٹی! تیرا وہ ماحول چھوٹ گیا جس سے تو نکل کر جا رہی ہے، تیرا وہ نشیمن بھی پیچھے چلا گیا جہاں غافل کو بھی ایک مقام حاصل تھا اور عقل مند کو بھی سہارا تھا اور اگر کوئی عورت شوہر سے اس لیے بے نیاز ہوتی ہے کہ اس کے ماں باپ بھی شدید حاجت کے باوجود ایک دوسرے سے بے نیاز تھے تو میں بھی لوگوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

بیٹی! تیرا وہ ماحول چھوٹ گیا جس سے تو نکل کر جا رہی ہے تیرا وہ نشیمن بھی پیچھے رہ گیا جس میں تو پروان چڑھی، اب تیرا شناسا نہیں، آج تو سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلوے تک شوہر کے زیر نگین ہے، اس لیے تو اس کی کنیز بن کہ وہ تیرا تابعدار غلام بن کر رہے۔ اس لیے دس عادتیں اپنے اندر پیدا کر لے آگے چل کر وہ تیرے کام آئیں گی:

پہلی اور دوسری خصلت یہ ہے کہ قناعت کے ساتھ ساتھ اس کے لیے انکساری برتنا، اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔

تیسری اور چوتھی خصلت یہ کہ شوہر کی نگاہ اور اس کی پسندیدہ خوشیوں کا خیال رکھنا۔ اس لیے کہ جب اس کی تجھ پر نگاہ پڑے تو اس کی طبیعت تجھ پر میلی نہ ہونے پائے اور تیرے بدن سے ایسی کوئی مہک نہ آئے جو اسے نہ پسند ہو۔

پانچویں اور چھٹی خصلت یہ کہ اس کے سونے اور کھانے کے اوقات کا لحاظ رکھنا، تا دیر بھوک برداشت کرنے سے آگ سی بھڑک اٹھتی ہے، اور نیند میں کمی آئے تو غصہ تیز ہو جاتا ہے۔

ساتویں اور آٹھویں خصلت یہ ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کرنا، اس کے اہل و عیال اور اس کے مرتبے کا لحاظ رکھنا، مال کی بہتر نگہداشت حسن انتظام سے ہوتی ہے اور اہل و عیال کی حفاظت حسن تدبیر سے ہوتی ہے۔

نویں اور دسویں خصلت یہ ہے کہ کبھی اس کی حکم عدولی نہ کرنا اور نہ ہی اس کے کسی راز کو آشکار کرنا، اگر اس کی حکم عدولی کی تو اس کا سینہ غصے سے بھڑک اٹھے گا اور اگر اس کے راز کھول دیے تو اس کے غضب سے حفاظت ممکن نہ ہوگی۔ جب وہ رنجیدہ ہو تو اس کے سامنے ہرگز خوشی کا اظہار نہ کرنا اور اگر وہ خوش ہو تو ہرگز رنج و غم ظاہر نہ کرنا۔

ماں کی نصیحت:

شادی کے وقت ہر ماں اپنی بیٹی کو دعاؤں کے ساتھ جب رخصت کرتی ہے، انھیں لمحات میں اپنی بیٹی کو کچھ نصیحتیں بھی کرتی ہے، اور یہ ہر دلہن کے لیے ابدی ہدایت کا درجہ رکھتی ہیں۔ بلاشبہ یہ نصیحتیں آپ زر سے لکھنے کے لائق ہیں یہ کلمات ہر لڑکی کے لیے سرمایہ حیات بن سکتے ہیں۔

اس وقت ماں خوشی و مسرت اور غم و اداسی کے ملے جلے حالات میں اپنی بیٹی کو کہتی ہے: میری بیٹی! میری لختِ جگر! تیرے قدم ایک نئی راہ پر اٹھنے والے ہیں، ایک ایسی زندگی جہاں تیری ماں اور تیرے باپ کا گزر نہیں، نہ تیرے کسی بھائی کا ٹھکانہ ہے تو ایک ایسے شخص کی ہم سفر اور شریکِ حیات بننے جا رہی ہے جو اپنے علاوہ کسی کو یہاں تک کہ تیرے عزیز ترین رشتہ داروں کو بھی تیرے اندر اپنا حصہ دار دیکھنا گوارا نہیں کرے گا، خواہ اس سے تیرا خون کا رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ میری بیٹی! اس کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا گویا کہ وہی تیری زندگی کی جمع پونجی ہے اور تو ہی اس کی دنیائے کل اور سرمایہ ہے، ہمیشہ یاد رکھنا کہ مرد خواہ کوئی بھی ہو اس کی حیثیت بڑے بچے کی سی ہوتی ہے، نرم اور مختصر سی بات جو اس کے لیے بھی سعادت مندی کی ہو وہ کرو، تم اس کو ہرگز یہ احساس نہ دلانا کہ اس نکاح کے بعد تو اپنے اہلِ خاندان سے کٹ گئی ہے، کیوں کہ عورت ہمیشہ اپنے خاندان کی طرف مائل ہوتی ہے، اس کا دل اسی گھر میں اٹکا ہوتا ہے جہاں وہ پیدا ہوئی، پلی بڑھی پروان چڑھی، لیکن بہر حال تمہیں اپنے آپ کو اس نئی زندگی کا عادی بنانا ہے جس میں تیرا شوہر اور تیرا نگران ہے اور یہی تیری نئی دنیا اور کل کائنات ہے۔ میری لختِ جگر! یہ تیرا مشترکہ خاندان ہے جس کے بنانے اور تعمیر کرنے میں تو اور تیرا شوہر

دونوں شریک ہیں، تیرے ماں باپ عہدِ ماضی کی داستان بن گئے ہیں، لیکن میں یہ نہیں کہتی کہ آج سے تو اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کو بھول جا، ہرگز نہیں، میری لاڈلی! تجھے ہم کبھی فراموش نہیں کریں گے، اور ایک ماں اپنے دل کے ٹکڑے کو کیسے فراموش کر سکتی ہے، ہاں میری التجا یہ ہے کہ تو اپنے شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرنا، اس کے لیے زندہ رہنا اور اسی کے ساتھ رہنے میں اپنی زندگی کی خوشی سمجھنا۔ اللہ تمہیں دنیا و آخرت کی تمام خوشیاں عطا فرمائے گا۔ لہذا ہر ماں کو چاہیے کہ جب بیٹی کی شادی کرے تو اس کو اپنے تجربے کے حساب سے اس کے مستقبل کے لیے اچھی اچھی نصیحتیں کرے، تاکہ اس کی زندگی خوش گوار گزرے۔

عورت بحیثیت ماں:

لڑکی جب رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتی ہے تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد اسے بیوی کے ساتھ ماں کا بھی مقام حاصل ہو جاتا ہے، ماں معاشرے کا وہ ستون ہے جہاں سے لڑکی کی پرورش کی ابتدا ہوتی ہے، چلنا پھرنا، بولنا اور رکھ رکھاؤ سکھائے جاتے ہیں اور ماں بڑی محنت اور جانفشانی سے اپنی بیٹی کو آدابِ زندگی سکھاتی ہے، ماں اولاد کو پودے کی ایک نرم شاخ کی طرح اس طرح پروان چڑھاتی ہے کہ وہ بعد میں ایک تنا آور درخت بن جاتا ہے۔ ماں اپنی اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں ایثار و قربانی کی وہ اعلیٰ مثال قائم کرتی ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

جنت ماں کے قدموں کے نیچے:

عورت کے اس ایثار و قربانی کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اس کی اولاد کے لیے اس کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔“

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ماں کی اہمیت کو بیان فرمایا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: میرے نیک سلوک کے لائق لوگوں میں سب سے زیادہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری والدہ ہیں۔“ پھر اس نے پوچھا: اس کے بعد کون؟ تو فرمایا: ”تمہاری والدہ ہیں،“ پھر اس نے پوچھا: اس کے بعد کون ہے؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”تمہاری ماں“ اس شخص نے عرض کی: حضور! ماں کے بعد کون میرے حسن معاملہ کا سب سے زیادہ حقدار ہو سکتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”پھر تمہارا والد سب

سے زیادہ مستحق ہے۔^①

اس اصول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ماں ہر طرح خدمت میں سب سے مقدم ہے۔ اسلام نے عورت کو بہت عزت و اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

اسی وجہ سے مذہب اسلام نے صالح معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں خواتین اور بالخصوص ماؤں کے کردار کو سب سے اہم قرار دیا ہے۔ خاندان کو قائم کرنے اور اس کو برقرار رکھنے میں ماں کا کردار ایک اہم کردار ہوتا ہے، سارا خاندان اسی کے اردگرد گھومتا ہے، خاص کر کے اولاد کے لیے ماں کی اہمیت مرکزی ہوتی ہے۔ ہر فرد کو بنیادی طور پر دو قسم کا ماحول میسر آتا ہے، ایک داخلی، یعنی گھریلو ماحول اور دوسرا خارجی۔ یعنی بیرون خانہ ماحول۔ گھر کا ماحول بیرون خانہ ماحول سے زیادہ اہم ہے، گھر میں اچھایا برا جس قسم کا ماحول بچے کو ملے گا وہ اسی قسم کے کردار کا مالک ہوگا، گھر کے ماحول کے ذمے دار ماں باپ دونوں کا اپنا اپنا کردار و دائرہ کار اور فرائض ہیں، بچوں کی تربیت اگرچہ باپ کی ذمے داری بھی ہے، لیکن اس میں ماں کا کردار اس لیے زیادہ اہم ہے کہ زیادہ وقت گھر میں گزارتی ہے اور اولاد سے زیادہ قریب ہوتی ہے، اس لیے اولاد کی تربیت میں ماں کے کردار کو زیادہ عمل دخل حاصل ہے۔ بچے کی نفسیات اور اس کے رجحانات و میلانات کو ماں سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔

مشہور کہات ہے کہ ماں کی آغوش پہلا مدرسہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ماں کی گود میں بچے کے دل و دماغ پر جو نقوش مثبت ہوتے ہیں وہ بہت گہرے اور پائیدار ہوتے ہیں، ماں اپنی ذمے داری سے اس وقت تک سبک دوشی کا دعویٰ نہیں کر سکتی جب تک بچہ دودھ پینا نہ چھوڑ دے اور اپنے ہاتھ منہ سے کام لینا شروع نہ کر دے، بلکہ اس وقت تو ماں کی ذمے داریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، کیوں کہ بچے کے بننے یا بگڑنے کا آغاز عمر کے اسی دور سے ہوتا ہے۔ ماں کی گود کتبِ اول ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہی ہو سکتی ہے، کیوں کہ ابتدائی عمر میں بچہ بالعموم ماں کے پاس رہتا ہے اور یہی زمانہ اس کی تعلیم و تربیت کا ہے، جبکہ وہ کچھ سیکھ سکتا ہے۔ ان ہی دنوں میں اگر کسی بچے کو تعلیم و تربیت اچھی مل جائے گی تو پوری زندگی سنور جائے گی اور اگر ذرا سی کوتاہی برتی گئی تو ساری عمر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی، کیوں کہ بچہ ماں کے ایک ایک قطرہ شیر کے ساتھ اس کے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۵۴۸)

اخلاق و عادات کو بھی اپنے دل و دماغ میں اتارتا جاتا ہے، ماں اگر مؤمنہ مسلمہ اور پابند شریعت ہے تو بچے سے بھی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آئندہ چل کر صاحبِ ایمان اور پابند شریعت ہوگا۔ اگر بد قسمتی سے ماں دین و ایمان سے خالی، آزاد خیال اور فیشن کی دلدادہ ہے تو اس سے پیدا ہونے والی نسل بھی فیشن پرست، دین بیزار اور اسلامی تربیت سے عاری ہوگی۔

لہذا ماؤں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود برائیوں سے دور اور احکامِ شریعت پر کار بند رہیں اور اپنی اولاد کو بھی برائیوں اور اچھائیوں میں فرق ذہن نشین کروائیں اور انھیں صالح اقدار کی طرف مائل کریں، انھیں نبی ﷺ کے حالات، آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور کارنامے بتائیں۔ اس طرح ان کی تربیت عمدہ طریقے سے ہوگی، ماؤں پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دین کی بنیادی باتیں خود بھی سیکھیں اور اولاد کو بھی سکھانے کا اہتمام کریں، یہ بہت ضروری ہے تاکہ ماؤں کا کردار بھی درست ہو۔

غرض مائیں اپنے کردار میں زیادہ سے زیادہ دینی رنگ بھریں تاکہ ان کی اولاد بھی ویسے ہی صالح اوصاف و کردار کی مالک بنے۔ یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند مثالی ماؤں کا تذکرہ کرتے چلیں تاکہ عصرِ حاضر کی ماؤں کے لیے تربیتِ اولاد کا ایک نمونہ سامنے موجود ہو:

① حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں چھوٹے بھائی تھے، ایک بار کھیل ہی کھیل میں لڑ پڑے، پھر دونوں والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت کرنے لگے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دونوں صاحبزادوں کی شکایتیں سنیں، پھر فرمایا: میں یہ سب کچھ سننا نہیں چاہتی کہ حسن نے حسین کو پیٹا یا حسین نے حسن کو۔ میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ تم دونوں لڑے ہو اور لڑائی اللہ کو پسند نہیں، تم دونوں نے اللہ کو ناراض کیا، جس سے اللہ ناراض، اس سے میں بھی ناراض۔ چلو بھاگو یہاں سے۔ دونوں بھائیوں نے ماں کی نظر ہی دیکھی، جھٹ پٹ آپس میں صلح کر لی اور ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر اللہ سے معافی مانگی۔^①

② حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جب مسلمان ہوئیں تو ان کے شوہر مالک بن نصر کو بڑا دکھ ہوا۔ ان کا ایک بچہ تھا جس کا نام انس تھا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بچے کو ہر روز کلمہ یاد کراتی تھیں، مالک بن نصر سنتے تو

① عورت اسلام کے سائے میں (ص: ۲۰۶) از عبد الرؤوف ندوی

خفا ہو کر کہتے کہ میرے بچے کو بھی بے دین کر رہی ہو، پھر وہ ایسا ناراض ہوا کہ ملک شام چلا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے آٹھ برس کے بیٹے کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! اس بچے کو اپنی خدمت کے لیے اپنے پاس رکھ لیں، آگے چل کر یہی بچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا پہچانا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے، انھوں نے مجھے خوب ہی پالا اور تربیت کا حق ادا کر دیا۔^①

③ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، والدہ بیٹے کو خراسان سے لے کر بغداد آگئیں، یہاں انھوں نے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا، ان کی نگرانی سخت تھی، ہر وقت ان کی توجہ بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف رہتی تھی، اس تعلیم و تربیت کے نتیجے میں یہ نوجوان امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بن گئے، ورنہ بغیر باپ کے بچے کے بگڑنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔^②

④ ایک اور ہستی ہیں جن میں ماں کی دعا اور حسن تربیت کا اثر تھا جنھیں دنیا امام بخاری کے نام سے جانتی ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ دنیائے اسلام کے ایک عظیم محدث اور دین کے بے مثال خادم و داعی قرار پائے، یہاں تک کہ بچپن میں جب ان کی بیانی چلی گئی تو ان کی والدہ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کی بیانی لوٹا دی تھی۔

⑤ امام ربیعہ الرائے کی تعلیم و تربیت تھا ان کی والدہ نے کی تھی، یہ ان کے صبر و استقلال اور تربیت کا ثمر تھا کہ ربیعہ اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ و امام بن گئے۔^③

میری بہنو! ان ہستیوں کو جنم دینے والی ان کی تربیت کرنے والی بھی آپ کی طرح مائیں، یعنی عورتیں ہی تھیں، کوئی اور مخلوق نہیں تھی، پس فرق ہے تو تقویٰ و ایمان میں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری بہو، بیٹیوں کو ایک نیک ماں، ایک نیک بہن، نیک بیٹی اور اپنے شوہر کی فرماں بردار بیویاں بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

① عورت اسلام کے سائے میں (ص: ۲۰۷)

② عورت اسلام کے سائے میں (ص: ۲۰۷)

③ حقوق و معاملات از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈاگری (ص: ۱۹۰)

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ عورت متاعِ دنیا ہے
- ✽ سیرۃ الصحابیات رضی اللہ عنہن
- ✽ عورتوں کے امتیازی مسائل
- ✽ بچوں کی تربیت کیسے؟
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ مولانا سعید انصاری، مولانا عبد السلام ندوی،
تالیف: علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: انصار زبیر محمدی

پردہ... امہات المؤمنین اور قریشی عورتوں رضی اللہ عنہن کا

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِبُهُنَّ﴾ [الأحزاب: ۵۹]

”اے پیغمبر! اپنی بیٹیوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کے گھونگٹ اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔“

پردہ:

آپ کو بخوبی علم ہے کہ اکثر ممالک میں عورتوں میں بے پردگی کی بیماری پھیل گئی ہے، جبکہ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ عورت کا بے پردہ پھرنا کبیرہ گناہوں میں سے شمار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کا موجب ہے، کیوں کہ بے پردگی اور زینت کے اظہار کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ بے پردگی فواحش و منکرات کے ارتکاب کا موجب بنتی ہے، نیز اس سے شرم و حیا کا نور ہو جاتی ہے اور فتنہ و فساد پھیلنے لگتا ہے۔

لہذا گھر کی بہو بیٹیوں کو، رشتے داروں کو اور گلی محلہ والوں کو پردے کی سخت تاکید کریں، اللہ کے غضب سے ڈریں، اور اس کی بڑی سزا سے بچیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”جب لوگ کسی برائی کو دیکھ کر اسے روکنے کی کوشش نہیں کریں گے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو عام کر دے، اور وہ بھی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔“^①

اللہ رب العزت نے اپنی مقدّس کتاب کی سورۃ المائدہ (آیت: ۷۸-۷۹) میں فرمایا ہے:

① صحیح مسلم، کتاب الإیمان، رقم الحدیث (۴۹)

﴿عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٤٨﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾

”بنی اسرائیل کے کافروں پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت کی گئی، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی وہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔“

زبور میں جو حضرت داود علیہ السلام پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جا رہی ہے جو ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ اور یہ لعنت قیامت تک رہے گی۔

لعنت کے اسباب کیا تھے؟

- 1 عیسان، انھوں نے واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے اللہ کی نافرمانی کی۔
- 2 دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے حد سے تجاوز کیا۔

وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت و غضب الہی کا سبب ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

”تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ (قوت بازو) سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے (اس کے خلاف آواز اٹھائے)، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“¹

ایک حدیث میں اس حقیقت کو نبی ﷺ نے ایک تمثیل کے ذریعے سے بھی واضح فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”اللہ کی حدوں میں مداخلت (نرمی اور درگزر) کرنے والے اور حدوں کو توڑنے والے

1 صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۸، ۴۹)

کی مثال اس قوم کی سی ہے جنہوں نے (دومنزلہ) بحری جہاز میں سفر کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض کے حصے میں بالائی منزل اور بعض کے حصے میں نچلی منزل آئی۔ نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے بالائی منزل پر آتے اور بالائینوں کے پاس سے گزرتے تو وہ تکلیف محسوس کرتے، چنانچہ نچلی منزل والوں نے کلبھاڑا پکڑ کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا تاکہ نیچے سے ہی پانی لے لیں اور اوپر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ سوراخ کرنے کی آواز سن کر اوپر والے آئے اور پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم پانی لینے اوپر جاتے ہیں تو تم ناگواری محسوس کرتے ہو، چنانچہ ہم نیچے ہی سوراخ کرنے لگے ہیں، کیوں کہ پانی کے بغیر تو چارہ نہیں۔“

نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر وہ اسی وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور سوراخ سے روک دیں تو وہ سوراخ کرنے والوں کو بھی بچالیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچالیں گے اور اگر وہ ان کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیں گے تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کر لیں گے۔“^①

اس مثال سے واضح ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں: ”جو جہاں لگا ہے ٹھیک ہے۔“ ان کی یہ بات سراسر غلط ہے۔ اس مثال سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہایت ضروری ہے جو نہ صرف منکرات سے باز رہنے والے ہوں، بلکہ دوسروں کو بھی ان کا ارتکاب کرنے سے روکنے والے ہوں۔

منکرات سے مفاہمت یا مداہنت کرنے والے نہ ہوں۔ ورنہ برائی سے مفاہمت یا اس کے معاملے میں مداہنت غضبِ الہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ حدیث میں ہے:

”یقیناً اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، کہ جب عام لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ برائی اپنے درمیان ہوتے دیکھیں اور وہ اس پر نکیر کرنے پر قادر بھی ہوں، لیکن وہ اسے نشانہٴ تنقید نہ بنائیں، ظالم کو ظلم کرتے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں، جب ایسا ہونے لگے گا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب خاص اور عام سب لوگوں

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۶۸۶)

کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔^①

مسند احمد اور دیگر حدیث کی کتب میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ

نے فرمایا:

”اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کے امور کا حکم دیتے رہنا، اور برائی سے لوگوں کو روکتے رہنا اور بے وقوف کے ہاتھ کو برائی سے ہٹاتے رہنا۔ اور یہی حق ہے جس پر تمہیں فخر ہوگا، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف رنجش اور کدورت کے جذبات بھر دے گا، پھر تم پر لعنت ہوگی جیسے کہ ان (یہود و نصاریٰ) پر لعنت ہوئی ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں ذلت اور ندامت کے اسباب سے محفوظ فرمائے۔

مسلمان عورت کا لباس:

اللہ رب العزت نے انسان کو کئی اعتبار سے عزت و تکریم بخشی ہے، ان میں سے ایک لباس ہے جو انسان کے لیے باعثِ ستر و زینت اور سببِ عزت ہے، لباس انسان کے جسم کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اس کو مزین بھی۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ لباس کے متعلق شریعتِ مطہرہ نے راہنمائی بھی فرمائی ہے، کیوں کہ لباس کا عقیدے اور عمل سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اگر اس لباس کو تکبر کا ذریعہ بنا لیا جائے تو اس سے عقیدہ متاثر ہوتا ہے، اور اگر لباس میں غیر مسلموں کی نقالی کی جائے تو اسلامی غیرت و حمیت کا خون ہوتا ہے، اس میں بے جا تکلف سے کام لیا جائے تو وقت اور سرمایہ برباد ہوتا ہے، اسلام دین اور دنیا دونوں کے نقصان سے ہماری حفاظت کرتا ہے۔

لباس کے سلسلے میں شریعتِ مطہرہ نے ہماری ایسی راہنمائی فرمائی ہے جس سے ہماری عزت و تکریم، مقام و مرتبہ اور زیب و زینت کا بھی خیال رکھا ہے اور دوسروں کے لیے فتنہ و آزمائش بننے سے بھی بچایا ہے۔ تہذیبوں کا ٹکراؤ تو شروع سے چلا آ رہا ہے مگر اس وقت ذرائع ابلاغ کے بل بوتے پر شیطانی طاقتیں مسلمانوں کی تہذیب کو ایسا بگاڑ کر پیش کر رہی ہیں کہ اچھے بھلے مسلمان کو بھی وہم ہونے لگا ہے کہ انگریز کی تہذیب بڑی باکمال ہے، انگریز کا لباس بڑا خوبصورت ہے، انگریز کی

① مسند أحمد (۵/۳۸۹)

زبان کے کیا کہنے۔ الغرض! ہماری اولادیں اور ہم اس لیے مرعوبیت کا شکار ہیں کہ ہمارے پاس شریعتِ مطہرہ کا علم نہیں، ہمارے دماغ اسلاف کی یادوں سے خالی اور اپنی روشن تاریخ سے نا آشنا ہیں۔ مغرب کو آج ہمارے لباس، کلچر اور زبان سے محض اس لیے دلچسپی ہے کہ وہ ہمیں ہمارے تابناک ماضی سے کاٹ دینا چاہتا ہے۔ ان کے مقصد کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (آیت: ۸۹) میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَذُوَا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾

”وہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو تا کہ تم سب برابر ہو جاؤ۔“

مسلمان جس کفر و ضلالت سے نکلے تھے اسی میں مبتلا کر دیے جائیں۔ عریانی کے اس سیلاب میں جو مسلمان اپنی تہذیب پر کاربند ہیں، گویا کہ وہ جہاد کر رہے ہیں۔

میری بہنو اور بھائیو! ہم جب اپنی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو عظیم کردار کی حامل ایمان والی ماؤں اور بہنوں کو بھی اسلام کے دفاع میں اتنا ہی سرگرم عمل پاتے ہیں جتنا کہ مرد تھے، آج بھی ہم اپنی کچھ عفت مآب بہنوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مغربی سیلاب کے سامنے بند باندھے کھڑی ہیں، اور ان کا عزم و حوصلہ اتنا بلند ہے کہ کوئی اسے شکست نہیں دے سکتا، جہاں فحاشی کو عام کرنے کے لیے بے پناہ وسائل استعمال کیے جا رہے، وہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب بھی پیدا کر دیے ہیں کہ لوگ فسق و فجور سے توبہ تاب ہو کر اسلام کے حصن حصین میں پناہ لے رہے ہیں۔ پردے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے اور دین کی طرف رجوع کرنے والوں کی تعداد بھی۔ مغرب کی تقلید کرنے کے لیے مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگ بڑے بیتاب ہیں اور ان کی ہر بات کی نقل اتارنا چاہتے ہیں، خواہ کتنی ہی مہنگی پڑے، اور یہ اُس حدیث پر پورے اتر رہے ہیں جس میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

” (میری امت کے لوگو!) تم اپنے سے پہلی قوموں کی ہو بہو نقل اتارو گے، حتیٰ کہ اگر

ان میں سے کوئی سانڈھے (گاوہ) کی بل میں داخل ہوگا تو وہ بھی اس میں داخل ہوں

گے۔“ صحابی کہتے ہیں: یا رسول اللہ! کیا ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ ﷺ

نے ”فرمایا: اگر وہ نہیں تو اور کون ہے؟“

مغرب کے لوگ سچی انسانیت کو پہچاننے سے عاجز و قاصر ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے نفس کو بھی نہیں پہچان سکتے، وہ ہر اس چیز سے اعراض کر رہے ہیں جو ان کی سعادت کا باعث بن سکتی ہے۔ ہمارے

یہاں بھی انسانی قدریں گرتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں، جب کہ ہم میں اور اہل مغرب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ اہل مغرب کے لیے تو عذر ہو سکتا ہے (اگرچہ ان کے پاس بھی کوئی عذر نہیں) ہم تو ہر روز قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اللہ رب العزت نے اس میں لباس کا مقصد بیان فرمایا ہے:

﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِيْ سُوَاتِكُمْ وَرِيْنًا ۗ وَ لِبَاسٍ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۗ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ [الأعراف: ٣٦]

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے، اور پرہیزگاری کا لباس ہی بہترین ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔“

یہ لباس اس لیے بھی ہے، تاکہ اس کے بندے پر اس کی نعمت ظاہر ہو۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ﴾^①

”یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔“

عمدہ اور اچھا زیب و زینت والا لباس پہننا بہتر اور پسندیدہ ہے، لیکن اگر ایک شخص عمدہ لباس پہننے کی طاقت کے باوجود اللہ کی رضا کے لیے لباس میں سادگی اختیار کرتا ہے تو اس صورت میں یہ بھی قابلِ ستائش ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿اَلْبَدَاةُ مِنَ الْاِيْمَانِ﴾^② ”بذات و سادگی ایمان کا حصہ ہے۔“

بذات کا مطلب، عاجزی و خاکساری کے نقطہ نظر سے بیش قیمت لباس کے بجائے سادہ لباس پہننا ہے، اور ارشادِ الہی ہے:

﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ لَا يَفْتَنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سُوَاتِهِمَا ۗ اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطٰنَ اَوْلِيَاً لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الأعراف: ٣٧]

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۱)

② صحیح الجامع، رقم الحدیث (۲۸۷۹) السلسلۃ الصحیحۃ، رقم الحدیث (۲۴۱)

”اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں گمراہ نہ کر دے، جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا ایسی حالت میں کہ، ان کا لباس بھی اتر وادیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھا دے، بے شک وہ اور اس کا گروہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبیلے، یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری غفلت اور سستی سے فائدہ اٹھا کر تمہیں بھی اسی طرح فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دیں جس طرح تمہارے ماں باپ (آدم وحواء عليهما السلام) کو اس نے جنت سے نکلوا دیا اور لباسِ جنت بھی اتر وادیا۔ بالخصوص جبکہ وہ نظر بھی نہیں آتے تو ان سے بچنے کا اہتمام اور فکر بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ بے ایمان قسم کے لوگ اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں، تاہم اہل ایمان پر بھی وہ حملہ کرتا رہتا ہے۔ لباسِ ضرورت بھی ہے اور حسن و رعنائی کے لیے بھی پہنا جاتا ہے مگر آج کل مارکیٹوں اور دوکانوں میں فردخت ہونے والے نہایت مختصر، تنگ اور باریک لباس جسے دھوکا دہی سے دکانداروں نے لباس کا نام دے رکھا ہے، حقیقت میں لباس کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتے، یہ لباس تو شیطان کی پرانی خواہش کا عکاس اور اس کے فتنے کا سامان ہیں، جس فتنے نے ہمارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ یہ سب معلوم ہو جانے کے بعد بھی ہمیں یہ یقین نہیں آتا کہ یہ بے پردہ لباس اور حرام کردہ سامانِ زینت اپنے لیے کوئی مومنہ اور پاک دامن عورت بھی خریدتی ہوگی، جو اپنے دل میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو جگہ دینے والی اور اپنے سینے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسولِ اکرم صلى الله عليه وسلم کی حدیث سے محبت رکھنے والی ہو۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اے میری بہنو! کیا واقعتاً آپ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما، فاطمہ و اُم سلمہ و اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہیں؟ جن کا تذکرہ لکھتے ہوئے سیاہی بھی شرف محسوس کرتی ہے اور جن کے کر دار و عمل کی خوشبو سے ایمان اور پاکیزگی والے گھر معطر ہیں۔ کیا آپ واقعتاً امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی بیٹی اور انصار و مہاجرین صحابیات رضی اللہ عنہن کی اولاد ہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”بے شک قریشی عورتیں بھی بڑی فضیلت رکھتی ہیں، اور اللہ کی

قسم! انصاری عورتوں کی فضیلت کا بھی کیا کہنا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تصدیق اور وحی پر ایمان لانے میں بڑی مستعد ہیں۔ جب سورۃ النور نازل ہوئی، جس میں یہ حکم تھا:

”اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لے رکھیں۔“^①

جب یہ حکم ان عورتوں نے سنا تو فوراً اپنے دوپٹوں کی طرف لپکیں، پھر صبح کی نماز پڑھنے کے لیے گھروں سے باہر نکلیں تو مکمل پردے کی حالت میں تھیں۔“

خود ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جو اس امت کی تمام عورتوں میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والی ہیں، آپ پردے کا اس قدر اہتمام کرتی ہیں کہ احرام کی حالت میں بھی بوقتِ ضرورت چہرے کے سامنے نقاب رکھتی ہیں۔

قریشی عورتوں کا ذوقِ رفیع:

اگر آپ کے خیال میں (اللہ نہ کرے) پردے کا حکم بے جا سختی کا درجہ رکھتا ہے، جیسا کہ بعض مطلب پرست اور دین کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھنے والوں کا خیال ہے، تو یہ بات یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی شریعتِ مطہرہ میں کوئی چیز بھی بے جا اور فضول نہیں، اس کے باوجود اگر آپ کے ذہن میں شکوک و شبہات باقی ہیں تو کتاب و سنت کے دلائل سے ان کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

امام حاکم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی ہے جو بخاری اور مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔ فرماتی ہیں:

”میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ ﷺ اور میرے باپ دفن تھے، بغیر پردہ کیے داخل

ہو جاتی کہ میرے خاوند اور میرے باپ مدفون ہیں، مگر جب سے عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے ہیں،

اللہ کی قسم! میں پردہ کیے بغیر کبھی داخل نہیں ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ سے شرم و حیا کی وجہ سے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل بڑا تعجب آمیز و حیرت خیز ہے، خصوصاً ان لوگوں اور ان عورتوں

کے لیے جو پردے کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہیں، کیوں کہ وہ تو اسے تشدد، انتہا پسندی، بنیاد پرستی

اور ایسے دیگر القاب سے تعبیر کریں گے، اصل بات یہ ہے کہ دین سے دوری، مغربیت کی چھاپ اور

ایمان و حیا کی کمی کی وجہ سے ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔

① رواہ ابن ابی حاتم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء بنت ابوبکر الصدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایسے لوگوں کے لیے تاریخ میں ایسا سنہرا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتی ہیں: ”ایک دن میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (جو ان کے شوہر تھے) کی زمین کی طرف گئی جو انھیں رسول اللہ ﷺ نے عطا کی تھی، میں سر پر کھجور کی گھٹلیاں اٹھائے ہوئے گھر کی طرف واپس آ رہی تھی کہ راستے میں نبی اکرم ﷺ انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف آرہے تھے، میرا ابو جھد دیکھ کر آپ ﷺ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا کہ میں آپ ﷺ کے پیچھے سوار ہو جاؤں، لیکن مجھے بڑی شرم آئی کہ آپ ﷺ کے پیچھے سوار ہوں اور لوگوں کے مابین چلوں، نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو محسوس کر لیا تو آپ ﷺ مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں اسی طرح چل کر گھر پہنچی۔“

اس واقعے میں عزت و حشمت اور شرم و حیا کے ایسے معانی پنہاں ہیں جنہیں دیکھ کر سورج کا چہرہ بھی دمک اٹھے اور آسمان کے ستارے مسکرانے لگیں۔ میں اس پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کرنا چاہتی، کیوں کہ یہ واقعہ بغیر کسی تبصرے کے خود بخود آپ کے دل میں اتر جائے گا۔ اس واقعے کی روشنی میں آج کی ان خواتین کو اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہیے جو اکیلی ڈرائیوروں کے ساتھ بیٹھ کر گھومتی پھرتی ہیں، بغیر محرم کے اور کسی شرعی عذر کے بغیر اکیلی غیر محرم کے ساتھ، جب کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”جب کوئی (غیر محرم) آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“^①

اسی طرح وہ عورتیں بھی ذرا سوچیں جو بازاروں میں دوکانداروں کے ساتھ ایسے انداز میں گفتگو کرتی ہیں جو ان کے شایانِ شان نہیں۔ بازار تو پہلے ہی ایسی جگہیں ہیں جہاں شیطان اپنی کرسی لگا کر بیٹھا رہتا ہے، جہاں پر شرم و حیا ذبح ہوتی اور عفتوں کا جنازہ اٹھتا ہے، اگر آپ اپنے دین کی سلامتی اور دل کی پاکیزگی چاہتی ہیں اور یقیناً چاہتی ہیں، تو بوقتِ ضرورت محرم کے ساتھ بازار جائیں، تاکہ محرم دوکانداروں سے گفتگو کرے۔ جو انسان اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عنایت فرماتا ہے، اللہ رب العزت نے ہمیں گفتگو کرنے کا طریقہ اور سلیقہ بھی بتلا دیا ہے، جب کہ سب سے افضل مردوں اور سب سے افضل عورتوں کو

① صحیح سنن الترمذی للالبانی، رقم الحدیث (۲۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ أَسَأَلْتُهُنَّ مَتَاعًا فَنَسَعُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذُكِّرَكُمْ أَظْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۗ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۗ إِنَّ ذُكْرَكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ [الأحزاب: ۵۳]

” (اے مؤمنو!) اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے، نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو، اور نہ تمہارے لیے یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ (یاد رکھو!) اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا (گناہ) ہے۔“

سبحان اللہ! کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی پاکیزگی؟ اور کن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دلوں کی طہارت؟ اصل میں یہ اس حیا کی تلقین ہے جو اس امت کی خوبی ہے۔

انصاری عورتوں کا کردار:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے، جب یہ آیت نازل ہوئی کہ (عورتیں اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈال کر رکھیں) تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنا لیں۔“^①

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد لفظ: ”فَاخْتَمَرْنَ“ کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ فتنے کے وقت عورت کا چہرہ ڈھانپنا واجب ہے، آج اگر فتنے کا زمانہ نہیں تو پھر کب ہوگا؟ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان خواتین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سنہری دور اور اس کے بعد ہر زمانے میں پردہ کرتی رہی ہیں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: ”ہر دور میں عورتوں کی عادت یہی تھی کہ وہ اجنبی

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۷۵۹) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۶۱۰۲)

مردوں سے اپنے چہرے ڈھانپ کر رکھتی تھیں۔“ پھر پردہ کرنا امہات المؤمنین (رضی اللہ عنہن) کا عمل تھا اور بالاتفاق یہ عمل افضل اور بہتر ہے، البتہ کچھ دین سے عاری ایسے بھی ہیں جو بے پردگی اور عریانی کو افضل قرار دیتے ہیں اور یہی خواہش دشمنانِ دین یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی رہی ہے۔ شیطان کی اس سازش کو ناکام بنانا اور اسلام کے حکم پر کار بند رہنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

اس امت کا مزاج:

عورتوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ جب مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئیں تو کچھلی صفوں میں رہیں۔ نبی ﷺ کے دور کے بارے میں صحابیات رضی اللہ عنہن فرماتی ہیں:

”ہم نبی ﷺ کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتی تھیں۔ جب نماز ختم ہو جاتی تو نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر اپنی جگہ پر تشریف رکھتے، ہم سمجھتی تھیں، یہ اس لیے ہے کہ عورتیں مردوں سے پہلے واپس لوٹ جائیں۔“

اللہ کی قسم! یہ مومن کے دل کو ہلا کر رکھ دینے والی بات ہے، یہ دنیا کی تاریخ کا سب سے بہتر زمانہ تھا، عورتیں بھی سب سے بہتر اور آدمی بھی سب سے افضل، پھر مسجدِ نبوی ﷺ میں فرض نماز ادا کر کے نکل رہے ہیں، سید الاولین والآخرین ﷺ ان کے مابین بنفسِ نفیس تشریف فرما ہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ عورتوں کو راستوں کے کناروں پر چلنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور عورتیں بھی کتنی ایمان والی تھیں جو فوراً حکم کی تعمیل کرتی ہوئیں کناروں پر چلنا شروع کر دیتی ہیں۔

میری بہنو! ہمیں یہ جاننا ہے کہ آپ کا عمل اس کردار کے مقابلے میں کیسا ہے؟ وہ تو مسجدوں میں بھی اس قدر احتیاط برتنے والی تھیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری بہنیں تو پُر رونق بازاروں میں بھی پردے سے غافل ہیں؟ قرونِ اولیٰ کی خواتین والی شرم و حیا کہاں گئی؟ آپ کا اس شرم و حیا سے کتنا تعلق ہے؟ جب کہ ”حیا تو ایمان کا جز ہے“ اور ”حیا تو خیر ہی خیر ہے“^①

”غرض شرم و حیا اور ایمان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے، اگر ان دونوں میں سے ایک ختم ہو جائے تو دوسری چیز خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی حیا نہ رہے تو ایمان بھی نہیں

① صحیح الجامع، رقم الحدیث (۱۶۰۳، ۳۲۰۰)

رہتا اور اگر ایمان نہ رہے تو حیا بھی ختم ہو جاتی ہے۔“

آپ جس نبی کی امتی ہیں وہ نبی رحمت ﷺ تو کنواری پردہ نشین لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا دار اور شرمیلے تھے، اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی پاک دل ہو سکتا ہے، اس کے باوجود میرے اور آپ کے نبی محمد ﷺ نے فرمایا:

”میں غیر محرم عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔“^①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عورتوں سے بیعت لیتے وقت بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھوں نے کبھی کسی غیر محرم عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، بلکہ آپ ﷺ صرف زبانی زبانی عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔“^②

غیر محرم عورتوں کو ہاتھ لگانے کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”تم میں سے اگر کسی کے سر میں نشانہ بنا کر سوئی ماری جائے تو یہ کسی غیر محرم عورت کو چھونے سے بہتر ہے۔“^③

نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ شرم گاہ ہی نہیں، بلکہ جسم کے دیگر اعضا بھی زنا کرتے ہیں، مثلاً: غیر محرم اجنبی عورت کو چھونا ہاتھ کا زنا ہے۔ آنکھیں اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھ کر زنا کرتی ہیں۔ اور ہاتھ حرام چیزوں کو چھو کر زنا کرتے ہیں، اسی طرح حرام کاموں کی طرف چل کر پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرم گاہ بھی زنا کرتی ہے۔^④

مگر آج مسلمان عورتوں کا حال یہ ہے کہ بازاروں، ہوٹلوں، پارکوں اور شادی ہالوں میں شرم و حیا کی چادر اتار کر بے حجاب گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں، جبکہ رب کائنات کا حکم ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ [الأحزاب: ۳۳]

”اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو، زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کرو۔“

① مسند أحمد (۳۷/۶)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۴۸۹/۳)

③ طبرانی الکبیر (۲/۲۱۲) صحیح الجامع الصغیر للألبانی، رقم الحدیث (۴۹۲۱)

④ مسند أحمد (۱/۴۱۲) صحیح الجامع الصغیر للألبانی، رقم الحدیث (۴۱۲۶)

قرآن کریم کی اس آیت میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلائے جا رہے ہیں، اگر آپ کو باہر جانے کی ضرورت پیش آجائے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا سنگھار ظاہر ہو مت نکلو، اور نہ بے پردہ ہو کر جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور سینہ وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیں، بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ ہو کر باہر نکلو۔ اس آیت میں ﴿تَبَشُّجٌ﴾ کا جو لفظ ہے اس کا معنی بے پردگی اور زیب و زینت کا اظہار ہے۔ قرآن کریم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرجِ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا تو یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نماہ و دل فریب کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ انہی کے متعلق اقبال نے کہا ہے۔

زمانے کی جہالت کا عالم تو دیکھ اقبال
قیمتی چادریں بے جان قبروں پر

عورت کے لیے پردہ ایسے درخت کی حیثیت رکھتا ہے جس کے سائے میں وہ سکون محسوس کرتی اور اس کے دامن میں پناہ حاصل کرتی ہے۔ حجاب، کوئی قید اور قدغن نہیں جس سے گھٹن محسوس کی جائے، کوئی بوجھ نہیں جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کی جائے اور کوئی ناروا پابندی نہیں جس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جائے، جیسا کہ اسلام دشمن عناصر، لادین قسم کے لوگ اور مغرب زدہ حضرات باور کراتے ہیں، بلکہ پردے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے عورت کو ایک نہایت بیش قیمت متاع قرار دیا ہے، اسی لیے اس کی حفاظت و صیانت کا خصوصی اہتمام کیا ہے، کیوں کہ ہر قیمتی چیز کو چھپا کر رکھا جاتا اور اس کی حفاظت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس لیے دشمنوں کے مکر و کید کو سمجھنا اور ان کے حسین جالوں سے بچنا اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان عورت حجاب کے شرعی تقاضوں کی پابندی کر کے اپنے ایمان کی بھی حفاظت کرے اور دشمنانِ اسلام کے مذموم اور مکروہ عزائم کو بھی خاک میں ملادے۔ پردے کی اہمیت اور اس کی افادیت و ضرورت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

ہر مسلمان عورت ان احکام کو سامنے رکھے اور ان کی پابندی کرے۔ مردوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی جوان بچیوں، بہنوں، ماؤں اور بیویوں کو تلقین کریں کہ وہ ہر جگہ، گھر کے اندر ہوں یا گھر سے باہر، ان پابندیوں کا اہتمام کریں۔ چنانچہ کچھ بہنیں کہتی ہیں کہ پردہ تو نظر کا ہوتا ہے۔

اے دخترِ اسلام!

ہاتھوں میں پہنچ کر کوئی قیمت نہیں رہتی
اس شمع کی گھر میں کوئی عزت نہیں رہتی
نظروں میں بھی برداشت کی قوت نہیں رہتی
کچھ اور ہی بن جاتی ہے، عورت نہیں رہتی
حیرت سے تجھے تکتا ہے آئینہ ایام

لگتی ہے کلی کتنی بھلی شاخِ چمن پر
جو شمع سرِ عام لٹاتی ہے اجالے
تسلیم کہ پردہ ہوا کرتا ہے نظر کا
مردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
جھانک اپنے گریبان میں کیا ہو گیا تجھ کو

اے دخترِ اسلام!

بربادی احساسِ نمو مانگ رہی ہے
جو حق ہی نہیں ہے ترا تو مانگ رہی ہے
مجھ سے مری غیرت کا لہو مانگ رہی ہے
دریا پہ کھڑی ہو کے سیو مانگ رہی ہے
کرتا ہے جو عورت کو عطا مذہبِ اسلام

خود اپنی جڑوں پر ہی چلاتی ہے درانتی
کب بخشش گئی ہیں تجھے آزادیاں اتنی
میں تو ترے ماتھے پہ پسینہ بھی نہ دیکھوں
جنت ہے ترے پاؤں میں فرمایا نبی نے
وہ رتبہ عالی کوئی مذہب نہیں دیتا

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح احکام دین سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مصادر و مآخذ

✽ تفسیر ابن کثیر

حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

✽ تفسیر احسن البیان

✽ صحیح بخاری

✽ صحیح مسلم

✽ سیرۃ الصحابیات مع اسوہ صحابیات رضی اللہ عنہن تالیف: مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی،

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

✽ عورتوں کے امتیازی مسائل

تالیف: محمد شیت ادریس تیمی

✽ مسلم خواتین کے سچے واقعات

فتنوں کا ظہور اور پردہ

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورة الانعام (آیت: ۱۵۸) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ
يَوْمَ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا كَمْ تَكُنْ أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي
إِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انظُرُوا إِلَيَّ انْتِظِرُوا ۗ ﴾

”جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی، اس دن کسی کا ایمان لانا کام نہیں

آئے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، اور جس نے ایمان لانے کے بعد کوئی اچھا کام

نہیں کیا تھا، آپ کہہ دیجیے کہ (اللہ کے فیصلے کا) تم بھی انتظار کرو ہم بھی کر رہے ہیں۔“

اس دن ایمان کام نہیں آئے گا، کیوں کہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا، اور دل جس حال میں ہوگا اس پر مہر لگ جائے گی، عمل کرنے کی مہلت ختم ہو جائے گی، اس وقت ندامت کام نہ آسکے گی، توبہ کرنے میں تاخیر کرنے والے وہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ ہو کر رہ جائیں گے، ایسا منظر کہ اس سے پہلے دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہ ہوگی۔

میری بہنو! مانہ بڑی تیزی سے گزر رہا ہے، روز بروز نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، ان فتنوں سے پہلے آپ کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ حدیث میں آخری زمانے کے فتنوں کی پیشگوئی کی گئی ہے کہ وہ سمندر کی موجوں کی طرح اٹتے چلے آئیں گے، اس وقت زمین کا باطن ہمارے لیے ظاہر سے بہتر ہوگا، ان فتنوں سے تنگ آ کر انسان اپنے بھائی کی قبر سے لپٹ کر کہے گا: کاش کہ میں بھی مر کر اس قبر میں جا چکا ہوتا، پھر ایسے فتنے رونما ہوں گے کہ آدمی انھیں دیکھ کر پہلے فتنوں کو بھول جائے گا، ہر فتنہ دیکھ کر وہ کہے گا کہ یہ میری ہلاکت کا باعث ہوگا، پھر وہ فتنہ گزر جائے گا اور اس جیسا ایک

اور ظاہر ہوگا۔ زمانے کے تغیرات، حادثات اور بدلتے ہوئے حالات و واقعات سے غافل لوگوں کو ان احادیث میں تشبیہ کی گئی ہے اور حقیقت میں ان حادثات سے وہی انسان بچ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا اور راہِ نجات پر پوری استقامت سے گامزن رہنے والا ہوگا۔

لباس والی برہنہ عورتیں:

جو عورت باریک و تنگ لباس پہنتی ہے، وہ آنکھوں پر پڑے ہوئے پردوں کو اتار کر حقیقت کا ادراک کر لے کہ یہ بے پردگی ہے اور بے پردگی کبیرہ گناہ ہے جو جہنم میں لے جانے اور جنت سے محروم کرنے کا باعث ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جہنم میں جانے والے دو گروہ ایسے ہیں جو میں نے ابھی تک نہیں دیکھے، ان میں سے ایک گروہ ان عورتوں کا ہے جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، خود مائل ہونے والی اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سر لمبے بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح ہوں گے، نہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں گی اور نہ انھیں جنت کی خوشبو نصیب ہوگی، حالانکہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس ہوگی۔“^①

بڑے تعجب کی بات ہے کہ اہل علم نے آج سے صدیوں قبل اس حدیث کا جو مفہوم بیان کیا وہ موجودہ زمانے کے حالات پر حرف بہ حرف صادق آ رہا ہے، یوں لگتا ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج کے دور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے:

① اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں زندگی بسر کرنے والی، لیکن ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاری ہیں۔

② لباس پہننے والی، لیکن نیک کاموں میں آخرت کی تیاری اور اطاعت و فرمانبرداری سے عاری ہوں گی۔

③ اظہارِ زینت کے لیے اپنے جسم کے کچھ حصے ظاہر کرنے والی۔

④ باریک اور تنگ لباس پہننے والی، جس سے جسم کی نمائش ہوتی ہو، بظاہر لباس بھی پہنا ہوا ہے مگر درحقیقت برہنہ ہیں۔

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۱۲۸) صحیح ابن حبان، رقم الحدیث (۵۷۵۳) مسند أحمد (۷۰۸۳)

سونے والیوں کو جگا دو:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر نیند سے بیدار ہوئے اور فرمانے لگے:

”سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنے خزانے اور کتنے فتنے دنیا میں اتارے ہیں، حجروں میں

سونے والیوں کو جگا دو، دنیا میں بہت ساری لباس پہننے والی آخرت میں برہنہ ہوں گی۔“^①

یعنی دنیا میں لباس پہننے والی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے والی آخرت کے روز لباس سے عاری ہوں گی، کیوں کہ وہاں تو تقویٰ والی عورتوں کو ہی لباس پہنایا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ قیامت کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے حدیث کے یہ الفاظ دہرائے: ”لباسوں کے ایسے ایسے فیشن ہوں گے کہ عورتیں وہ لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی۔“ میری بہن! حیا کو اپنائیں، حیا آپ کا ایمان ہے، حجاب و پردہ اختیار کریں جو جہنم کی آگ سے پردہ ہے۔

پردہ کیسا ہونا چاہیے؟

قرآن مجید میں پردے کے لیے جس ”حجاب“ اور چادر کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد بازوؤں، کندھوں اور تنگ کمر والا برقعہ نہیں، نہ ہی اس سے مراد کوئی ایسا دوپٹہ ہے جسے اپنی مرضی سے اوڑھ لیا جائے، اس طرح تو بے پردہ خواتین بھی پردہ دار کہلائیں گی۔ ”حجاب“ سے مراد وہ بڑی چادر ہے جس کے ساتھ عورت سر سے لے کر پاؤں تک اپنا سارا جسم ڈھانپ لے۔

اس وقت تنگ قسم کے فیشن دار برقعے پردے کے لیے جو ہماری بعض بہنیں پہنتی ہیں یہ بس نام کا پردہ ہے، شرعی یا حقیقی پردہ نہیں اور نہ ہی وہ پردہ ہے جو قرونِ اولیٰ کی مسلمان خواتین کے سر کا تاج، ان کی عزت کی علامت اور دنیا بھر کی عورتوں میں ان کے لیے باعثِ افتخار تھا۔

جسم کی نمائش کا باعث بننے والا یہ برقعہ اس سے پہلے اکثر عورتوں کے یہاں قابلِ نفرت تھا، مگر آہستہ آہستہ اس نے ایسا رواج حاصل کر لیا ہے کہ بہت ساری خرابیوں اور قباحتوں کے باوجود آج

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۱۲۶) صحیح الترمذی للآلبانی، رقم الحدیث (۲۱۹۶)

اسے بڑی مقبولیت حاصل ہے، ایسا برقعہ شرعی پردہ کہلانے کا حق نہیں رکھتا اور اس کے پیچھے بھی دراصل ان لوگوں کا ہاتھ ہے جو عورتوں کو مکمل پردے میں دیکھنا گوارا نہیں کرتے، ذرا سا ہاتھ آگے کیا جائے تو بازو نظر آنے لگے۔ ایسا لباس پہن کر عورت کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اس کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کپڑا اللہ کے اس فرمان کے منافی ہے جس کا ذکر سورۃ الاحزاب (آیت: ۵۹) میں یوں آیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا رَحِيمًا﴾

”اے میرے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں (بیٹیوں) سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

جَلَابِيبٌ، جِلْبَابٌ کی جمع ہے جو بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے اور چادر لٹکانے سے مراد یہ ہے کہ چہرے کے بیشتر حصے کا بھی پردہ ہو جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ پردے کا حکم علما کا ایجاد کردہ نہیں، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اور اس سے اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا بیان ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور باحیا عورت اور بے شرم اور بدکار عورت کے درمیان فرق و پہچان ہوگی۔ پردے سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرات کسی کو نہیں ہوگی، اس کے برعکس بے پردہ عورت اوباشوں کی نگاہوں کا نشانہ بنے گی۔

تین چیزوں سے پرہیز:

لباس کے متعلق شریعتِ مطہرہ نے ہمیں تین چیزوں سے منع کیا ہے جن کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(1) عورت کا لباس گھر سے باہر نکلتے وقت معطر نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے کہ وہ اس کی خوشبو محسوس کریں وہ عورت زانیہ ہے۔“^①

② لباس میں کافروں کی مشابہت سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انھیں میں سے شمار ہوگا۔“^②

اس حدیث کی روشنی میں مردوں کو بھی چاہیے کہ اپنے لباس میں کفار کی مشابہت سے پرہیز کریں۔

③ ایسا لباس نہیں ہونا چاہیے جس کا مقصد شہرت حاصل کرنا ہو، جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی

روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے دنیا میں شہرت والا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ذلت والا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ دہکائے گا۔“^③

شہرت والے لباس سے مراد عام رنگوں سے مختلف ایسے رنگ کا لباس پہننا ہے جس کی لوگوں میں دھوم مچ جائے اور لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر اس لباس کو دیکھیں اور پہننے والا اس شہرت کی بنا پر تکبر کے ساتھ چلے۔ عورتوں کے لیے بھی یہ حکم ہے کہ وہ بھی ایسے کپڑوں سے پرہیز کریں جو مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ لہذا موجودہ دور میں نئے نئے ڈیزائن متعارف کروانا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

پردے کا تذکرہ ایک شاعر کی زبانی:

میری بہنو! شرم و حیا اور پردہ عورت کی فطرت میں شامل ہے۔ مشہور شاعر نابغہ ذبیانی حیرہ کے بادشاہ العمان بن منذر کی بیوہ کے بارے میں کہتا ہے:

”اس کا دوپٹہ گر گیا جو اس نے جان بوجھ کر نہیں گرایا تھا۔

اس نے دوپٹہ اٹھایا تو ہاتھ کے ساتھ ہم سے پردہ کیا۔“

① سنن النسائي، رقم الحديث (۵۱۲۶) سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۱۷۳) مسند أحمد، رقم الحديث (۱۹۵۹۳) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۷۸۶)

② سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۰۳۱) مسند أحمد، رقم الحديث (۵۱۱۴)

③ سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۰۲۹) نسائي الكبرى، رقم الحديث (۹۵۶۰) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۳۶۰۷) مسند أحمد، رقم الحديث (۵۶۶۴)

مطلب یہ ہے کہ اس کا دوپٹہ گرا تو اس نے فوراً اپنے ہاتھ کے ساتھ چہرے کا پردہ کر لیا، کہ دوپٹہ اٹھانے تک بھی کسی کی اس پر نظر نہ پڑے، یہ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کے نازل ہونے سے بھی پہلے کے واقعات میں سے ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ پردہ عورتوں کی فطرت کا حصہ تھا، وہ شریعت کے حکم کی وجہ سے پردہ نہیں کرتی تھیں، بلکہ فطرتی تقاضوں کی وجہ سے باپردہ رہتی تھیں؛ جیسا کہ سورۃ الروم (آیت: ۳۰) میں فرمان الہی ہے:

﴿فَأَقْمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

”پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی سچا اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

فطرت کے حوالے سے نبی ﷺ کی ایک حدیث ہے:

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں۔“^①

انگریز عورتوں کا اسلام کی طرف رجحان:

اے میری بہن! تم پیچھے کی طرف کیوں کر جا رہی ہو؟ اپنے بلند و برتر مقام کو کیوں نیچے گرانا چاہتی ہو، کیا آپ کو کبھی خیال نہیں آیا کہ تو کون ہے؟ تیری نسبت کس دین کی طرف ہے؟ میری بہن! تیرا دین وہ دین ہے جس کو قبول کرنے کے بعد ایک انگریز سابقہ عیسائی خاتون اتنی خوش ہو رہی تھی جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم امریکہ کے شہر سیٹل میں دعوتی اور تفریحی ٹور پر تھے کہ ایک انگریز خاتون جو اسلام کی دولت حاصل کر کے مسلمان ہو گئی۔ وہ اسی دن پردہ کر لیتی ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کس چیز سے متاثر ہو کر آپ نے اسلام قبول کیا ہے؟ اس نے کہا کہ مسلمان عورتوں میں پائی جانے والی حیا، عفت، غیرت اور مردوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب، ان چیزوں نے مجھے بہت متاثر کیا ہے، کیوں کہ ہمارے معاشرے اور

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۷۷۵) صحیح مسلم (۲۲/۲۶۵۸)

خاندانی سسٹم کو مرد و زن کے اختلاط نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پھر مسلمانوں کا ایک صف میں کھڑے ہو کر بڑے خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، ان باتوں سے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ ان کی روح کی آواز ہو جس طرف وہ بے ساختہ کھینچی جا رہی تھی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمان خواتین جنہیں باپردہ اور شرم و حیا کے لباس میں دیکھ کر اس کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا وہ بھی نو مسلم امریکی خواتین ہی تھیں، جنہوں نے اسلام کو دنیا کے ہر مذہب سے بہتر پا کر اسے قبول کیا اور پھر اسلامی تعلیمات اور کلمہ توحید و رسالت کے تقاضوں پر سختی سے کار بند ہو گئیں۔ جنہوں نے صحیح معنوں میں امہات المؤمنین (رضی اللہ عنہن) کی زندگی کو اسوہ حسنہ کے طور پر اپنالیا اور پردہ کرنے پر فخر محسوس کرنے لگیں۔

ہدایت کی کرنیں یورپ میں:

اسی طرح ہی ایک اور انگریز خاتون کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے جس نے چند مسلمان لڑکیوں کو پردے کی حالت میں بڑے وقار اور عزت و حشمت کے ساتھ چلتے دیکھا تو ان کے باوقار انداز کو دیکھ کر اس کے دل میں چھپی ہوئی غیرت جاگ اٹھی، اس نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جب اسے بتلایا گیا کہ یہ مسلمان لڑکیاں ہیں تو اس نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں وہ کلمہ پڑھنے پر مجبور ہو گئی۔ ان مسلمان لڑکیوں کا کردار کوئی معمولی نہیں جنہیں دیکھ کر یہ مسلمان ہوئی اور جہنم کی آگ سے بچ گئی، اگرچہ انہیں اس کے مسلمان ہونے کی کوئی خبر بھی نہ تھی، لیکن اسلام لانے کے بعد اس کی نیکیوں کا اجر و ثواب بھی ان کو ملتا رہے گا، کیوں کہ اس کے قبول اسلام کا سبب وہ تھیں۔ یہ ہے اللہ کے ایک حکم کو ماننے کا فائدہ، ابھی سارا دین باقی ہے۔

ان سے بھی زیادہ عجیب و غریب ایک اور واقعہ ہے جسے میں بطور خاص ان مسلمان خواتین کے لیے بیان کرنا چاہتی ہوں جو پردہ اتار کر اسے پس پشت ڈال دینا چاہتی ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک انگریز لڑکی جس کی کچھ سہیلیاں مسلمان تھیں۔ جب کہ یہ غیر مسلم تھی، ایک دن اسے کیا سوچھی کہ یہ اپنی سہیلیوں سے مذاق کرنے کے لیے پردہ کر کے ان کے پاس جاتی ہے، جب انہوں نے اچانک اسے پردے میں دیکھا تو وہ اس کے استقبال کے لیے دوڑیں، اس سے معاف کرنے لگیں اور مبارک باد پیش کرنے لگیں۔ وہ چند لمحات ایسے ثابت ہوئے کہ اس لڑکی کا دل ایمان سے لبریز ہو گیا، اپنی

سہیلیوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو دیکھ کر وہ بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی جو کہ ایمان کی حرارت کے آنسو تھے، پھر وہ کبھی اس پردے کو نہ اتار سکی جو اس کی زندگی کا جز بن گیا۔

انگریز خواتین نے اسلام لانے کے بعد جن الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا، اور جو سعادت اور راحت انھیں اسلام لانے کے بعد نصیب ہوئی اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں سعودی عرب میں ہر سال بہت بڑے پیمانے پر مختلف زبانوں میں دینی پروگرام ہوتے ہیں جن میں غیر مسلمان خواتین بھی شریک ہوتی ہیں، آٹھ دنوں کے وعظ و تبلیغ کے بعد بہت ساری عورتیں اسلام قبول کر لیتی ہیں اور انھیں میں سے چند ایک خواتین کے اقوال کو جو پردے کے حوالے سے ہیں ہم آپ کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے ایمان کا ذائقہ چکھنے اور استقامت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا، کہتی ہیں:

- 1] پردے نے میرے حسن و جمال کو دو چند کر دیا ہے۔
- 2] پردہ اسلام پر عمل پیرا ہونے کا اعلان عام ہے۔
- 3] پردہ آزادی کی علامت ہے۔
- 4] اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی میں نے عزم کر لیا کہ سر سے لے کر پاؤں تک مکمل پردہ کروں گی۔
- 5] پردہ میری زندگی کا حصہ ہے، میں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی وہ کر لیا تھا، کیوں کہ مجھے اپنے احترام کا احساس تھا اور آج بھی پردہ کرتی ہوں۔
- 6] مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میں شروع ہی سے مسلمان ہوں۔
- 7] اسلام نے میرے تمام سوالات کا جواب دے دیا ہے۔
- 8] اسلام میں مجھے اپنی گمشدہ متاع اور اپنی مشکل کا حل مل گیا ہے۔
- 9] ان میں ایک کے الفاظ کچھ اس طرح تھے کہ اسلام لانے سے پہلے میں کچھ نہ تھی۔
- 10] انگریز عورت آزاد نہیں، جیسا کہ مسلمان عورتیں ہیں۔
- 11] انگریز عورت کو اتنا بھی پتا نہیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔
- 12] میں اپنے دل میں ایسی رقت محسوس کرتی ہوں جو اسلام سے پہلے نہ تھی۔
- 13] جب میں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانا تو میں خوشی سے رو پڑی۔

14] اسلام نے ہی مجھے امن مہیا کیا ہے۔

15] مجھے ایسا خزانہ مل گیا جس سے میں ناواقف تھی۔

16] میری اصل زندگی تو اسلام کے بعد شروع ہوتی ہے، سابقہ زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

دینِ اسلام میں داخل ہونے کے بعد نو مسلم خواتین کو حاصل ہونے والی خوشی کا اندازہ یونان کی مسلمان ہونے والی خاتون ”ٹیریز“ کے الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جس نے اتنی بلند آواز سے اعلان کیا کہ شاید اس کی آواز آسمان کے ستاروں کو بھی سنائی دی ہو، اس نے کہا: ”میری خوشی کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اگر تم کتابوں کی کئی جلدیں لکھ ڈالو تو وہ بھی میرے احساسات اور سعادت مندیوں کی پوری ترجمانی نہیں کر سکتیں، میں مسلمان ہوں، میں مسلمان ہوں، دنیا بھر کے لوگوں کو بتلا دو کہ میں مسلمان اور سعادت مند ہوں، تمام تر ذرائع ابلاغ (میڈیا) کے ذریعے یہ بات نشر کر دو کہ یونان کی ”ٹیریز“ اب ٹیریز نہیں رہی، بلکہ اپنے دین، لباس، کردار اور افکار کے اعتبار سے خدیجہ بن چکی ہے۔“

اسلام میں امن و سکون ہے:

اسی طرح ہی ہماری ایک بہن ہے جو صرف دینِ اسلام کو ہی امن و سکون والا دین سمجھتی ہے، اور وہ اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہے کہ میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام ”فاطمہ یوسف“ رکھا اور وہ اپنے متعلق کہتی ہے: ”اسلام قبول کرنے سے پہلے میری زندگی میں کوئی لطف نہ تھا، شرم و حیا تو ہمارے یہاں رجعت پسندی اور نفسیاتی مرض سمجھا جاتا تھا، مجھے اسلام کے بارے میں کچھ علم نہ تھا، نہ ہی اسلام کے ماننے والوں کی کوئی حب تھی۔ ایک دفعہ ”مسلمان عورت کے حقوق“ سے متعلق ایک کتاب میرے مطالعہ میں آئی تو میں نے اپنے معاشرے میں عورتوں کی مشکلات کا تجزیہ کیا، جو مشکلات ہمارے ان قوانین کے زیر سایہ پیدا ہوتی ہیں جنہوں نے عورت کو حقیر بنا رکھا ہے، جب کہ اس کے برعکس اسلام عورت کو عزت و احترام والی زندگی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

اسلام عورت کی حفاظت کرتا ہے اور مرد کو اس کی نگہبانی، اس سے حسن معاشرت اور اس پر خرچ کرنے کا پابند ٹھہراتا ہے، پھر عورت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر اس کا محاسبہ کرتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کیوں نہ ہو کہ میں بھی چند ذمے داریوں کے عوض جو نہ میری استطاعت سے باہر ہیں نہ میرے لیے پریشانی کا باعث اور نہ میرے عورت ہونے اور میری عزت کی

قاتل ہیں، ان تمام حقوق کو حاصل کر لوں؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ میں کیوں حقیر ہوں، مجھے نگاہیں صرف اس لیے دیکھتی ہیں کہ میں ایک خوبصورت آرٹ ہوں؟ جسے خواہش نفس کی تسکین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بس؟ میں نے فیصلہ کر لیا کہ کیوں نہ میں اپنی اور لوگوں کی نگاہوں میں عزت و احترام والی عورت بن جاؤں؟ میں کیوں نہ مسلمان ہو جاؤں؟

پھر میں نے مسجد میں آنا جانا شروع کیا تو اسلام کے متعلق بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں اور کافی حد تک میں اسلام سے مطمئن ہو گئی، یہاں تک کہ وہ دن بھی آ گیا جس دن میں نے (اپنے اردگرد بہت ساری مسلمان عورتوں کے خوشی کے آنسوؤں کے درمیان) اعلان کر دیا:

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“

”میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

مسلمان عورتیں مجھے مبارک باد اور ثابت قدمی کی دعائیں دے رہی تھی۔

الحمد للہ! مسلمان ہونے کے بعد مجھے شرافت، عزت اور عفت والی زندگی گزارنے کے وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے جن کی ضمانت اسلام فراہم کرتا ہے۔ میں اب تک قرآن مجید کے سات پارے حفظ کر چکی ہوں، اسلام ہی نے مجھے امان اور سب سے خیر خواہی کرنے کا جذبہ عطا کیا ہے۔ افسوس ہے ان پر جنھوں نے ایمان کی وہ لذت ابھی تک نہیں چکھی جو مومن دلوں کو ہمیشہ آباد رکھتی ہے، کیوں کہ میں نے تو یہی محسوس کیا کہ اسلام ہی حقیقی سعادت کا نام ہے۔

مغربی عورت کی زندگی:

اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہونے والی ایک خاتون ”پیر برا میروز“ ہے، جس کی زندگی اب سراسر تبدیل ہو چکی ہے، اسلام لانے کے بعد اس نے بھی اپنا نام فاطمہ رکھا ہے، وہ بیان کرتی ہے کہ میں بڑے فائق اور پریشانی میں مبتلا تھی، نہ زندگی کا کوئی مقصد تھا اور نہ کوئی قدر و قیمت، ایک مرتبہ اسلام کے متعلق کہیں سے مجھے ایک کتاب ملی، میں نے اسے پڑھنا شروع کیا تو اس میں عقیدہ، مسجد، نماز اور قرآن کریم کے متعلق معلومات تھیں، میرے دل میں قرآن مجید کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوا۔ جب میں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد پالیا ہے،

جو بات میری سمجھ میں نہ آتی میں اپنی مسلمان دوستوں سے پوچھے لیتی، اسلام کے متعلق جیسے جیسے میرا مطالعہ بڑھتا گیا، اسی قدر اس دین کی عظمت میرے دل میں راسخ ہوتی چلی گئی، مجھے اہل اسلام کی فیاضی، مساوات اور عفت و عصمت کے نظام نے اتنا متاثر کیا کہ میں کلمہ شہادت کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکی، پھر کیا تھا، میں نے محسوس کیا کہ میری آنکھوں سے بہنے والے آنسو میرے دل کی سابقہ سیاہیوں اور گناہوں کو دھو کر مجھے پاک اور صاف کر رہے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت طیبہ کا بھرپور مطالعہ کیا، فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتے ہوئے تبرکاً میں نے اپنا نام بھی فاطمہ پسند کیا، تاکہ میری زندگی اور اخلاق بھی ان جیسے ہوں، اسلام نے میرے دل کو سعادت سے اس قدر بھر دیا کہ میں الفاظ میں اس کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔

مغربی عورت بغیر کسی مقصد کے زندگی بسر کر رہی ہے، اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کدھر جا رہی ہے، وہ بے حد مایوسیوں کا شکار ہے۔ اسے ہر وقت رسوائی کا سامنا رہتا ہے۔ البتہ بظاہر اس کی حالت ایسی ہے کہ بڑی عزت والی نظر آتی ہے، اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ شہوت کے بھوکے بھیڑیوں کا مطمح نظر ہے، وہ نہ تو کامیاب ماں ثابت ہو سکتی ہے اور نہ ایک بہترین خاندان تشکیل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے، کیوں کہ وہ معمولی معمولی کاموں میں اتنی مشغول ہے کہ اپنی حقیقی ذمہ داریوں کا اسے کوئی احساس نہیں۔

مسلمان خواتین کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مغربی، امریکی یا روسی عورت کو اپنا آئیڈیل بنائیں اور اسلام کو چھوڑ کر کسی اور فکر و نظریے سے متاثر ہوں، کیوں کہ دیگر نظریات کو اپنانے کی بنا پر وہ اپنی شخصیت کا امتیاز برقرار نہیں رکھ سکیں گی، لہذا آپ اپنے اصل اسلام پر کاربند رہیں اور اپنی پیش رو خواتین کے راستے پر گامزن رہیں، جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتی رہی ہیں، مسلمان خواتین کو اپنی سنہری تاریخ کے پتوں میں عزت و احتشام کے پہلو تلاش کرنے چاہئیں، اور اس کی روشنی میں موجودہ دور کے تقاضوں اور ضروریات کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہیے، ان کے مد نظر آنے والی نسل کو اسلامی تہذیب و تمدن کے خطوط پر چلانے کی فکر ہونی چاہیے، تاکہ آئندہ نسل پوری استقامت سے اپنے اسلامی کلچر سے وابستہ رہے۔

اسلامی معاشرہ کامل و سالم ہے، اس معاشرے کو چاہیے کہ یہ اپنی روایات پر قائم رہے، جو

روایات نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی اپنی حدود میں رکھے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کا معاشرہ یورپی اور امریکی معاشرے سے یکسر مختلف ہے، مسلمانوں کے پاس اخلاقی اقدار ہیں جو انھیں ورثے میں ملی ہیں جو عورت کو ایک دائرہ کار میں رکھتی ہیں، اسی طرح ماں باپ کے احترام کو بھی ضروری قرار دیتی ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی معاشرے میں مرد و زن کے اختلاط کی جو آزادی پائی جاتی ہے وہ اس سے معاشرے کو پاک رکھے ہوئے ہیں۔

یہ آپ کے لیے امریکہ اور یورپ کی بے حیائی، آوارہ گردی اور فحاشی و عریانی سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو اپنا آئیڈیل بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور دین اسلام پر ثابت قدم رکھے۔ آمین

مصادر و مراجع

- ❁ تفسیر ابن کثیر
- ❁ تفسیر احسن البیان
- ❁ صحیح بخاری
- ❁ صحیح مسلم
- ❁ سیرۃ الصحابیات مع اسوہ صحابیات رضی اللہ عنہن تالیف: مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
- ❁ عورتوں کے امتیازی مسائل تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ❁ مسلم خواتین کے سچے واقعات تالیف: محمد شیت ادریس تیمی

پردہ... حسرتیں اور عبرتیں

(3)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورۃ الحشر (آیت: ۲۱) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ
الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے، تو آپ دیکھتے کہ خوفِ الہی سے وہ پست ہو کر
ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، اور ہم ان مثالوں کو انسانوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ
غور و فکر کریں۔“

آج ہم اپنے درس کا آغاز اس مسلمان عورت کی گفتگو سے کر رہے ہیں جو اپنی سابقہ زندگی پر
حسرت اور افسوس کر رہی تھی، وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتی ہے:

”میں نوجوان تھی، زندگی سے بڑی محبت رکھنے والی مگر موت کا ذکر بھی سننا گوارا نہ کرتی تھی،
میری دوستوں میں سے اگر کوئی کسی حادثے یا خطرناک بیماری کا ذکر کرتی تو میں مجلس سے اٹھ کر چلی
جایا کرتی تھی، میں ہمیشہ نئے نئے ڈیزائن کی جینو اور تلاش میں سرگردان رہتی، کوئی ڈیزائن ایسا نہیں تھا
جس کی مجھے خبر نہ ہو، میں مسلسل نئے سے نیا گاؤن (برقعہ) پہنتی رہتی، نت نئے ڈیزائنوں سے دلچسپی
کی وجہ سے میں گاؤن پہننے کا انداز بھی بدلتی رہتی، بعض گاؤن سر پر رکھنے کے بجائے کندھے پر رکھ
لیتی، تاکہ زینت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکوں۔“

جو نقاب اوڑھتی وہ بھی حقیقت میں فتنے والا نقاب ہوتا، جو ہر نئے ڈیزائن سے ہم آہنگ
ہوتا، بڑی تکنیک سے میں اپنی سرگیں آنکھوں کو نقاب سے کھلا رکھتی، پھر بڑے تجسس سے دیکھتی کہ کس

طرح لوگوں کی نگاہیں میرا تعاقب کرتی ہیں، اپنی بیوقوفی کی وجہ سے بڑا فخر محسوس کرتی کہ لوگ حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔

ایک دفعہ کسی یورپین ملک جانے کے لیے میں نے سفر کیا تو جہاز میں بیٹھتے ہی میں نے اپنا گاؤن (برقعہ) اتار کر سیٹ پر پھینک دیا، دورانِ سفر میں نے عجیب منظر دیکھا کہ ایک عورت سر سے پاؤں تک مکمل پردہ کیے ہوئے ہے، میں نے اس کے قریب جا کر اس کی آواز سنی تو وہ پوری روانی کے ساتھ خالص انگلش میں گفتگو کر رہی تھی، جس سے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ عربی عورت ہو کر غیر ملکی زبان اس طرح بول رہی ہے جیسے انگریز ہو، حتیٰ کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ آپ عربی ہیں؟ کہنے لگی: نہیں، میں تو کینیڈین ہوں اور صرف ڈیڑھ سال سے مسلمان ہوئی ہوں، جب سے اسلام قبول کیا ہے میں اسی طرح حجاب پہنتی ہوں، اور نئے دین کے ساتھ ساتھ پردے کی وجہ سے میں عزت اور فخر محسوس کر رہی ہوں۔ میں نے اسی وقت اپنے سر پر ہاتھ رکھا، اپنے پردے کو ڈھونڈھا! مگر وہ تو میں جہاز کی سیٹ پر پھینک چکی تھی، میں اپنے دل میں یہ کہہ رہی تھی: اے اللہ...! اے میرے رب! یہ انگریز عورت ہے جس نے صرف ڈیڑھ سال پہلے اسلام قبول کیا ہے اور تجھ پر ایمان لائی، اس کے پردے کا یہ حال ہے، اور میں.... میرا دادا مسلمان، میرا باپ مسلمان، میری ماں مسلمان، میرا بھائی مسلمان، بلکہ میری ساری ساری قوم مسلمان!! میں نے ایمان والوں کے معاشرے میں تربیت حاصل کی اور پردے کو کس طرح پس پشت ڈال رکھا ہے؟ جبکہ یہ نو مسلم انگریز خاتون اس پر عمل پیرا ہے۔ مگر اللہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے، جیسا کہ سورۃ القصص (آیت: ۵۶) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾

”آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔“

با کردار عورت بنیں:

میری بہنو! میں نے آپ کے سامنے چند دلائل اور واقعات پیش کیے ہیں۔ یہ حقیقت میں سمندر سے پانی کے چند قطرات ہیں، یہ اس لیے آپ کے گوش گزار کیے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے بلند و برتر کلام کی طرف آپ کی مزید توجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَحْشَعُوا قُلُوبَهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا

كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ

فَسِقُونَ ﴿[الحديد: ۱۶]﴾

”کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل ذکرِ الہی سے اور جو حق (یعنی قرآن) نازل ہوا ہے، اسے سن کر نرم ہو جائیں، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور (آج) ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔“

اللہ رب العزت کی طرف سے یہ خطاب اہل ایمان کے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ ہوں، اور خشوع کے معنی: دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا ہے، اور حق سے مراد قرآن کریم ہے، اور سخت دل سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، کیوں کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ لہذا اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرنا ورنہ تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے۔ کیا آپ کو یہ اچھا لگے گا؟

اے مجد و شرف والی آدم کی بیٹی! کیا یہ ہمارے رب کا فرمان نہیں:

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ

الْأَمْثَالُ لَضَرِبَ بِهَا لِلنَّاسِ لَعَاهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الحشر: ۲۱]

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ خوفِ الہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، اور ہم ان مثالوں کو انسانوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

نیز فرمایا:

﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا

عَظِيمًا﴾ [النساء: ۲۷]

”اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ بھلائی کرے، اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (راہِ راست سے) بہت دور چلے جاؤ۔“

میری بہنو! وقت آچکا ہے کہ آپ اپنی حیا اور ایمان کی طرف لوٹ آئیں اور اپنا پردہ اوڑھ کر اس باطل کے لیے قاطع تلوار ثابت ہوں جو آپ کو دشمن کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کر رکھی ہے، اور آپ یہ جان لیں کہ باطل کی یہ دُھوم دھام، جس کی نمائش نے آپ کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، پھولے ہوئے اُس غبارے کی طرح ہے جس کی ساری ہوا معمولی سا کاٹنا چبھ جانے سے نکل جاتی ہے، آپ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتی ہوں گی:

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا﴾ [بنی اسرائیل: ۸۱]

”اور آپ کہہ دیجیے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی کی چیز ہوتی ہے۔“

ذرا غور فرمائیں تو قرآن مجید کے ان الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کے آنے کے ساتھ ہی باطل کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اور حق و باطل میں فرق کرنے والی اللہ کی پاک کتاب قرآن کریم آپ کے پاس موجود ہے، اس میں سے اپنی عزت و وقار کو تلاش کریں کہ اسلام میں آپ کا کیا مقام ہے؟ اپنے اس مقام کو پہچانیں۔ اور اس مجرم ہاتھ کو کاٹ ڈالیں جو آپ کی طرف بڑھنا چاہتا ہے، جو آپ کے پردے کو اتار دینا چاہتا ہے، جس نے دائیں بائیں سے آپ کے لباس کو کاٹ کر اس قدر مختصر کر دیا ہے کہ وہ آپ کے جسم کو بھی نہیں ڈھانپ سکتا۔ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ۔

اے عزت و وقار والے مردوں کی بہن اور بہادر بیٹوں کی تربیت کرنے والی ماں! امت مسلمہ کی دیوار میں مضبوط چٹان کی طرح بن جا، دشمن کے ترکش کا تیر نہ بنا کہ وہ تیرے ذریعے اس امت کی شان و شوکت اور عظمت و شرافت کو زخمی کر ڈالے، دیکھنا! تیری طرف سے اسلام کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے کو ایک دفعہ مہلت دیتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا، آپ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں کہ اللہ تعالیٰ جو کہ جبار اور انتقام لینے والا بھی ہے آپ کا مد مقابل ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلِّلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنُ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذًا أَلِيمًا شَدِيدًا﴾ [ہود: ۱۰۲]

”اور آپ کا رب جب ظالم بستیوں کی گرفت کرتا ہے تو اس کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے،

اس کی گرفت بڑی دردناک اور شدید ہوتی ہے۔“

آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صحیح جواب دینے کی تیاری کر لینی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی

سے بچنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللَّهَ يَغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ، وَإِنَّ غَيْرَةَ اللَّهِ أَنْ يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ»^①

”بے شک اللہ تعالیٰ غیرت والا ہے اور بے شک مومن بھی غیرت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو

اس وقت غیرت آتی ہے جب مومن کسی حرام چیز کا ارتکاب کرتا ہے۔“

یاد رکھیں کہ بے پردگی اسلام میں برے طریقے کو ایجاد کرنے کے مترادف ہے، جس کا گناہ آپ کے سر ہوگا اور قیامت تک جن عورتوں نے آپ کو دیکھ کر اس روش کو اپنایا ان کا گناہ اور آج کی بچیاں جو آپ کو دیکھ کر یہ سب کچھ سیکھ رہی ہیں، ان کے گناہوں کا بوجھ آپ کے ذمے ہوگا، آپ اپنے متعلق اور ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔

ایک شاعر نے مسلمان عورت کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

✿ اے قیمتی جوہر! جو کل محفوظ تھا، مگر آج لوگ اسے کھیل تماشا بنانا چاہتے ہیں۔

✿ اے حریت مآب! جسے لوگ مغربی فکر کی لونڈی بنا چاہتے ہیں جو برائے نام مسلمان ہیں۔

✿ کہاں وہ جس کا اسوہ وقدوہ (آئیڈیل) فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں، اور کہاں وہ جو ابولہب کی چغلی

خور بیوی کے پیچھے چل رہی ہے۔

✿ میری بہن! تو ایسی بیٹی نہیں جس کا کوئی خاندان نہ ہو اور نہ ہی تو کوئی مجہول النسب ہے۔

✿ تو تو اسلام کی بیٹی ہے جس نے پاکدامن ماں اور عزت والے باپ کی گود میں پرورش پائی ہے۔

✿ جو لوگ شبہات پیدا کر رہے ہیں ان کی پروا نہ کر، تیرے پاس تو عقل ہے اس سے پوچھ۔

✿ میں کون ہوں؟ میرا خاندان کیا ہے؟ میرا نسب کیا ہے؟ کیا میں انگریز کے لیے ہوں یا اسلام کے لیے۔

✿ میری دوستی کس سے؟ میری محبت کس سے؟ میری کاوش کس کے لیے؟ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے

لیے ہے یا جھوٹ اور گناہ کے ٹھیکیدار کے لیے؟

آزادی نسواں:

اس تحریک کے علمبرداروں (جن میں بہت سے نام نہاد مسلمان بھی ہیں، ان) کا دعویٰ ہے کہ

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۲۲۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۶۱)

وہ آپ کو آزادی عطا کرنا چاہتے ہیں، میں! اللہ کی قسم دے کر آپ سے پوچھتی ہوں کیا واقعتاً آپ کو غلاموں کی طرح منڈی میں فروخت کیا جاتا ہے؟! میری بہن: ایسا ہرگز نہیں، دراصل یہ لوگ آپ کو گھر اور عفت کی چادر و چادر دیواری سے نکال کر اصل آزادی سے محروم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ آپ ان کی گھٹیا خواہشات کی غلام بن کر رہ جائیں اور صبح و شام ان کی بیماریوں کا مطح نظر بنی رہیں۔

بہنو! یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہیں، شیطان کا راستہ ایک جیسا ہی ہے اور اس کی سازشیں شروع سے چلی آرہی ہیں، مرد اور عورت کا نعرہ ان کا وہ حقدانہ مطالبہ ہے، جسے انھوں نے اپنے انگریز سرپرستوں سے لیا ہے، یہ اصل میں تحریف شدہ تورات سے لیا گیا ہے، پھر تحریف کرنے والوں نے انجیل میں بھی نقل کر ڈالا، جسے بعد میں ”نسوانیت“ کا نام دے دیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک مغربی فکر میں بہت پرانی ہے۔

”آزادی نسواں“ نام کی تحریک مارکس ازم کے حامیوں نے شروع کی۔ پھر اس کی جڑوں کو مضبوط کیا اور اسے معاشرے کی ترقی کی علامت قرار دیا۔ دراصل وہ اس تحریک کے ذریعے دین اور فطرت کے خلاف جنگ کرنا چاہتے تھے، پھر اس جنگ کا جو نتیجہ برآمد ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ یہ تحریک جو آج مغربی معاشرے کی تباہی کے بعد اب وہاں تو دم توڑ رہی ہے، مگر اب ہمارے یہاں انھوں نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے سب سے پہلے عورتوں کو ملازمت کا حق دیا اور عورتوں کو مشتعل کرنے کے لیے یہ شوشہ چھوڑا کہ مرد اور عورت کے مابین کشمکش پائی جاتی ہے، اس طرح ایک طرف وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل چاہتے تھے تو دوسری طرف وہ معاشرے کی بنیاد کھوکھلی کر کے ”پھوٹ ڈلو اور حکومت کرو“ کی بنیاد پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۗ وَأَصْبِرُوا ۗ إِنَّ

اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿ [الأنفال: ۴۶]

”اور آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تم میں ناکامی و بزدلی آجائے گی اور تمھاری ہوا اکھڑ

جائے گی، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اہل مغرب کی پیدا کردہ یہ تحریک بغض و عداوت پر مبنی ہے، جو ہم مسلمانوں کے عقیدے کے سراسر منافی ہے، ہمارے ایمان کے اصولوں میں سے ایک اصول ”ولاء و براء“ ہے، یعنی ایمان والوں

کے درمیان اخوت و محبت ہونی چاہیے نہ کہ بغض و عداوت، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

[التوبة: ۷۱]

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار و معاون اور دوست ہوتے ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکات ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا خوب حکمت والا ہے۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے تعلق کو ایسے انداز میں بیان فرمایا جو انسانی تاریخ میں سب سے عظیم دستور کی حیثیت رکھتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا احسان بھی ہے اور اس کی قدرت کی دلیل بھی، فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً

وَ رَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الروم: ۲۱]

”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان تعلق محبت و مودت کا ہے نہ کہ بغض و عداوت اور نفرت کا، آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ اور آخری بیماری کے ایام میں ارشاد فرمایا:

«أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا»

”اے لوگو! عورتوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنا۔“

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب اہل مغرب عورت کے متعلق کہہ رہے تھے کہ عورت کی روح ہوتی ہے یا نہیں؟ عورت انسان ہے یا شیطان؟ اور یہ سلسلہ اس سے کئی صدیاں بعد تک بھی چلتا رہا۔ مسلمانوں کے یہاں تو مومنہ عورت کا ایک ناخن بھی دنیا بھر کے کافر و فاجر

مردوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہمارے نزدیک مرد اور عورت کے مابین کشمکش نہیں، بلکہ کشمکش ہے تو اہل حق اور اہل باطل کے مابین ہے، لہذا ان کی سازشوں سے آپ کو متاثر نہیں ہونا چاہیے، بے شک ان کے بڑے خطرناک عزائم ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے سورت ابراہیم (آیت: ۴۶-۴۷) میں ان کا ذکر فرمایا ہے:

﴿وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لَيَبْذُرُونَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾
فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾﴾

”اور یہ لوگ اپنی اپنی چالیں چل رہے تھے، اور اللہ کو ان کی تمام چالوں کا علم تھا، اگرچہ ان کی سازشیں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے گا، بے شک اللہ بڑا زبردست، انتقام لینے والا ہے۔“

یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے دنیا و آخرت میں مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً سچا ہے، اس سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔ یعنی اللہ اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل مکر و فریب کی چالوں سے مسلمان مرد و زن کو محفوظ رکھے۔ آمین

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ سیرۃ الصحابیات مع اسوہ صحابیات رضی اللہ عنہن: تالیف: مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ
- ✽ عورتوں کے امتیازی مسائل: تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ
- ✽ مسلم خواتین کے سچے واقعات: تالیف: محمد شیتھ ادیس تیمی

پردہ... فطرت کی آواز

(4)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورة الاحزاب (آیت: ۵۹) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”اے میرے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر یہ ستائی نہ جائیں گی۔“

آج ہم ایک ایسی عورت کے متعلق بات کریں گے جو ”آزادی نسواں“ تحریک کی علمبردار سمجھی جاتی ہے، ڈاکٹر عبدالخالق کہتے ہیں: برطانیہ میں مجھے اس کی تصویر کے دورخ دیکھنے کا موقع ملا۔

تصویر کا پہلا رخ:

اس عورت میں یہ خوبیاں موجود تھیں: بھرپور جسامت، گفتگو میں مہارت، اپنے موقف کی حمایت کا جذبہ، جدوجہدِ مسلسل، کبھی اخبارات میں اس کے مضامین چھپ رہے ہیں، کبھی ٹیلی ویژن پر وہ مردوں کے مقابلے میں دلائل پر دلائل دے رہی ہے، کبھی عدالتوں میں ”آزادی نسواں“ کے لیے بحیثیت وکیل مقدمات لڑ رہی ہے۔

اس کا مقصد صرف اور صرف عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنا اور انھیں مردوں کے مقابلے میں کھڑا کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے پاس حیرت انگیز حد تک وزارتوں، کارخانوں اور کمپنیوں کا مکمل ریکارڈ اور مردوں اور عورتوں کی تعداد کا شمار و قطار موجود ہے۔ بارہا اس نے کمپنیوں کو عورتیں بھرتی

کرنے اور مردوں کی تعداد کم کرنے پر مجبور کیا، عورتوں کو فارغ کرنے والی کمپنیوں کے خلاف مقدمات جیتے، مغربی معاشرے میں اس عورت کو بڑی شہرت حاصل ہے، بلکہ مرد اور عورت کے مابین مساوات کے حامیوں کے یہاں وہ آئیڈیل شخصیت کا درجہ رکھتی ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ:

اس کی تصویر کا دوسرا رخ اس کے برعکس اور اس سے قطعاً مختلف تھا۔ لوگ اس کو ٹیلی ویژن پر دیکھتے یا کورٹ میں مشاہدہ کرتے تھے، ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ بیمار تھی، اس کے پرسنل ڈاکٹر نے اسے نفسیاتی ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں بھیجا جہاں میں کام کر رہا تھا، میں نے مشاہدہ کیا کہ وہ بڑی کمزور اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار عورت ہے، جو اپنے آپ کو دنیا میں تنہا سمجھتی تھی کہ نہ اس کا بیٹا ہے نہ خاوند، نہ بھائی اور نہ باپ، عورتیں تو اسے ایک بہت بڑی وکیل کی حیثیت سے پہچانتی تھیں، لیکن انھیں اس کی اس حالت سے کوئی غرض نہ تھی کہ وہ ہسپتال میں بیمار پڑی ہے یا اپنے گھر میں بسترِ علالت پر ہے یا کس در ماندگی کا شکار ہے؟

میں اس سے پوچھے بغیر ہی اس کی بیماری سمجھتا تھا، لیکن پوچھنا بھی ضروری تھا کہ وہ کیا کہتی ہے، میں نے سوال کیا: آپ کو کیا بیماری ہے اور کیا محسوس کرتی ہیں؟

اس نے جواب دیا: میں چاہتی ہوں کہ کوئی ایسا شخص میرا شریکِ زندگی ہو جو مجھے ”نہیں“ میں جواب دے، میں اپنی زندگی اور کام سے اکتا چکی ہوں، یہ اس کی اصل بیماری تھی جسے میں نے پوری امانت سے بیان کیا ہے، میں نے اس کی بیماری کے مطابق اس کا علاج کیا اور ”مایوسی“ کی دوا دی، لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ اس بیماری سے شفا یاب نہیں ہو سکتی، کیوں کہ کوئی عقلمند اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکا، اور اگر کوئی آدمی ملا تو وہ اس کو ”نہیں“ میں جواب نہیں دے سکے گا اور ایسا شخص اس کی بیماری کا علاج نہیں کر سکتا۔

یہ ہے انجام اس عورت کا، جب وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطرت سے تصادم کرتی ہے تو ماسوا مایوسی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے اس عورت کو بھرپور طاقت اور گرم گفتاری کی حالت میں تو دیکھا ہے، مگر بسترِ علالت پر نفسیاتی مرض (مایوسی) کی حالت میں نہیں دیکھا، اصل میں اس کی بیماری، بدبختی، مایوسی اور رنجیدگی کا سبب بھی وہی لوگ ہیں جو اس کی سحر بیانی اور

شخصیت سے بڑے متاثر ہوتے ہیں، ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں۔

یہ تو تھے اصل حقائق جو عورتوں کی آزادی کے پرفریب دعوؤں کے پس پردہ روزِ رشن کی طرح عیاں ہیں، لیکن یہود و نصاریٰ اپنی کانفرنسوں، اجتماعات اور ذرائعِ بلاغ کے ذریعے جو کچھ پیش کر رہے ہیں اور جو دعوے کر رہے ہیں وہ جھوٹ پر مبنی ہیں، وہ عورت کی آزادی اور حقوق کا نام تو لیتے ہیں مگر ان کے یہاں اس آزادی کے بازار میں عورت کی حیثیت ایک جوتے سے بڑھ کر نہیں، جسے ان کا گھٹیا اور کمینے سے کمینہ جب چاہے جہاں چاہے پہن لے اور جب چاہے اسے اتار پھینکے، بلکہ عورت کی حیثیت تو ان کے یہاں جوتے سے بھی کمتر ہے، میں اشارات کی زبان استعمال کر رہی ہوں، اور یہ اس لیے کہ میری زبان اور میرا قلم اجازت نہیں دیتے کہ وہاں کے واقعات کو پوری تفصیل سے بیان کروں۔ یوں تو ہر لمحہ مغربی معاشرے میں عبرتناک واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جن سے ان لوگوں کی بدبختی اور بے چینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امریکہ کی سب سے زیادہ مشہور و معروف اداکارہ ”مارلین مارو“ کا واقعہ ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے، امریکی لوگ جس اداکارہ کو ایک بت کی طرح پوجا کرتے تھے، اس کی اپنی زندگی کیسی بد نصیبیوں اور محرومیوں سے بھری ہوئی تھی حتیٰ کہ اس نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ اس کیس کی تحقیق کرنے والوں نے اس کے ایک خط کا سراخ لگایا جو بینک میں امانت رکھا ہوا تھا اور اس پر درج تھا (اسے میری موت سے پہلے نہ کھولا جائے) اس نے اپنے ہاتھ سے ان تمام عورتوں کے لیے پیغام لکھا جو اس کی نصیحت پر عمل کرنا چاہتی ہیں، وہ اس کی اس تحریر کو غور سے سنیں کہتی ہے: ”آپ شہرت سے بچیں، ہر اس شخص سے بچیں جو آپ کو سبز باغ دکھا رہا ہے، میں روئے زمین پر سب سے بد نصیب عورت ہوں جو کسی کی ماں نہیں بن سکی، میں تو گھر کو افضل سمجھتی ہوں، خاندانی عزت اور شرافت کی زندگی کو بہتر سمجھتی ہوں، کیوں کہ خاندانی زندگی ہی درحقیقت ایک عورت کے لیے، بلکہ پوری انسانیت کے لیے سعادت کی زندگی ہے۔“

یاد رکھو! تمہیں ایک نہ ایک دن عفت اور ادب کی طرف لوٹنا ہی پڑے گا، میرے مرنے کے بعد تمہیں پتا چل جائے گا کہ میں نے غلط کہا تھا یا صحیح؟ اللہ کی قسم! انگریزوں کے مخلوط معاشرے میں اتنی تباہیاں اور بربادیاں پائی جاتی ہیں جنہیں یا تو اللہ جانتا ہے یا وہ جو اس آگ کی بھٹی میں جل رہا ہے۔ افسوس کہ مسلمان عورتوں کو بھی اس آگ میں زبردستی جھونکا جا رہا ہے اور انہیں چھلانگ لگانے پر

مجبور کیا جا رہا ہے، اس بیچاری مسلمان عورت کی حالت تو اس بکری کی سی ہے جسے ذبح خانے کی طرف لے جایا جا رہا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتی ہوئی اچھلتی کودتی جا رہی ہوتی ہے کہ اسے چراگاہ کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مغربی ممالک عورت کے موضوع پر یکے بعد دیگرے کا نفرنیں منعقد کر رہے ہیں، ان کا نفرنوں کے موضوعات اور رسوا کن قراردادیں خاندانی زندگی اور عورت کی تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور یہ ساری کی ساری غلطیتیں جب مغربی معاشرے اور وہاں کی عورتوں میں پائی جاتی ہیں تو پھر وہ کس لیے شور کر رہے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ کس لیے کر رہے ہیں؟

میری بہن! اس لیے کہ وہ اپنی غلطیتیں اور وہ بیماریاں جن کے علاج سے وہ عاجز آچکے ہیں مسلمان ممالک میں منتقل کر سکیں، یہ ایک جنگ ہے، جس کا ہدف ہمارا عالم اسلام ہے، جس میں وہ شبہات اور شہوات کو فروخ دینا چاہتے ہیں، تاکہ عالم اسلام کی قوت کو کمزور اور اس میں پیدا ہونے والی بیداری کی لہر کو روک سکیں، جس کی بشارت ہمارے رسول ﷺ نے دی ہے، اللہ نہ کرے کہ وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو سکیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر پر غالب اور اس کے فیصلے اٹل ہیں، ان یہود و نصاریٰ کو اگر ڈر ہے تو صرف اور صرف اسلام اور مسلمانوں کا، جیسا کہ سورۃ الحشر (آیت: ۱۳) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَنْتُمْ أَشَدَّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾

”مومنو! منافقین کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہارا خوف ہے، ایسا اس لیے ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔“

یہ ہم مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اسلامی جیسی نعمت کیوں ہے؟ ہمارے پاس اسلامی اقدار ہیں جو فتنوں کے اس دور میں بھی قائم ہیں، اس لیے بھی یہ ہم سے حسد کرتے ہیں کہ ہم میں خاندانی اقدار و روایات موجود ہیں جن سے وہ محروم ہیں۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ ہمارے عزت والے لباس اور عفت و عصمت والے پردے کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہ خود اس لباس سے عریاں ہیں، انہیں معلوم ہے کہ وہ ایسے راستے پر چل نکلے ہیں جس سے واپس نہیں لوٹ سکتے، لہذا وہ چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی زیادہ سے زیادہ اس راستے پر کھینچ لائیں۔ حقیقت میں یہ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر دوسروں کو بھی دعوت دے رہے ہیں، جو ان کی دعوت پر مائل

ہوگا اسے یہ جہنم میں پھینک دیں۔

میری بہنو! انگریزوں کے نزدیک اگر عورتوں کی آزادی میں مسلمانوں کو معمولی سا بھی کوئی فائدہ پہنچنے والا ہوتا تو اس آزادی کو وہ تہہ خانوں میں چھپا کر رکھتے اور ان تک پہنچنے کے تمام دروازے بند رکھتے اور ان پر سرخ مہر لگا دیتے کہ یہ ”انتہائی“ (سیکرٹ راز) ہے، ”یہ دوسروں کے لیے نہیں“، ”عورتوں کی آزادی صرف ہمارا داخلی مسئلہ ہے۔“

لیکن جن چیزوں میں شرف و فساد پایا جاتا ہے وہ زبردستی ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے اپنے پاک کلام کی سورۃ النساء (آیت: ۸۹) میں ان کے متعلق سچ فرمایا ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۗ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَعُدُّوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وِلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾

”وہ تو چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم لوگ بھی کافر ہو جاؤ، تاکہ تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک وہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ، پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو، اور قتل کرو جہاں بھی وہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔“

سورۃ البقرہ (آیت: ۱۰۹) میں فرمایا:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۗ حَسَدًا مِّمَّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾

”بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش وہ تم لوگوں کو ایمان لے آنے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں، وہ لوگ ایسا محض حسد و بغض کی وجہ سے، اور ان پر حق واضح ہو جانے کے بعد کر رہے ہیں۔“

فیشن کی حقیقت:

میری بہنوں میں سے کچھ اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ سمجھتی ہیں کہ زمانہ بڑا ایڈوانس ہو چکا ہے، اب پردے کا زمانہ نہیں رہا، نت نئے ایجاد ہونے والے فیشنوں کے ساتھ چلنا چاہیے، درحقیقت یہ

فیشن تو ایسا فتنہ ہے کہ بہت ساری عورتوں کو پتا ہی نہیں چلتا، محض فیشن کی وجہ سے وہ شریعت سے دور ہوتی جا رہی ہیں، یہ عورتوں کے حسن و جمال کو ظاہر کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے اکثر لڑکے لڑکیوں پر آوازیں کستے اور راستوں میں چھیڑ خانی کرتے ہیں، جب انھیں روکا جاتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اگر آپ اتنی ہی پارسا ہیں تو یہ فیشن و عریانی کس لیے ہے؟ گویا کہ ان کے نزدیک فیشن اس بات کی علامت ہے کہ ایسی عورتوں کے ساتھ مذاق کیا جاسکتا ہے۔ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں کیا خوب کہا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

جَلَابِئِبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ [الأحزاب: ۵۹]

”اے میرے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر یہ ستائی نہ جائیں گی۔“

میری بہنو! دین کے ان دشمنوں کی سازشوں کو اپنے مد نظر رکھیں، جو پردے کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کے وسائل کو استعمال کر رہے ہیں، پہلے معاشرے میں پردہ نہ کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا مگر اب لوگ بے پردگی سے مانوس ہو چکے ہیں۔ میری اس بات پر یقین کریں کہ حجاب کے اتارنے سے عورت کی قدر و قیمت گر جاتی ہے اور عورت کی قدر و قیمت گرنے سے پورا معاشرہ اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھتا ہے، لہذا وہ دشمنانِ دین جو ہمارے اسلام کو گرانا چاہتے ہیں ہمیں ان کی سازشوں میں شریک ہو کر ان کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ جو بہن حجاب کی پروا نہیں کرتی وہ اپنے مستقبل کے لیے غور و فکر کرے اور سمجھے کہ میرا اپنا حال یہ ہے تو میری اولاد جس کی میں تربیت کر رہی ہوں وہ تو کبھی بھی پردہ نہیں کرے گی، اس طرح ان کے گناہوں کا بوجھ بھی سر پر ہوگا، پھر وہ لوگ جو ہماری بے پردگی کی وجہ سے فتنے میں پڑ رہے ہیں ان کا ذمے دار کون ہے؟ کل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جب وہ ہم سے جھگڑا کریں گے کہ فلاں ہماری گمراہی کا سبب بنا تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

بے پردگی تو دشمنوں کی سازش ہے، جب کہ پردہ صحابیات اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے قدموں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

توبہ کرنے والی عورتیں:

اے اللہ! تو اپنے بندوں اور بندیوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے، اور اللہ کے بندوں کی خوشی ان کاموں میں ہونی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بنیں، اے اللہ! ہمیں اپنی رضا اور اپنے چہرہ اقدس کی زیارت سے محروم نہ کرنا، اور ہم کبھی تیری رحمت سے مایوس ہونے والے نہیں، تیرا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَأْتِيَنَّوْا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾

[یوسف: ۸۷]

”اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ناامید ہوتے ہیں۔“

اب ہم ان مسلمان عورتوں کے چند واقعات کا تذکرہ کریں گے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہدایت کی طرف ایسی لوٹ آئیں کہ پھر اسلام کی ہی ہو کر رہ گئیں، ان کے واقعات و حالات انہی کی زبانی پیش خدمت ہیں:

منیرہ:

ان میں سے ایک منیرہ ہے: منیرہ کہتی ہے کہ میں اظہارِ زینت کو بہت پسند کرتی تھی، ہر قسم کے فیشن کو اپنانا میرا مشغلہ تھا، پردہ تو میرے نزدیک فقیر اور پسماندہ عورتوں کا کام تھا، میں ایک دن اپنی چند سہیلیوں کے ہمراہ پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ بازار میں گھوم پھر رہی تھی کہ ایک عورت نے مجھے نصیحت کی کہ میں پردہ کر لوں، تاکہ جہنم کی آگ سے بچ سکوں، یہ بات سن کر ایک دفعہ تو میرا جسم بل گیا، لیکن میں نے اپنی سہیلیوں کو ہنسانے کے لیے ایک عجیب بات کی، آج جب میں اسے یاد کرتی ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہنسوں یا روؤں، کیوں کہ وہی عورت اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری ہدایت کا باعث ہے، ازراہ مذاق میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ میرا ہاتھ چوم لیں تو میں پردہ کر لوں گی، بظاہر تو یہ بات بڑے غصے والی تھی مگر اس عورت نے غصہ کرنے کے بجائے میرا ہاتھ چومتے ہوئے کہا کہ اگر آپ پردہ کر لیں تو اس کے مقابلے میں یہ بڑا معمولی مطالبہ ہے، پھر وہ میرے حق میں دعا کرتی ہوئی رخصت ہو گئی، میں نے گھر لوٹ کر تنہائی میں غور کیا تو فیصلہ کر لیا کہ آئندہ میں باپردہ لباس پہنوں گی، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے لگی، میری تمنا ہے کہ اگر مجھے نصیحت کرنے والی عورت کا علم ہو تو اس کا شکر یہ ادا کروں، البتہ اس کے حق میں دعا کرتی رہتی ہوں، پردہ کرنے کے بعد آس پاس کے

لوگ میرا مذاق اڑانے لگے، یہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا لہذا میں نے کسی کی پروا نہیں کی، پردہ کرنے کا یہ فائدہ تو خود میں نے محسوس کیا کہ اجنبی احترام کرنے لگے، جس طرح پہلے لوگ میری طرف نظریں جما کر دیکھتے تھے اب کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، دوکاندار بھی ادب و احترام سے بات کرنے لگے، اس سے میں نے اندازہ کیا کہ واقعتاً حق میں بڑا رعب اور وقار ہے۔

فیشن کے متعلق ہماری ایک بہن کہتی ہے کہ فیشن بظاہر بڑا پرکشش اور اس میں چلنا پھرنا بڑا آسان لگتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فیشن سے دل کو راحت نہیں ملتی، پردہ کرنے میں کچھ دقت محسوس ہوتی ہے، مگر بے پردگی میں جسم کی نمائش ہے اور پردہ شرم و حیا اور عفت و عصمت کا نام ہے۔ میں نے جب بھی کوئی دقت محسوس کی تو آخرت کے اجر و ثواب کو یاد کیا اور سوچا کہ مومن کے لیے دنیا تکلیفوں کا گھر ہے، اس کے بدلے حقیقی راحتیں اور آسانیاں آخرت میں نصیب ہوں گی۔ اس کے بعد انھیں پردہ کرنے میں کوئی مشکل محسوس نہیں ہوئی۔

حصہ کا پیغام:

فیشن سے متاثر ہونے والی ہماری بہنوں کے لیے ہماری حصہ بہن کا پیغام انہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ میں فیشن میں بڑی گھٹن محسوس کرتی تھی، مجھے معلوم تھا کہ میرا لباس صحیح نہیں، بس اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر میں فیشن کی عادی ہو گئی، فیشن کی وجہ سے راستوں میں چھیڑ خانی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا، کیوں کہ فیشن کرنے والی اگرچہ بے پردہ نہ بھی ہو مگر پھر بھی اس سے سلوک ان عورتوں جیسا ہی کیا جاتا ہے، کیوں کہ پردے اور فیشن والے لباس میں بڑا فرق ہے، فیشن حقیقت میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے والا لباس ہے اور اس سے عورت کو ایک عجیب و غریب سا شعور لاحق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے اپنی چال اور حرکات و سکنات میں تکلف کرنا پڑتا ہے، جب کہ پردے والے لباس میں عزت و حشمت اور وقار پایا جاتا ہے، لہذا اب میں نے باپردہ لباس پہننے کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی، اب نفسیاتی اعتبار سے میں اطمینان اور سکون محسوس کرتی ہوں کہ میں اب جہاں بھی جاؤں گی محفوظ رہوں گی، مگر پھر بھی کہتی ہوں کہ کاش! میں نے فیشن والا راستہ دیکھا ہی نہ ہوتا۔

میری بہنو! اللہ تعالیٰ نے پردے کے مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہو گا تو پردے کا جو اصل مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی

حفاظت ہے وہ یقیناً تمہیں حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچاسکیں گی۔

ایمان کی بلندی:

ام عدنان آپ سے یہ کہنا چاہتی ہے کہ اے میری مسلمان بہن! تو اپنے ایمان کے بلند کردار کو دیکھ اور یہ بھی دیکھ کہ عام عورتوں میں تیرا کتنا اونچا مقام ہے کہ تو ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں سنتِ رسول ﷺ کو تھامے ہوئے ہو، اور تو اس پر راضی ہے کہ تیرا رب اللہ ہے، تیرا دین اسلام ہے اور تیرا رسول محمد ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے تجھے نیک ماں باپ کا اعزاز بخشا ہے، تیری ایسے اسلامی گھر میں پرورش ہوئی جو عفت و طہارت سے بھرا ہوا ہے، تو نے بچپن میں ایمان کی غذا حاصل کی، تیرا دل کلمہٴ توحید اور اخلاص کے ساتھ لگا رہا، کیا ان تمام اعزازات کے بعد بھی تو اس عورت کی مثل بننا چاہتی ہے جو ساری رات سوت کا تنے کے بعد صبح ہوتے ہی اس کو کاٹ ڈالتی تھی؟

اس کا ذکر سورۃ النحل (آیت: ۹۲) میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَصَتْ عَزْلَاهُمْ بَعْدَ قُوَّةٍ أَنْكَاسًا﴾

”اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کا تنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔“

کیا ان عزتوں کے حاصل ہونے کے بعد تجھے زیب دیتا ہے کہ تو مغرب کی فکری، اخلاقی اور معاشرتی بے ہودگیوں کی غلام بن کر رہے؟

ربِ کعبہ کی قسم! تجھے معلوم نہیں کہ تم جب مغرب کی عورت کی تقلید کرتی ہو اور اس کے نقشِ قدم پر چلتی ہو تو وہ تجھے حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے، اپنے مقام سے اس قدر گرجانا کیا تجھے پسند ہے؟

تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ تم دینِ اسلام کی وجہ سے اپنے سروں کو عزت و افتخار سے اونچا کرو، تمہارے اندر ایمان کی بلندی اور غیرت ہونی چاہیے (از روئے تکبر نہیں)، بلکہ اپنے لیے عزت و عظمت کا وہ راستہ پسند کرو جو تمہارے لائق ہے، وہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پسند کیا ہے۔ تم شکر کرنے والوں کے راستے کو اپناؤ نہ کہ کفر کرنے والوں کے، اپنے انجام کی فکر کرو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے انجام کو قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ [الشورى: ۷]

”ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ جہنم میں۔“

وہ دن جو حسرت اور ندامت کا دن ہوگا۔ بلکہ مخلوق کے انجام کا دن ہوگا، جیسا کہ سورت ہود

(آیت: ۱۰۵-۱۰۷) میں ہے:

﴿يَوْمَ يَأْتُ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ فَمِنْهُمْ شَقِيقٌ وَسَعِيدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَمِنَ النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿۱۰۶﴾ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾

”جب وہ دن آجائے گا اس دن کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی کر لے، سوان میں سے کوئی بد بخت ہوگا اور کوئی نیک بخت۔ لیکن جو لوگ بد بخت ہوں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں وہ چیخیں گے چلائیں گے۔ وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان و زمین برقرار رہیں گے سوائے اس وقت کے جو تمہارا رب چاہے۔ یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس دن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہ ہوگی اور انبیاء علیہم السلام کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ: ”اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ“ یا اللہ! ہمیں بچالے، ہمیں بچالے۔“^①

لہذا میری بہنو! ہمیں اپنے لیے وہ راستہ پسند کرنا چاہیے جو ہمیں بہترین انجام کی طرف لے جانے والا ہو اور میں سمجھتی ہوں کہ ہم یہ فیصلہ کر سکتی ہیں۔ آج تمہارے پاس وقت اور عقل دونوں ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں اور ہماری بہو بیٹیوں کو دینی احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، دین اسلام کے دشمنوں کی چالوں سے ہم سب کو محفوظ فرمائے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نیکی کی توفیق اور کامیابی سے نواز دے۔ آمین

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۸۰۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۹-۱۸۲)

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ پردہ اسلام کی نظر میں
- ✽ پردہ
- ✽ مسلمان عورت کا پردہ قرآن و سنت
- ✽ عورتوں کے امتیازی مسائل
- ✽ چہرے کا پردہ مستحب یا واجب
- ✽ تالیف: علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ ترجمہ: حافظ مقصود احمد
- ✽ تالیف: فضیلہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ ترجمہ: حافظ عبدالرشید اظہر
- ✽ تالیف: عبدالرزاق بن عبدالرحمن المبارک
- ✽ ترجمہ: حافظ مقصود احمد
- ✽ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: محمد اقبال کیلانی

جنات کا انسانی زندگی میں عمل دخل

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

جنات کی تخلیق:

جنات کی تخلیق آگ سے اور انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے، جیسا کہ اللہ عز و جل نے سورۃ الحجر (آیت: ۲۶-۲۷) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّمُورِ ﴿۲۷﴾﴾

”یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھاتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی گرم آگ سے پیدا کیا ہے۔“
ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۳﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ ﴿۱۴﴾﴾

[الرحمن: ۱۴-۱۵]

”اس نے انسان کو ایسی آواز دینے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح ہے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ہے۔“

مَارجِ آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں جس سے ابوالجن [ابلیس] کو پیدا کیا گیا تھا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی یہی کہا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتوں کو نور سے بنایا گیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ﴾^①

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۹۶)

”فرشتے نور سے، جن نار (آگ) سے اور آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیے گئے ہیں۔“
اس حدیث کے اعتبار سے بھی جن کی تخلیق آگ یا آگ کے شعلے سے ہوئی ہے، لیکن تاہم
جن اور انسان دونوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات: ۵۶]

جن کی تعریف:

جن کے لغوی معنی چھپنے اور پوشیدہ ہونے کے ہیں، لہذا جنات ایک مخفی اور پوشیدہ مخلوق ہیں،
وہ ہمیں دیکھتے ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے، کیوں کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور اوجھل ہوتے ہیں،
اور اسی طرح جن سے جنین لیا گیا ہے اور جنین ماں کے پیٹ کے اندر جو بچہ ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے،
کیوں کہ وہ بھی اپنی ماں کے شکم میں چھپا ہوتا ہے اور اسے بھی ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔

جنات ایک حقیقت ہے:

جنات کے بارے میں لوگوں کی آرا مختلف ہیں، چنانچہ بعض نے جنات کا سرے سے انکار کیا
ہے۔ بعض نے جن کے وجود و اثبات کی طرف اشارہ کیے بغیر صرف لفظ جن کے معنی کی تشریح کی
طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تمام امتیں جنات کا اقرار کرتی ہیں اور جنوں کے ساتھ ان کے اتنے واقعات ہیں کہ
ان کا ذکر باعثِ طوالت ہے، جنوں کا انکار صرف جاہل فلاسفہ اور اطبا وغیرہ کی ایک
معمولی جماعت نے کیا ہے، لیکن اکابر امت سے جو منقول ہے وہ یا تو جنات کا اقرار
کرتے ہیں، یا اس بارے میں انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔“^①

غرض جنوں کا وجود اُس عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کے مخفی اور پوشیدہ ہونے کے باوجود
مسلمان کو اس کے وجود پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا اہل ایمان کا اس بات پر اجماع ہے کہ
جو شخص جنوں کے وجود کا انکار کر دے وہ کافر ہے، کیوں کہ ایسا شخص قرآن و سنت کا منکر ہے۔ قرآن کریم
کی دس سورتوں کی تقریباً چالیس آیات میں جنوں کا تذکرہ آیا ہے اور قرآن کی ایک مکمل سورت

① آکام المرجان (ص: ۲۱)

(سورۃ الجن) کے نام سے موسوم ہے۔ لہذا مسلمان پر واجب ہے کہ وہ جنوں کے وجود پر مکمل ایمان رکھے اور اس میں ادنیٰ سا شک بھی نہ آنے دے۔

جنات کا نسلی سلسلہ وغیرہ:

جنات میں بھی انسانوں کی طرح مذکر اور مؤنث پائے جاتے ہیں، اسی طرح ان کے ہاں شادی بیاہ ہوتے ہیں اور ان کی پیدائش نسلی سلسلہ بھی انسانوں کی طرح ہوتا ہے۔ انسانوں کی طرح جنات سوچ بوجھ رکھتے ہیں، شرعی احکام کے پابند ہیں اور ان سے انسانوں کی طرح حساب لیا جائے گا۔ آخرت میں ان کے لیے بھی جزا و سزا ہوگی۔

جنات میں بھی مسلمان، کافر اور مختلف گروہ اور جماعتیں ہیں۔ ان میں اہل ایمان بھی ہیں جو بلا وجہ انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاتے، بلکہ بعض صالح اور نیک جنات انسانوں سے دین کا علم حاصل کرتے ہیں اور انسانوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہیں۔

البتہ ان میں سے جو کافر و فاسق اور فاجر جنات ہوتے ہیں وہ انسانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیت و تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان کافر و فاسق جنات کو عام زبان میں ”شیاطین“ کہا جاتا ہے۔ جادوگر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے انہی شیاطین جنات سے کام لیتے ہیں۔

ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ اہل کلام اور اہل زبان کے یہاں جنوں کے چند درجات ہیں:

- 1] جب وہ خالص جن کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں: جنی۔
- 2] اگر جن لوگوں کے ساتھ گھروں میں رہنے والا ہو تو اسے عامر کہتے ہیں اور اس کی جمع عمار ہے۔
- 3] اور اگر وہ بچوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے والا ہو تو ارواح کہتے ہیں۔
- 4] اگر وہ خبیث اور سرکش ہو جائے تو وہ شیطان ہے۔
- 5] اور اگر اس سے بھی بڑھ جائے تو اسے مارد (سرکش) کہتے ہیں۔
- 6] اور اگر اس سے بھی تجاوز کر جائے اور اس کا معاملہ غالب اور قوی ہو جائے تو اسے عفریت کا نام

①

دیتے ہیں، اور اس کی جمع عفریت ہے۔

① آکام المرجان (ص: ۲۱)

جنات کی خوراک:

جنات انسانوں کی طرح کھاتے بھی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ جنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کھانے کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ تمہارا کھانا ہے، وہ تمہارے ہاتھ لگے گی تو وافر

گوشت والی ہوگی، اور ہر مینگنی تمہارے چوپایوں کے لیے چارہ ہے۔“

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لہذا تم ان دونوں چیزوں سے استنجانہ کرو، کیوں کہ یہ تمہارے (جن) بھائیوں کا کھانا ہے۔“^①

انسان پر جنات کا عاشق ہونا:

کبھی جن کو انسان سے عشق ہو جاتا ہے اور وہ اسے طلب کرنے لگتا ہے، جیسا کہ خود انسانوں میں باہم عشق ہو جاتا ہے، چنانچہ اس عشق و طلب میں جن اپنے معشوق انسان پر سوار ہو جاتا یا چٹ جاتا ہے۔

انسان و جن کی شادی؟

کیا ایسا ممکن ہے، جیسا کہ کبھی کبھی سننے میں آتا ہے کہ فلان آدمی نے جن عورت سے شادی کر لی یا انسانوں میں سے کسی عورت نے جن کو شادی کا پیغام دیا ہو۔ اس سلسلے میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سلف سے بہت سے ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جنوں میں شادی بیاہ ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”مجموع الفتاویٰ“ (۱۹/۳۹) میں رقم طراز ہیں:

”کبھی کبھی انسان اور جنات آپس میں نکاح کرتے ہیں اور ان کی اولاد بھی ہوتی ہے، یہ

چیز بہت مشہور اور عام ہے۔“ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

﴿وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ [بنی اسرائیل: ۶۴]

”ان کے مال اور اولاد میں شریک بن جا۔“

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۵۰)

مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح مولیثیوں کو بتوں کے ناموں پر وقف کر دینا، مثلاً: بچہ اور سائبہ وغیرہ۔ اولاد میں شرکت کا مطلب زنا کاری، عبدالمات اور عبدالعزیٰ وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو تنگ دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو مجوسی، یہودی اور نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر مسنون دعا پڑھے بیوی سے ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے جنوں سے شادی کرنے سے منع کیا ہے۔ اسی طرح فقہاء کا یہ کہنا کہ جنات اور انسانوں میں شادی جائز نہیں، نیز تابعین کا اس کو مکروہ سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیز ممکن ہے، اگر ممکن نہ ہوتی تو شریعت میں اس کے جواز و عدم جواز کا فتویٰ نہ لگایا جاتا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جنات آتشیں عنصر سے بنے ہیں اور انسان چار عناصر (ہوا، مٹی، آگ، پانی) سے مرکب ہے، لہذا آتشیں عنصر کی وجہ سے جن عورت کے رحم میں انسان کا نطفہ ٹھہرنا ممکن نہیں، کیوں کہ انسان کے نطفے میں رطوبت ہوتی ہے جو آگ کی گرمی سے خشک ہو کر ختم ہو جائے گی، بالفرض اگر یہ چیز ممکن ہوتی تو شریعت میں اس کو حلال قرار دیا جاتا۔ اس اعتراض کا جواب کئی پہلوؤں سے دیا جاسکتا ہے:

اول یہ کہ جنات آگ سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اب وہ اپنے آتشیں عنصر پر باقی نہیں ہیں، بلکہ کھانے پینے اور توالد و تناسل کے عمل سے دوسری حالت میں بدل گئے ہیں، جیسا کہ آدم کی اولاد اس عمل کی وجہ سے مٹی کے عنصر سے دوسری حالت میں بدل گئے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جنات کا باپ خالص آگ سے پیدا ہوا تھا، جیسا کہ انسانوں کے باوا آدم ﷺ خالص مٹی سے بنے تھے، لیکن باپ کے علاوہ آدم ﷺ کی اولاد میں سے کوئی بھی مٹی سے نہیں پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح جنات کے باپ کے سوا جنات کا کوئی فرد آگ سے نہیں بنا، اس کی دلیل نبی ﷺ کی اس حدیث سے ملتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں مجھے شیطان نظر آیا تو میں نے اس کا گلا گھونٹا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو اپنے ہاتھ میں اس کی زبان کی برودت و ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے:

”میں اس کا گلا گھونٹتا رہا یہاں تک کہ اس کا لعاب ٹھنڈا ہو چلا اور اس کی زبان ٹھنڈی ہو گئی۔“^①

① جن اور شیاطین کی دنیا، تالیف: ڈاکٹر عمر سلیمان الاشرق، ترجمہ: عبدالسلام سلفی۔

شیطان کا لعاب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آتشیں عنصر سے منتقل ہو چکا ہے، اگر وہ اپنی اصل حالت پر برقرار رہتا تو اس میں ٹھنڈک کیسے ہوتی؟

جنات کی رہائش:

جنات کی رہائش عموماً غیر آباد جگہوں پر ہوتی ہے، مثلاً، صحراؤں، جنگلوں، پہاڑی وادیوں اور گھاٹیوں میں۔^① لیکن بعض اوقات آبادی میں غلیظ جگہوں پر بھی ہوتی ہے مثلاً: حمام (ٹائیلٹ) اور غلاظت کے ڈھیر وغیرہ میں بھی جنات رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ دراڑوں، غاروں، اونٹوں کے باڑوں، قبرستانوں، یا کھنڈرات، اور بازاروں میں عام ہوتے ہیں۔^②

اور ایسے گھر، جہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر، تلاوت قرآن، نماز اور مسنون دعاؤں کا اہتمام نہ ہو یا جہاں پر موسیقی اور گانا بجانا عام ہو اور جہاں عورتوں کی بے حجاب، عریاں یا نیم عریاں تصاویر وغیرہ ہوں، وہاں بھی شیاطین جن رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔ فحاشی اور بے حیائی کے تمام اڈوں پر بھی شیاطین جن قیام پذیر ہوتے ہیں۔

جنات کی محبوب چیزیں:

شیاطین جنات کے بعض مرغوب اعمال اور مرغوب چیزیں اور مقامات یہ ہیں (یعنی جنہیں وہ پسند کرتے ہیں):

- 1- کفر و شرک اور اس کے مراکز، مثلاً: مزار اور خانقاہیں وغیرہ۔
- 2- موسیقی، ناچ گانا اور اس کے اڈے۔
- 3- عورت کا تہا گھر سے نکلنا۔
- 4- غیر محرم مرد اور عورت کا خلوت اختیار کرنا۔
- 5- غیر محرم مردوں، عورتوں کی مخلوط مجالس۔

یاد رہے کہ جادو کا علاج کرنے والے اہل علم کے نزدیک عورتوں کے کھلے بال، سرخ ہونٹ

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۰)

② سنن أبي داود، رقم الحدیث (۶) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۲۹۶) صحیح مسلم مع شرح النووی

(۱۷۵۷/۶) مسند أحمد (۶/۲۸۸)

اور لمبے ناخن شیطین جنات کے عورتوں کی طرف فوری راغب ہونے کا باعث بنتے ہیں۔

6- لڑائی اور جھگڑا خصوصاً میاں بیوی کے درمیان۔

7- انسانوں کے اموال میں شرکت کرنا، حرام مال کمانے اور ناجائز خرچ کرنے کی راہ پر لگانا۔

8- انسانوں کو کفر و شرک اور دیگر فسق و فجور کے کاموں میں مبتلا کرنا۔

9- بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے انسانوں کے کھانے پینے وغیرہ میں شرکت کرنا۔

10- نجاست والی اشیا۔

11- نومولود بچوں کو تکلیف پہنچانا۔

12- حاملہ خواتین کو تکلیف پہنچانا۔

یہ سب شیطین جنات کے پسندیدہ کاموں میں سے ہیں۔

جنات کی اقسام:

جنوں کی تین قسمیں ہیں:

1- ہو امیں اڑنے والے۔

2- سانپوں اور کتوں کی شکل میں پھرنے والے۔

3- ڈیرہ لگانے اور کوچ کر جانے والے۔

جن شکلیں بدل کر کبھی انسان، حیوان، سانپ، بچھو، کبھی اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا، خچر، گدھا اور کبھی کوئی پرندہ بن سکتے ہیں۔^(۱) اکثر اوقات وہ کالے کتے اور کالی بلی کی شکل اختیار کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کالا رنگ عموماً باطل و شیطانی قوتوں کے لیے ہی زیادہ موزوں ہوتا ہے۔^(۲)

جنات کے منتشر ہونے کے اوقات:

شام سورج غروب ہونے سے لے کر صرف ایک گھڑی رات گزرنے کے بعد تک، جب تک کہ خوب تاریکی و اندھیرا رہتا ہے، یہ جنات کے پھیلنے کے اوقات ہیں۔ اسی لیے اس وقت نبی ﷺ

(۱) رسالة الجن لابن تیمیة (ص: ۳۲)

(۲) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (۵۲/۱۹)

نے بچوں کو گھروں میں روک کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔^①

نبی ﷺ نے بعض دیگر تدابیر اور احتیاطیں بھی بتائی ہیں، مثلاً: آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اپنے دروازے بند رکھا کرو، اپنے کھانے پینے کے برتنوں کے منہ ڈھانپ کر رکھو، اپنے چراغ بجھا کر سویا کرو، اپنے مشکیزوں (پانی کے برتنوں) کے منہ بند کر کے رکھا کرو، شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا، ڈھکنا نہیں اٹھاتا، نہ مشکیزوں کا تسمہ کھولتا ہے اور چوبیا تو گھر والوں سمیت گھر کو آگ لگا دیتی ہے۔“^②

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

”سال میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس میں وبا (پجاری) اترتی ہے۔ اور وہ جس کھانے کے ننگے برتن یا کھلے منہ والے پانی کے مشکیزے (برتن) کے پاس سے گزرتی ہے اس میں داخل ہو جاتی ہے۔“^③

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اگر کسی کے لیے برتن کا ڈھکنا نہیں۔ بلکہ صرف یہی ممکن ہے کہ وہ برتن کے منہ پر کوئی لکڑی کا ٹکڑا (چھڑی وغیرہ) رکھ دے اور اس پر اللہ کا ذکر کر دے: (بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ دے) تو یہی کر لے...“^④

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھ کر گھر کا دروازہ کھولتا ہے اور داخل ہو جاتا ہے اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیتا ہے تو اس وقت شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: تمہارے لیے (یہاں) نہ رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا ہے۔“

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۶۲۳)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۳۰۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۱۲)

③ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۱۴) مسند أحمد (۳/۳۵۵)

④ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۱۲)

جب گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی۔ اور جب کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو وہ کہتا ہے: ”تمہیں رات گزارنے کو ٹھکانا بھی مل گیا اور رات کا کھانا بھی مل گیا“^①

جب کھانا کھانے لگیں تو کہیں: ”بِسْمِ اللّٰهِ“ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں)^②۔ اور جب شروع میں یہ کہنا بھول جائیں تو کھانے کے دوران میں یاد آتے ہی یہ کلمات کہیں: ”بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ“^③

”اللہ ہی کے نام کے ساتھ (کھاتا ہوں) اس کے شروع میں اور آخر میں۔“

اور جب کھانے سے فارغ ہوں تو یہ دعا کریں:

«الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ»^④

”ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری کسی بھی طاقت و قوت کے بغیر مجھے یہ کھانا عطا کیا۔“

دوسری معروف دعا کی سند پر محدثین کرام نے کلام کیا ہے۔

جنات کے سبب لاحق ہونے والے امراض اور نقصانات:

میری بہنو! یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو بعض غیر معمولی طاقتیں عطا فرمائی ہیں، مثلاً: تیز رفتار سے حرکت کرنا، فضا کی (ایک حد تک) بلندی میں پرواز کرنا، مختلف شکلیں بدلنا، انسانی جسم میں خون کی طرح گردش کرنا، انسانی خیالات و افکار پر اثر انداز ہونا، یعنی وساوس پیدا کرنا، انسانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچانا۔ جنات انسان کے لیے بہت سارے امراض کا سبب بنتے ہیں، یا انسان کی نفسیات و مزاج یا جسم و جائیداد یا تجارت یا دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات یا اس کی تعلیم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں:

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۱۸)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۰۶۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۲۲)

③ سنن أبي داود، رقم الحدیث (۳۷۶۷) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۱۸۵۸)

④ سنن أبي داود، رقم الحدیث (۴۵۲۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۴۵۸)

1- نفسیاتی اور اعصابی امراض (جیسے پاگل پن، غم، قلق اور بے چینی، مرگی، وسوسے اور شخصیت میں خلل واقع ہو جانا)

2- اعضاء و جوارح کے ایسے امراض (جن کے علاج سے طب قاصر ہو اور اس کا کوئی طبی سبب ظاہر نہ ہو)۔ اور اگر انسان پر جن کا تسلط جادوگر کے ذریعے ہوا ہے تو جن کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ انسان کی نگاہ میں چیزوں کو غیر حقیقی شکل میں پیش کرے۔ چنانچہ شوہر اپنی بیوی کو قبیح اور قابل نفرت شکل میں دیکھتا ہے، اسی طرح بیوی بھی اپنے شوہر کو قبیح اور قابل نفرت شکل میں دیکھتی ہے۔ چنانچہ دیکھنے والے کے یہاں اس کا ایسا رد عمل پیدا ہوتا ہے کہ ان کا دل تنگ ہو جاتا ہے، حالانکہ ہر ایک کی شکل اپنی اصل حالت پر باقی رہتی ہے، اصلاً اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

اسی طرح شیطان ایسے حیلوں کا ماہر ہے جن کے ذریعے وہ گہرے تعلقات والوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیتا ہے، خواہ وہ شریک تجارت ہو یا دوست ہو یا افرادِ خاندان، چنانچہ ایک ادنیٰ ترین سبب پر بھی ان میں شدید اختلاف بھڑک اٹھتا ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر مصر ہوتا ہے، اور جب کوئی تیسرا ان کے درمیان اصلاح کی غرض سے مداخلت کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق بجانب سمجھ رہا ہے، کیوں کہ شیطان اس وقت ان دونوں کے دل و دماغ کے ساتھ کھیل رہا ہوتا ہے۔ اور پھر نتیجہ کیا نکلا؛ دونوں ہی ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔

انسان پر جنات کے مسلط ہونے اور ایذا پہنچانے کے اسباب:

ایک خاص بات یہ ہے کہ جن کے لیے انسان کے جسم میں داخل ہونا یا کسی شکل میں اس کے سامنے آنا آسان کام نہیں، کیوں کہ ایسی حالت میں وہ اپنے نفس کو جسم انسانی میں محبوس کر کے خود کو قرآنی علاج کے عذاب کے لیے پیش کرتا ہے، یا کوئی شکل اختیار کر کے سامنے آنے کی صورت میں موت و ہلاکت کا خطرہ مول لیتا ہے، کیوں کہ وہ جس شکل میں ظاہر ہوگا اسی کا محکوم ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر وہ مثال کے طور پر بلی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور آپ نے اس بلی کو نیزہ مار کر قتل کر دیا تو جن قتل ہو جائے گا۔ اسی طرح ہی انسان کبھی غیر شعوری طور پر جنات کو تکلیف پہنچاتا ہے، مثلاً: اس کے اوپر گر پڑتا ہے، یا اس پر پتھر پھینک دیتا ہے، یا پیشاب کر دیتا ہے، یا گرم پانی ڈال دیتا ہے، کیوں کہ یہ ہمیں نظر نہیں آتے چنانچہ انتقام کے طور پر پھر جن اس کو اس کی غلطی سے زیادہ تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

نسوانی امراض:

جنات عورتوں کے بعض مخصوص امراض کا بھی سبب بنتے ہیں، (جیسے بانجھ پن، استحاضہ یا خون کا رستے رہنا، ماہواری کا باقاعدگی سے نہ آنا، جسم کے مختلف حصوں میں سوزش و جلن وغیرہ)۔ مثال کے طور پر ایسا بانجھ پن جس کا کوئی طبی سبب نہ ہو، چنانچہ تشخیص کے وقت یہ پتا چلتا ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی میں بھی کوئی ایسی کمی نہیں جو طبی اعتبار سے استقرارِ حمل سے مانع ہو، اس کے باوجود حمل قرار نہیں پاتا۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بعض شریر عناصر جادو کی مدد سے کسی جن کو مرد پر مسلط کر کے اس کے جسم میں موجود جراثیم و لادت متاثر کر دیتے ہیں، یعنی یہ جن منی کے کیڑوں کو مار ڈالتا ہے۔ اسی طرح ہی جب کسی عورت پر مسلط کر دیتے ہیں تو وہ جن رحم میں انڈوں کی جگہ پر موجود ہوتا ہے اور انڈوں کو خراب کر دیتا ہے، اس حالت کے چند طبی عوارض ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

- 1- عورت کا کمر میں شدید تکلیف محسوس کرنا۔ 2- ماہواری کی خرابی۔
- 3- رحم کے حصے میں جلن اور تکلیف۔ 4- کبھی کبھی بے وقت خون آنے کی شکایت۔

صحیح بخاری کی حدیث میں نبی ﷺ کے ایک ارشاد سے پتا چلتا ہے:

”شیطان انسان کے اندریوں گردش کرتا ہے جیسے اس کے جسم میں خون دوڑتا ہے۔“⁽¹⁾

جادو کے ذریعے عورت پر مسلط کیا ہوا جن اس کے رحم پر چوکا مارتا یا ایڑ لگاتا ہے جس کے نتیجے میں اس سے مسلسل تھوڑا تھوڑا خون رسنا شروع ہو جاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے:

”یہ حیض نہیں، بلکہ ایک رگ (کا خون) ہے۔“⁽²⁾

جنسی امراض:

اسی طرح جنات کبھی کبھی آدمی کو اپنی بیوی سے صحبت کرنے پر غیر قادر بنا دیتے ہیں، جب کہ وہ تندرست ہوتا ہے۔ یہ عدم قدرت شوہر کی طرف سے بھی پیش آسکتی ہے اور بیوی کی طرف سے بھی، مثلاً: صحبت کے وقت کبھی کبھی عورت کا گھٹن محسوس کرنا، صرف اور صرف شوہر کو خوش رکھنے کی

(1) صحیح البخاری (۴/۲۸۲)

(2) سنن أبي داود، رقم الحديث (۲۸۷)

خاطر صحبت کے لیے تیار ہونا۔ ایسے ہی بعض دوسرے عوارض بھی ظاہر ہوتے ہیں، جیسے: سردرد، پریشان حال خواب دیکھنا اور ہاتھ پاؤں کا سن ہو جانا وغیرہ۔

نیند کی حالت میں پیش آنے والے عوارض و حالات:

1- بعض لوگ جادو کے ذریعے جنات کی مدد سے کسی کو اس مرض میں مبتلا کروادیتے ہیں کہ خواب میں خوفناک ڈراؤنے و مختلف قسم کے جانور اور مختلف شکلوں کا دیکھنا، بلندی سے نیچے گرنا اور عجیب و غریب قسم کے انسانوں اور سانپوں کا دیکھنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے، اسی طرح کبھی انسان اس طرح کا خواب مسلسل دیکھتا ہے کہ کوئی عورت اس سے صحبت کرانا چاہتی ہے یا اس کے برعکس وہ کسی عورت سے صحبت کرنا چاہتا ہے، یا کوئی شخص اسے دھمکی دے رہا ہے وغیرہ۔

2- بے خوابی، بے چینی اور نیند کی حالت میں گھبرا کر اٹھ جانا۔

3- نیند کی حالت میں بلند آواز سے باتیں کرنا، یا سسکنا اور آہیں بھرنا۔

جن کا انسان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنا:

جب کسی انسان پر کوئی جن مسلط کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ انسان بیداری کی حالت میں ڈرنے لگتا ہے اور اسے نامعلوم آوازیں آنے لگتی ہیں مگر پکارنے والا نظر نہیں آتا، جس سے وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے، اور کبھی کبھی اسے بعض چیزیں نظر آتی ہیں، اور کبھی اسے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ گھر کے اندر کوئی شخص اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں شیاطین کو بہت زیادہ طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں اللہ تعالیٰ سے شیطان کے مقابلے میں مدد و نصرت طلب کر لیں اور پناہ طلب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نصرت اور پناہ عطا فرماتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جنات کی طرف سے پیش آنے والے مرض کا سبب جاننے کے لیے اس کی تشخیص ضروری ہے، جس طرح ان امراض کی تشخیص کی جاتی ہے جن کا کوئی طبی سبب ہوتا ہے، اسی طرح یہ تشخیص بھی ضروری ہے، کیوں کہ جب معالج کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس مرض کے لگنے کا سبب جنات ہیں تو اسی کی بنیاد پر اس کا علاج کرے گا۔ چنانچہ اگر انسان کو جادو کے ذریعے

جن لگایا گیا ہے تو اس کے لیے خاص علاج سے اسے دفع کیا جائے گا، اگر نظر بد کے ذریعے مرض لاحق ہوا ہے تو نظر بد کے لیے خاص علاج استعمال کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر مرض کے اعتبار سے اس کا مناسب حال علاج استعمال کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جن والے شخص پر جب قرآن پڑھا جائے تو عموماً اس مریض کو مرگی جیسا دورہ پڑے گا اور اس کی زبان سے جن بولنے لگے گا۔

جن کا انسان پر حملہ کرنا:

انسان کو جن کب نقصان دیتا ہے؟ یا اس پر ظلم و زیادتی اور بلا سبب کب حملہ کرتا ہے؟ یہ عموماً صرف چار قسم کے حالات میں ہی ممکن ہے، کیوں کہ عام حالات میں جنات کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو اپنی گرفت میں لے سکیں۔ لہذا وہ چار مواقع آپ کو بتانا چاہتے ہیں:

1- انسان جب سخت غصہ اور غضب کی حالت میں ہو۔ ایک متکلم فیہ، لیکن بعض محدثین کے نزدیک حسن درجہ کی حدیث میں ہے:

”غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، چونکہ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے وضو کر لینا چاہیے۔“^(۱)

2- یا پھر کسی وجہ سے انتہائی خوف و ڈر سے گھبرا جائے۔

3- یا انسان انتہائی شہواتِ نفسانی و خواہشات میں غرق ہو جائے۔

4- یا پھر سخت قسم کی غفلت و لاپرواہی میں ڈوبا ہوا ہو، یعنی ایک ایسا انسان جسے نہ نماز کی پروا، نہ حلال و حرام کی فکر، نہ ذکر و اذکار اور نہ تلاوت قرآن کی ضرورت۔ نہ اپنے رب ذوالجلال سے ملاقات کا شوق اور نہ ہی یومِ حساب کی کوئی فکر، بس ایک ہی لگن میں لگن ہے کہ صرف دنیا دنیا اور دنیا ہی حاصل کرنی ہے۔ اس میں ہی میرے لیے ہر قسم کی خوشیاں ہیں۔

اس قسم کے دولت مند لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ پتا نہیں دل کو سکون کیوں نہیں! لہذا دل کے سکون کے لیے اس قسم کی بے پروائیوں اور اس حقیر دنیا سے بچنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو سکون بھی عطا فرمائے گا اور آپ کی مدد بھی ضرور کرے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۱) سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۷۸۴) مسند أحمد (۴/۲۲۶) شرح السنة للبغوي (۱۳/۱۶۱) فقه كتاب و سنت (ص: ۱۴۷)

بلا سبب آگ بھڑک اٹھنا:

اللہ تعالیٰ نے جنات کو یہ طاقت بھی عطا فرمائی ہے کہ انسان کے مکانات اور جائداد کے ساتھ کھلوڑ کریں اور ان کو نقصان پہنچائیں (جیسے آگ لگا دینا، سامان الٹ پلٹ کر دینا، گھر پر پتھر برسانا)۔ یہ امر واقع ہے، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے، اس سلسلے کے بعض سچے واقعات میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ ایک سعودی شہری منیف حربی، جو ریاض کے مشرقی محلہ ’نسیم‘ کا رہنے والا ہے، بغیر کسی ظاہری سبب کے اس کے گھر کے ہر کونے میں آگ بھڑک اٹھتی تھی، مگر یہ شخص اور دیگر حاضرین اور فائر بریگیڈ کا عملہ مل کر بھی اس گھر میں آگ بھڑکنے کی کوئی وجہ بیان نہیں کر سکے، جبکہ یہ آگ اتنی شدید تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو وہ اس کی زندگی کو جہنم بنا دیتی۔ جب آگ کے لگنے کا کوئی سبب نہیں ملا تو بات واضح ہے کہ یہ کام صرف اور صرف جن کا تھا۔^①

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر کے اندر کہیں کہیں خون کے چھینٹے نظر آتے ہیں۔ یہ کام جادوگر جن کے ذریعے کرواتا ہے اور کبھی سر کے کچھ حصے سے بال کاٹ لیے جاتے ہیں اور اسے پتا نہیں لگتا۔ اسی طرح گھروں کے اندر بند الماری میں سے کپڑوں کا کچھ حصہ کٹ جانا، پیسے اور زیورات کا چوری ہو جانا وغیرہ ان سب کاموں کو جن سر انجام دیتے ہیں۔

جن کی حاضری کی علامات:

جن کے انسانی جسم میں حاضر و ظاہر ہونے کی بعض علامات ہیں، مثلاً:

- 1- مریض کا اپنی آنکھوں کو بند رکھنا۔
- 2- نگاہیں جھکی ہوئی ہونا۔
- 3- یا ہاتھوں کو آنکھوں پر رکھ دینا۔
- 4- سر یا سینے یا پھر معدے میں اچانک درد کا شروع ہو جانا۔
- 5- ہاتھ پاؤں کا سن ہو جانا۔
- 6- یا جسم کے کسی حصے کا بے جان ہو جانا۔

① جریدہ ’المسلمون‘ (شمارہ نمبر: ۳۳۸) مئی ۱۵، ۱۴۱۲ھ، مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۹۱ء (ص: ۳)

- 7- یا جسم اور اعضا میں کپکپی کا شروع ہو جانا۔
8- چیخ و پکار کرنا اور اپنے نام کی صراحت و وضاحت کرنا وغیرہ۔

روحانی و طبی علاج اور دوائیں:

ادویات سے بیماریوں کا علاج تو محض ایک جائز وسیلہ ہے، اصل بات تو اللہ تعالیٰ کا امر ہے، اگر امر الہی نہیں تو شفا حاصل نہیں ہو سکتی، لہذا بنیادی بات تو ایمان کی ہے۔ اگر آپ کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات پر مضبوط ہے تو اس قسم کے تمام امراض کا علاج اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں موجود ہے۔ لہذا علاج بھی ہم اسی سے شروع کرتے ہیں، کیوں کہ قرآن کریم ہر مسلمان کے گھر میں ہوتا ہے، سب سے پہلے آپ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمِّهِ وَ نَفْخِهِ وَ نَفْثِهِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھیں۔

پھر (1) سورة الفاتحة، (2) سورة البقرہ کی پہلی ۵ آیات، (3) سورة البقرہ کی آیت ۱۰۲، (4) سورة البقرہ آیات ۱۶۳-۱۶۴، (5) آیت الکرسی [البقرہ، ۲۵۵]، (6) سورة البقرہ کی آخری دو آیات، (7) سورة آل عمران آیات ۱۸-۱۹، (8) سورة الاعراف آیات ۵۴ تا ۵۶، پھر اسی سورت کی آیات ۱۱۷ تا ۱۲۲ کو بار بار پڑھیں، (9) سورت یونس آیات ۷۹ تا ۸۲، (10) سورة طہ آیات ۳۹-۶۵ تا ۶۹، (11) سورة المؤمنون کی آخری چار آیات، (12) سورة الصافات کی آیات ۱ تا ۱۵، (13) سورة الاحقاف آیات ۲۹ تا ۳۳، (14) سورة الرحمن آیات ۳۳ تا ۳۶، (15) سورة الحشر آیات ۲۱ تا ۲۴، (16) سورة التغابن آیات ۱۴-۱۵، (17) سورة الجن آیات ۱ تا ۹، (18) سورة القلم آیت ۵۱، (19) سورة الاسراء (بنی اسرائیل) آیت ۸۲، (20) سورة الکافرون، (21) سورة الاخلاص تین بار، (22) سورة الفلق تین بار، (23) سورة الناس تین بار۔

آپ ان آیات اور سورتوں کو حسب ضرورت صبح و شام یا دن میں کسی بھی وقت پڑھ کر مریض کے سر پر ہاتھ رکھ کر دم کریں اور اگر وہ مریضہ ہے اور غیر محرم ہے تو اس کا یا اس کے کسی محرم کا ہاتھ رکھوا کر دم کریں۔

واضح رہے کہ جادو کے ذریعے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے قابل نہ چھوڑنے والی بیماری

کے علاج کے لیے سبز بیری کے سات پتے لے لیے جائیں اور انھیں اچھی طرح پیس لیں اور ایک برتن میں اتنا پانی اور یہ مالیدہ ڈال لیں جو غسل کے لیے کافی ہو، اور پھر ان مذکورہ سورتوں اور آیات کو اس پانی پر پڑھنے اور دم کرنے کے بعد کچھ پانی پییں اور باقی سے غسل کر لیں، ان شاء اللہ بیماری کا نام و نشان نہیں رہے گا، شفاء کامل ہوگی اور کئی بار استعمال کی ضرورت پڑے تو کئی بار یہ علاج دہرانے میں کوئی مضائقہ نہیں، حتیٰ کہ بیماری ختم ہو جائے۔^①

1- نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے اور ائمہ و اہل علم کے آزمائے ہوئے سابقہ قرآنی و روحانی علاج کے علاوہ طبِ نبوی ﷺ کی دوائیں بھی اس سلسلے میں بڑی مفید ہیں، چنانچہ شہد کو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ نے بھی باعثِ شفا قرار دیا ہے۔ [النحل: ۶۹]^②

لہذا مریض صبح کے وقت نہار منہ حسبِ طبیعت دو چار چمچ شہد کھالے اور رات کو سوتے وقت گرم پانی کے ایک کپ کو شہد سے میٹھا کر کے اہل تجربہ علما کے بقول پوری سورۃ الجن پڑھ کر اس پانی پر دم کر کے اسے پلا دیں۔ تقریباً ایک ہفتے کے عمل سے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ۔ تعویذ گنڈوں کے اثرات، جن و آسیب یا سایہ اور اسی وجہ سے طاری ہونے والی مرگی ختم ہو جائے گی۔^③

2- صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے حبہ سوداء (کلونجی Black Seeds) کو موت کے سوا ہر مرض کے لیے باعثِ شفا قرار دیا ہے۔^④

3- زیتون کا (درخت اور پھل) بڑا بابرکت ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔^⑤
لہذا زیتون کھانا اور اس کا تیل پینا اور لگانا (استعمال کرنا) چاہیے۔

4- عجوہ یا مدینہ منورہ کی کوئی یا کہیں کی بھی کھجور کے سات دانے صبح نہار منہ مریض کو کھلائیں۔

5- مریض کو روئے زمین کا سب سے افضل و اشرف اور مبارک پانی ”زرمز“ پلائیں جو ارشادِ نبوی ﷺ

① فتاویٰ الشیخ ابن باز (۲۲/۱)، رقم: ۸۰۱۶ (۱۴۰۵ھ)

② صحیح البخاری (۴/۴۳۲)

③ معجزاتِ شفاء لابن فداء محمد عزت (ص: ۳۲)، فتح الحق المبین شیخ سامی مبارک۔ الدمام (ص: ۱۵۱)

④ صحیح البخاری مع الفتح (۱۰/۱۵۰)، رقم الحدیث: (۵۶۸۷)

⑤ دیکھیں: سورۃ النحل [آیت: ۱۱] المؤمنون [آیت: ۲۰] بلفظ شجرة، عبس [آیت: ۲۹] التین [آیت: ۱]

کی رو سے غذا^① اور ایک حدیث کی رو سے باعثِ شفا بھی ہے۔^②

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کے بڑے فوائد ذکر کیے ہیں۔^③

6- قرآن کریم کی رو سے بارش کا پانی بھی بڑا باعثِ برکت ہے۔ [ق: ۹]

لہذا مریض کو بارش کا پانی پلانا اور اس کا بارش میں نہانا بھی مفید ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں خود نبی اکرم ﷺ کا بارش کے چھینٹے اپنے جسم مبارک پر ڈالنا ثابت ہے۔

7- غسل کرنا اور کم از کم ہر جمعہ کو^④ اور ہر وقت صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنا۔ ایک حدیث کی رو سے خوشبو لگانا نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ عمل ہے۔^⑤

فرشتے خوشبو پسند کرتے ہیں اور جن و شیاطین اس سے دور بھاگتے ہیں۔ لہذا خوشبو سے استفادہ کیا جائے۔ غرض روحانی (کتاب و سنت کی دعائیں) اور مادی و طبی ہر طرح کا علاج کیا جائے۔ جو لوگ دنیا میں اطمینان، سکون، قناعت، آسودگی، خوشحالی اور حقیقی مسرت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اپنے گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت، سماعت، تعلیم اور تدریس کا ماحول پیدا کریں۔^⑥

والدین خود صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کریں اور پھر باقاعدگی سے قرآن مجید کی تلاوت کریں، اور گھر میں قرآن کریم کی قراءت باقاعدگی سے روزانہ کسی نہ کسی وقت لگا کر خود بھی سنیں اور بچوں کو بھی سنائیں۔ قرآن کریم کے ساتھ اپنا تعلق جتنا گہرا ہوتا جائے گا، اسی قدر آپ قلبی اور ذہنی سکون محسوس کرنے لگیں گے۔ غیر محسوس طریقے سے دیگر روحانی اور جسمانی بیماریوں سے بھی آپ کو شفا حاصل ہوتی چلی جائے گی، جیسا کہ سورت یونس (آیت: ۵۷) میں ارشادِ الہی ہے:

① صحیح مسلم (۴/۱۹۲۲، رقم الحدیث: ۲۴۷۳)

② مسند طیالسی (ص: ۶۱) مسند البزار (۲/۸۴) السلسلة الصحيحة للالبانی، رقم الحدیث (۱۰۵۶)

③ زاد المعاد (۴/۳۵۶) نیز دیکھیں: سوائے حرم، ابوعدنان (ص: ۲۸۸-۲۹۵، طبع دوم)

④ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۸۲۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۶۶)

⑤ مسند أحمد (۳/۱۲۸) سنن النسائی، رقم الحدیث (۳۹۴۰) اس حدیث کو امام حاکم، ذہبی اور البانیؒ نے صحیح کہا ہے۔

⑥ زاد المعاد (۴/۳۰۸)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت
ہے (یعنی قرآن) اور دلوں میں جو بیماریاں ہیں ان کے لیے شفا ہے، اور یہ ہدایت (یعنی
راہنمائی کرنے والی ہے) اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔“

عام بیماریوں سے شفا کا پتا سورۃ الاسراء (آیت: ۸۲) اور سورۃ حم السجدہ (آیت: ۲۴) سے
لگتا ہے کہ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے حاسد، ساحر اور نظر بد لگانے والے کا شر دفع کیا جاسکتا
ہے، لیکن اس سے مفید تر ایک بات یہ ہے کہ انسان کلی طور پر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو اور اسی پر
اس کا بھروسا ہو اور اس کے بغیر کسی کا خوف نہ ہو اور نہ کسی سے امید رکھے، اس کا دل اللہ تعالیٰ کے
بغیر کسی اور کے ساتھ لٹکا ہوا نہ ہو اور نہ وہ کسی دوسرے کو مصیبت کے وقت پکارے، نہ کسی سے فریاد
کرے، کیوں کہ جس کے دل میں کسی دوسری چیز کی محبت ہو اور اس کے ساتھ اس کا دل معلق ہو، یعنی
اس کی امید کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات پاک نہ ہو، یا کسی دوسرے کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہو
تو وہ دل اسی غیر کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ اپنی
نگہبانی اٹھا لیتا ہے، یہی اللہ کا قانون اور حکمت ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

غرض تعویذ، جن، جادو اور نظر بد کی تاثیر برحق ہے، لیکن اللہ کے حکم کے بغیر یہ کسی کو نہ نفع دے
سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہر حال میں صبر و توکل اور خلوص اللہ سے کام لیں اور توبہ تائب
ہوتے رہیں اور تمام شرکیات و بدعات سے مکمل اجتناب کریں، کیوں کہ شرک خود ایک ظلم ہے۔ جیسا کہ
سورت لقمان آیت ۱۳ میں فرمان الہی ہے: ”اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔“
یہاں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں، بلکہ شرک ہے۔ لہذا جن، جادو اور نظر بد کے علاج کے لیے
آپ کو کہیں بھی جانے کی ضرورت ہرگز نہیں۔ گھر میں ہی قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کے ذریعے
ان کا علاج کریں۔ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، اس میں مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے شفا
اور ہدایت کی خوشخبری دی ہے اور کہیں پر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ
سورۃ النمل (آیت: ۷۷) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنذَرْتُكَ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”اور یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔“

سچ بات تو یہی ہے کہ اللہ کے کلام پاک میں ہر قسم کی شفا ہے تو پھر کیوں نہ ہم کہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنا پاک کلام پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اور ہمیں اپنے پاک پیغمبر ﷺ کے طریقے پر چلنے میں ہماری مدد فرما، اور زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ تعلق جوڑنے کی توفیق عطا فرما۔ اور جن، جادو، حسد، نظر بد، یعنی ہر قسم کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ۔ اللہ! ہم دونوں جہانوں میں باعزت، مطمئن اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے لیے تیری رحمت کے محتاج ہیں۔ اے میرے رب! ہم پر رحم فرما: اللہ! ہمیں معاف فرما دے، ہمارے گناہوں سے درگزر فرما، اللہ! تو رحمان بھی تو رحیم بھی تو عفو غفور بھی ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی آقا و مالک نہیں اور نہ ہی کوئی مددگار ہے، اللہ! ہم سب پر رحم فرما۔ آمین ثم آمین

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر۔
- ✽ تفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ جن اور شیاطین کی دنیا تالیف: ڈاکٹر عمر سلیمان الاشقر، ترجمہ: عبدالسلام سلفی
- ✽ تعویذ گنڈوں اور جادو و جنات کا علاج تالیف: شیخ ابو عدنان محمد منیر قمر رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ جادو اور آسیب کا کامیاب علاج تالیف: ابو منذر خلیل ابراہیم

اللہ کی بے پایاں نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت... زبان

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

سورۃ النور (آیت: ۲۴) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

”جس دن ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی

گواہی دیں گے۔“

1- زبان اللہ کی نعمت ہے:

میری بہنو! اللہ وحدہ لا شریک نے انسان کو جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سے ایک زبان ہے جو کہ بہت بڑی نعمت ہے، اس کے ذریعے ہم اپنے دل کے حال کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ اس کا صحیح اور درست استعمال کرنا دراصل اس نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ کسی کی خیر خبر پوچھ سکتے ہیں، کسی کو کچھ بتا سکتے ہیں۔ اور اگر اس کا غلط استعمال کیا جائے تو یہ اس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کے مترادف ہو جائے گا، کیوں کہ بھلائی و برائی میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔ ایمان اور کفر کی شہادت بھی زبان سے ہی ہوتی ہے۔ جو اسے آزاد اور بے لگام رکھتا ہے اسے شیطان کے راستے پر چلاتی ہے اور ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے جاتی ہے اور جو اسے شریعت کی لگام دے، اس سے صرف وہی بات کرے جو دنیا و آخرت میں اسے فائدہ دے، وہی شخص اس کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسی لیے احادیثِ رسول ﷺ میں اصلاحِ زبان کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی سورت ق (آیت: ۱۸) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾

”(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان فرشتہ تیار ہے۔“

یہ فرشتے ہر وقت انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب کوئی اپنی زبان کو حرکت دے اور ہم اپنا کام کریں، کیوں کہ یہ ﴿رَقِيبٌ﴾ محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والے اور ﴿عَيْنِيذٌ﴾ حاضر اور تیار رہتے ہیں۔

انہی فرشتوں کے متعلق اللہ رب العزت نے سورة الانفطار (آیت: ۱۰-۱۱) میں فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ۝۱۰ كَمَا مَّا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾

”حالانکہ بلاشبہ تم پر نگران فرشتے مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔“

یہ فرشتے وہ کتاب تیار کر رہے ہیں جس کی تحریر سے یہ خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے:

﴿يُوَلِّتُنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا وَّوَجَدُوا مَا

عَمِلُوا اَحْصَاۤءُ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ [الكهف: ۴۹]

”ہائے افسوس، ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا عمل شار کیے بغیر نہیں چھوڑا اور جو کچھ انھوں نے کہا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم و ستم نہیں کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسانوں کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو میں نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ ان دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے ہے۔^①

یہی فرشتے قیامت کے دن انسان کا سارے کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دیں گے اور کہیں گے کہ یہ تیری فردِ عمل ہے جو ہمارے پاس تھی۔ اس وقت انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا جو بھی اچھا یا برا عمل اس نے کیا ہوگا وہ سامنے آجائے گا۔ نیز مرنے کے بعد اپنے پیچھے کردار اور عمل کے اچھے اور برے نمونے جو چھوڑ گیا تھا، وہ بھی سب سامنے آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس فردِ عمل کی روشنی میں انصاف سے فیصلہ فرمائے گا، اسی لیے ایک طویل حدیث میں کئی اعمال کو ذکر کرنے

① تفسیر فتح القدیر للشوکانی

کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو زبان سنبھال کر رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”کیا میں تمہیں ان تمام اعمال کو کنزول کرنے والی چیز نہ بتلاؤں؟ وہ کہتے ہیں، میں نے کہا: یا رسول اللہ! ضرور بتلائیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا:

«كُفَّ عَلَيْكَ هَذَا» «اس کو سنبھالے رکھو۔“

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنی گفتگو پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَكَلَّمْتُكَ أُمَّكَ وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَيَّ وَجُوهِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ؟»^①

”تمہاری ماں تمہیں کھودے! لوگوں کو ان کے منہ کے بل جہنم میں گرانے والی ان کی زبان ہی تو ہے۔“

معلوم ہوا کہ زبان کا غلط استعمال انسان کے اعمال (نماز، روزہ، حج، جہاد) وغیر کو برباد کر سکتا ہے اور جنت کے بجائے جہنم کا ایندھن بنا سکتا ہے۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ آفَاتِ اللِّسَانِ۔ پہلے تو لو پھر بولو! ہمیشہ دورانِ گفتگو میں تدبیر و تفکر کو ملحوظ رکھنا چاہیے، کیوں کہ زبان کی ذرا سی بے اعتدالی انسان کو دنیا و آخرت کے آلام و مصائب سے دوچار کر سکتی ہے۔

بہترین مسلمان:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مسلمانوں میں کون افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔“^②

کہتے ہیں کہ زبان کا نشتر (لوہے کے) نیزے سے زیادہ گہرا زخم کرتا ہے، لہذا بہترین مسلمان

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۸۰۴) ریاض الصالحین (۱۵۳۰)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۴۸۴)

بننے کے لیے اپنی زبان پر کنٹرول اور دوسرے مسلمان کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔
 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن نبی ﷺ سے (آپ ﷺ کی دوسری بیوی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بابت) عرض کی کہ آپ ﷺ کے لیے صفیہ کا ایسا ہونا کافی ہے، بعض رایوں نے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ وہ پست قد ہیں، تو آپ ﷺ نے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا:

«لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مَزَجَتْ بِهَا الْبَحْرَ لَمَنْزَجَتْهُ»^①

”تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ اس کا ذائقہ بدل ڈالے۔“

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ ... الخ»^②

”بے شک تمہارا خون (جانیں) تمہارا مال اور تمہاری عزت و آبرو ایک دوسرے پر حرام (قابلِ احترام) ہیں۔“

میری بہنو! زبان اعضاءِ انسانی میں سب سے زیادہ بے قابو عضو ہے، کیوں کہ اس کے استعمال میں کوئی مشقت نہیں ہوتی، اور یہی سب سے بڑا وہ ہتھیار ہے جسے شیطان انسان کے خلاف استعمال کرتا ہے، کیوں کہ آنکھ کا دائرہ کار صرف دیکھنے کی حد تک محدود ہے، کان کا سننے تک، اور ہاتھ کا چھونے تک، لیکن زبان چھوٹی ہونے کے باوجود ہر چیز میں حصہ لیتی ہے، حق و باطل میں، رد و اثبات میں، اطاعت و نافرمانی اور کفر و ایمان سب میں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: عجب بات ہے کہ انسان کے لیے حرام خوری، ظلم، زنا، چوری، شراب نوشی، حرام چیزوں کو دیکھنا اور اس جیسے دوسرے ممنوع کاموں سے احتیاط اور دور رہنا آسان ہے، لیکن زبان کی کاٹ پر قابو پانا دشوار ہے۔ چنانچہ آپ کو ایسے آدمی نظر آئیں گے جن کی دین داری، زہد، اور عبادت و ریاضت کی مثال دی جاتی ہے، لیکن وہ بھی کبھی کبھی بے پروائی میں ایسے کلمات کہہ

① سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٧٥)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٧)

جاتے ہیں جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہوتے ہیں۔ یعنی بندہ بغیر سوچے اور نتائج پر غور کیے ایسے کلمات کہہ دیتا ہے جو اس کے لیے ہلاکت اور گھاٹے کا سبب بن جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”بندہ بغیر سوچے سمجھے ایسی بات کر جاتا ہے جس کے نتیجے میں مشرق و مغرب کے مابین مسافت سے بھی زیادہ دور جہنم میں گر جاتا ہے۔“^①

جس طرح کوئی جملہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بن جاتا ہے، اسی طرح ہی کوئی جملہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب بھی بن جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بندہ بے خیالی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بات کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔“^②

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے گھر میں خوش رہو اور اپنی غلطیوں پر رُو۔“^③

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جب انسان صبح اٹھتا ہے تو اس کے تمام اعضا زبان کی منت و سماجت کرتے ہیں، اس سے درستی اور راستی کا مطالبہ کرتے ہیں، اسے یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے متعلق اللہ سے ڈرتی رہ، ہم سب تیرے تابع ہیں، اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست ہیں، اور اگر تو راہ راست سے بھٹک گئی تو ہم بھی بھٹک گئے۔“^④

زبان ہی سے جھوٹ، گالی گلوچ ہوتی ہے، پھر لڑائی جھگڑا ہوتا ہے تو مارتو جسم کو ہی برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے جسم کے سارے اعضا ہر صبح زبان کے سامنے منت کرتے ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کا سبب زبان پر کنٹرول ہے۔ ورنہ دونوں جہانوں میں

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۴۷۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۸۸)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۴۷۸)

③ سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۴۰۶)

④ سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۴۰۷)

خسارے کا سامنا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ گناہوں اور لغزشوں سے اسے محفوظ رکھے اور ہر اس چیز سے بچائے جو دنیا و آخرت میں گھائے اور شرمندگی کا سبب بنے، کیوں کہ انسان کی یہی زبان قیامت کے روز انسان کے خلاف گواہی دے گی، جیسا کہ سورۃ النور (آیت: ۲۴) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

”جس دن ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔“

قرآن کریم کی اس آیت پر اگر انسان کو یقین ہو جائے کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے، اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر چھوٹی بڑی بات لکھی جا رہی ہے تو زبان سے نکلے ہوئے ہر ہر کلمے کی اہمیت کو محسوس کرے گا اور بولنے سے پہلے خوب تولے اور سوچے گا، اگر گفتگو بھلائی پر مشتمل ہوگی تو زبان پر لائے گا، ورنہ روک لے گا۔

میری بہنو! یہ ذہن میں بٹھالیں کہ زبان کے دو بڑے روگ ہیں، اگر ایک سے چھٹکارا مل بھی جائے تو دوسرے سے بچنا بڑا مشکل ہے: ایک روگ بلاوجہ گفتگو کرنا، اور دوسرا ضرورت پر بھی چپ رہنا۔ دونوں ہی اپنے موقع و محل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے زیادہ گناہ کا سبب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ حق کے معاملے میں خاموش رہنے والا ”گو نگا شیطان“ ہے، اللہ کا نافرمان، ریاکار، نیک کی صورت میں فریب کار بھی ہے۔

اسی طرح باطل گفتگو کرنے والا ”بولتا شیطان“ ہے اور اللہ کا نافرمان ہے، جبکہ درمیانہ روگ ہی سیدھی راہ پر ہیں، جن لوگوں نے باطل اور ناحق گفتگو سے زبان کو روک کر رکھا، اسے ایسی گفتگو میں استعمال کیا جس کا انھیں آخرت میں فائدہ پہنچے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب اور کامران ہوں گے۔^①

حضرت لقمان عليه السلام نے کہا:

”خاموش رہنا دانائی ہے اور کم ہی لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه بیان کرتے ہیں کہ آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ بھلائی کی بات کرے، ورنہ

① الجواب الكافي لابن قيم (ص: ۱۹۰)

خاموش رہے۔^①

اہل ایمان کی گفتگو بہترین اور پُر تاثیر ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ فضولیات سے احتراز کرتے ہیں۔
نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ»^②

”انسان کا بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دینا اس کے حسنِ اسلام (یعنی اچھا مسلمان ہونے) کی علامت ہے۔“

یہ حدیث صراحتاً بتا رہی ہے کہ انسان صرف بھلائی کی گفتگو کرے، جس کی اچھائی اور مصلحت واضح ہو اور جب مصلحت واضح نہ ہو تو بات نہ کرے۔^③

ایسا بھی نہیں کہ وہ اپنی زبان بند رکھے، یعنی مکمل خاموشی اختیار کر لے، نہیں، ایسا ہرگز نہیں، کیوں کہ اس کے برعکس زبان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے ذکر کا ایک وسیع و کشادہ میدان ہے، آدمی کے لیے زبان کو گناہ، لغو اور فضول گفتگو میں استعمال کرنے کے بجائے ذکر و اطاعتِ الہی میں لگا دینا چاہیے، جس کے ذریعے درجات بلند ہوں گے اور اس کے لیے زبان سے ادا ہونے والے بہت سے کلمات ہیں، مثلاً: استغفار، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، تلاوتِ قرآن، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، دو متحارب گروہوں کے درمیان صلح کرانا اور اس جیسے بہت سے بھلائی کے دروازے کھلے ہیں، جن میں زبان کے استعمال کے ذریعے انسان اللہ کی اطاعت اور بلند درجات تک پہنچ پاتا ہے اور اس شکل میں گناہوں اور غلطیوں سے بچا رہتا ہے۔ آپ جب بھی کوئی بات بیان کریں تو پہلے اس کی تحقیق ضرور کیا کریں، کیوں کہ ہر سنی سنائی بات کو بیان نہیں کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»^④

”کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر اس بات کو بیان کر دے جو اس نے سنی ہو۔“ یعنی بغیر تحقیق کے۔

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۹۹۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۷)

② سنن الترمذی، موطاً امام مالک (۳۱۲/۹)، رقم الحدیث (۱۷۳۷)

③ ریاض الصالحین کتاب الأمور المنہی عنہا، باب تحریم الغیبۃ (ص: ۴۴۵)

④ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵)

حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو جس پر وہ تمہاری تصدیق کرے اور تم اندر سے جھوٹے ہو۔“^①

زبان کی لغزشوں کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جس کی گفتگو زیادہ ہوگی اس کی لغزشیں زیادہ ہوں گی، جس کی لغزشیں زیادہ ہوں گی اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔“^②

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کثرت گفتگو، ذکر الہی کے علاوہ، اللہ سے دوری اور دل کی سختی کا سبب بنتی ہے اور وہ لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت دل والا آدمی ہے۔“^③

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”زیادہ تر لوگوں کے جہنم میں داخلے کا باعث زبان اور شرمگاہ کا غلط استعمال ہوگا۔“^④

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”سب سے افضل کام اللہ کے نزدیک زبان کی حفاظت کرنا ہے، جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو چھپالے گا۔“^⑤

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زبان کی ہلاکت سامانیوں کو خوب سمجھا، اسی لیے انھوں نے اسے بھلائی کے لیے استعمال کیا اور برائی سے باز رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے: ”اسی نے مجھے ہلاکت خیز جگہوں تک پہنچایا۔“

یہ اللہ کے وہ ولی ہیں جنہیں ”صدیق“ کا لقب ملا ہے، جنہیں ایک ساتھ جنت کے آٹھوں

① سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٧١) بسند ضعيف.

② جامع العلوم والحكم امام ابن رجب (ص: ١٦٣)

③ سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٣٥)

④ سنن الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، رقم الحديث (٢٠٠٤)

⑤ معجم كبير طبراني.

دروازوں سے پکارا جائے گا، ایسے ولی کے متعلق انسان کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ فضول گفتگو کریں گے، پھر بھی اتنی فکر!!! کاش! کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اس قسم کی فکر نصیب فرمادے۔ آمین

2- زبان سے ادا ہونے والے کلمات:

زبان سے ادا ہونے والے کلمات کی چار قسمیں ہیں:

- 1] صرف نقصان دہ کلمات۔
- 2] سراسر نفع بخش کلمات۔
- 3] نفع و نقصان دونوں پر مشتمل کلمات۔
- 4] نفع و نقصان دونوں سے خالی کلمات۔

انسان کو چاہیے کہ وہ دو قسم کی گفتگو سے اپنی زبان کی حفاظت کرے: (1) وہ گفتگو جس میں نقصان کا پہلو غالب ہو۔ (2) جس گفتگو میں نفع ہو اور نہ نقصان۔ تو ایسی گفتگو بے فائدہ ہے اور اس میں پڑنا وقت کو برباد کرنا ہے، اس طرح گفتگو کا تین چوتھائی حصہ نکل جاتا ہے، صرف ایک چوتھائی باقی رہتا ہے اور یہ وہ حصہ ہے جس میں نفع ہی نفع ہے یا نقصان کے مقابلے میں نفع کا پہلو غالب ہے، اور یہی گفتگو انسان کو زیب دیتی ہے اور اس میں مشغول رہ سکتا ہے، کیوں کہ اس میں نفس کی پاکیزگی ہے، عدم ریاکاری اور دوسری خوبیاں ہیں۔^①

3- خاموشی کے فوائد:

خاموشی کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً: آپ کے ارد گرد جو کچھ ہوتا ہے، خاموشی آپ کو اس کے بارے میں بہترین طور پر سوچنے کی طاقت مہیا کرنے کا سبب ہوتی ہے، اور عقل تو کسی معاملے میں درست طور پر اور گہرے انداز سے توجہ اور تدبیر کا سبب ہوتی ہے۔ اور معاملات کو سمجھنے کے بعد جب آپ اپنے سامنے موجود لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ کی نظر میں آپ کے مخفی الضمیر کو ظاہر کرنے کا سبب ہوتی ہے جس کی وجہ سے سامنے والے آپ کی خاموشی سے آپ کے بولنے کی نسبت زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں، عموماً خاموشی دوسروں کے دل و دماغ میں خاموش رہنے والے کی مضبوطی کا تاثر

① {إحياء علوم الدين للغزالي (3/ 141)}

دیتی ہے اور خاموش شخص کو دیکھنے والے اس سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ مشکل اوقات میں، یا غصے اور لڑائی جھگڑے کے وقت خاموشی دوسروں کے دلوں میں آپ کے لیے احترام کا احساس بھی پیدا کرتی ہے اور آپ کو ایک مضبوط اور باوقار شخصیت بھی باور کرواتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایسے وقت میں بولنا شروع کیا جائے تو عموماً اس کے نتائج اٹے ہوتے ہیں، دنیاوی طور پر بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی۔ خاموشی ایسا فن ہے جسے مناسب وقت پر مناسب انداز میں استعمال کیا جائے تو وہ بہت سی دینی، دنیوی اور اخروی مصیبتوں سے نجات کا سبب بنتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ صَمَّتْ نَجَا...» ﴿١﴾ ”جو خاموش رہا، نجات پا گیا۔“

4- خاموشی کی خوبیاں:

بعض حکمانے خاموشی کی سات خوبیاں بیان کی ہیں:

1) خاموشی عبادت ہے بلا تھکن کے۔

2) زینت ہے بلا سنگھار کے۔

3) دبدبہ ہے بلا بادشاہت کے۔

4) قلعہ ہے بلا فصیل کے۔

5) بے نیازی ہے کسی کے سامنے معذرت کرنے سے۔

6) بے فائدہ گفتگو کرنے سے خاموشی اچھی ہے اور باعثِ راحت ہے کراماً کاتبین کے لیے۔

7) پردہ پوشی ہے گفتگو کرنے والے کے عیب کے لیے۔

5- آدابِ مجلس:

ایسے ہی اگر آپ کسی مجلس میں جائیں تو آپ کو اس کے آداب کا علم ہونا بھی ضروری ہے، کیوں کہ مجلسیں تعلیم و تربیت کا ذریعہ بھی ہیں اور تفریح و دلچسپی کا سامان بھی، مجلسیں خصوصی بھی ہوتی ہیں اور عمومی قسم کی بھی ہوتی ہیں، ان میں مہذب و تعلیم یافتہ افراد بھی ہوتے ہیں اور دیگر بھی۔ لہذا

﴿سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۵۰۱) سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، رقم الحدیث (۵۳۷)﴾

آپ کسی بھی مجلس میں ہوں، ان باتوں کا خاص خیال رکھیں:

- ① مجلس میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کریں، یعنی بیل یا دستک دیں، اگر آپ کو اجازت مل گئی ہے تو آپ اندر داخل ہو جائیں اور سب کو سلام کہیں۔
 - ② اب مجلس والوں پر حق ہے کہ داخل ہونے والے کے لیے جگہ بنائیں اور کشادگی کریں۔
 - ③ اندر داخل ہو کر وہاں بیٹھیں جہاں مجلس ختم ہو رہی ہو۔
 - ④ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھیں۔
 - ⑤ اگر کوئی شخص مجلس سے اٹھ کر گیا اور پھر واپس آ گیا تو وہ اپنی پرانی جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی جگہ پر کوئی اور بیٹھ جائے اور وہ دیکھتا ہی رہے، ہاں، اگر وہ اجازت دے تو ٹھیک ورنہ اپنی جگہ پر بیٹھنے کا وہ حق دار ہے۔
 - ⑥ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اہتمام کریں۔
 - ⑦ جو اپنی بات سنانا نہ چاہتا ہو، اسے کان لگا کر سننے کی کوشش نہ کریں۔
 - ⑧ مجلس میں جب کئی لوگ موجود ہوں تو کسی ایک سے سرگوشی نہ کریں، کیوں کہ اس سے دوسروں کو غم ہوگا، اور وہ شکوک و شبہات میں پڑ جائیں گے۔ لہذا مجلس میں تمام حاضرین کی جانب توجہ کریں۔
 - ⑨ دو لوگ بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان جا کر بلا اجازت نہ بیٹھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
- ”کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو لوگوں کے درمیان بغیر اجازت کے جاگھے۔“^①
- ہاں، اگر بیٹھنا ضروری ہے تو پہلے اجازت طلب کریں۔
- ⑩ گفتگو میں فصاحت و بلاغت دکھانے کے لیے پُر تکلف الفاظ استعمال نہ کریں، اس سے لوگ گھن محسوس کرتے ہیں۔
 - ⑪ لوگوں کی سمجھ کے معیار کی گفتگو کریں۔ علمی طبقے میں علمی اور عوام کے درمیان عوامی سطح کی بات

کریں جو کہ ہر کوئی سمجھ پائے۔

12] گفتگو مناسب ہو، نہ بالکل مختصر نہ اتنی طویل کہ لوگ بوریت کا شکار ہوں، آپ ﷺ کا عام درس یا وعظ اور جمعہ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوا کرتا تھا۔

13] جس سے آپ گفتگو کریں اس کی جانب پوری توجہ مبذول کریں۔ گفتگو کے دوران میں مخاطب کو بھی کچھ کہنے کا موقع دیں۔ اس کی بات کو غور سے سنیں، درمیان میں اس کی بات کو کاٹنا یا فوراً کسی بات کو بے بنیاد و جھوٹی قرار دے دینا بہت بُری عادت ہے۔ لہذا پہلے آپ اس کی بات کو اچھی طرح سنیں پھر فیصلہ کریں۔

14] جب بھی آپ کسی سے بات کریں تو دھیمے دھیمے گفتگو کریں، تیزی سے نہ کریں۔

اس حدیثِ رسول ﷺ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان کو اپنی آواز پست رکھنی چاہیے نہ کہ بلند۔ امام مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آوازوں میں سب سے فنیج آواز گدھے کی ہے، یعنی جو آدمی بلند آواز سے بات کرتا ہے اس کی تشبیہ گدھے سے دی گئی ہے۔ اور یہی بات قرآن کریم میں بھی ہے۔¹

15] اگر مجلس میں اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہے تو آپ اسے اپنی طاقت کے مطابق ہاتھ یا زبان سے روکنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ ہاتھ اور زبان سے نہیں روک سکتے تو پھر کم از کم دل سے ہی اسے برا جانے۔ اسی طرح ہی اگر کسی پر ظلم ہو رہا ہے تو مظلوم کی مدد کریں اور اگر کسی کی غیبت ہو رہی ہے تو اس کا دفاع کریں۔

16] صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں، ایسا نہ ہو کہ جہاں چاہے وہیں پرٹشو وغیرہ پھینک دیں، ایسا ہرگز نہ کریں، کیوں کہ صفائی نصف ایمان ہے اور اگر میسر ہو تو خوشبو کا استعمال کریں۔

17] بہتر انداز سے سب کے ساتھ رہیں اور نرم خوئی و خوش خلقی کو اپنی عادت بنائیں، کیوں کہ لہجوں کا اثر الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔ چونکہ نرم مزاجی خیر و بھلائی کا سرچشمہ ہے، حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1] دیکھیں: سورت لقمان [آیت: 19]

”جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ ساری بھلائیوں سے محروم رہا۔“^①

18] جب آپ مجلس سے اٹھ کر جانے لگیں تو سب کو سلام کر کے واپس جائیں، ایسا نہ ہو کہ ایک دو لوگوں سے سلام کریں اور چلے جائیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہ کریں، کیوں کہ یہ آداب کے خلاف ہے۔ لہذا اگر مجلس میں زیادہ لوگ ہیں تو آپ بلند آواز سے سب کو سلام کہیں، کیوں کہ سب کے جواب پر آپ کے لیے نیکیوں اور دعاؤں کے انبار لگ جائیں گے۔ اور یہ آپ کے حسن خلق کی نشانی ہوگی۔

19] لہذا جب کبھی بھی آپ کو کسی مجلس میں جانے کا موقع ملے تو اپنے گھر سے اچھا ارادہ لے کر چلیں، نہ کہ لوگوں کے راز ٹٹولنے، یعنی تجسس کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اسی طرح دوسروں کی غلطیوں کی ٹوہ میں لگنا بڑی بری حرکت ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے دلوں میں کدورت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ رشتوں کی خوبصورتی ایک دوسرے کی بات کو برداشت کرنے میں ہے، نہ کہ عیبوں کو تلاش کرنے میں، کیوں کہ اگر دنیا میں بے عیب انسان تلاش کرو گے تو میرا خیال ہے کہ اکیلے ہی رہ جاؤ گے۔ کسی میں عیب تلاش کرنے کے متعلق ایک مثال ہے:

✿ ایک مرتبہ انسان نے کوئل سے کہا: اگر تو کالی نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا،

✿ پھر اس انسان نے ساگر سے کہا: اگر تو کھارا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا،

✿ پھر گلاب سے مخاطب ہو کر کہا: اگر تیرے ساتھ کانٹے نہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔

✿ یہ تینوں یک زبان بول اٹھے:

✿ اے انسان! اگر تجھ میں دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کی عادت نہ ہوتی تو تو کتنا اچھا ہوتا۔

لہذا جو وقت ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں، اگر وہی وقت ہم اپنی اصلاح کرنے میں صرف کریں تو زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ کسی کو بدلنا تو ہمارے اختیار و بس میں نہیں مگر خود کو بدلنا تو ہمارے اختیار میں ضرور ہے! ان شاء اللہ

5- گفتگو کے چند اہم آداب:

1] بے فائدہ بحث و مباحثہ سے ہمیشہ پرہیز کیا جائے۔ اگرچہ بحث کرنے والے ہی کا موقف صحیح

① سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨١١)

کیوں نہ ہو، لہذا متانت اور سنجیدگی سے گفتگو کریں، اور بولنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”اللہ کے رسول ﷺ کی گفتگو صاف اور واضح ہوتی۔ اتنے سکون اور اطمینان سے گفتگو کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص (الفاظ کو) گننا چاہتا تو آسانی سے گن سکتا تھا۔“^①

② بدزبانی اور فحش گوئی سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

”مومن نہ طعن و تشنیع کرتا ہے، نہ لعنت و ملامت، اور وہ فحش کلامی اور بدزبانی کرنے والا بھی نہیں ہوتا ہے۔“^②

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بدترین آدمی وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور فحش کلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔“^③

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”رسول اللہ ﷺ گالی باز، سخت گو، بدزبان اور لعنت بھیجنے والے نہ تھے۔ اگر کبھی کسی پر ناراض ہوتے تو اتنا فرماتے: اس کو کیا ہو گیا، اس کی پیشانی خاک آلود ہو!“^④

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے، کیوں کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں تمہارے درمیان سے اس حال میں نکلوں کہ میرا سینہ (ہر ایک کے لیے) صاف ہو۔“^⑤

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن مومن کے میزان میں سب سے بھاری چیز حسنِ خلق ہے، اور اللہ تعالیٰ

① صحیح البخاری، سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٩٩)

② صحیح البخاری، رقم الحديث (٥٥٧١)

③ صحیح البخاری و صحیح مسلم.

④ صحیح البخاری، رقم الحديث (٦٠٣١)

⑤ سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢١٨)

فحش بکنے والے اور بیہودہ کلام کرنے والے کو دشمن رکھتا ہے۔^(۱)

حضرت عیاض بن حمار الجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ”بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے عاجزی و انکساری کرنے کی اور ہم
 میں سے کوئی ایک دوسرے پر فخر اور غرور نہ کرے اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے پر ظلم و
 زیادتی کرے۔“^(۲)

میری بہنو! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو زبان کے متعلق بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں کہ تم میں
 سے کوئی بھی بات سن کر آگے کرنے سے پہلے تحقیق ضرور ہی کر لیا کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ انجانے میں
 کسی کو نقصان پہنچ جائے۔ مگر افسوس کہ آج ہماری اکثریت ایک دوسرے کی زبان اور ہاتھوں سے زخمی
 ہے۔ جہاں ہمیں خیر کی بات کرنی چاہیے وہاں ہماری زبانیں بالکل خاموش ہیں، اور جہاں خاموشی
 اختیار کرنی چاہیے وہاں ان کا بے دریغ استعمال ہو رہا ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق
 ہمیں ہمیشہ دوسروں سے خیر خواہی کرنی چاہیے۔ سب سے بڑی خیر خواہی ایک مسلمان کی دوسرے سے
 یہ ہے کہ اس کے عیب اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی کریں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۱] ”کسی کو بے عزت مت کرو۔“

مگر ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کے عیب ٹٹولنا، غیبت کرنا، بلاوجہ دوسروں کے
 بارے میں نازیبا کلمات نکالنا وبائی بیماری کی طرح پھیل چکا ہے۔ تاہم تھوڑی سی کوشش سے ان
 عادات کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

مثال مشہور ہے: ”زبان شیریں ملک گیریں“ یعنی زبان کو میٹھی رکھو، ملک (عوام کا دل) جیت لو۔
 اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دل اور زبان کے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے،
 تاکہ ہم ایسا پرامن معاشرہ تعمیر کر سکیں جہاں غیبت، بغض، چغلی، طعنہ زنی، جھوٹ، حسد اور غصے کے
 بجائے اخوت، محبت، صبر و برداشت اور بھائی چارگی کا عکس نمایاں ہو۔ آمین

صرف گفتگو ہی نہیں، بلکہ ہمارے سارے نظام زندگی کے لیے ہمارے پاس بہترین کتاب کی

[۱] سنن الترمذی، باب ما جاء في حسن الخلق، رقم الحدیث (۲۰۰۲)

[۲] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۱۰۹)

شکل میں قرآن کریم اللہ کا کلام موجود ہے، جس میں ہر بات اور ہر کام کا طریقہ بتایا گیا ہے، ہر طرح کی وعظ و نصیحت، دلائل و بینات، ترغیب و ترہیب اور امثال و واقعات موجود ہیں، اور ہمیں ہر طریقے سے بار بار سمجھایا گیا ہے، تاکہ مومن مسلمان آسانی سے سمجھ جائیں۔ لہذا ہمیں ہر قسم کے معاملات میں قرآن و حدیث سے راہ یابی حاصل کرنی چاہیے، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکیں۔ آپ کو پتا ہے کہ اللہ کا قرب کب حاصل ہوتا ہے؟ جب آپ کو ذکر اللہ سننا اچھا لگنے لگے تو جان لو کہ آپ کو اللہ سے اور اللہ کو آپ سے محبت ہوگئی ہے اور یہی اللہ کا قرب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہماری زبانوں کو اپنے ذکر سے تر رکھنے کی توفیق سے نوازے، اور ہم سب کو اللہ رب العزت زبان کی ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھے اور خاتمہ ایمان و اسلام پر ہو، اور ہمارا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو۔ آمین

مصادر و مراجع

- | | |
|--|---|
| تفسیر ابن کثیر | ✽ |
| تفسیر احسن البیان | ✽ |
| صحیح بخاری | ✽ |
| صحیح مسلم | ✽ |
| الآداب | ✽ |
| لغزش زبان | ✽ |
| آداب زندگی | ✽ |
| پیارے رسول کے دن رات | ✽ |
| کبیرہ گناہ | ✽ |
| اسلامی حقوق و آداب | ✽ |
| حافظ صلاح الدین یوسف <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | |
| تالیف: حافظ ابو بکر احمد بن حسین البیہقی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | |
| تالیف: فضیلہ الشیخ: عبداللہ بن جار اللہ الجار اللہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | |
| ترجمہ: عبدالعلیم نور العین | |
| تالیف: امین الرحمن عمری مدنی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | |
| نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر | |
| تالیف: حافظ عبدالرحمن صدیقی | |
| تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن | |
| تالیف: عبدالہادی عبدالخالق مدنی | |

آفات لسان میں سے ایک آفت... چغل خوری

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

قرآن کریم میں چغل خوری کی مذمت:

سورة الحجرات (آیت: ۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبِيٍّ فَنَبِّئُوهُ أُن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

”اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق شخص خبر دے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ چنانچہ ہر فرد کی یہ ذمے داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بد کردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے ہو تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے، تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو جائے، کیوں کہ چغل خور غلط خبر کو یہاں وہاں نقل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غلط خبریں نقل کرنے والے کو فاسق کہا ہے اور مومنوں کو فاسق کی خبر کی چھان بین کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورة الہمزہ (آیت: ۱) میں فرمایا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلَّذِي لَغَىٰ هِمَزَةً تُمِزَةً﴾

”خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو عیب ٹٹولنے والا، غیبت کرنے والا ہو۔“

یعنی کسی بھی طرح سے خواہ وہ زبان سے ہو یا آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے سے ہو۔ چغل خوری سے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف پہنچتی ہے، اسلام نے ایذا رسانی کی ہر صورت کو حرام قرار دیا ہے، انہی میں سے ایک شکل چغل خوری ہے۔

حدیث کے حوالے سے:

چغل خوری کی حرمت پر حدیث میں بھی بکثرت دلائل موجود ہیں، حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَامٌ»^① ”چغل خور جنت میں نہیں جاسکے گا۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، دونوں قبروں والے عذاب میں مبتلا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ دونوں عذاب دیے جا رہے ہیں اور بظاہر کسی بڑی چیز کی وجہ سے نہیں، لیکن حقیقتاً وہ بڑی چیز ہی ہے، ان میں سے ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔“^②

ایک روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی دو ٹہنیاں منگوائیں اور دونوں قبروں پر ایک ایک گاڑ دی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا اس سے انہیں کوئی فائدہ ہوگا؟ فرمایا:

”ہاں، اس وقت تک ان کے عذاب میں کمی رہے گی جب تک یہ ٹہنیاں ہری بھری رہیں گی۔“^③

چغل خوری کیا ہے؟:

زبان کی آفتوں میں سے ایک آفت چغل خوری ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم معاشرے میں فتنہ و فساد، ایک دوسرے کے خلاف نفرت و عداوت، عیب جوئی، دل کو بھڑکانے، بغض و عناد اور دشمنی پیدا کرنے اور افرادِ معاشرہ خصوصاً ایک شہر یا محلے میں رہنے والے دوست و احباب میں اختلافات و تنازعات اور لڑائی جھگڑا پیدا کرنے والے ہر فعل کے بارے میں شدید ناپسندی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے جرم و گناہ قرار دیا ہے اور انہی شرانگیز گناہوں میں سے چغل خوری بھی ہے، وہ چاہے زبانی کلامی ہو یا تحریری طور پر، یا پھر اشاروں کنایوں سے، یا کسی کے

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۵۶)

② صحیح البخاری، الأدب، باب النمیمۃ الکبائر، رقم الحدیث (۶۰۵۵)

③ مسند أحمد (۱/۲۲۵)

کردار کے متعلق ہو۔ اسی طرح دو اشخاص کے درمیان دشمنی پیدا کرنے کے لیے ایک دوسرے کی گفتگو نقل کرنا، فساد برپا کرنے کی کوشش کرنا، دو دوستوں، دو ساجھے داروں، میاں بیوی، دو رشتہ داروں، دو خاندانوں، دو قبیلوں، دو قوموں، یا کسی بھی قسم کے دو فریق جن کے درمیان روابط، محبت، دوستی، معاملہ داری کے تعلقات ہوں، ان سب کے درمیان اس چغلی کے ذریعے دشمنی پیدا کی جاسکتی ہے۔

اس معاشرتی مرض کا بنیادی محرک عموماً متعلقہ آدمی سے بدسلوکی یا کوئی داخلی خلش ہوتی ہے، اور ساتھ ہی اس سے محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ میں آپ سے بہت پیار کرتی یا کرتا ہوں، مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے، اس لیے میں نے آپ کو یہ بات بتائی ہے۔

اصل میں ایسے لوگ یا تو اپنی دشمنی نکالتے ہیں یا پھر عادت سے مجبور اور ذہنی عیاشی اس کا سبب بنتی ہے اور یہ معاشرے میں پھوٹ ڈالنے اور محبت و بھائی چارے کو ختم کرنے کے لیے شیطان کا سب سے خطرناک ہتھیار ہے۔ ”چغل خوری“ نے کتنی بڑی بڑی برائیوں کو جنم دیا اور لوگوں کو کس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، تعلقات خراب کیے اور فتنوں کو بھڑکایا ہے۔ چغل خوری احباب کے درمیان پھوٹ ڈالتی اور بے قصور لوگوں کو مشکلات کا شکار بنا دیتی ہے۔“

نبی اکرم ﷺ نے اس فعلِ بد کی کس قدر مذمت فرمائی ہے، مگر یہ ہر سطح پر موجود اور عام ہے، اور نہ صرف پسماندہ و ناخواندہ علاقوں، بلکہ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں میں بھی قتل و غارت اور خون ریزی کے اکثر واقعات اسی کے نتیجے میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بڑی واضح ہدایات نازل فرمائی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو معاشرہ ان تمام برائیوں سے کلی طور پر پاک ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوئی آدمی آکر کسی کو کہے کہ فلاں شخص تمہارے خلاف یہ باتیں اور سازشیں کر رہا ہے تو آپ کا کام ہے کہ آپ پہلے تحقیق کریں نہ کہ آپ بلا تحقیق اسی جیسی ہی مہم شروع کر دیں، بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اس شخص سے مل کر یا فون کر کے یا تحریری طور پر اس خبر کی تصدیق یا تردید کروالیں۔ اس کے بعد آپ کوئی قدم اٹھائیں۔

چغل خور کے ساتھ سچے مسلمان کا رویہ:

سورۃ القلم (آیت: ۱۰-۱۱) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُطْعِ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَذَا مَشَاءُ بَنِيهِ﴾

”اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے۔

طعن آمیز اشارے کرنے والا چغلیاں لیے پھرنے والا ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی نے کسی کے بارے میں کوئی بات کی تو

انہوں نے فرمایا:

”ہم تحقیق کریں گے، اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہارا شمار ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾

[الحجرات: ۶] میں مذکور لوگوں (یعنی فاسقوں) میں ہوگا، اور اگر تم سچے نکلے تو پھر تمہارا

شمار ﴿هَذَا مَشَاءُ بَنِيهِ﴾ [القلم: ۱۱] میں یعنی (لگائی بجھائی کرنے والے) لوگوں

میں کیا جائے گا۔ ہاں اگر تم چاہو تو ہم تمہیں معاف کر سکتے ہیں۔ اس نے فوراً کہا:

امیر المؤمنین مجھے معاف کر دیں، آئندہ ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا۔^①

اگر چغل خور کی طرف سے کوئی خبر آپ تک پہنچے تو اس بات کو سچا نہ سمجھیں، کیوں کہ اس کی

گواہی ناقابل قبول ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے ایسے شخص کو فاسق قرار دیا ہے۔ ایسے شخص کو چغل خوری

سے منع کریں، کیوں کہ برائی سے روکنا واجب ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”جو آدمی تمہارے پاس کسی کی بات نقل کر سکتا ہے تو جان لو کہ ایسا آدمی تمہاری بات بھی

دوسروں کے پاس نقل کر سکتا ہے۔ لہذا اس قسم کے لوگوں سے دور رہنا چاہیے۔“

چغل خوری کے نتائج:

بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چغل خوری ایک معمولی بیماری ہے جس کا علاج باسانی ممکن

ہے۔ نہیں، میری بہنو اور بھائیو! اتنا آسان نہیں ہے، لہذا اس خطرناک بیماری کے متعلق ہم ایک واقعہ

بیان کرنا چاہتے ہیں جو اس کی خطرناکی کی انتہا کو واضح کرتا ہے جس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان

پھوٹ اور زمین میں فساد برپا ہوتا ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

حماد بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے غلام فروخت کیا اور خریدنے والے کو بتا دیا کہ یہ

صرف چغل خور ہے اور اس کے اندر دوسرا کوئی عیب نہیں، خریدار کو اس عیب کے باوجود غلام قابل قبول

① الکبائر للذہبی (ص: ۱۸۵، کبیرہ نمبر: ۴۳) تطہیر المجتمعات میں أرجاس الموبقات لابن حجر آل بوطامی.

تھا، چنانچہ اس نے خرید لیا، ابھی غلام نے چند ہی روز گزارے تھے کہ مالک کی بیوی سے کہا: تمہارا شوہر تم کو پسند نہیں کرتا اور تم پر سوکن لانا چاہتا ہے، کیا تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا نہ کرے اور تم پر ہی مہربان رہے؟ بیوی نے کہا: ہاں،

غلام نے کہا تو پھر سنو: جب تمہارا شوہر رات کو سو رہا ہو تو تم اس وقت استرے سے اس کی ڈاڑھی کے چند بال کاٹ دو۔ پھر اس کے بعد غلام اس کے شوہر کے پاس آیا اور کہا کہ تمہاری بیوی نے ایک دوسرے آدمی سے دوستی کر لی ہے اور وہ آج رات تمہیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، کیا تم حقیقت جاننا چاہتے ہو؟ مالک نے کہا: بالکل، غلام نے کہا کہ آج رات کو آپ محض بناوٹی طور پر سو جائیے، لیکن اصلاً، ہوشیار رہیے، لہذا اس آدمی نے ایسا ہی کیا، اور بیوی بال موٹڈ نے کے لیے جب استرہ لے کر آئی تو اس کے شوہر نے سمجھا کہ قتل کرنا چاہتی ہے۔ لہذا اس نے اپنی بیوی سے استرہ چھینا اور اس استرہ سے اس کا قتل کر دیا، اس کے بعد انجام کیا ہوا! بیوی اور شوہر کے خاندان والے آئے اور دونوں گروہوں میں خوب جنگ ہوئی اور دونوں خاندانوں میں بہت بڑی بربادی رونما ہوئی۔

دیکھا کتنا خطرناک نتیجہ ہے جس کا سبب صرف چغل خوری ہے۔ یہ چغل خوری کیسی کیسی مصیبتیں لاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی بیماریوں سے محفوظ رکھے، خاص کر عورتوں کو، کیوں کہ جب عورتوں کی کوئی مجلس جمی ہوتی ہے تو خوب مزے لے لے کر ایک دوسرے کی باتیں کرتی ہیں، ایک ہی وقت میں مشرق اور مغرب کا سفر کر لیتی ہیں۔

دورخا پن:

اسی طرح ہی دورخا پن بھی بہت بڑا گناہ ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم لوگ دورخے آدمی کو قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین شخص پاؤ گے، یعنی جو یہاں کسی ایک روپ میں اور وہاں کسی اور روپ میں آتا ہے۔“^{1}

کیوں کہ وہ ہر دو فریق کے لیے مختلف چہرہ رکھتا ہے اور جو رنگ ایک کو دکھائے گا دوسرے سے چھپائے گا۔ ایسا شخص قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے شمار ہوگا۔

{1} صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۷۱۱)

مومنین کی صفات:

کسی مسلمان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن کریم کے اور ایمان و اسلام کے منافی اوصاف کا حامل ہو، نہیں، ایک مومن ایسا ہرگز نہیں، بلکہ مسلمان اُس فعل کے خلاف ہوتا ہے جو افرادِ معاشرہ اور دوست و احباب کے مابین نفرت پھیلانے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا سبب ہو، کیوں کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر وہ کہیں دو دوستوں یا دو گروہوں کو باہم لڑتے جھگڑتے دیکھے تو اس کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ ان میں کسی طرح صلح کرا دے۔ چاہے اس کے لیے اسے اپنا کچھ وقت اور پیسہ بھی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے، اور وہ اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا رہتا ہے۔ اگر اس میں صرف اتنی ہی ہمت ہے کہ دو آدمیوں میں صلح کرائے تو یہی کر گزرتا ہے اور اگر کوئی شخص صاحبِ اقتدار حاکم ہے تو وہ اپنے اثر و رسوخ سے بڑے پیمانے پر کام کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ دو متحارب ملکوں میں معاہدہ صلح طے کروانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ اور یہ صلح جوئی ایک مسلمان کی شان اور منشائے الہی ہے، جیسا کہ سورۃ الحجرات (آیت: ۱۰) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوِيكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾

”یاد رکھو سارے مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، یعنی ان سب کی اصل ایمان ہوئی، اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں، بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد و غم گسار اور خیر خواہ بن کر رہیں۔

منافقین کی صفات:

اس کے برعکس کچھ لوگ وہ ہیں جو مسلمان تو ہیں مگر ان میں منافقین کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ وہ دو ناراض دوستوں یا متحارب گروہوں میں صلح کرانا تو درکنار، پیار محبت سے رہنے والے لوگوں میں ادھر ادھر لگائی بھائی کر کے انھیں لڑا دیتے ہیں اور ایسا آدمی باہم ناراض لوگوں میں سے کبھی ایک طرف جاتا ہے، انھیں ان کی من پسند باتیں اور فریقِ مخالف کی غلط سلط رپورٹیں مہیا کرتا

ہے اور جب دوسری طرف جائے تو وہاں ان کی مرضی کی باتیں اور پہلے فریق کے خلاف منصوبے بنواتا ہے، اس طرح وہ دونوں کو دھوکا دیتا ہے۔ ایسے ہی آدمی کو ذوالوجہین یا ذواللسانین۔ یعنی دورخا یا دوزبانوں والا کہا جاتا ہے۔

یہ دورخا پن چغلی سے بھی بدتر فعل ہے۔ علامہ قرطبی اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہما کے بقول دورخے پن میں جھوٹ، نفاق، چالپوسی، مداہنت، مکر و فریب اور لگائی بجھائی جیسے تمام اوصاف بدیکجا ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص بدترین انسان ہوتا ہے۔^①

دورخی پالیسی اختیار کرنے والے شخص کی سزا کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”جو شخص دنیا میں دورخا ہوتا ہے، اس کی قیامت کے دن آگ کی دوزبانیں ہوں گی۔“^②

ایسا آدمی روز قیامت جب دو چہروں اور دو آتشی زبانوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا تو عرصہ محشر میں جمع کیے جانے والے تمام بنی نوع انسان اسے دیکھیں گے۔ اس طرح ان سب کے سامنے اس کی رسوائی ہوگی۔ اور پھر اسے دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

لہذا اس قسم کے لوگوں سے آپ بچنے کی کوشش کریں جو ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی ادھر پہنچا کر اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس رسوا کن اور باعث عذاب عادت سے محفوظ رکھے اور ہمیں حق بات کہنے اور سچ کا ساتھ دینے کی اہمیت عطا فرمائے اور ہماری زبان کو مکر و فریب جیسے اوصاف سے محفوظ رکھے اور اسے اپنے ذکر و اطاعت میں مشغول رہنے کی توفیق سے نوازے۔

﴿رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا﴾

”اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے۔ اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح راہنمائی فرما۔“ آمین

الحمد لله رب العالمين، سبحانك اللهم ربنا وبحمدك، أشهد أن لا إله إلا أنت، أستغفرك وأتوب إليك، وصلى الله على نبينا محمد، وآله وصحبه وسلم.

① تطهير المجتمعات من أرجاس الموبقات لابن حجر آل بوطامي.

② سنن أبي داود و ابن حبان عن عمار بن ياسر رضي الله عنه.

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
 - ✽ تفسیر احسن البیان
 - ✽ صحیح بخاری
 - ✽ صحیح مسلم
 - ✽ لغزش زبان
- تالیف: فضیلہ الشیخ عبداللہ بن جار اللہ رحمۃ اللہ علیہ
- ترجمہ: عبدالعلیم نور العین

آفات اللسان میں سے دوسری آفت... غیبت

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اللہ تعالیٰ نے ایک بھیانک صورت سے تشبیہ دے کر ہمیں اس غیبت سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ سورۃ الحجرات (آیت: ۱۲) میں ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾

”اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹھولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے، یقیناً تم کو اس سے نفرت ہوگی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

غیبت کا مطلب ہے کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ مردہ بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا، لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔ فطرتِ سلیمہ کے مالک ہر شخص کو یہ بات اپنے لیے ہرگز پسند نہیں ہے تو پھر وہ کسی کی عزت و آبرو کے درپے کیسے ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ عزت و آبرو تو اس کے خون اور گوشت سے بھی زیادہ قابلِ احترام ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہی نقطہ سمجھایا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں نہیں اُترا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے پوشیدہ رازوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔“^①

① سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٨٠)

آبروئے مسلم کا مقام بتاتے ہوئے حجۃ الوداع کے خطبے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:
 ”بے شک تمہارا خون، مال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح حرمت والے ہیں،
 جیسا کہ یہ دن اس ماہ (ذوالحج) اور اس شہر (مکہ) میں حرمت والا ہے۔“^(۱)

الحمد للہ! پاک ہے وہ ذات جس نے بنی آدم کو اتنا مقام عطا فرمایا۔ اب میرا ان لوگوں سے سوال ہے جو کعبہ، یعنی بیت اللہ سے باہر نکلتے وقت کہتے ہیں کہ کعبہ کو بیک یا پشت نہیں کرنی چاہیے، لٹے پاؤں باہر نکلنا چاہیے، کیوں کہ اس طرح کعبہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اگر کوئی کعبہ کی طرف بیک کر کے بیٹھا ہے تو اس کو یہ لوگ سوباتیں کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ بے ادب ہے، اسے کعبہ کے تقدس کا پتا ہی نہیں اور جس کے مال اور آبرو کی حرمت شہر مکہ کی طرح بیان فرمائی گئی ہے جب آپ ان کی عزت و آبرو کا جنازہ نکالتے ہیں تب ادب یاد نہیں رہتا، اس وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کفر اور اسلام کی جنگ ہو رہی ہے۔ اُن کاموں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے آپ کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں، کوئی مسلمان مسلمان کو حقیر و کمتر نہ سمجھے کیوں کہ

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں کوئی بُرائی نہیں قدرت کے کارخانے میں

جو لوگ آپ سے کمتر ہیں انھیں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ جس نے آپ کو حسن و جمال، بلند مقام، شان و شوکت، اور مال و دولت سے نوازا ہے، کیوں کہ شکر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور زیادہ عطا فرماتا ہے۔ اسلامی شریعت کو یہ بات پسند ہے کہ دوسرے کے عیوب و نقائص کو چھپایا جائے اور اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ان باتوں کو گفتگو کا موضوع بنایا جائے۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیبت اور بہتان کا تعارف کرواتے ہوئے دونوں کا باہمی فرق بتا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب مجھے معراج کروائی گئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے، (یعنی غیبت کرتے) تھے اور ان کی عزتوں کو پا مال کرتے تھے۔“^(۲)

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۷۳۹)

(۲) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۴۸۷۸)

غیبت کیا ہے؟

غیبت زبان کی آفتوں میں سے سب سے خطرناک آفت ہے۔ مگر آج مسلمان کثرت سے ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں۔ مثلاً لوگوں کے وہ عیوب جو ان کے جسم، دین، شخصیت عزت و آبرو یا عادات و اخلاق سے متعلق ہیں، انہیں ان کی عدم موجودگی میں دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرنا، یہی باتیں غیبت کہلاتی ہیں۔

اسلامی شریعت میں لوگوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کی خواہش ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے غیر موجود لوگوں کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے اور ان کے عیوب و نقائص کو بیان کرنے سے منع کیا ہے۔

بہتان کیا ہے؟

بہتان یہ ہے کہ جو بات لوگوں کے اندر نہ پائی جائے ان کی طرف منسوب کی جائے اور یہ صرف حرام ہی نہیں، بلکہ کبیرہ گناہ ہے۔ اور دوسروں کی غیبت کرنا ایسے کاموں میں سے ایک ہے جو دوسروں کے لیے اذیت ناک ہوتے ہیں اور، جیسا کہ گزرا ہے، غیبت یہ ہے کہ انسان اپنے دینی بھائی کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے اس کی غیر موجودگی میں اس کے اندر موجود ایسی صفت یا عادت کا ذکر کرے کہ اگر وہ موجود ہوتا تو اس کو ناپسند کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبت کی وضاحت یوں بیان فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، فرمایا: ”تمہارا اپنے بھائی کا اس انداز میں تذکرہ کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے۔“ ایک صحابی نے سوال کیا؟ یا رسول اللہ! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر فی الواقع میرے بھائی کے اندر موجود ہو تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر وہ غلطی اس کے اندر موجود ہو تو تم نے غیبت کی ورنہ بہتان تراشی کی۔“^①

اگر یہ عادت یا صفت اس کے اندر موجود ہی نہ ہو تو اس کو بہتان کہتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں موجود ہے، یعنی جھوٹ اور یہ جھوٹا الزام غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے، لیکن بد قسمتی سے یہ دونوں ہی

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۵۸۹)

جرم عام ہیں۔ دوسروں میں پائے جانے والے ان عیوب و نقائص کا ذکر کرنے کو بھی اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے، جن کے ذکر کرنے کا کوئی شرعی فائدہ نہ ہو۔

غیبت کی شکلیں:

غیبت کی کئی شکلیں ہیں، مثلاً:

- 1- کبھی غیبت انسان کے جسم سے متعلق ہوتی ہے، جیسے کہا جائے: یہ شخص اندھا ہے، بھیڑگا ہے، کانا ہے، لمبا ہے، ناٹا ہے، کالا ہے، گنجا ہے، لنگڑا ہے، موٹا ہے اور اس طرح کے دوسرے اوصاف لوگوں کے سامنے ذکر کیے جائیں جو اس کو ناپسند ہوں۔
- 2- کبھی غیبت انسان کے نسب سے متعلق ہوتی ہے جیسے کہا جائے: یہ چھوٹی ذات کا ہے، یہ ہندوستانی یا بنگالی ہے اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ حقارت کے انداز سے بات کی جائے، یا یہ کہا جائے کہ یہ غلام ہے، غلام زادہ ہے، یا گھٹیا نسب کا ہے، وغیرہ وغیرہ۔
- 3- کبھی غیبت پیشہ کے متعلق ہوتی ہے، یعنی ایسا پیشہ جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔
- 4- کبھی غیبت اخلاق اور عادات سے متعلق ہوتی ہے جیسے کہا جائے: یہ بد اخلاق ہے، بخیل ہے، متکبر ہے، بزدل ہے، غیر سنجیدہ ہے، غصہ والا ہے یا اس سے ملتے جلتے بہت سے اخلاق و عادات ہیں۔
- 5- کبھی غیبت شرعی معاملات کی نسبت سے ہوتی ہے جیسے کہا جائے: وہ چور ہے، جھوٹا ہے، یا شراب نوش ہے، خائن ہے، ظالم ہے، نماز و زکات ادا کرنے میں سست ہے، رکوع و سجود ٹھیک نہیں کرتا، غلاظتوں سے دور نہیں رہتا، والدین کا نافرمان ہے، روزے میں فحش گوئی، غیبت یا عیب جوئی سے نہیں بچتا وغیرہ۔
- 6- کبھی غیبت دنیاوی معاملات کے حوالے سے ہوتی ہے جیسے کہا جائے: وہ کم آداب یا بے ادب ہے، لوگوں کو حقیر سمجھنے والا ہے، بڑا باتوئی ہے، زیادہ سوتا ہے اور بہت زیادہ کھاتا ہے۔
- 7- کبھی غیبت انسان کی ظاہری شکل اور اس کے کپڑوں کے حوالے سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی کے متعلق کہا جائے: وہ لمبی قمیص والا ہے، کشادے آستین والا ہے، بد شکل ہے، پراگندہ حال ہے

وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں سے ہر بات غیبت ہی شمار ہوگی۔

غیبت کے حوالے سے ہم نبی کریم ﷺ کی محبوب بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارا عمل کیا ہے؟ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے آپ ﷺ کی ایک دوسری بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پستہ قد ہونے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے عائشہ! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو اس کا ذائقہ بھی بدل جائے۔“^(۱)

کیا ہم نے اس حدیث پر کبھی غور کیا ہے؟ نہیں، کیوں کہ ہماری نظر تو ہمیشہ کسی نہ کسی کے عیوب و نقائص ڈھونڈنے میں مصروف ہوتی ہے۔ قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ مردہ بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا، لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

غیبت میں شرکت کرنا:

آپ غیبت تو نہیں کر رہے، لیکن غیبت کرنے والے کی طرف پسندیدگی اور خوشی سے کان لگانے والا بھی غیبت کرنے کے حکم میں داخل ہے، کیوں کہ اس طرح غیبت کرنے والے کی جرات میں اضافہ اور اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، گویا آپ اس کی باتوں کی تصدیق کر رہے ہیں اور جب سننے والا غیبت کرنے والے کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی بات سے رضا مندی کا اظہار کرتا ہے تو وہ بھی غیبت کرنے والے کے گناہ میں شریک ہو جاتا ہے، جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ اپنے بھائی یا بہن کی عزت کا دفاع کرتے اور غیبت کرنے والے کو ڈانٹ دیتے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جس نے اپنے کسی بھائی یا بہن کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کیا تو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے اس کی آزادی کا وعدہ فرمایا ہے۔“^(۲)

(۱) صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث (۴۸۷۵) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۵۰۲)

(۲) المعجم الكبير للطبراني، مسند عبد الله بن أبي زياد عن شهر بن حوشب (۲۴/ ۱۷۵، ۱۷۶، رقم الحديث:

(۴۴۲) مسند أحمد (۶/ ۴۶۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کو اس کے چہرے سے آگ کو دور کر دیں گے۔“^①

اللہ اکبر! کتنی بڑی نعمت ہے جس کے مد مقابل دنیا بھر میں کوئی چیز نہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس بری عادت سے محفوظ رکھے۔

غیبت کے اسباب:

انسان کسی دوسرے کی غیبت کب کرتا ہے؟ اس کے اسباب اور وجوہات کیا ہیں:

- 1- پوشیدہ نفرت: یعنی غیبت کرنے والے کو کسی وجہ سے نفرت کے کھلی دشمنی میں بدل جانے کا خطرہ لاحق ہو کہ کہیں یہ مجھے کوئی مالی جانی نقصان نہ پہنچادے یا میرا نام خراب ہو جائے گا۔
- 2- یا پھر حسد: جو غیبت کرنے والے کے دل کو کھاتا رہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک اس کا جو مقام بنا ہوا ہے اللہ رب العزت نے اسے جو نعمتیں اور عزت عطا فرمائی ہے، اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔

میری بہنو! حسد بہت بری چیز ہے۔ اصل میں یہ ایک زہر ہے جسے پیتے تو ہم ہیں اور توقع دوسروں کے مرنے کی کرتے ہیں۔ اور ہاں حسد برائی کا جاسوس بھی ہے، کیوں کہ اس حسد کی وجہ سے ہی قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ اسی طرح حسد ایک آگ بھی ہے جو نیکیاں جلا دیتی ہے۔ یہ ایسا زہر یلا گناہ ہے جو بندے کی سالہا سال کی تمام عبادات کو ایک ہی لمحے میں برباد کر دیتا ہے۔

- 3- فساد کی اشاعت: غیبت کا ایک سبب گناہوں کی حوصلہ افزائی اور برے کاموں کی پرانی عادت بھی ہے۔

- 4- ہر دل عزیز محترم شخصیات پر نکتہ چینی: تاکہ اپنے عیوب اور اپنی غلط عادات و اشیا کا جواز فراہم کر سکے۔

- 5- دوستی کی خاطر: جیسے ہم نشینوں کا ساتھ بھانا، دوستوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا، گفتگو میں

① مسند أحمد (۶/ ۴۴۹) جامع ترمذی، رقم الحدیث (۱۹۳۱)

ان کو سہارا دینا، یا چالپوسی اور نفاق سے رضا مندی ظاہر کرنا، یہ سب کے سب غیبت کے اسباب ہیں۔

غیبت کی جائز شکلیں:

غیبت کی بعض شکلیں جائز بھی ہیں، مثلاً:

- 1- فریاد کرنا: جیسے کوئی عدالت کے سامنے اپنے بھائی کے خلاف فریاد لے جائے، یا اس کی خیانت اور رشوت خوری کی شکایت کرے۔
 - 2- برائی کا تذکرہ ایسے باختیار شخص کے پاس کرنا جو اس کے بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد غلطی کرنے والے کو راہِ راست پر لانا ہو، جیسے کوئی شخص کسی کو شراب پیتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کو ذمے دار حضرات کے پاس اصلاح اور برائی سے روکنے کی خاطر بیان کرتا ہے۔
 - 3- فتویٰ طلب کرنے کے لیے حقیقتِ حال بیان کرنا: جیسے کوئی عورت مفتی کے پاس جا کر اپنے شوہر کی کنجوسی بیان کرے اور دریافت کرے کہ اس کے لیے ان حالات میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ مال لینا جائز ہے یا نہیں؟
 - 4- جذبہٴ خیرِ خوانہی کے پیش نظر مسلمانوں کو کسی کے شر سے آگاہ کرنا، بشرطیکہ شر میں پڑنے کا خطرہ ہو جیسے کوئی شخص کسی کو فاسق یا بدعتی کے پاس آتے جاتے دیکھتا ہے تو اس کو نصیحت کرتا ہے اور ملنے جلنے سے منع کرتا ہے۔
- اسی ضمن میں سنتِ نبوی ﷺ کی حفاظت کے لیے پرلے درجے کے جھوٹے، ضعیف اور مشکوک کردار کے حامل راویوں کے حالات بیان کرنا بھی شامل ہے، تاکہ اسناد کی صحت کا پتا چل سکے، اور اسی ضمن میں مشورہ طلب کرنا بھی آتا ہے، کیوں کہ جس سے مشورہ کیا جاتا ہے اسے امین بنایا جاتا ہے، جس سے کسی کی شخصیت کے متعلق معلومات اکٹھی کرنی ہوں تاکہ کوئی اہم کام اس کے سپرد کیا جاسکے، یا رشتہ داری کی جاسکے یا اپنے ساتھ شریکِ معاملہ کیا جاسکے یا پڑوسی بنایا جاسکے، تو ایسے فرد کے متعلق خلوص نیت اور سچائی کے ساتھ اس کا حال بتانا ضروری ہے۔^①

① ریاض الصالحین، کتاب الأمور المنہی عنہا، باب ما یباح من الغیبة (ص: ۴۵۰)

غیبت کا حکم اور دلائل:

غیبت کرنا سماجی ناسور ہے جس کا ارتکاب مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا، علمائے اسلام کے نزدیک یہ بالاتفاق حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے باز رہنے کی تاکید کی ہے، کیوں کہ اس طرح بھائی چارے کی بنیاد ہی کٹ جاتی ہے، محبت دشمنی میں بدل جاتی ہے، خرابیوں کی اشاعت ہوتی ہے، اور نہ صرف برائیوں کو معمولی سمجھا جانے لگتا ہے، بلکہ اس جیسی برائیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، خصوصاً جب غیبت کسی ایسے راہ راست والے آدمی کے بارے میں ہو جس کو لوگ اپنا پیشوا اور خیر کا داعی سمجھتے ہوں۔ لہذا جن لوگوں میں یہ مذموم صفات ہوتی ہیں، وہ انسانی مروت اور اخلاق سے خالی ہوتے ہیں۔ اگر ان کے اندر اسلام ہو تو وہ بھی برائے نام ہوتا ہے۔ اگر وہ اسلام و ایمان سے عاری ہوں تو واقعی انہیں ایسا ہونا چاہیے، کیوں کہ کامل ایمان اور یہ حقیر و ذلیل صفات ایک جگہ نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے غیبت کرنے والے کو اس شخص سے تشبیہ دی ہے جو اپنے مردہ بھائی کو دانتوں سے نوچ رہا ہے اور اس کا گوشت کھا رہا ہے اور وہ مردہ ہے جس کی وجہ سے نوچنے اور کھانے کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا۔

غیبت کی ممانعت:

حدیث رسول ﷺ ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا سرزد ہوا اور وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور اپنے جرم کا اعتراف کیا تو وہ چاہتے تھے کہ شرعی حد قائم کی جائے، تاکہ گناہ سے پاک ہو جاؤں، چنانچہ انہیں سنگسار کیا گیا، بالآخر وہ فوت ہو گئے۔ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں کو کہتے ہوئے سنا، ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: کیا اس شخص کے بارے میں غور نہیں کرتے، اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی، اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، بالآخر کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ چل دیے یہاں تک کہ ایک مردار بدبودار گدھے کی لاش سے گزر ہو تو فرمایا: فلاں اور فلاں کہاں ہیں؟ وہ دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: اترو اور اس بدبودار گدھے کی لاش کو کھاؤ، ان دونوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، کیا یہ کھانے کی چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں نے

اپنے بھائی کی جو غیبت کی ہے وہ اس کے کھانے سے بھی زیادہ گھٹاؤنی ہے، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت وہ (یعنی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہے ہیں۔^(۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بدبودار ہوا چلی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”يَتِينًا كَچھ منافقین نے چند مسلمانوں کی غیبت کی ہے جس کی وجہ سے یہ بدبودار ہوا چل رہی ہے۔“^(۲)

لیکن آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ جتنی مرضی ہوا چل رہی ہو ہمیں نہ تو بدبو آتی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی پروا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، اللہ ہمیں ہدایت عطا فرمائے اور ہمیں اس قسم کی بری عادتوں سے محفوظ رکھے اور اپنے اندر پائی جانے والی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اپنے عیوب پر نظر:

انبیاء و رسل ﷺ کے بعد ہر انسان کے اندر کمزوریاں ہیں، بسا اوقات یہ دوسروں کی کمزوری سے بڑی بھی ہو سکتی ہیں اور زیادہ خطرناک بھی، لیکن ہمیشہ بندے کو پہاڑ کی آگ نظر آتی ہے پیروں کی نہیں، لہذا بہتر یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں کی اصلاح کی جائے، مسلسل اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہیں اور کمی کوتاہی کو دور کرنے کی فکر میں رہیں، کیا ہی خوب ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی کوتاہیوں پر نظر رکھنے کے بجائے اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھتے ہیں۔

مگر آج کا مسلمان اس بات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں، کبھی آپ نے سوچا ہے؟ کہ جب ہم کسی کی طرف ایک انگلی اٹھاتے ہیں تو ہماری طرف تین آتی ہیں۔ کیا فائدہ ایسے عمل کا؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

بدگمانی کرنا:

سورة الحجرات (آیت: ۱۲) میں فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا

(۱) مسند أبي يعلى، رقم الحديث (۶۱۴۰)

(۲) مسند أحمد (۳/۳۵۱)

يَغْتَابُ بَعْضُكُم بَعْضًا

”اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔“

اس آیت میں ﴿الظَّنِّ﴾ کے لفظ کا معنی ہے: گمان کرنا۔ مطلب یہ کہ اہل خیر اور اہل صلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تہمت و افترا کے ضمن میں آتے ہوں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی کی اکثر باتیں جھوٹ ہوتی ہیں۔“^(۱)

حدیث میں اس بدگمانی کو سب سے بڑا جھوٹ کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گھناؤنے کردار کی بابت بدگمانی رکھنا گناہ نہیں، یعنی جس کا ظاہر برا ہے، اس کے بارے میں بدگمانی کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں ”لوگوں کے عیبوں کی تلاش کرنے کی کوشش مت کرو اور نہ جاسوسی کرو۔“^(۲)

جاسوسی کرنا:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾ [الحجرات: ۹] ”اور جاسوسی مت کرو۔“

جاسوسی یہ ہے کہ جو شخص کان لگا کر ان لوگوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتا ہے جو اسے پسند نہیں کرتے ایسے شخص کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص کسی قوم کی باتوں کی طرف کان لگا کر سنتا ہے، جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں، یا اس سے دور بھاگتے ہیں، قیامت کے دن اس شخص کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔“^(۳)

بغیر شرعی مصلحت کے کسی کے عیب تلاش کرنے کو اسلام نے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”محض زبان سے اسلام لانے والو! جن کے دل تک ایمان نہیں پہنچا ہے! مسلمانوں کو نہ

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۶۶) صحیح مسلم (۲۸/۶۳/۲۵)

(۲) صحیح البخاری (جلد: ۷، رقم الحدیث: ۶۰۶۴)

(۳) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۷۰۶۲)

ستاؤ، ان کو عار نہ دلاؤ، اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، کیوں کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب ڈھونڈتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھونڈتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب ڈھونڈتا ہے، اسے رسوا و ذلیل کر دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔^①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر زیادتی کرتا ہے نہ اسے (بے یار و مددگار چھوڑ کر) دشمن کے سپرد کرتا ہے، جو اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے۔ جو کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“^②

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و نرمی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم بخار کا شکار ہو جاتا ہے اور بیداری و رت جگے میں مبتلا رہتا ہے۔“^③

غیبت گھاٹے کی تجارت:

غیبت کو گھاٹے کی تجارت کہا گیا ہے، کیوں کہ غیبت کرنے والا اپنی ہی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی نیکیاں فریق ثانی کے حوالے کر دیتا ہے اور یہی بات دوسرے فریق کے فائدے میں رہتی ہے کہ وہ اپنا بدلہ نیکیوں کی شکل میں وصول کر رہا ہوتا ہے اور اس کا پلڑا مسلسل بھاری ہوتا رہتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”بندے کو قیامت کے روز جب اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا تو وہ اس میں ایسی نیکیاں

① حسن. سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۰۳۲)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۲۶۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۶۷۷)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۵۱۱) صحیح مسلم (۲۵۸۶/۶۶)

دیکھے گا جن کو اس نے کیا نہیں ہوگا اور کہے گا: اے میرے پروردگار! یہ نیکیاں میرے کھاتے میں کہاں سے آئی ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: لوگوں نے دنیا میں جو تیری غیبتیں کی تھیں یہ ان کا بدلہ ہے اور تجھے احساس تک نہ ہوا تھا۔^①

ایسے لوگوں کے متعلق ہی ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ کا قول ہے: وہ کہتے ہیں کہ اے جھوٹے تو نے اپنی دنیا اپنے دوستوں کو دینے میں بخل سے کام لیا ہے اور اپنی آخرت اپنے دشمنوں کے حوالے کرنے میں سخاوت سے کام لیا ہے، پس نہ تو بخیلی میں تیرا عذر قابل قبول ہے اور نہ سخاوت میں قابل تعریف ہے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو جب خبر ہوئی کہ ایک شخص نے ان کی غیبت کی ہے تو انھوں نے اس کے پاس تھال میں رکھ کر تازہ کھجور کا تحفہ ارسال کیا اور کہلا بھیجا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیاں مجھے ہدیہ کی ہیں تو میں نے سوچا کہ اس کا بدلہ چکا دوں، پھر بھی معذرت خواہ ہوں کہ اس کا بدلہ چکانا میرے بس میں نہیں۔

میری بہنو اور بھائیو! دیکھا آپ کی نیکیاں کیسے ختم ہوتی ہیں، اور یہ غیبت بندے کو اللہ کی ناراضی اور نیکیوں کی بربادی کے کنویں میں پھینک دیتی ہے، غیبت کرنے والا سراسر گھاٹے میں رہتا ہے، اپنی نیکیاں دوسروں کو دیتا ہے یا پھر اپنے بھائی کی برائیاں اپنے سر اٹھاتا ہے جس کی وجہ سے نیکیوں کے مقابلے میں برائیوں کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے۔

غیبت سے توبہ کرنا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کی عزت و آبرو پر (کسی بھی انداز میں) دست درازی کرے۔“^②

غیبت کرنے والا دُہرا جرم کرتا ہے، ایک کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے جس کا کفارہ اس طرح

ممکن ہے:

① گذشتہ کیے پر شرمندہ ہو۔

① مسند الفردوس للذیلمی، رقم الحدیث (۷۴۴)

② سنن أبي داود، رقم الحدیث (۶۸۷۸)

2 آئندہ اس جیسا جرم نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔

3 سچے دل سے توبہ کرے۔

4 کثرت سے استغفار کرتا رہے۔

اور دوسرے کا تعلق بندے کے ساتھ ہے جس کا کفارہ اس طرح ہے:

1 جس کی غیبت کی ہے اگر اس تک بات پہنچ چکی ہے تو اس سے معذرت کرے اور اس سے معافی طلب کرے۔

2 اگر بات متعلقہ شخص تک نہیں پہنچی تو اس کے حق میں اللہ سے استغفار اور دعائے خیر کرتے رہیں اور جس قدر اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اتنی ہی اس کی تعریف کریں اور اپنی غلطی کی اس کو خبر نہ ہونے دیں کہ کہیں اس کا سینہ غصے سے نہ بھڑک اٹھے۔ دونوں صورتوں میں جن لوگوں کی موجودگی میں اس نے غیبت کی ہے، ان کے ہاں اپنی بات کی تردید کرے اور دل میں ایسا نہ کرنے کا عزم کر لے۔

3 اگر آدمی غیبت سے پوری طرح تائب ہو جائے اور جس شخص کی غیبت کیا کرتا تھا اس سے معذرت یا معافی طلب کرنے میں کسی بڑے فتنے کا خطرہ یا دیگر مفسد پائے جائیں تو ایسے آدمی کو چاہیے کہ وہ بطور کفارہ اپنے لیے اور اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کیا کرے اور ایک روایت میں اس دعا کے یہ الفاظ مسنون ہیں:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُ»¹

”اے اللہ! ہمیں بخش دے اور (جس کی میں غیبت کیا کرتی تھی یا کرتا تھا) اسے بھی بخش دے۔“

اس مرضِ خطیر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جتنا زیادہ ہمیں ڈرایا ہے، مسلم معاشرے میں یہ اتنا ہی زیادہ عام ہو چکا ہے اور شاذ و نادر شخص ہی اس مذموم خصلت سے محفوظ ہوگا۔ آئیے آج سب مل کر اسے کلی طور پر ترک کرنے کا عہد کریں اور دعا کریں: اے اللہ! ہمیں اس گناہ

[1] سنن البيهقي في الدعوات الكبير عن أنس وقال: في هذا الإسناد ضعف، بحواله مشكوه بتحقيق الألباني، رقم الحديث (٤٨٧٧) وقال السخاوي و العجلوني: وله شواهد.

سے محفوظ رکھ۔ آمین

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو زبان کی ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اے اللہ ہم عذاب قبر اور جہنم کی آگ سے پناہ چاہتے ہیں۔ آمین

مصادر و مراجع

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ لغزش زبان
- ✽ کبیرہ گناہ اور نواقض اسلام
- ✽ انواہوں کی شرعی حیثیت
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ تالیف: فضیلہ الشیخ عبداللہ بن جار اللہ الجار اللہ رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ ترجمہ: عبدالعلیم نور العین
- ✽ تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن
- ✽ تالیف: ڈاکٹر سعد بن ناصر عبدالعزیز
- ✽ ترجمہ: ابواسعد قطب محمد اثری

آفات اللسان میں سے... مذاق

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

مذاق: قرآن کریم کے حوالے سے:

لوگوں کی عیب جوئی اور ان کے ساتھ استہزا کرنے اور ان کا مذاق اڑانے کے سلسلے میں اولاً اللہ کے قرآن سے کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحجرات (آیت: ۱۱) میں ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۗ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ ۗ

بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۗ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾

”اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد فسق برانام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔“

سورۃ الحجرات (آیت: ۱۳) میں فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ عزت دار ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔“

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ عزت و اکرام کا معیار صرف تقویٰ ہے اور ذات پات، مال و دولت اور کالے گورے کے تمام امتیازات انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگ برابر ہیں اور اسلامی رشتے سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

جب تمام انسانوں کا یہ حال ہے تو پھر مسلمان ہوتے ہوئے بھی صرف مالی طور پر غریب ہونے یا رنگ اور خد و خال اچھے نہ ہونے کی وجہ سے نفرت کرنا اور اپنے اس جذبہ تحقارت و نفرت کے اظہار کے لیے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے آنکھوں کے اشاروں سے دوسروں کی توہین و تحقیر کرنا، ان پر آوازے کسنا اور بھری مجلس میں انھیں مذاق و استہزا کے ذریعے ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں تو اس گھٹیا فعل کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دو چیزیں لوگوں میں کفر والی ہیں، ان میں سے ایک ہے دوسرے لوگوں کو حقیر جان کر ان کے نسب کا طعنہ دینا اور یہ کفر ہے۔“^①

لہذا مذاق کرنے سے پہلے ہمیں یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ مذاق کی کون سی صورتیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔

مذاق کی تعریف:

سب سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ مذاق کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ اور یہ کہ انسان مذاق کیوں کرتا ہے؟ اس کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ لیکن اس سے بھی قبل یہ جان لینا ضروری ہے کہ مذاق کیا چیز ہے؟ اور مذاق کی تعریف کیا ہے؟

سنجیدگی کے مقابلے میں مذاق کا لفظ آتا ہے، گویا مذاق سنجیدگی سے الگ اور اس کی ضد ہے، یہ بات معلوم خاص و عام ہے، البتہ یہاں یہ چیز سمجھ لینے کی اشد ضرورت ہے کہ ”مذاق کرنا“ اور ”مذاق اڑانا“ دونوں الگ الگ اصطلاحات ہیں۔

ان دونوں لفظوں میں حکم و نتیجہ دونوں لحاظ سے فرق ہے۔ مذاق اڑانا تو کسی صورت میں جائز نہیں، بلکہ اس کی جملہ صورتیں حرام و ناجائز اور بعض صورتیں کفر تک پہنچ جاتی ہیں، البتہ مذاق کرنا چند آداب و شروط کے ساتھ شرعاً جائز ہے۔

مذاق کے اسباب:

لوگ مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جہاں تک ہم نے سمجھا ہے مذاق کرنے کے متعدد اسباب ہیں،

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۷)

مثلاً: یہ کہ ایک استاذ پڑھاتا ہو، اگر ہمیشہ سنجیدہ موڈ میں رہے اور ہر وقت اپنی ناک بھوں چڑھائے رکھے تو بچے اس سے سوال کرنے سے جھجکیں گے، لیکن اگر وہ دورانِ درس کوئی بات ہنسی مذاق کی کر دے، کسی بچے سے مذاق میں کوئی بات کہہ دے تو بچوں کو بھی حوصلہ ہوگا، ان کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوگا اور بچے دل کھول کر استاذ سے سوال کریں گے، اس کی مثال صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے جس کا ذکر یہاں فائدے سے خالی نہیں ہوگا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جو جہنم والوں میں سے سب سے آخر میں نجات پائے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا، یہ ایسا شخص ہے جو ہاتھوں اور پیٹ کے بل گھسٹتا ہوا آگ سے نکلے گا اور پیچھے پلٹ کر جہنم کی طرف دیکھے گا تو کہے گا:

«تَبَارَكَ الَّذِي نَجَّانِي مِنْكَ»

”بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دے دی۔“

وہ شخص یہ سمجھ رہا ہوگا کہ جتنا بڑا احسان اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر کیا ہے اور جتنی بڑی نعمت سے اللہ وحدہ لا شریک لہ نے مجھے نوازا ہے کسی اور کو نہیں نوازا، کیوں کہ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ ایک تو میں گناہ گار ہوں اور اس لیے بھی کہ اگر کوئی شخص قیامت کے روز بہت ساری عبادت لے کر آئے تو بھی اسے حقیر سمجھے گا، جیسا کہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص جس دن سے پیدا ہوا ہو اس دن سے اپنی وفات تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی ناک رگڑتا رہے تو بھی قیامت کے دن اپنے اس عمل کو حقیر سمجھے گا۔^①

اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے کوئی بھی انسان کتنی ہی زیادہ عبادت کر کے حاضر ہوگا وہ اپنی عبادت کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتوں کے مقابلے میں حقیر سمجھے گا، یہی وجہ ہے کہ وہ بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے جہنم کی آگ سے نجات دے دی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہو جا۔ جب وہ جنت کے پاس پہنچے گا تو ایسا محسوس کرے گا کہ جنت بالکل بھر گئی ہے، اس میں کوئی جگہ باقی نہیں، (اللہ تبارک و تعالیٰ اس

① مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۸۵۴) الطبرانی الكبير (۱۷/۱۱۵) الصحیحة للألبانی، رقم الحدیث (۴۴۶)

کے سامنے جنت کو ایسے ہی ظاہر کرے گا) وہ واپس آ کر عرض کرے گا: اے اللہ! لوگوں نے اپنی اپنی جگہ لے لی ہے، اب جنت میں تو قدم رکھنے کی بھی جگہ خالی نہیں ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے پھر کہے گا: اے میرے بندے! جا اور جا کر جنت میں داخل ہو جا۔ وہ شخص پھر جائے گا اور جنت اسے پھر بالکل بھری ہوئی دکھائی دے گی، وہ شخص واپس آ جائے گا، اسی طرح بحکم الہی وہ تین بار جائے گا اور ہر بار آ کر یہی عرض کرے گا: اے اللہ! ”وَجَدْتُهَا مَلَأَتْ“ ”جنت کو تو میں بالکل بھری ہوئی پا رہا ہوں“ اب اس میں میرے لیے جگہ نہیں ہے۔

تب اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے کہے گا کہ جس دنیا میں تو تھا اسے دھیان میں رکھ کر تمنا کر اور سوچ لے کہ تجھے جنت میں کتنی جگہ چاہیے، تو جس قدر تمنا کرے گا اسی اعتبار سے تجھے جنت دی جائے گی، آج تجھے اتنی جنت ملے گی اور اس کے ساتھ ساتھ اس دنیا سے دس گناہ زیادہ اور بھی ملے گی، یہ سن کر وہ بندہ حیران ہو جائے گا، کیوں کہ اولاً تو اس کے لیے یہی بہت کافی تھا کہ جہنم سے نجات پا گیا اور دوسرا اس کے لحاظ سے کہ جنت میں کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہو جا، تیرے لیے وہاں پوری دنیا کے برابر اور اس سے دس گناہ زیادہ جگہ میسر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص حیرت سے کہہ اٹھے گا: ”أَتَسْتَهْزِئُ بِي وَأَنْتَ الْمَلِكُ“ ”اے اللہ! کیا تو میرے ساتھ مذاق کرتا ہے، حالانکہ تو بادشاہ حقیقی اور رب العالمین ہے؟“ یہ کہہ کر اللہ کے رسول ﷺ اتنے زور سے ہنسنے لگے کہ آپ ﷺ کے پچھلے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، یعنی ڈاڑھیں بھی نظر آنے لگی۔^① جب کہ آپ ﷺ کے ہنسنے میں عام معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ صرف مسکرا دیتے تھے۔^②

لیکن اس بندے کی اس بات پر آپ ﷺ کو زور کی ہنسی آ گئی، اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہنس پڑے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں ہنسنے ہیں؟ انھوں نے کہا: اسی طرح رسول اللہ ﷺ ہنسنے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رب العالمین کے ہنس پڑنے پر، جب اس نے کہا کہ تو جو سارے جہانوں کا رب ہے، میری ہنسی اڑاتا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ اس بندے کی بات پر فرمائے گا کہ اے بندے!

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۵۷۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۱۶، ۴۱۷)

② مسند أحمد، رقم الحدیث (۹۷۵) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۳۶۴۵)

①

میں تیرا مذاق یا تیری ہنسی نہیں اڑا رہا، بلکہ میں جو فیصلہ کر لوں اس پر قادر ہوں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کے سامنے جنت کو بھری ہوئی ظاہر کرے گا اور اسے جنت بھری ہوئی نظر آئے گی اور ایسا بار بار کیا جائے گا جو مذاق کی صورت بن جائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا تاکہ بندہ بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کر سکے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایسی ہے کہ جب دینے پر آتی ہے تو بے حساب دیتی ہے جسے ہم اپنی اصطلاح میں دل کھول کر دینا کہتے ہیں، دوسری طرف جب لینے پر آجاتی ہے تو قارون جیسے صاحب خزانہ کو اپنے خزانے کی ایک اشرفی سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیتی۔

دوسرا سبب:

کوئی شخص کسی کو تعلیم دینے کی غرض سے مذاق کرے، مثال کے طور پر اگر کوئی بات آپ غیر ضروری سنجیدگی یا غصے میں یا ڈانٹ کر کہیں تو بسا اوقات لوگ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے، لہذا اگر اسی بات کو ہنس کر یا کچھ مزاحیہ انداز سے کہہ دیا جائے تو لوگ اسے بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں، اس سلسلے میں ہمارے یہاں اکبر الہ آبادی جو اردو کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں، بہت معروف ہیں، ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بہت سی نصیحتیں مزاحیہ انداز میں شعر کی زبان میں کہہ جاتے تھے، چنانچہ ان کا ایک شعر ہے:

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں انھیں پردہ نہیں آتا انھیں غصہ نہیں آتا

دیکھیں کہ عورتوں کا اپنی عصمت و عفت سے بے پروائی اور اس پر مردوں کی بے غیرتی کا بیان کیسے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ مذاق برائے تعلیم کا یہی اسلوب اللہ کے رسول ﷺ کی بعض حدیثوں میں بھی ہمیں ملتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الإصابة في تمييز الصحابة“ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ نیز یہ حدیث ”المعجم الكبير للطبراني“ میں بھی موجود ہے، حضرت خوات بن جبير رحمہ اللہ نام کے ایک صحابی ہیں، میرا اندازہ ہے کہ ان کا اسلام قدرے متاخر ہے، یا یہ کہ ابتدا میں تو ان کا اسلام بہت سے انصاریوں کی طرح رسمی تھا لیکن بعد میں اس میں پختگی اور حسن پیدا ہو گیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میرے پاس سے اللہ کے رسول ﷺ

کا گزر ہوا، اس وقت آپ ﷺ کہیں جا رہے تھے، آپ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں چار چھ عورتوں کے ساتھ بیٹھا گپ شپ میں مشغول ہوں، ظاہر ہے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ایک مرد عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرے، یہ تو انسانی شرافت نیز مرد اور اس کی مردانگی کے خلاف ہے، بلکہ اس حالت میں تو ایک شریف مرد کو شرم آنی چاہیے، حضرت خواتِ ثلاثہؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس حال میں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ابو عبد اللہ! یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس سوال پر حضرت خواتِ ثلاثہؓ نے بہانہ تلاش کیا اور جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا ایک اونٹ بہت بدکتا ہے، اس کے لیے ان عورتوں سے رسی بٹوا رہا ہوں، آپ ﷺ نے یہ جواب سنا اور آگے بڑھ گئے، لیکن کچھ دیر کے بعد دوبارہ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت خواتِ ثلاثہؓ اسی جگہ انھیں عورتوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے انھیں دیکھ کر مذاق کے انداز میں فرمایا: اے ابو عبد اللہ! ابھی تک تمہارے اونٹ نے بدکتا نہیں چھوڑا؟ یعنی یہ کہنے کے بجائے کہ تم یہاں سے اٹھ جاؤ، آپ ﷺ نے مذاق کرتے ہوئے صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ ابھی تک تمہارے اونٹ نے بدکتا نہیں چھوڑا، حضرت خواتِ بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس سوال پر مجھے بڑی شرم آئی۔

کچھ دنوں کے بعد ایک بار اللہ کے رسول ﷺ کا مدینہ کی کسی گلی میں میرا آمننا سامنا ہو گیا تو آپ نے پھر وہی سوال دہرایا:

«مَا تَرَكَ جَمَلُكَ الشَّرَادَا يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ»

”ابو عبد اللہ! کیا تیرے اونٹ نے بدکتا نہیں چھوڑا؟“

اس کے جواب میں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب سے اسلام لایا ہوں اس کے بعد سے میرے اونٹ نے بدکتا چھوڑ دیا ہے۔⁽¹⁾

عرض کرنے کا مقصد یہ کہ کبھی انسان اپنی دل لگی کے لیے مذاق کرتا ہے اور کبھی کبھی تعلیم کی غرض سے مذاق کرتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہمارے لیے مثال موجود ہے۔

تیسرا سبب:

مذاق کی ایک اور وجہ بھی ہوتی ہے جو عام طور پر ہمارے یہاں رائج ہے، یعنی دل بہلانے کے

{1} الإصابة (۵۱۱) ترجمہ خواتِ بن جبیر، مختصر الطبرانی الكبير (۴/۳۰۳، ۳۰۴)

لیے تفریح طبع کے لیے، کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی طبیعت کچھ ایسی بنائی ہے کہ اسے مختلف عوارض لاحق ہوتے ہیں، کبھی وہ ہنستا ہے اور کبھی روتا ہے، کبھی الجھن کا شکار ہوتا ہے اور کبھی ہشاش و بشاش دکھائی دیتا ہے، کبھی تنہائی پسند کرتا ہے تو کبھی مجلس تلاش کرتا ہے، انھیں مختلف عوارض میں سے ایک عارضہ یہ بھی ہے کہ وہ بسا اوقات سنجیدگی و حقیقت گوئی سے ہٹ کر ہنسنے ہنسانے اور لہو و لعب کی کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔

یعنی انسان ایک ہی اسلوب پر کام کرتے کرتے، سنجیدہ مزاج میں رہتے رہتے اکتا جاتا ہے، ان حالات میں اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کچھ ایسے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے جن کے ساتھ خوش طبعی کا موقع ملے اور طبیعت بہل جائے، کچھ ایسی باتیں ہوں جن سے طبیعت کو فرحت و سرور حاصل ہو، کچھ ہنسی مذاق کا ماحول پیدا ہو جس سے ذہنی تکان دور ہو اور دل و دماغ کا بوجھ ہلکا ہو، انسان کی اسی طبیعت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے خوش طبعی و خوش مزاجی کو پسند اور خشک طبعی اور بدمزاجی کو ناپسند فرمایا ہے۔

نبی ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مذاق:

لوگوں کے درمیان اس خوش مزاجی اور خوش طبعی کے متعدد ذریعے ہوتے ہیں ان میں سے ہمارے یہاں سب سے اہم ذریعہ مذاق ہے۔ ایک حد میں رہ کر مذاق کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے، بلکہ بسا اوقات اسے مستحب قرار دیا ہے۔

خود نبی رحمت ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس چیز کا لحاظ رکھتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، آپ ﷺ کا معاملہ تو یہ تھا کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ اللہ کی مدد سے میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو اللہ کی قسم ہنسو گے کم اور روؤ گے زیادہ۔^①

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے سواری عطا کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کا ایک بچہ دیتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اونٹنی کا بچہ میرے کس کام کا ہے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۲۳۱۲) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۶۱۹۰)

«وَهَلْ تَلِدُ الْإِيلَالَ إِلَّا النُّوْفُ»^①

”بتلاؤ کوئی ایسا اونٹ بھی ہے جو کسی اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔“

اسی سلسلے میں آپ ﷺ کا سب سے دلچسپ مذاق وہ ہے کہ ایک بار کوئی بوڑھی عورت (جس کا نام مجھے یاد نہیں ہے) خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے ام فلان! (إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ) ”جنت میں بوڑھی عورتیں نہیں جائیں گی۔“

یہ سن کر وہ صحابیہ رضی اللہ عنہا روتے ہوئے واپس ہو گئیں، آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے جا کر بتلا دو کہ وہ بوڑھی رہ کر جنت میں نہیں جائے گی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْسَاءً ۖ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۖ عُرْبًا أَتْرَابًا﴾ [الواقعة: ۳۵-۳۷]

”ہم نے ان کی بیویوں کو خاص طور پر بنایا ہے، اور ہم نے انھیں پھر کنواریاں بنا دیا ہے، محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔“^②

اللہ کے رسول ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کبھی کبھار مذاق کیا کرتے تھے، بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے اس انداز پر تعجب ہوا اور ایک بار بطور سوال پوچھا: اے اللہ کے رسول! (كَأَنَّكَ تُدَاعِبُنَا) ”ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی ہم سے خوش طبعی کر رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں مذاق تو کرتا ہوں، لیکن میں مذاق میں بھی سچ اور حق بولتا ہوں۔“^③

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا مذاق:

بات یہیں تک منحصر نہیں تھی، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ بسا اوقات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو بھی مذاق کی اجازت دیا کرتے تھے اور بسا اوقات ان کا مذاق بڑا ہی عجیب ہوتا تھا، اگر ان میں سے کچھ مذاق

① مختصر شمائل ترمذی للالبانی (ص: ۲۰۳، ۱۲۶) یہ حدیث ابو داؤد میں بھی موجود ہے۔

② مختصر شمائل ترمذی للالبانی (ص: ۲۰۵، ۱۲۸) یہ حدیث ”شعب الإيمان للبيهقي“ اور ”طبرانی

أوسط“ میں بھی ہے۔ دیکھیں: غایۃ المرام للالبانی (ص: ۲۱۶)

③ مختصر شمائل ترمذی للالبانی (ص: ۲۰۲، ۱۲۶) یہ حدیث سنن الترمذی کتاب البر میں بھی ہے۔

آپ لوگوں کے سامنے رکھے جائیں تو آپ بڑا تعجب کریں گے، بلکہ بہت سے لوگ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

مثال کے طور پر ایک بار ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر اللہ کے رسول ﷺ موجود تھے، اس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حریرہ (حلوہ) پکایا تھا، اتنے میں وہاں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی آگئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی حریرہ کھانے کی دعوت دی، لیکن تکلیف یا کسی اور وجہ سے انھوں نے حریرہ کھانے سے انکار کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ کھاؤ ورنہ میں تمہارے منہ پر لیپ دوں گی، اس پر بھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا انکار پر مصر رہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ سے اٹھیں اور تھوڑا سا حریرہ لے کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر لیپ دیا، آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو مسکرائے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کیا کہ اٹھو اور تم بھی اپنا بدلہ لے لو، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اٹھیں، اپنے ہاتھ کو حریرہ میں داخل کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر حریرہ لیپ دیا، جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کیفیت دیکھی تو ہنسنے لگے۔⁽¹⁾

مذاق اڑانے کی ممانعت:

میری بہنو! اسی طرح ہی زبان کی آفتوں میں سے مذاق اڑانا بھی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کسی شخص کی نقل اتار کر مذاق اڑانے کو سخت برا سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں پسند نہیں کرتا کہ کسی شخص کی نقل اتاروں، خواہ اس کے بدلے مجھے ڈھیروں مال دیا جائے۔“⁽²⁾

اسی طرح ہی کسی کے تخلیقی نفاٹس کی طرف انگشت نمائی کرنا دربار رسالت ﷺ میں اتنا ناپسندیدہ فعل ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود اپنا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے قد کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو ایسی ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مَزَجَ بِهَا الْبُحْرُ لَمَزَجَتْهُ»⁽³⁾

(1) مسند أبي يعلى (٤٤٩٧) ويكفيين: السلسلة الصحيحة للألباني (٣١٣١)

(2) سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب حديث لو مزج بها ماء البحر (٢/٢٠٣٣)

(3) مسند أحمد، سنن الترمذي، سنن أبي داود بحواله مشكاة بتحقيق الألباني (٣/١٣٦٣)

” (اے عائشہ!) تم نے ایسا تلخ کلمہ کہا ہے کہ اسے اگر سمندر میں ڈالا جائے تو پورا سمندر اس کی تلخی سے کڑوا ہو جائے۔“

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس بات کو ہم کتنا معمولی سمجھتے ہیں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی محبوب بیوی کو ٹوکا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہدایت عطا فرمائے آمین۔

شرعی پردے کا مذاق اڑانا:

مذاق کے سلسلے میں ایک اور بات رہ جاتی ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہے، وہ مذاق اڑانا ہے جسے تمسخر اور استہزاء کہا جاتا ہے، یعنی خواہ وہ شخص چھوٹا ہو یا بڑا کسی کا بھی مذاق اڑانا جائز نہیں ہے۔ ایک شخص کسی دوسرے شخص کا استہزاء یعنی اس سے تمسخر اپن اسی وقت کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان و عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس حقیقت کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے جسے صرف اللہ جانتا ہے، نبی ﷺ نے سچ فرمایا، آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا:

”تقویٰ یہاں (دل میں) ہے اور کسی شخص کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر کہے۔“

اس لیے اپنے آپ کو بہتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ اور خاص کر عورتوں میں یہ بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ لہذا اپنے طور پر استہزاء اور تمسخر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انہیں ناپسند ہوں، یعنی اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تباہی بالالقباب ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ [الحجرات: ۱۱]

بعض لوگ عورتوں کے پردے کا مذاق اڑاتے ہیں، اگر کوئی عورت یا لڑکی شرعی پردہ کرتی ہے تو لوگ اسے طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، حتیٰ کہ اسی وجہ سے بہت سی لڑکیاں پریشان ہیں کہ لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس کا چہرہ صاف نہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ کالی ہوگی، یعنی لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، ان کی وجہ سے لڑکیاں بہت پریشان ہوتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں ان کی مہربانی سے پردہ کرنا چھوڑ دیتی ہیں بعض لوگ دین کے پابند لوگوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لیکن آج مسلمان دیگر معاملات کی طرح مذاق کے بارے میں بھی بالکل آزاد ہیں، مذاق کے

آداب کیا ہیں؟ مذاق کب جائز ہے؟ مذاق کس کے ساتھ کیا جائے؟ ان چیزوں کا لحاظ مشکل ہی سے کیا جاتا ہے، بلکہ اب مسلمانوں نے شریعت کا بھی مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔

ایسے لوگوں کے متعلق اللہ کا قرآن، سورۃ التوبہ (آیت: ۶۵) میں اعلان فرما رہا ہے:

﴿قُلْ يَا لَئِنَّكُمْ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ﴾

”کہہ دیجیے: کیا اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں۔“

کوئی دوسری چیز مذاق کرنے کے لیے نہیں ملی۔ یہاں یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ سے مذاق کرتا ہے تو پوری دنیا کے لوگ اسے بد تمیز کہتے ہیں، ایک انسان اپنے بڑے بھائی سے مذاق کرتا ہے تو لوگ اسے بے ادب کہتے ہیں اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مذاق کرے یہ تو بہت بڑی گستاخی اور خطرے کی بات ہوگی، اسی لیے تمام علمائے امت اور ائمہ دین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اور رسول ﷺ کا یا احکام شریعت کا مذاق اڑاتا ہے، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے دین کا مذاق اس لیے اڑاتا ہے کہ یہ لوگ دین پر عامل ہیں تو ایسا شخص اسلام کے دائرے سے خارج ہے، اس سے توبہ کرائی جائے، اگر وہ توبہ سے انکار کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا، اس لیے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے اور اسے غور سے سننا چاہیے۔

کپڑے اور ڈاڑھی کا مذاق:

مذاق اڑانا، آج یہ چیزیں ہمارے ماحول میں عام ہو چکی ہیں، لوگ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سوچتے کہ یہ کام کتنا خطیر ہے، یعنی سنت رسول ﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے ذرا بھی انہیں ڈر نہیں لگتا، کوئی کہتا ہے کہ فلاں مولوی کی ڈاڑھی بکرے جیسی ہے، ٹخنے سے اوپر کپڑے والے کو کہتے ہیں کہ فلاں کو تو پورا کپڑا ہی دستیاب نہیں ہے، یہ اور اس قسم کی سیکڑوں باتیں عام طور پر لوگ کہہ دیتے ہیں۔

یہاں سعودی عرب میں ”ہیئۃ الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر“ کے شعبے میں کام کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، کوئی انہیں اللہ کی پولیس کا نام دیتا ہے، کوئی انہیں جھاڑو والا کہتا ہے، سوچیں یہ باتیں کس قدر خطرناک ہیں۔ بعض لوگ حقارت سے دین کے پابند لوگوں کو صوفی صاحب اور ملا جی کہتے ہیں۔ کبھی تو اسے آواز دینے والا کہتا ہے کہ اے ڈاڑھی، یعنی اس کے نام سے

اسے نہیں پکارا جاتا۔ میری بہنو اور بھائیو! اس کی ڈاڑھی کا مذاق نہیں، بلکہ سنتِ رسول ﷺ کا مذاق اڑایا جا رہا، جبکہ داڑھی کی اہمیت کا پتا اُس حدیث سے چلتا ہے جس میں حضرت زید بن حبیب رضی اللہ عنہ کسریٰ کے نام دعوت نامہ ارسال کرنے کے واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ خسرو پرویز کے نمائندے رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے مدینہ منورہ گئے۔

جب وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان دونوں کی طرف دیکھنا پسند نہ فرمایا، کیوں کہ دونوں نے اپنی ڈاڑھیاں منڈوا رکھی تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم دونوں کے لیے ویل ہے، کس نے تمہیں ڈاڑھی منڈوانے اور مونچھیں بڑھانے کا حکم دیا ہے؟“ دونوں نے جواب میں کہا: ”ہمیں ہمارے رب، یعنی کسریٰ نے حکم دیا ہے۔“ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے رب نے مجھے اپنی ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترانے کا حکم دیا ہے۔“^(۱)

نبی ﷺ کی اس حدیث کو ہر مسلمان یاد رکھے کہ ڈاڑھی منڈوانے والوں کے لیے کہا ہے! ویل ہے ان کے لیے۔ ”ویل“ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے اور اس کا معنی ”ہلاکت اور بربادی“ بھی ہے۔ دونوں انجام کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ یعنی ”جہنم۔“

بد قسمتی سے یہ وہ لوگ ہیں جو دین سے آزاد ذہن اور اپنے آپ کو تہذیب یافتہ کہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اخبارات میں ایسے ایسے کارٹون شائع کرتے ہیں جس سے دین اسلام اور اہل دین کی تحقیر ہوتی ہے، بلکہ فلموں اور ڈراموں میں عام طور پر دین کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جاتا ہے اور احکام الہی اور سنتِ رسول ﷺ پر چلنے والوں کو کئی نام دیے جا رہے ہیں۔

علم کی فضیلت:

یہاں میں ایک اور بات کرنا چاہتی ہوں کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل علم حضرات سے غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ ایسی کوئی بات نہیں، یہ بھی آپ کی طرح انسان ہیں، ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کی غلطی یا ان میں سے بعض کی غلطیوں کو لے کر پوری قوم و جماعت کو بدنام کرنا، ان کا مذاق اڑانا اور ان کو دینی احکام اور شرعی قانون کے مذاق کا ذریعہ بنا لیا

(۱) ابن کثیر، البداية و النہایة (۴/ ۶۶۳)

جائے۔ یہ قطعاً جائز نہیں ہے، بلکہ حرام اور کفر ہے جس کی وجہ سے انسان شریعت سے خارج ہو جاتا ہے۔ عالم دین کے اجر اور اس کی فضیلت کے متعلق نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے میری فضیلت تم پر ہے، ادنیٰ درجے کے شخص پر۔“
آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آسمان و زمین والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لیے دعائے رحمت کرتی ہیں۔“^①

کثرتِ مذاق:

مذاق کے سلسلے میں ہی ایک خاص بات جو کہ میں سمجھتی ہوں کہ اس کا لحاظ بہت ضروری ہے وہ یہ کہ کثرت سے مذاق نہیں ہونا چاہیے، عربی زبان کا مقولہ ہے: ”المزاح في الكلام كالملح في الطعام“ ”گفتگو میں مذاق کھانے میں نمک کی طرح ہے۔“ یعنی مذاق کی مثال اس طرح ہونی چاہیے، جیسے کھانے میں نمک کہ اگر کھانے میں نمک کم رہا تو کھانا بے لذت اور اگر زیادہ ہو گیا تو کھانا ناقابل استعمال ہے، اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

کیونکہ کثرتِ مذاق سے انسان بسا اوقات ناجائز مذاق تک پہنچ جاتا ہے، اور اس لیے بھی کہ جب ایک شخص کثرت سے مذاق کرے گا تو زیادہ ہنسے گا اور جب زیادہ ہنسے گا تو اس کا دل مردہ ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”زیادہ ہنسنے سے بچو، کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔“^②

مجھے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بہت اچھی لگی، کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت اور لوگوں کے دل سے اس کا خوف جاتا رہتا ہے اور جو شخص مذاق کو اپنی عادت بنا لیتا ہے لوگوں کے نزدیک اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اسی لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض حدیثوں میں جہاں مذاق سے منع کیا گیا ہے تو اس سے مراد مذاق کرنے میں افراط

① سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۱۹۷) صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث (۵۸۸۳)

② صحیح ابن حبان، صحیح الترغیب (۹۲/۳) بروایت أبو ذر رضی اللہ عنہ.

①

سے کام لینا اور اسے اپنا شیوہ بنا لینا ہے۔

جس نے رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ دین کی کسی چیز کا یا اس کی جزا و سزا کا مذاق اڑایا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اگرچہ اس نے ہنسی مذاق کے طور پر یہ بات کہی ہو۔ لہذا ایسی محفلوں میں شرکت کرنا حرام ہے جہاں اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔

پس رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا، چاہے وہ نماز ہو، ڈاڑھی ہو، شلوار کا ٹخنے سے اوپر کرنا، شرعی پردہ، سود کا چھوڑنا، یا جنت اور جہنم کی کسی چیز کا ذکر ہو یا فرشتوں کے متعلق باتیں کرنا، چاہے مذاق اڑانے والا آنکھ، زبان یا ہاتھ کے اشاروں کنایوں سے مذاق اڑائے۔ یہ چیز اسلام سے خارج کر دینے والی ہے۔

ایسی باتیں کرنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر نظر ثانی کریں۔ اور اس ارشاد الہی کو بھی سامنے رکھیں جس میں اللہ تعالیٰ نے الہمزہ واللمزہ والوں کے لیے ویل کا ذکر سورۃ الہمزہ (آیت ۱) میں فرمایا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾

جیسا کہ ایسا مذاق جس سے دوسرے کو دکھ یا تکلیف پہنچے۔

ایک بار صحابہ کرام اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، ایک صحابی اپنا سامان سر کے نیچے رکھ کر سو گیا اور دوسرے صحابی نے چپکے سے ان کی تیر و کمان لے لی اور وہ اچانک بیدار ہوئے اور گھبرا گئے (شاید یہ سمجھے ہوں کہ کسی دشمن یا چور نے ان کا سامان لے لیا ہے) لوگ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ہنس پڑے، آپ ﷺ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو لوگوں نے جواب دیا کہ فلاں کے تیر و کمان کو ہم لوگوں نے چھپا لیا تھا جس سے وہ گھبرا گیا ہے اور اس کی حالت دیکھ کر ہم ہنس رہے ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَجِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَرَوْعَ مُسْلِمًا﴾^②

”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے۔“

① إحياء العلوم (۳/۱۳۶-۱۳۷)

② سنن أبي داود، الأدب، رقم الحديث (۵۰۰۴) مسند أحمد (۵/۳۶۲) بروایت بعض صحابہ رضی اللہ عنہم.

دوسروں کا مذاق اڑانے والے کا قیامت کے روز مذاق اڑایا جائے گا:

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دوسروں کے ساتھ استہزا کرنے والوں کے لیے آخرت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اسے کہا جائے گا ”آؤ جلدی جلدی آؤ۔“ وہ رنج اور غم کی کیفیت میں آئے گا تو اس کے آنے سے پہلے ہی دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے لیے دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور اسے کہا جائے گا: ”آؤ آؤ جلدی آؤ۔“ وہ پھر رنج و غم کی کیفیت میں آئے گا تو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اسے بند کر دیا جائے گا، حتیٰ کہ اس کے لیے تیسری بار جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا: ”آؤ جلدی آؤ۔“ تو وہ مایوس ہو کر نہیں آئے گا۔“^①

خلاصہ یہ کہ مذاق کا موضوع ایک بڑا اہم موضوع ہے جس کے بارے میں حدود و شرع کا پاس و لحاظ ضروری ہے، اگر ان حدود کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو کبھی مذاق ناپسندیدہ، کبھی حرام اور نعوذ باللہ کبھی کفر تک پہنچا دے گا۔ بڑے اختصار کے ساتھ وہ حدود و ضابطے یہ ہیں:

- ① مذاق اللہ کے ساتھ، احکام الہی کے ساتھ اور سنت رسول ﷺ کے ساتھ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔
- ② وہ مذاق جھوٹ، غیبت اور چوری وغیرہ جیسے ناجائز کام پر مشتمل نہ ہو۔
- ③ مذاق میں زمان و مکان اور افراد و اشخاص کا لحاظ رکھا جائے۔
- ④ حد معقول سے تجاوز نہ کیا جائے۔

مذاق میں جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، گالی دینا، کسی قبیلے، خاندان، ملک اور علاقے کے لوگوں کا مذاق اڑانا مسلمانوں میں ایک عام سی بات ہو گئی ہے اور اسے کوئی عیب نہیں سمجھتا، بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج کا ننانوے فیصد مذاق جھوٹ و غیبت ہی پر مشتمل ہوتا ہے۔

میری بہنو اور بھائیو! زبان کی بہت ساری آفات ہیں، لعنت، تکبر، غیبت، جھوٹ، مذاق، چغل خوری وغیرہ کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، لہذا جو وقت ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہوئے گزارتے ہیں وہی وقت اگر ہم اپنی اصلاح کرنے میں صرف کریں تو زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ کسی کو بدلنا تو ہمارے اختیار میں نہیں، مگر خود کو بدلنا ہمارے اختیار میں ضرور ہے!

① سنن البیہقی، الترغیب و الترہیب، کتاب الأدب (۳/۴۳۶۵)

خاص بات:

یاد رکھیں کہ تین کام ایسے ہیں جو مذاق میں بھی حقیقت ہو جاتے ہیں اور وہ تین یہ ہیں: نکاح کرنا، طلاق دینا اور رجوع کرنا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ مذاق کر رہے ہیں تو سوچ سمجھ کر کریں کہ ہم کس کے متعلق بات کر رہے ہیں، اگر ان شرائط کو مد نظر نہ رکھا گیا تو مذاق کرنا مشروع نہ ہوگا۔

اگر آپ کسی سے مذاق کرتے ہیں تو شرعی حدود کا خیال رکھیں، اللہ کے احکامات اور سنت رسول ﷺ کا مذاق نہ اڑایا جائے، اور نہ ہی حدود سے تجاوز کیا جائے، ایسا مذاق قطعاً نہ ہو جو شریعت کی نظر میں جائز نہ ہو۔ ان افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کرنے والوں کو اچھے طریقے سے روکنا اور دوسرے لوگوں کی عزت کی حفاظت کرنا کا ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے بیہودہ مذاق سے محفوظ رکھے۔ اے اللہ! ہماری زبان جب بھی حرکت کرے تیرے ذکر اور بھلائی کے لیے کرے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا.

مصادر و مأخذ

- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر احسن البیان
- صحیح بخاری
- صحیح مسلم
- کبیرہ گناہ اور نواقض اسلام
- مذاق کے آداب
- لغزش زبان
- تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن
- تالیف: شیخ مقصود الحسن فیضی
- تالیف: شیخ عبداللہ بن جار اللہ رحمہ اللہ
- ترجمہ: عبدالعلیم نور العین
- حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

آفاتِ لسان میں سے لعنت ملامت کرنا

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

قرآنِ کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (آیت: ۶۴) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ وَآمَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا﴾

”بے شک اللہ نے لعنت فرمائی ہے کافروں پر اور ان کے لیے (جیسے دنیا میں ذلت ہے ویسے ہی آخرت میں) دکھتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

ابلیس لعنت کا مستحق کیوں؟

اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

”اے ابلیس! تو نے میرے حکم کا انکار کیا ہے اب تم میری جنت سے نکل جاؤ اور میری طرف سے قیامت تک تم پر لعنت پڑتی رہے گی۔“

جیسا کہ سورۃ الحجر (آیت: ۳۲-۳۵) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِيْنَ ۝۳۲ قَالَ لَمَّا كُنْتُ لَاسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ ۝۳۳

مِنْ صُلٰصٰلٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۴ قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَٰجِعٌ ۝۳۵ وَاِنَّ عَلٰیكَ

الْعٰنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ وہ کہنے لگا: میں تو ایک بشر کو جس کو تو نے کھنکھانے کا لے سڑے کچھڑ سے بنایا سجدہ کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اب تو بہشت سے نکل جا، کیوں کہ تو راندہ درگاہ ہے۔“

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت کے دن تک۔“
قرآن کریم کی ان آیات میں ہمارے لیے تین سبق ہیں:

1- سجدے کا حکم بطور تعظیم:

اللہ تعالیٰ نے سجدے کا حکم بطور تعظیم کیا تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں تھا، اور ایسا کرنا اللہ ہی کا حکم ماننے کے برابر تھا۔ اصل عبادت اور بندگی یہی ہے کہ اللہ کا حکم مانا جائے۔ یوں آدم کو سجدہ کرنا اور اس کی تعظیم کرنا دراصل اللہ ہی کو سجدہ کرنا تھا۔^①

اس میں فرشتوں کی آزمائش تھی کہ آیا وہ اللہ کا حکم مانتے ہیں یا اس تکبر اور غرور کا شکار ہو جاتے ہیں جس کا شکار عزازیل (ابلیس) ہو چکا تھا، یعنی وہ اللہ کے قریب رہنے اور اس کی ہر دم عبادت کرنے کی وجہ سے سب مخلوقات سے افضل ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک امتحان تھا ان کا۔ اور وہ اپنے امتحان میں کامیاب ہو گئے، کیوں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بہت سمجھ دار اور طاعت گزار مخلوق ہیں۔ ان کی صفت اللہ تعالیٰ نے سورۃ التحریم (آیت: ۶) میں یوں بیان فرمائی ہے:

﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

”وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔“
تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

2- ابلیس کے انکار کی وجہ:

شیطان نے انکار کی وجہ آدم ﷺ کا خاکی اور بشر ہونا بتلائی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کو اس کی بشریت کی بنا پر حقیر اور کم تر سمجھنا شیطان کا فلسفہ ہے جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اہل حق انبیاء ﷺ کی بشریت کے منکر نہیں، کیوں کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ لہذا شیطان مردود کے کہنے سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

① التفسیر الکبیر سورۃ البقرۃ (۱۵/۴۳۸)

3- شیطان فرشتہ نہیں تھا۔

شیطان فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ بلکہ خود قرآن کریم کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا۔ [الکہف: ۵۰] اگر فرشتہ ہوتا تو حکم الہی سے سرتابی کی اسے مجال ہی نہ ہوتی۔ انسانی تخلیق سے پہلے اس دور میں بعض جنوں کو فرشتوں سے میل جول کی اجازت تھی۔ انہی جنوں میں سے ایک کا نام ”عزرائیل“ تھا۔^(۱)

عزرائیل کو اصل میں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اسے تو پہلے ہی فرشتوں سے کم تر سمجھا جاتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا تھا کہ جن آگ کی لپٹ سے پیدا کیے گئے ہیں اور فرشتے نور سے۔^(۲)

اس لیے فرشتوں کا مقام اللہ نے ان سے بہتر رکھا ہے مگر جب انسان سامنے آئے گا اور اس کا مقام فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنوں کا مقام مزید گر جائے گا۔ عزرائیل کے خیال کے مطابق یوں وہ ”تیسرے درجہ“ کی مخلوق بن جائیں گے۔

اس صورت میں کسی کے دل میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا، کیوں کہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے، انھیں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے علاوہ شیطان کو بھی مستقلاً حکم تھا۔ مگر شیطان نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں افضل و غیر افضل کی بحث میں پڑ کر اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔

دوسرا یہ کہ اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے، لیکن اس نے اس شرف و عظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی۔

تیسرا، ابلیس نے نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا جو اللہ کو ماننے والے کسی بھی شخص کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اس کا قیاس بھی قیاسِ فاسد تھا۔ آگ مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ جبکہ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے علاوہ کیا ہے؟ جبکہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے،

(۱) البدایة والنهاية (۱/ ۵۰)

۲- صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب فی احادیث متفرقة، رقم الحدیث (۷۴۹۵)

اس میں نبات و نمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نص کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا آغاز ابلیس نے کیا تھا۔ اور آج بھی اگر کوئی ایسا کرے تو اس کا یہ فعل شیطانی فعل شمار کیا جائے گا۔ بلاشبہ عزرائیل کی سوچ کا یہ انداز ہی غلط تھا۔ اللہ کے نزدیک کسی کی فضیلت اور بڑائی کا معیار تقویٰ، یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنا ہے، نہ کہ کوئی کس چیز سے بنا ہے؟ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟ اس سے کوئی غرض نہیں، جیسا کہ سورۃ الحجرات (آیت: ۱۳) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

”اللہ کے نزدیک تم سب سے باعزت تو وہ ہے جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے، یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔“

فرشتوں، آدم علیہ السلام اور شیطان کی تخلیق:

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے، جیسا کہ حدیثِ رسول ﷺ میں بھی ہے:

”فرشتے نور سے اور ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم مٹی سے تخلیق کیے گئے ہیں۔“^①

لہذا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام و تعظیم کا نہیں، بلکہ ذلت و رسوائی کا مستحق ہے یہی وجہ ہے کہ ربّی دنیا تک لعنتیں اس کا مقدر اور بالآخر جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور لوگوں کو برائی سے نہ روکنے کی وجہ سے ملعون ٹھہرائے گئے۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ (آیت: ۷۸ تا ۷۹) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾

”بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے

لعنت کی گئی، کیوں کہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انھوں نے ایک دوسرے کو برے افعال سے روکنا چھوڑ دیا تھا، برا طرزِ عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔“

لعنت کا مفہوم:

آج ہمارے درس کا موضوع لعنت کے متعلق ہے اور خواتین میں لعنت ملامت کرنے کی عام عادت پائی جاتی ہے۔ کم ہی خواتین کو اس کا احساس ہوتا ہوگا کہ یہ عمل جہنم میں لے جانے والا ہے۔ لہذا ہم پہلے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ لعنت ہے کیا اور اس کا مطلب کیا ہے؟ چنانچہ کسی پر لعنت کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کسی کے لیے بد دعا کرتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہو کر ذلیل و رسوا ہو جائے، اور مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے۔ یہ بات تو واقعی بہت خسارے کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے کسی پر لعنت کرنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ بے جان چیزوں پر بھی لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث میں ان لوگوں کا تذکرہ بڑی وضاحت سے کیا گیا ہے جو لعنت کے مستحق ہیں، یعنی جن پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے:

1- لعنت کے مستحق:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کا ذکر سورۃ الاحزاب (آیت: ۵۷) میں یوں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و

آخرت میں لعنت کی ہے اور آخرت میں ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

میری بہنو! بندہ اللہ تعالیٰ کو کیسے اذیت پہنچا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان افعال کا ارتکاب کیا جائے جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے، ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہو سکتا ہے، جیسا کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیثِ قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ

میں ہی زمانہ ہوں، اس کی رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔^(۱)
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، یعنی جو کام صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے اس میں کسی اور کو شامل کرنا، جیسے: پیروں، مزاروں اور درگاہوں پر جا کر منتیں ماننا، اللہ کے سوا کسی اور کو مشکل کشا سمجھنا، حاجت روا ماننا، غیب کی باتیں بتانے والا اولاد دینے والا وغیرہ وغیرہ یہ چونکہ اللہ کی صفاتِ خاص ہیں۔

2- رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا:

رسول اکرم ﷺ کو اذیت دینے کا مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنا، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا پہنچانا اور ان کی تنقیص و اہانت کو بھی آپ ﷺ نے ایذا قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کاموں کو اپنی مرضی سے اپنانا، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی پروا نہ کرنا، جہاں دل چاہا بات مان لی جہاں چاہا چھوڑ دی، آپ ﷺ کی توہین کرنا اور آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا، ایسے کام کرنا جو بدعت ہیں جنہیں کرنے سے نبی ﷺ نے روکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت کی گئی ہے۔^(۲)

3- کتاب اللہ کی باتیں چھپانا:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم کی تعلیمات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، لوگوں کو واضح بات نہیں بتاتے، ان کے متعلق سورۃ البقرہ (آیت: ۱۵۹) میں فرمان الہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ ﴾

”جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۸۲۶) صحیح مسلم (۲/۲۲۴۶)

(۲) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۰۸-۲۹۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۳)

نازل فرمائی ہیں، انھیں، چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور حدیث رسول ﷺ میں بھی ہے:

”جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی (جس کا اس کو علم تھا) اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔“^①

4- مومن کا قتل:

مومن کو قتل کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے، جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۹۳) میں فرمان الہی ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾

”اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید بیان کی گئی ہے، مثلاً: اس کی سزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں ۹ ذوالحجہ کو) خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت تم پر آپس میں اس طرح حرام ہے جس طرح تمہارے لیے اس دن (۹ ذوالحجہ) کی اور اس شہر (مکہ) کی اور اس مبارک مہینے (ذوالحجہ) کی حرمت ہے۔“^②

5- اپنے بھائی کو ڈرانا:

اسی طرح کسی مسلمان بھائی کو (ہتھیار) سے ڈرانے والے پر بھی فرشتے لعنت کرتے ہیں،

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ہے:

① سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۲۶۴) جامع الترمذی، رقم الحدیث (۲۶۴۹)

② صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الخطبة أيام منی، رقم الحدیث (۱۷۳۹)

”جس شخص نے لوہے (کے ہتھیار) سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کیا تو اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اس کام سے باز نہ آجائے، اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“⁽¹⁾

یعنی بھائی اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہتا، صرف اسے ڈرا رہا ہے، یا مزاحاً ایسا کر رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے:

”معلوم نہیں وہ ہتھیار اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے آدمی کو نقصان پہنچائے، کیوں کہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ شیطان اچانک اس کے ہاتھوں سے چھین کر چلا دے اور اشارہ کرنے والا جہنم میں چلا جائے۔“⁽²⁾

اس حدیث سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اگر کسی مسلمان کی طرف اشارہ کرنے پر فرشتے لعنت کرتے ہیں تو عملاً کسی مسلمان پر ہتھیار اٹھانا، اسے زخمی کرنا۔ یا اسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین

6- پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا:

پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ سورۃ النور (آیت: ۲۳) میں ارشاد الہی ہے:

﴿لِنَّ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ أَلْهَمْتَهُمُ الْغَيْبَ لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

”اور جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی با ایمان مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں اور ان کو (قیامت کے دن) بڑا بھاری عذاب ہوگا۔“

لہذا اگر تہمت لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بغض یعنی دوری کا مستحق ہے۔ اور اگر کافر ہے تو مفہوم واضح ہے کہ دنیا و آخرت میں ملعون، یعنی رحمت الہی سے محروم ہے۔

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۶۶۶)

(2) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۶۶۸)

7- منافق مرد اور منافق عورتیں:

اسی طرح منافق مردوں اور منافق عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ (آیت: ۶۷) میں فرمان الہی ہے:

﴿الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

”تمام منافق مرد و عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں، یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے، اور اللہ نے انھیں بھلا دیا، بے شک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں۔“

انہی لوگوں کے لیے اللہ کا وعدہ ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ [التوبة: ۶۸]

”اللہ ان منافق مردوں، منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی انھیں کافی ہے، ان پر اللہ کی پھنکار ہے اور انہی کے لیے دائمی عذاب ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْيَوْمَ نُنَسِّكُمْ كَمَا نَسَيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا﴾ [الجماعۃ: ۳۴]

”آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے۔“

مطلب یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو چھوڑے رکھا، یعنی دین اسلام کے متعلق کبھی انھوں نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ میرا اس دنیا میں کام کیا ہے؟ مجھے کس لیے یہاں بھیجا گیا ہے؟ میری ڈیوٹی کیا ہے؟ جس ذاتِ پاک نے مجھے اس دنیا میں بھیجا ہے، اگر اس نے مجھ سے حساب مانگ لیا تو میں کیا جواب دوں گا یا دوں گی؟ گویا کہ اس نے ان سب باتوں کو بھلا دیا

تو پھر اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا، جیسا کہ اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل و کرم سے محروم کر کے چھوڑے رکھے گا۔ نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی ترک و چھوڑ دینے کے ہوتا ہے، جبکہ نسیان بہ معنی بھولنے اور یاد نہ رہنے کے، اس سے اللہ کی ذات پاک ہے۔^①

8- کفر کی حالت میں موت:

اسی طرح جو لوگ توبہ کیے بغیر کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں، ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ سورۃ البقرۃ (آیت: ۱۶۱) میں فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾

”یقیناً جو کفار اپنے کفر ہی میں مر جائیں، ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت کرنا جائز ہے، لیکن ان کے علاوہ لوگوں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے مرنے سے پہلے کسی نے کفر سے توبہ کر لی ہو، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۸۹) میں فرمان الہی ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا، لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ: ”هَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟“ ”کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟“ اس پر قرآن کریم کی مذکورہ سابقہ آیت نازل ہوئی تھی۔^②

مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے، کیوں کہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض و عناد اور سرکشی کرتے ہوئے حق سے اعراض و انکار کیا ہے، لیکن قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر

① فتح القدير للشوكاني.

② سنن النسائي، رقم الحديث (۴۰۷۳) صحيح ابن حبان (۱۰/۳۲۹)

کوئی خلوصِ دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، اس کی توبہ قابلِ قبول ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا۔ تو دونوں میں سے کوئی ایک شخص اس کفر کے ساتھ لوٹا یعنی جسے کافر کہا گیا ہے اگر وہ کافر نہ ہو تو بات کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔“^①

آج کل لوگ بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو کافر، مشرک، قادیانی، یہودی کہہ دیتے ہیں، خصوصاً مذہبی جماعتیں مذہب کے نام پر عوام کو جذباتی کرنے کے لیے ایسے حربے استعمال کرتی رہتی ہیں۔ اس گناہ سے بچیں، دلوں کے حال تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے، لہذا آپ سوچ سمجھ کر فتوے لگایا کریں۔

9- اپنے باپ کے علاوہ دوسروں کی طرف نسبت:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص جان بوجھ کر (اپنے باپ کو چھوڑ کر) غیر کی طرف نسبت کرے اس پر جنت حرام ہے۔“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے کفر کیا۔“^③

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کی، اس پر اللہ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کے نہ فرض قبول ہوں گے نہ نفل۔“^④

ایسے ہی حضرت ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۱۰۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۰)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۴۳۲۶)

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۷۶۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۲)

④ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۸۷۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۷۰)

”جس نے بھی جان بوجھ کر اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا باپ بنایا تو اس نے کفر کیا اور جس شخص نے اپنا نسب کسی ایسی قوم سے ملایا جس سے اس کا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“⁽¹⁾

میری بہنو! ان احادیث کی رو سے کسی مسلمان کے لیے شرعی طور پر یہ قطعاً جائز نہیں، لہذا اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ دنیاوی ضروریات کے حصول کے لیے سرکاری کاغذات میں یا بطور شہرت اور مال و دولت یا انتقام کی خاطر اپنا نسب نامہ اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے شخص سے منسوب کر لیا تو اس کے تمام عمل ضائع کر دیے جائیں گے۔“⁽²⁾

10- وعدہ خلائی و بدعہدی:

ایسے ہی وعدہ خلائی کرنے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، ان کے متعلق قرآن کریم کی سورۃ الرعد (آیت: ۲۵) میں فرمان الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾

”اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے بہت برا گھر ہے۔“

سورۃ المائدہ (آیت: ۱۳) میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَبِمَا نَقُضُوا مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾

”پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیے۔“

بخاری و مسلم کی ایک حدیث قدسی میں ارشاد الہی ہے، اللہ رب العزت فرماتا ہے:

(1) متفق علیہ.

(2) صحیح مسلم، کتاب الزینة و التطيب، ذکر ما يستحب للمرء تحسين ثيابه و عمله (۲۸۰/۱۲)

”قیامت کے دن تین آدمیوں کے مد مقابل میں خود ہوں گا اور وہ بد قسمت لوگ کون ہیں؟“ ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جس نے میرا نام لے کر کسی سے عہد کیا۔“ یعنی وعدہ کیا اور پھر عہد شکنی کی۔ جیسا کہ کسی کو کہا جائے کہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے، لہذا گواہ بنانے کے لیے کوئی شخص موجود نہیں، اللہ کو گواہ بنا کر آپ سے وعدہ کرتا ہوں، یعنی اللہ کے نام کا واسطہ دے کر اس کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ میں فلاں تاریخ کو آپ کا یہ کام کر دوں گا یا پیسے ہیں تو دے دوں گا، یعنی کوئی بھی وعدہ کرے، لیکن جب تاریخ آتی ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جاؤ اللہ کو گواہی کے لیے لے کر آؤ تو ایسے آدمی کے مقابلے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود ہوگا۔ ”آزاد کوچ کر کھانے والا۔“ یعنی کسی آزاد کو دھوکا و فریب سے غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت ہڑپ کر گیا۔ ”مزدور کی مزدوری نہ دینے والا۔“ تیسرا وہ جس نے کوئی مزدور رکھا، اس سے کام تو پورا لیا لیکن اسے اس کی مزدوری نہ دی۔“^①

لہذا مزدور کی طرف سے بھی اللہ تعالیٰ حساب لے گا، کیوں کہ مزدور کے لیے کہا گیا ہے کہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دی جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ رب العزت قیامت کے دن خود مطالبہ کرے گا۔

11- صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کی ممانعت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بنایا، حتیٰ کہ جب وہ ان سے فارغ ہو گیا تو رحم نے کھڑے ہو کر کہا: جو قطع رحمی سے پناہ کا طلب گار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، (اس مقصد کے لیے تمہارا کھڑے ہونا مجھے قبول ہے) کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اسی سے تعلق رکھوں جو تمہارا تعلق جوڑ کر رکھے اور اس سے تعلق توڑ دوں جو تمہارا تعلق توڑ دے؟“ رحم نے کہا: کیوں نہیں! (میں راضی ہوں۔) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں یہ عطا کر دیا گیا۔“^②

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۲۷۰) متفق علیہ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

② صحیح مسلم (۵/ ۶۵۱۸)

پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی جس میں جو لوگ قطعِ رحمی کرتے ہیں ان کے متعلق لعنت کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ سورۃ محمد (آیت: ۲۳) میں فرمانِ الہی ہے:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾

”بہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور ان کی آواز اور ان کی آنکھوں کو اللہ کی نشانیاں دیکھنے سے اندھا کر دیا ہے۔“

پھر اسی سورت محمد (آیت: ۲۴) کی تلاوت فرمائی، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾

”کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا (پھر) ان کے دلوں پر قفل (تالے) لگ چکے ہیں۔“

جس کی وجہ سے قرآن کے معانی و مفاہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فرمائی تو اس کے ہر کام کے لیے مناسب ترین اعضا کی تخلیق فرمائی، پھر اس پورے عملِ تخلیق کو بار بار دہرانے کے لیے رحمِ مادر کی تخلیق فرمائی۔ انسان کا وجود اور اس کی نسل کی بقا اسی کی مرہونِ منت ہے۔ انسان کے سارے رشتے بھی اسی رحم سے وابستہ ہیں۔ پہلی تخلیق کا موقع ہی اس بات کے لیے مناسب ترین موقع تھا کہ آئندہ انسان کی تخلیق کا عمل جس عضو سے وابستہ ہے اس کے حق کو واضح بھی کیا جائے اور اسے تسلیم بھی کیا جائے۔ یہ انسان پر اللہ کے انعامات میں سے ایک بڑا انعام ہے کہ اپنے پیدائشی رشتوں کو نبھانے والے پر اللہ راضی ہوتا ہے اور اس کے قلب و روح کا تعلق اپنے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ.

احادیث میں قطعِ رحمی کی ممانعت اور صلہِ رحمی کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

”نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ قطعِ رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔“^[۱]

نیز فرمایا:

”کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے،

[۱] صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۹۸۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۵۶)

چنانچہ جس نے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کی اور وہ اسی دوران میں مر گیا تو وہ جہنمی ہے۔⁽¹⁾
 قطع رحمی سے مراد قریبی رشتوں کو منقطع کرنا ہے جو کہ صلہ رحمی کی ضد ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:
 ”صلہ رحمی یہ نہیں کہ جو تم سے اچھا سلوک کرے تم بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، یہ بدلہ ہے، صلہ رحمی یہ ہے جو تم سے قطع تعلقی کرے تم اس سے تعلق جوڑو۔“⁽²⁾
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”رحم (خونی رشتوں کا سارا سلسلہ) عرش کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور یہ کہتا ہے: جس نے میرے تعلق کو جوڑ کر رکھا اللہ اس کے ساتھ تعلق جوڑے گا اور جس نے میرے تعلق کو توڑ دیا اللہ تعالیٰ اس سے تعلق توڑ لے گا۔“⁽³⁾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے (بعض) رشتہ دار ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ نیکی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں بردباری کے ساتھ ان سے درگزر کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا سلوک کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:
 ”اگر تم ایسے ہی ہو جیسے تم نے کہا ہے تو تم ان کو جلتی راکھ کھلا رہے ہو اور جب تک تم اس روش پر رہو گے، ان کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک مددگار تمہارے ساتھ رہے گا۔“⁽⁴⁾

در اصل معیارِ مطلوب یہی ہے اور اسوۂ رسول ﷺ بھی یہی راہنمائی کرتا کہ نبی ﷺ نے ہمیشہ قطع رحمی کرنے والوں۔ بلکہ ظلم و زیادتیاں کرنے والے رشتہ داروں سے بھی حسنِ سلوک کیا ہے اور مشکل کی گھڑی میں ان پر احسان کیا۔ بعض لوگ معمولی معمولی باتوں اور شرعی عذر کے بغیر اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔ دنیاوی اختلافات کی بنیاد پر یہ قطع تعلقی اسلامی معاشرے کو کمزور کر دیتی ہے۔ اسی لیے اس کے لیے سخت سزا سنائی گئی ہے۔ البتہ اگر کوئی

(1) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩١٤)

(2) صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٩١)

(3) صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٥٤)

(4) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٥٨)

نماز نہیں پڑھتا یا بے حیائی پر اڑا ہوا ہے اور قطعِ تعلقی سے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو سکتا ہو تو اس سے قطعِ تعلقی کرنی چاہیے۔ اور اگر اس سے اس پر الٹا اثر ہو اور وہ سرکشی اور گناہ میں مزید بڑھتا چلا جائے، یعنی قطعِ تعلقی میں کوئی شرعی مصلحت نظر نہ آئے تو ایسے منحرف شخص سے حسنِ سلوک، نصیحت اور خیر خواہی کو جاری رکھا جائے، تاکہ وہ گناہ میں مزید نہ بڑھے۔ صلہِ رحمی کے حوالے سے میں عبرت کے لیے ایک واقعہ آپ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں۔ ان شاء اللہ۔ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ درس دے رہے تھے۔ آپ نے شرکائے مجلس سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے کسی سے قطعِ رحمی کر رکھی ہو؟ ایک شخص نے کہا: ہاں، میں مدت سے اپنی پھوپھی جان سے ناراض ہوں۔ آپ نے اسے مجلس سے چلے جانے کا کہا۔ وہ شخص اسی وقت سیدھا اپنی پھوپھی کے پاس حاضر ہوا، ان سے معافی مانگی اور پھوپھی کو راضی کر کے واپس آ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا؟ آپ نے مجھے مجلس سے کیوں اٹھایا تھا؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”جس مجلس میں کوئی قطعِ رحمی کرنے والا موجود ہو، اس مجلس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔“

لہذا میری بہنو! جو آپ کو چھوڑتا ہے آپ اس سے ملنے کی کوشش کریں، کیوں کہ یہ کام آپ نے اپنے رب کی رضا کی خاطر کرنا ہے، اس طرح آپ سے دور رہنے والے آپ کے قریب آجائیں گے۔ اگر اس کے برعکس آپ بھی یہی کہیں کہ میں کیوں اس کے پیچھے جاؤں، میں غریب غربا ہوں، بلکہ میں اپنے گھر سے کھاتی ہوں، وہ نہیں ملنا چاہتی تو ٹھیک ہے میں اپنے گھر میں خوش ہوں اور وہ اپنے گھر میں خوش رہے۔ اس طرح تو قطعِ رحمی ہوتی ہے صلہِ رحمی نہیں، لہذا آپ رشتے داروں کے ساتھ تعلق جوڑنے کی کوشش کریں، کیوں کہ اسی میں آپ کے لیے بہتری ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص اپنے رزق میں کشادگی پسند کرتا ہے اور عمر میں اضافے کا خواہش مند ہے تو اسے چاہیے کہ صلہِ رحمی کرے۔“⁽¹⁾

صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذلِ اموال یعنی مال و دولت کے ذریعے اچھا سلوک کیا جائے۔ یعنی جتنی بھی اللہ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی ہے اسی حساب سے کوشش کریں، اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صلہ رحمی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

12- مدینہ منورہ والوں پر ظلم کرنے والے:

اسی طرح مدینہ منورہ کے لوگوں پر ظلم کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں کی اور سارے اہل ایمان کی لعنت ہے۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے اہل مدینہ کو ظلم سے ڈرایا، اسے اللہ تعالیٰ ڈرائے گا اور اس پر لعنت ہے اللہ کی، فرشتوں کی، تمام ایمان والوں کی اور اس کا کوئی فرض اور نفل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔“^①

13- مدینہ منورہ میں بدعت کی ایجاد اور بدعتی کو پناہ دینا:

اسی طرح بدعتی لوگوں کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص مدینہ منورہ میں بدعت رائج کرے (اور کسی بدعتی کو پناہ دے) اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہے۔“^②

14- غیر اللہ کے نام ذبح کرنا:

ایسے ہی جو لوگ شرک اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کے متعلق سورۃ النساء (آیت: ۱۱۸) میں فرمان الہی ہے:

﴿لَعْنَةُ اللَّهِ ۖ وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾

”اللہ تعالیٰ نے اس (شیطان) پر لعنت کی اور وہ (شیطان) کہنے لگا: میں تو ضرور تیرے بندوں میں سے ایک معین حصہ مار لوں گا۔“

یعنی مقرر شدہ حصے سے مراد وہ نذر و نیاز بھی ہو سکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں

① رواہ أحمد، رقم الحدیث (۲۵)

② صحیح البخاری و صحیح مسلم، اللؤلؤ والمرجان (۱/ ۱۳۵)

مدفون اشخاص کے نام نکالتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اس آدمی پر جو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے، بدعتی کو پناہ دے اور زمین کے نشان (یعنی حدیں) بدلے۔“⁽¹⁾

15- قبروں کو سجدہ گاہ بنانا:

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی، کیوں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔“⁽²⁾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی جنہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔“⁽³⁾

قبر پر بیٹھنے والے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھے جو اس کے کپڑے جلا کر اس کی جلد تک پہنچ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔“⁽⁴⁾

یعنی قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ وہ آدمی آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے تو یہ اس کے لیے کم عذاب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے: قبر کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے۔ آج کے مسلمان کو جو قبروں کے پجاری بنے بیٹھے ہیں انہیں ان احادیث رسول ﷺ پر

(1) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۷۸)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۳۳۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۲۹)

(3) مسند أحمد، أحكام الجنائز للألبانی، رقم الحدیث (۲۱۶)

(4) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۷۱)

غور کرنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، قبروں مزاروں پر جا کر منتیں ماننا اور جانوروں کو ذبح کرنا کیا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سراسر نافرمانی نہیں ہے؟ ایسے لوگوں کو اللہ کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔

16- کفار و مشرکین اور منافقین:

اسی طرح کفار و مشرکین اور منافقین پر بھی اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ سورت ہود (آیت: ۱۸) میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ
الْأَشْهَادُ هُوَ ۗ الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾

”اور جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے، اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، یہ لوگ (قیامت کے دن) اپنے مالک کے سامنے لائے جائیں گے اور گواہ گواہی دیں گے، انہی لوگوں نے اپنے مالک پر جھوٹ بولا تھا، سن لو اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت فرمائی ہے۔“

مصادر و مراجع

- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر احسن البیان
- صحیح بخاری
- صحیح مسلم
- کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا بیان
- کبیرہ گناہ
- عبادت
- لعنت اور رحمت
- حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- تالیف: محمد اقبال کیلانی
- تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن
- تالیف: محمد تمیم مدنی
- تالیف: ام حمزہ کیلانی

آفاتِ لسان میں سے لعنت ملامت کرنا

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

گذشتہ درس سے لعنت ملامت کرنے والوں اور جن پر لعنت کی جائے گی، ان کا ذکر چل رہا ہے، اسی سلسلے میں عرض ہے:

17- صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنے والے:

ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میرے صحابہ کو گالی نہ دو، جو میرے صحابہ کو گالی دے اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔“^①

لہذا ان باتوں کا آپ خاص خیال رکھیں، کیوں کہ کچھ کم علم لوگ محرم میں شیعوں کو دیکھ کر اتنے متاثر ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، جبکہ یہ بہت ہی غلط ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی صحبت کے لیے اللہ کی جانب سے منتخب کیے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی مدح و ثنا بیان فرمائی ہے۔ ان کی محبت دین و ایمان کا حصہ ہے، اور ان سے بغض و کفر و نفاق کی علامت ہے اور ان سے ہماری محبت کیسی ہونی چاہیے، مثلاً:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہمارا محبت کرنے کا انداز یہ ہو کہ جب بھی ہماری زبان پر یا کسی اور کی زبان پر ان کا نام آئے تو رضی اللہ عنہ، عنہما، عنہم، عنہا اور عنہن کہیں۔

② یہ عقیدہ رکھیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جملہ اہل ایمان و اسلام سے افضل ہیں۔ یاد رکھیں کہ ایک ادنیٰ صحابی

بعد میں آنے والے ہر بڑے سے بڑے امام اور ولی اور نیک و صالح بندے سے افضل ہے۔
3 ان میں سے ہر ایک کے ثابت فضائل و مناقب کا اقرار و اعتراف کریں۔ ذہن نشین رہے کہ ان میں سے سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، پھر بقیعہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم، پھر اصحاب بدر رضی اللہ عنہم، پھر اہل بیت رضوان رضی اللہ عنہم، پھر دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

4 ان کے بارے میں یہ حسن ظن رکھیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں ضرور جنت میں داخل کرے گا۔

5 ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ دین کی تبلیغ میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

6 صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپسی اختلافات اور باہمی تنازعات کے تذکرے سے گریز کریں۔

7 انھیں برا بھلا کہنے اور عیب گیری کے ساتھ نشانہ بنانے اور ان پر تہمتیں لگانے سے کلی اجتناب کریں۔

8 ان کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنے سے بچیں جس سے ان کی توہین یا تنقیص ہوتی ہو۔

نعوذ باللہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام لگانے سے پرہیز کریں۔

9 ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے محبت پیدا فرمادے۔
 آمین۔ ان کی شان میں ہم سے کبھی کوئی خطا سرزد نہ ہو۔ آمین۔

18- کفن چور:

ایسے ہی کفن چور پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے کفن چور مرد اور عورت پر۔“^①

19- عام چور کی سزا اور لعنت:

اسی طرح عام چوری کرنے والے پر بھی اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، اگرچہ اس نے انڈا ہی کیوں نہ چرایا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحیح الجامع الصغیر للألبانی (۴۹۷۸)

”چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اگرچہ وہ انڈا چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔“^(۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں نے جہنم میں ایک ٹیڑھے سر کی لکڑی والے کو دیکھا، وہ اپنے آپ کو آگ میں گھسیٹ رہا تھا، وہ اپنے ٹیڑھے سر کی لکڑی سے حاجیوں کی چوری اس طرح کیا کرتا تھا کہ حاجیوں کے کپڑے لکڑی سے اٹکا لیتا، اگر مالک کو پتا چل جاتا تو اسے کہتا: اوہ صاحب! آپ کا کپڑا میری کھونٹی سے اٹک گیا، اور اگر مالک غافل رہتا تو کپڑا لے کر چل دیتا۔“^(۲)

20- دھوکا دہنے والے:

ایسے ہی دھوکا اور فریب دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر اس وجہ سے لعنت فرمائی کہ چربی ان پر حرام تھی، تو انھوں نے اس کو پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا اور اس کی قیمت کھائی۔“^(۳)

آج ہمارے مسلمانوں کا کون سا کام ہے جس میں دھوکا نہیں، یا جھوٹ و فریب نہیں ہوتا۔ کیا ہمیں اس معاملے میں اپنی فکر نہیں کرنی چاہیے؟

21- سود کھانے والے:

میری مسلمان بہنو! اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے، کیوں کہ سودی نظام انسان کو خود غرض اور مفاد پرست بنا دیتا ہے۔ مثلاً قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے، بلکہ منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں

(۱) سنن النسائي (۳/ ۴۵۲۸)

(۲) رواہ مسلم، رقم الحدیث (۹۰۴)

(۳) رواہ البخاري عن عمر، رقم الحدیث (۲۲۲۳- ۳۴۶۰) عمدة التفسیر لأحمد شاکر و صححه عن عبد الرحمن

بن غنم، صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۸۲) سنن النسائي، رقم الحدیث (۴۲۵۷) سنن ابن ماجه،

رقم الحدیث (۳۳۸۳) مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۷۰)

ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے، جبکہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بنک ہو یا کوئی ساہوکار) کا منافع متعین ہے جس کو ادا کرنا ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟

علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارہ، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی اور خود غرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے، چاہے معاشرے میں ضرورت مند بیماری، بھوک اور افلاس سے کراہ رہے ہوں، یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شقاوت و سنگدلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، بہر حال سود مطلقاً حرام ہے، چاہے ذاتی ضرورت کی خاطر لیے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔ سود خور کے دل سے سخاوت، رحم دلی اور صلہ رحمی جیسی اچھی صفات ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”سود کا ایک درہم جو شخص جانتے ہوئے کھاتا ہے وہ چھتیس (۳۶) مرتبہ زنا کرنے سے

زیاد سخت گناہ ہے۔“

اس لیے اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کو شدید ترین الفاظ میں تنبیہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”قبول ایمان کے بعد یا علم ہو جانے پر توبہ کے بعد پچھلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔“

سورۃ البقرۃ کی (آیات: ۲۷۵ تا ۲۷۹) میں سود خور کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ یوں ارشاد

فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٤٥﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ
اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَإِن تُبْتِغُوا فَلَئِمَّ دَعْوَاكُمْ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٤٦﴾

”سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان
چھو کر خبطی بنا دے یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔
حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی
نصیحت سن کر رک گیا، اس کے لیے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور
جس نے پھر بھی کیا، وہ جہنمی ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا
ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے اور گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔ اے
ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایماندار
ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ،
ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”جس رات مجھے معراج کرائی گئی تو میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے پیٹ
مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے، ان کے (پیٹوں کے) اندر سانپ تھے جو باہر سے
دکھائی دے رہے تھے، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے
بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو سود کھانے والے ہیں۔“^①

سود کے متعلق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

① سود کھانے والا۔ ② سود دینے والا۔

③ سود لکھنے والا۔ ④، ⑤ سود کی گواہی دینے والے دونوں گواہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے

پر، لکھنے والے پر، اور اس کی گواہی دینے والے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے:

① سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۲۲۷۳)

”ان سب کا گناہ ایک جیسا ہی ہے۔“^①

یعنی جس ادارے میں سودی کاروبار ہو اس ادارے کے تمام ملازمین لکھنے والوں یا گواہی دینے والوں میں سب کے سب برابر شمار ہوتے ہیں۔ یہ ایسی سخت وعید ہے کہ قرآن مجید میں اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمے داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑادے۔^②

اس کے بعد بھی جو اللہ کی رحمتوں سے دور رہنا چاہے تو انہیں آپ کیا کہیں گی؟ اللہ رب العزت ہم سب کو سود سے محفوظ رکھے۔ آمین

22- رشوت لینا:

اسی طرح ہی رشوت لینا بھی لعنت والے کاموں میں سے ہے۔ مثلاً کسی صاحبِ حق کا حق غصب کرنے کے لیے حاکم یا جج کو رشوت دینا بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے صاحبِ حق کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اور معاشرے میں فساد پیدا ہوگا، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸۸) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْنُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ

النَّاسِ بِآلَائِهِمْ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال

ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔“

یہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو، لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اور اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کرے۔ یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔ یہ ظالم عند اللہ مجرم ہوگا۔^③

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۹۸)

② تفسیر ابن کثیر.

③ تفسیر ابن کثیر.

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”جو شخص اپنے کسی بھائی کے لیے سفارش کرتا ہے اس کو اس پر کچھ ہدیہ دیا جاتا ہے، اگر
 اس نے یہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑے دروازے پر
 پہنچ گیا۔“⁽¹⁾

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رشوت لینے اور دینے والوں، دونوں پر
 رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔⁽²⁾

23- جانور کو باندھ کر نشانہ بنانا:

اسی طرح کسی زندہ جانور کو باندھ کر نیزہ مارنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔ حضرت
 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے کسی جانور کو نشانہ بنانے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔“⁽³⁾

کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ نشانہ بازی کے لیے زندہ جانور کو باندھ کر نیزہ مارتے تھے
 جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا۔ ہاں اگر باہر جنگل میں حلال جانور کا شکار وغیرہ کرتے
 ہوئے نشانہ لگاتے ہیں اور پھر اسے ذبح کر لیتے ہیں تو پھر کوئی ممانعت نہیں۔

24- جانوروں کے منہ پر داغ لگانا:

اسی طرح جانوروں کے منہ پر داغ لگانے والے پر بھی اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سے ایک گدھا گزرا جس کے منہ کو
 داغ دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”لعنت کرے اللہ تعالیٰ اس پر جس نے اس کو داغا۔“⁽⁴⁾

آج بھی کچھ لوگ قبروں مزاروں کے نام کیے ہوئے جانور کو کوئی نہ کوئی نشانی لگاتے ہیں،

(1) سنن أبي داود، البيوع - باب الهدايا لقضاء الحاجة، رقم الحديث (3541)

(2) سنن الترمذي، رقم الحديث (1336)

(3) صحيح مسلم، رقم الحديث (1958)

(4) صحيح مسلم، رقم الحديث (2116)

انہیں بھی اپنی فکر کرنی چاہیے، اللہ کے رسول ﷺ کی بددعا سے بچنے کی کوشش کریں، کیوں کہ آگے ان کے لیے ٹھکانا بہت برا ہے۔

لعنت کیا گیا جانور:

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے کہ ایک انصاری عورت اونٹنی پر سوار تھی، اس نے اونٹنی کو جھڑکا اور اس پر لعنت بھیجی، رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی بات سن کر اسے فرمایا:

”جو اونٹنی پر سامان ہے اسے اتار لو اور اس اونٹنی کو آزاد کر دو (اس پر سفر نہ کرو) کیوں کہ اس پر لعنت پڑ چکی ہے۔“^①

میری بہنو! انسان تو کیا جانور پر بھی لعنت بھیجنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ کسی پر لعنت کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اسے مسلمان کو قتل کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے کسی مسلمان پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل ہی کر دیا۔“^②

اس بات پر ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم دن میں کتنے لوگوں کا قتل کرتے ہیں؟ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اس قسم کے سنگین گناہ سے محفوظ رکھے۔

25- حلالہ کرنا یا کروانا:

حلالہ کیا ہے؟ میری بہنو! یہ شیطان کا ایک کھیل اور اس فعل کو کرنے والے کو شریعتِ محمدی لعنتی کہتی ہے، مثلاً: جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، پھر تین ماہ کے اندر اس سے رجوع کرے یا تین ماہ کے بعد نکاح کر لے اور پھر دوبارہ طلاق دے دے اور پھر رجوع کرے اور پھر تیسری بار طلاق دے تو پھر وہ اس وقت تک اس سے رجوع نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ عورت کہیں دوسرا نکاح نہ کرے، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۳۰) میں ارشادِ الہی ہے:

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۹۵)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۴۷)

﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهَا﴾

”وہ اس مرد کے لیے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔“

نکاح سے وہ شرعی نکاح مراد ہے جس میں مرد ہمیشہ کے لیے بیوی کے ساتھ آباد ہونے کی نیت سے نکاح کرتا ہے، پھر اگر اتفاق سے وہ دوسرا شوہر مرجائے یا طلاق دے دے۔ تو پھر پہلا شوہر نکاح کا زیادہ حق دار ہے یہ تو ہے اللہ کا قانون اور شریعتِ محمدی۔

بعض لوگ اس مطلقہ عورت سے عارضی و مقررہ مدت کے لیے صرف اس غرض سے نکاح کرتے ہیں کہ طلاق لے کر وہ پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکے۔ میری مسلمان بہنوا! ایسا نکاح باطل ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے اور اسے ہی ”حلالہ“ کہتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے، یعنی دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“^①

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کرائے کا ساٹھ کیا ہوتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے

اللہ کے رسول! ضرور بتلائیے! آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حلالہ کرنے والا ہوتا ہے، اللہ نے

حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر لعنت کی ہے۔“^②

یعنی دونوں ہی لعنتی ہیں، رسول کریم ﷺ کی اس حدیث کے سننے کے بعد بھی ایسا کیا جائے تو آپ انھیں کیا کہیں گی۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے؟ پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہی کام شیعہ رافضی کرے تو متعہ اور حرام اور یہی کام سنی کرے تو حلالہ اور حلال، کیا یہ دوہرا پیمانہ نہیں!؟

تیری زلف میں بچنی تو حسن کہلائی وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کی توفیق عطا

فرمائے اور ایسے لعنت والے کاموں سے محفوظ رکھے۔ آمین

① سنن الترمذی، باب ما جاء في المحلل و المحلل له، رقم الحدیث (۱۱۱۹)

② سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۱۹۳۶)

26- شراب سے متعلقہ لعنتی لوگ:

اسی طرح شراب سے متعلق دس آدمیوں پر رسول اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے معاملے میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

1) شراب بنوانے والے (یعنی سرمایہ دار)۔

2) شراب بنانے والے (ہر مزدور)۔

3) شراب اٹھانے والے پر (مزدور)۔

4) شراب وصول کرنے والے پر (یعنی تاجر)۔

5) شراب فروخت کرنے والے پر (خواہ مالک فروخت کرے یا ملازم)

6) شراب خریدنے والے پر (خواہ خریدار اپنے لیے خریدے یا کسی دوسرے کے لیے)۔

7) جس کے لیے خریدی جائے اس پر بھی لعنت کی گئی ہے۔

8) شراب پلانے والے پر (ساتی)۔

9) شراب پینے والے پر (شرابی)۔

10) شراب کی قیمت کھانے والے پر (خواہ مالک کھائے یا ملازم) ^①

شراب چونکہ ام الخبائث ہے، لہذا اس کے مفسدات سے معاشرے کو بچانے کے لیے ابتداء سے آخر تک معمولی سے معمولی تعاون کو بھی شریعت نے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”شراب مت پیو۔ بیشک یہ ہر برائی کی چابی ہے۔“

اب آپ بتائیں کہ باقی کیا رہ گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس کے قریب جاتا ہے اور پیتا ہے تو پھر وہ اپنی جگہ جانتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے نافرمانوں کا قیام کہاں ہوگا؟ ذرا غور کیجیے کہ تیرے رب نے نافرمانوں کے متعلق کیا کہا ہے:

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ [البروج: ۱۲] ”بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“

27- ماتم کرنے والے لوگ:

ماتم اور نوحہ کرنے والی عورت ہو یا مرد، ان دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چہرہ نوچنے والی، گریبان پھاڑنے والی، نیز تباہی اور ہلاکت مچانے والی (یعنی کسی مصیبت پر بین کرنے والی) عورتوں اور مردوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔^① ایک اور حدیث ہے:

”اور قیامت کے دن ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“

28- اللہ کی تخلیق کو بدلنا:

”اللہ کی تخلیق کو بدلنے“ کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

- ① جسم کے کسی حصے میں گدوانا۔
- ② بالوں میں جوڑا لگانے والی۔
- ③ جوڑا لگوانے والی۔
- ④ یا خوبصورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان فاصلہ کروائیں۔
- ⑤ یا پلکوں اور ابروؤں کے بال نکالیں۔
- ⑥ اسی طرح سر کے بالوں اور شکل و صورت وغیرہ میں فاسق و فاجر لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا۔
- ⑦ اور عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا، یہ سارے کے سارے کام لعنتی ہیں، جن سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں۔^②

⑧ مرد اور عورت لباس کے انتخاب میں ایک دوسرے کا رنگ ڈھنگ اختیار نہ کریں، کیوں کہ ایسا کرنے والوں پر بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔^③

① سنن ابن ماجہ (۱/ ۱۲۸۹)

② صحیح البخاری و مسلم، أبو داود، ترمذی، نسائی، صحیح

③ صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۸۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مرد بننے والی عورت اور عورت بننے والے مرد پر لعنت فرمائی ہے۔ عورت کا مرد بننے سے مراد یہ ہے کہ عورت مردوں جیسا لباس پہنے، یا مردوں جیسے بال ہوں، یا مردوں جیسی چال ڈھال اختیار کرے اور مردوں جیسی شکل بنائے۔ یا مردوں جیسی بات چیت کرنے کا انداز ہو، یعنی مردوں جیسی عادات و اطوار اختیار کرے، یہ سارے کے سارے کام لعنت والے ہی ہیں اور یہی معاملہ مردوں کے لیے ہے۔

29- شوہر کو ناراض کرنے والی:

بلا عذر شوہر کی خواہش نہ پوری کرنے والی عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کوئی عورت (اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف) الگ بستر پر رات بسر کرتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ عورت واپس پلٹ آئے۔“^(۱)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مردوں پر حکمرانی کرے۔ اور نہ ہی مردوں کے پاؤں سے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کو اپنے پاؤں کی جوتی سمجھے اور نہ ہی وہ اس کی غلام ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی عزت و احترام بڑھانے کے لیے اس کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا تاکہ وہ مرد کے دل کے قریب رہے، لہذا عورت کو چاہیے کہ شوہر کی خوشی کا خیال رکھے، اس کے ناپسندیدہ کاموں سے دور رہے اور شوہر کی طاقت اور اپنی ضرورت سے زیادہ کا مطالبہ کرنے سے بچے، بلکہ اسے قناعت پسند اور کفایت شعار ہونا چاہیے اور مردوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہر وقت عورت کی غلطیوں کی تلاش میں نہ رہیں۔ یعنی دونوں کو ایک دوسرے کی خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔

30- باریک لباس:

اسی طرح باریک لباس پہننے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”عنقریب میری امت میں ایسی عورتیں ظاہر ہوں گی جو لباس پہنیں گی مگر ننگی ہوں گی،

(۱) سنن أبي داود (۲/۳۴۰۰)

(۲) صحيح البخاري، رقم الحديث (۵۱۹۴) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۴۳۶)

ان کے سر بختی اونٹ کی جھکی ہوئی کوہان کی طرح ہوں گے (اپنے سر پر وگ، جوڑا یا جیسے آج کل بہت بڑے بڑے ہیر کیچ لگائے جاتے ہیں) نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ان عورتوں پر لعنت بھیجو، یہ لعنت کی گئی ہیں۔^①
یعنی یہ اللہ کی رحمتوں سے محروم ہیں۔

میری بہنو! اس قسم کے لباس اور فیشن کرنے سے بچو جس سے تمہارا رب ناراض ہو: دن بھر کرتی ہو نافرمانی اس کی پھر کہتی ہو کہ راضی پروردگار نہیں ہوتا اب بھی وقت ہے کہ اپنے آپ کو باکردار بنائیں، اس لیے کہ لوگ آپ کے اچھے کردار کو یاد کریں گے، کیوں کہ موت جسم کو آتی ہے کردار کو نہیں، لہذا اپنے اللہ سے دعا کیا کریں کہ اے اللہ! ہمیں اپنے ناپسندیدہ لوگوں میں سے نہیں، بلکہ اپنے پسندیدہ لوگوں میں شمار فرمالے، ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ ایک مسلمان عورت کی یہی دعا ہو کہ اے میرے پروردگار! رہیں نیچے نگاہیں میری صدا ایسی شرم و حیا میری آنکھوں میں عطا کر دے

31- طعنہ دینا، لعن و تشنیع:

اسی طرح ہی طعنہ زنی کا مسئلہ ہے جس کے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مومن طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا اور زبان دراز نہیں ہوتا۔“^②

میری بہنو! طعنہ دینا اور لعنت و ملامت کرنا بھی زبان کا فعل ہے، انسان زبان کی وجہ سے بہت سارے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مثلاً: جھوٹ، لڑائی، جھگڑا، گالی گلوچ، استہزا، فحش گوئی، چغتل خوری، غیبت اور لعن طعن وغیرہ، اس سے بہت ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، رشتے داروں میں اور میل جول والوں میں بھی، لہذا اس قسم کی باتوں سے اپنی زبان محفوظ رکھیں۔ جب بھی بات کریں تو اچھی کریں، ہمیشہ میٹھے الفاظ استعمال کریں، کیوں کہ اگر کبھی آپ کو الفاظ واپس لینے پڑیں تو آپ کو کڑوے نہ لگیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری زبانوں کو محفوظ فرمائے۔ آمین

① طبرانی

② سنن الترمذی، رقم الحدیث (۱۹۷۷)

32,33,34,35- خون کی قیمت لینا، کتے کی قیمت لینا، بدکار عورت کی کمائی

کھانا، تصویر سازی کرنا:

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون نکالنے کی اجرت لینے، کتے کی قیمت وصول کرنے، بدکار عورت کی آمدنی لینے اور تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے، نیز فرمایا: ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔^①

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”جاندار اشیا کی تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شدید ترین عذاب دے گا۔“^②

میری بہنو! اس بات کو تو آپ جانتی ہیں کہ ہمارے ملکوں میں خون بیچا جاتا ہے، خاص کر نشہ کرنے والے نوجوان جب نشے کے لیے ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے تو پھر اپنا خون بیچ کر نشہ کرتے ہیں، یعنی ایک ہی وقت میں دو دونا فرمائیاں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے، آمین۔

36- پناہ توڑنے والا:

اسی طرح مسلمان کو پناہ دینے کے بعد پناہ توڑنے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔ حضرت ابو معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے مسلمان کی پناہ توڑی، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام (اہل ایمان) کی لعنت ہے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی فرض یا نفل عبادت کچھ بھی قبول نہیں فرمائیں گے۔“^③

37- عمل قوم لوط (غلام بازی):

ایسے ہی بہت سے اعمال کے ساتھ ساتھ عمل قوم لوط علیہم السلام کے مرتکب پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۰۸۶)

② رواہ البخاری، کتاب اللباس، باب من لعن المصوّر.

③ رواہ مسلم، رقم الحدیث (۱۳۷۰)

”اللہ کی لعنت ہو اس پر جو غیر اللہ کے لیے (جانور) ذبح کرے، اللہ کی لعنت ہو اس پر جو زمین کی حدیں تبدیل کرے، اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اندھے کو راستے سے بھٹکائے، اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے والدین کو برا بھلا کہے، اللہ کی لعنت ہو اس (غلام) پر جو اپنے مالک کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا مالک بتائے اور اللہ کی لعنت ہو اس پر جو عملِ قومِ لوط کا مرتکب ہو۔“

آپ ﷺ نے عملِ قومِ لوط پر لعنت والی بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔^①

عملِ قومِ لوط کا مرتکب تو بہ کیے بغیر مرجائے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس پر نظرِ کرم نہیں فرمائیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ جس بات کا ڈر ہے وہ عملِ قومِ لوط ہے۔“ (کہیں اس میں بتلا نہ ہو جائے)۔^②

اسی طرح عورت کی دبر استعمال کرنے والے کے متعلق کہا گیا ہے کہ غیر فطری فعل ہے۔ حدیث میں ایسے شخص پر بھی لعنت کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

((مَلْعُونٌ مِّنْ أُمَّتِي أَمْرَأَةٌ فِي دُبُرِهَا))^③

”جو عورت (بیوی) کی دبر استعمال کرے وہ ملعون ہے۔“

اللہ رب العزت ہماری نوجوان نسل کو ہدایت فرمائے، انہیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

38- صرف دنیا کی خاطر بھاک دوڑ کرنا:

ایسے ہی دین چھوڑ کر دنیا کے پیچھے بھاگنے والا بھی لعنتی ہے۔^④ سورة الملك (آیت: ۲۱) میں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يُرْذِقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ، بَلْ لَّجَّوْا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ))

① صحیح ابن حبان، کتاب الحدود، باب الزنی (۴۴۱۷/۱۰) تحقیق شعیب الأرناؤوط.

② سنن الترمذی (۱۱۷۸/۲)

③ سنن أبي داود، رقم الحدیث (۲۱۹۲) مسند أحمد (۴۷۹/۲) صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث (۵۸۸۹)

④ ابن ماجہ (۳۳۲/۲)

”اگر اللہ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو تمہیں روزی دے گا؟“

مگر آج کا مسلمان دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے، نماز کا وقت ہو گیا، لیکن اس کی اسے کوئی پروا نہیں۔ اسی طرح مالِ حلال سے آئے یا حرام سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اس کے لیے تو پیسے کا ایک ہی رنگ ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر نبی ﷺ کی یہ حدیث صادق آتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان کوئی پروا نہیں کرے گا کہ جو اس نے حاصل کیا ہے وہ حرام سے ہے یا حلال سے ہے۔“^①

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

”جس کی سوچ و فکر دنیا ہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فقیری کو اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دے گا، اس کے معاملات کو منتشر کر دے گا اور دنیا سے اسے اتنا ہی ملے گا جتنا اس کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔“^②

بہنو! جب معاملہ یہ ہے تو پھر اس عارضی زندگی کے لیے انسان دن رات دنیا کے پیچھے کیوں بھاگ رہا ہے، آخرت کی اسے فکر کیوں نہیں؟ یہاں پر مجھے ایک اللہ والے بندے کی کہی ہوئی بات یاد آئی ہے، یقیناً اس میں ہمارے لیے فائدہ ہوگا، بات یوں ہے کہ ایک فقیر کو ایک ہزار روپے ملے اور وہ سارا دن سوچتا رہا کہ ان سے کیا خریدوں؟ سارا دن اس کا سوچنے میں گزر گیا اور شام ہو گئی، بہنو! جانتی ہو پھر اس نے ہزار روپے کا کیا کیا؟ ان سے کچھ نہ خریدا، بلکہ روپے پھینک دیے اور کہنے لگا: اے مالک! ایک ہزار روپے کی خاطر میں نے تجھے سارا دن بھلا دیا ہے، مگر جن لوگوں کے پاس لاکھوں روپے جمع ہوتے ہیں وہ کیسے تجھے یاد کرتے ہوں گے؟

مگر میری بہنو! اللہ کو بھول گئے ہیں روزی کی تلاش میں ہم مگر رازق کا خیال ہی نہیں۔ اے لوگو! دن میں رزق ضرور تلاش کرو اور رات کو اس کو تلاش کرو جو سب کو رزق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیری بھوک ختم کر دوں گا، اور تیرا

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۰۵۹)

② الترغیب والترہیب (۴/۱۳۰)

سینہ اطمینان سے بھردوں گا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو رات دن محنت میں لگا دوں گا اور تیری بھوک کبھی ختم نہ ہوگی۔⁽¹⁾ لہذا دنیا کے مال و دولت کے پیچھے اپنی آخرت کو تباہ کرنے کے بجائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور جنت کا راستہ اختیار کریں جو متقین کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ ہدایت اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین

نبینا محمد ﷺ:

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے کبھی کسی پر لعنت نہیں فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نہ نحش گو تھے، نہ لعنت کرنے والے، نہ گالی دینے والے تھے، جب ناراض ہوتے تو بس اتنا فرماتے: اسے کیا ہے، اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔“⁽²⁾

لعنت کی ممانعت:

حضرت سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تم ایک دوسرے کے لیے اللہ کی لعنت کے ساتھ بددعا نہ کیا کرو، نہ یہ کہو کہ تم پر اللہ کا غضب نازل ہو، نہ ہی یہ کہو کہ تم جہنم میں جاؤ۔“⁽³⁾

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافریا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا تو دونوں میں سے کوئی ایک شخص اس کفر کے ساتھ لوٹا، جسے کافر کہا گیا اگر وہ کافر نہ ہوا تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔“⁽⁴⁾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کی چادر

ہوانے اڑا دی تو اس نے ہوا پر لعنت کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہوا پر لعنت نہ کرو، کیوں کہ وہ تو تابع فرمان ہے (اللہ تعالیٰ کے حکم کی)، جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کی مستحق نہیں تو وہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔“⁽⁵⁾

(1) ترمذی شریف (۷۳/۲)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۰۳۱)

(3) سنن أبي داود (۴۱۰۰/۳)

(4) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۱۰۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۰)

(5) سنن أبي داود (۴۱۰۲/۳)

لعنت کرنے کی سزا:

جس پر لعنت کی جائے اگر وہ لعنت کا مستحق نہ ہو تو لعنت کرنے والا خود ملعون بن جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بندہ جب کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے اور آسمان کے دروازے اس کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں، جب آسمان کی طرف چڑھنے کا اسے کوئی راستہ نہیں ملتا تو وہ زمین کی طرف اترتی ہے، زمین کے دروازے بھی اس کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں۔ لعنت کو دائیں بائیں کوئی راستہ نہیں ملتا تو وہ لعنت اس شخص کی طرف جاتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہے اگر وہ چیز یا شخص اس لعنت کا مستحق ہے (تو اسی پر پڑ جاتی ہے) اور اگر وہ اس لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت، لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔“⁽¹⁾

میری بہنو! اسی طرح ظالمانہ انداز سے کسی غیر مستحق پر لعنت بھیجنے والا خود اپنے خلاف ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بد دعا کرتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

” (قیامت کے دن) لعنت کرنے والے نہ کسی کے گواہ بن سکیں گے اور نہ ہی کسی کی سفارش کر پائیں گے۔“⁽²⁾

جب کہ امتِ محمدیہ قیامت کے روز دوسری امتوں پر گواہ بنائی جائے گی، لیکن لعنت کرنے والے اس گواہی کے شرف سے محروم کر دیے جائیں گے۔ کسی دوسرے پر لعنت کرنے والوں کو اتنے بڑے خسارے کی فکر کرنی چاہیے۔

بعض گناہوں کی وجہ سے لعنت:

مسلمانوں کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ گار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے ان کے مرتکبین کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ یہ کام کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، وہ کام جو ابلیس نے اللہ تعالیٰ کو قسم کھا کر

(1) سنن أبي داود (3/ 4099)

(2) سنن أبي داود (3/ 4101)

کہے تھے جن کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ النساء (آیت: ۱۱۹) میں اس طرح ہے:

﴿وَلَا ضَلَّ لَهُمْ وَلَا أَمْنٌ بَيْنَهُمْ وَلَا أَمْرٌ لَهُمْ فَلَئِبْتُ كُنَّ أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا أَمْرٌ لَهُمْ
فَلْيَغْزِبَنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا﴾

”اور انھیں راہ سے بہکاتا رہوں گا، اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا، اور ان کو یہ سسکلاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں، اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا تو وہ صریحاً نقصان میں ڈوبے گا۔“

دنیا بھر کے لوگو! سنو! جس نے بھی شیطان کی بات مان لی وہ خسارے میں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا! جب شیطان کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکالا تھا، تب اس نے اللہ رب العزت سے وعدہ کیا تھا:

”اے اللہ! میں تیرے بندوں کو گرہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسم میں روح رہے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: میں اپنے بندوں کو اس وقت تک بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔“^① اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

لعنت کرنے کی تلافی:

میری بہنو! اگر غصے یا لاعلمی میں کسی پر لعنت کی جائے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرنی چاہیے، اس امید کے ساتھ کہ اللہ عفو و غفور ہے، وہ ہمیں معاف فرمادیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

”اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، جس مسلمان کو برا کہوں یا اسے لعنت کروں یا ماروں تو تو اُس کو پاک کر دے اور اس پر رحمت فرما۔“^②

اس حدیث میں ہمارے لیے کتنا بہترین سبق ہے خسارے کی تلافی کا۔ اللہ نے ہمیں صحت و سلامتی

① سنن الترمذی، رقم الحدیث (۵۴۲)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۰۱)

کے ساتھ موقع عطا فرمایا ہے اور ہم اس موقعِ غنیمت سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ تعالیٰ سے کثرت کے ساتھ دعا مانگیں، یا اللہ! جانے انجانے میں ہم سے جو بھی غلطیاں ہوئی ہیں، ہمیں اپنی رحمت سے معاف فرمادے، کیوں کہ مومن کی شان یہ ہے کہ جب اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنائی جاتی ہے اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے تو وہ فوراً قبول کرتا ہے، جیسا کہ سورۃ النور (آیت: ۵۱) میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

”مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“
سورۃ الانفال (آیت: ۲۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴾

”اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا، اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

لہذا ہمیں اپنے رب سے مغفرت طلب کرنی چاہیے، اس میں ہمارے لیے اللہ نے بہت بڑی نعمت رکھی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید (آیت: ۲۱) میں یوں فرمایا ہے:

﴿ سَأَقُولُ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴾

” (آؤ) دوڑوا اپنے رب کی مغفرت کی طرف، اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے، یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

اس کے برعکس جو لوگ اپنی غلطیوں کا احساس نہیں کرتے، اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ نہیں کرتے، یہی اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور ظالم لوگ ہیں، جن کی قیامت کے دن کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی، جیسا کہ سورۃ المؤمن (آیت: ۵۲) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذِرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾

”جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان پر لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے (آخرت میں) بُرا گھر ہوگا۔“

یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا فائدہ اس لیے نہیں ہوگا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں، اس لیے یہ معذرتِ باطلہ ہوگی۔

میری بہنو! یاد رکھو اگر موت کے بعد والی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی ہو تو موت سے پہلے اپنے پروردگار کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق زندگی گزار لو۔ اللہ سے دعا ہے، اے اللہ! ہمیں ہر اس گناہ سے محفوظ فرما لے جو تیرے غضب کا سبب بنتا ہو، یا اللہ! ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرما، اور ہمارے گناہوں کو بخش دے، اور ہمیں جنت الفردوس عطا فرما دے۔ آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

مصادرِ درس

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا بیان
- ✽ کبیرہ گناہ
- ✽ عبادت
- ✽ لعنت اور رحمت
- ✽ تالیف: محمد اقبال کیلانی
- ✽ تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن
- ✽ تالیف: محمد تمیم مدنی
- ✽ تالیف: ام حمزہ کیلانی

آفات اللسان میں سے... جھوٹ!

(1)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [التوبة: ۱۱۹]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

1- سچ کی تعریف:

﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سچ اپنانے اور اس کی فضیلت کا حسن و جمال اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتوں کو اس جماعت میں شمار کیا، جن کی تعریف، کرتے ہوئے سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۵) میں فرمایا ہے:

﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ﴾

”اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں (ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار رکھا ہے)۔“

﴿2﴾ ویسے بھی سچ بولنے والوں کا مقام و مرتبہ ہی بہت ہے، کیوں کہ جب کوئی مسلمان عورت سچ بولے گی تو اسے صادقہ کے نام سے موسوم کیا جائے گا اور جب وہ ہمہ وقت سچ بولتی رہے گی اور ہمیشہ سچائی کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرے گی تو وہ ”صدیقہ“ (یعنی انتہائی سچی) بن جائے گی۔ ”صدیقہ“ اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ سچ بولے اور صداقت کی راہ کبھی ترک نہ کرے اور اپنے قول و عمل سے اس کی تصدیق کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں آخرت میں بلند مقام عطا فرمایا جائے گا، اور وسیع رحمت و مغفرت سے نوازا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں، ان کا ذکر سورۃ الزمر (آیت: ۳) میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ

كَفَّارٌ ۗ ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے اور جھوٹ بولنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

کیوں کہ یہ دنیا میں ذلیل و رسوا اور آخرت میں عذابِ جہنم میں مبتلا کرنے والے بدترین گناہ ”نفاق“ کی علامت ہے۔ جس طرح سچ بولنا اہل ایمان کا شعار ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا منافقوں کی علامت ہے۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”جس میں چار عادتیں پائی گئیں وہ پکا منافق ہے، اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی

ایک عادت پائی گئی، اس کے اندر نفاق کی ایک علامت ہوگی۔“^①

ان چار میں سے ایک جھوٹ بولنا بھی ہے۔ نفاق کا لفظ دلوں پر ایک بوجھ ہے، جب بات ایسی ہے تو اس برے مقام تک لے جانے والے کام پر اصرار کیوں؟

2- سچائی کی برکات:

ہمیشہ سچائی کی راہ اختیار کرنی چاہیے، کیوں کہ سچائی میں برکت ہے، سچ کے بے شمار فضائل و برکات ہیں، مثلاً: یہ بھلائی کا باعث ہے، برکت کی کنجی ہے اور پھر منافقوں کی عادت سے بھی انسان بچ جاتا ہے۔ اور سلف صالحین کا شعار ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سچ بولنے کا عادی بنایا کرتے تھے۔ لہذا ہمیں بھی اپنے بچوں کو اور اپنے آپ کو صداقت کی راہ پر چلانے کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ یہی ایک خالص مسلمان کی نشانی ہے۔

3- شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدق بیانی:

اس سلسلے میں ہم مثال کے لیے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور واقعہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں، واقعہ کچھ یوں ہے کہ وہ حصولِ علم کے لیے گھر سے نکلے تو ان کی والدہ نے کچھ پیسے لباس کے اندر جیب میں ڈال دیے تاکہ سفر میں کام آئیں۔ جب وہ اپنے گھر سے سفر کے لیے نکلے تو چلتے چلتے راستے میں ڈاکوؤں کا سامنا ہو گیا اور انھوں نے کہا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ شیخ صاحب

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۳۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۸)

نے ڈاکوؤں کو سچ بتا دیا کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں، ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: اگر تم انکار کر دیتے تو تم پر کسی کو شک بھی نہ گزرتا، پھر تم نے اپنے چھپے ہوئے مال کی خبر کیوں دی؟ انھوں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا: میری ماں نے مجھے ہمیشہ ہر حال میں سچ بولنے کی تاکید کی ہے۔ شیخ صاحب کے سچ بولنے پر ڈاکوؤں کا سردار بڑا شرمندہ ہوا اور کہتا ہے کہ یہ چھوٹا سا بچہ اپنی ماں کا اتنا فرمانبردار ہے اور میں اتنا بڑا ہو کر بھی اپنے مالک کا نافرمان ہوں۔ اسے اتنی ندامت ہوئی کہ وہ اور اس کا پورا قافلہ سب نے چوری ڈیکیتی جیسی بری خصلت سے توبہ کر لی اور یوں انھوں نے نیکی کا راستہ اپنا لیا۔ دیکھیں سچائی کی برکت پیسے بھی بچ گئے اور ڈاکوؤں نے بھی ہمیشہ کے لیے اس گناہ سے توبہ کر لی۔ ان سب کے صالح العمل اور راسخ العقیدہ بننے کا سارا محرک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کی پر خلوص اور اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی بچے کی تربیت تھی۔

4- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، راستے میں ایک چرواہا پہاڑ سے اتر کر ہمارے پاس آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا امتحان لینے کے لیے فرمایا: اے چرواہے! ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمارے ہاتھ بیچ دو، اس نے کہا: میں تو غلام ہوں، بکریاں تو میرے آقا کی ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: تم اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چرواہا بولا: پھر میں اپنے اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ کیوں کہ وہ تو (سَمِيعًا بَصِيرًا)، یعنی سننے اور دیکھنے والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رونے لگے، پھر اس غلام کے ساتھ اس کے آقا کے پاس گئے اور اسے خرید کر آزاد کر دیا، اور اس سے فرمایا: تمہاری اس بات نے تمہیں دنیا میں آزاد کر دیا ہے، مجھے اپنے اللہ سے امید ہے کہ یہی بات آخرت میں بھی تمہیں نجات دلائے گی۔^①

یہ ہے صدق بیانی کا فائدہ دنیا میں اور آخرت کا باقی ہے۔ کاش! یہ واقعہ ہماری عبرت کے لیے کافی ہو جائے اور ہم سچائی کی راہ اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا نور بصیرت عطا فرمائے، آمین۔

5- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

سچ بولنا، سچ بولنے والے کے لیے لوگوں کی محبت کھینچ لانے والا عمل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص لوگوں کے ساتھ تین سلوک کرے، لوگوں پر اس کے تین حق واجب ہو جاتے ہیں، اور وہ تین کام کیا ہیں؟

- 1- وہ شخص جو لوگوں سے بات چیت میں سچ بولے۔
 - 2- جب وہ اسے کسی چیز کا امین بنا لیں تو وہ ان سے خیانت نہ کرے۔
 - 3- اور جب ان سے وعدہ کرے تو اسے پورا کرے۔
- اس طرح لوگوں پر اس کے تین حق لازم ہو جاتے ہیں، اور وہ تین حق کیا ہیں؟
- 1- لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت کا جذبہ پھوٹ پڑتا ہے۔
 - 2- ان کی زبانیں اس کی تعریف و توصیف کرتی ہیں۔
 - 3- اور وہ اس کی مدد و اعانت کرتے ہیں۔

6- سچ کی فضیلت:

1 سچ کی فضیلت یہ بھی ہے کہ سچائی ہمیشہ آپ کو ہلاکتوں سے بچائے گی، جب کہ جھوٹ ہلاک کر ڈالے گا، جناب ابرش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”جھوٹ تمہیں ہلاک کر دے گا اگرچہ تم اس سے خوف نہ کھاؤ، جبکہ سچ ہر حال میں تمہیں نجات دلائے گا، لہذا جو چاہو سو بولو، انجام کار میں تم بہر حال ایک رائی کے برابر بھی کمی نہیں پاؤ گے۔“

2 سچ کی فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ دنیا میں بلند مرتبے کے حصول کے یقینی اسباب میں سے اہم ترین سبب ہے، اسی لیے اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ کو بعثت سے پہلے ہی ”صادق و امین“ کا لقب دے دیا تھا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وحی و رسالت کی ابتدا ہونے پر آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دی تھی: کہ ”بے شک آپ سچ بولتے ہیں...“ (اس لیے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا ساتھ دے گا) جبکہ آپ ﷺ کی قوم نے یہ اعتراف کیا تھا: ”ہم نے آپ ﷺ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔“

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دشمنوں نے بھی آپ ﷺ کے صادق ہونے کی گواہی دی اور آپ ﷺ کے پیروکار آپ ﷺ کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں، کتنی شاندار و عظیم گواہی ہے! سچ نیک لوگوں کا زیور ہے، آزاد بندوں کی زینت ہے، اور صالحین و برگزیدہ بندوں کا حسن و جمال ہے۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے حضرت لقمان حکیم علیہ السلام سے کہا: کیا آپ فلاں قبیلے کے غلام نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، میں اُسی قبیلے سے ہوں، تو پھر آپ سے پوچھا گیا: کہ آپ کو یہ بلند مقام کیسے ملا؟ ان کے جواب پر ذرا غور کیجیے کہ انھوں نے کیا فرمایا ہے: فرماتے ہیں کہ اللہ کا ڈر، سچ بولنے، امانت ادا کرنے اور لایعنی گفتگو سے اجتناب کے باعث۔

3 سچ کی فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ گندگی اور برائی سے نجات دلاتا ہے، جناب محمود و ذاق ﷺ کہتے ہیں: ”سچی بات کہو، بے شک سچ گندگی سے نجات دلاتا ہے، جھوٹے کو اس کے حال پر چھوڑ دو، کیوں کہ جھوٹ بولنے سے گونگا ہونا بہتر ہے۔“

7- تین چیزیں:

جناب محمد بن عبد اللہ بغدادی کہتے ہیں:

”جب کسی غلام سے یہ تین چیزیں چھوٹ جائیں تو اسے سچ ڈالو، اگرچہ مٹھی بھر راکھ کے

عوض ہی بیچنا پڑے، وہ تین چیزیں کیا ہیں؟

1) سینے کی صفائی۔ 2) سچ بولنا۔ 3) اور دل میں راز چھپانا۔

یعنی جس کے اندر یہ تین چیزیں نہ ہوں وہ شخص کسی کام کا نہیں بس خالی جسم ہے۔

8- مومن کی شان:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سچائی اختیار کرنا جیسے ہوئے پہاڑوں کو اٹھانے سے زیادہ بھاری ہے، اور اس کی طاقت

صرف اہل عزمیت ہی رکھتے ہیں۔“

لہذا مسلمانوں کو ہمیشہ سچ ہی بولنا چاہیے، اپنی زندگی کے تمام معاملات میں سچائی ہی کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں، کیوں کہ یہی ایک مومن کی شان ہے۔ مومن سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن جھوٹا

اور خان نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ سچ بولتے ہیں وہ سچائی کے ان عظیم انعامات کے منتظر ہیں جن کے متعلق قرآن مجید کی سورۃ المائدہ (آیت: ۱۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہی تو وہ دن ہے جب بچوں کو ان کی سچائی نفع پہنچائے گی، اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش، وہ اللہ تعالیٰ سے خوش، سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔“

رضائے الہی ان لوگوں کا مقدر ہے جو ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور سچ پر قائم رہتے ہیں، کچھ بھی ہو جائے، لیکن وہ سچائی کا ہی ساتھ دیتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں بھی ایسی بصیرت عطا فرمادے۔ آمین

9- گفتگو میں جھوٹ:

کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بات بات پر جھوٹ بولتے ہیں، جبکہ جھوٹ وہ بلا خیر گناہ ہے جس کی بدولت معاشرے میں بے چینی، قلق و اضطراب، فتنہ و فساد اور خون ریزیاں جنم لیتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جھوٹے آدمی کو کوئی بھی منہ نہیں لگاتا اور معاشرے میں اس کی ہر بات حتیٰ کہ اس کی ذات بھی بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے۔ جھوٹ بولنا زبان کی لغزشوں اور بیماریوں میں سے ایک بہت بڑی بیماری اور نفسانی مرض ہے۔ اگر جھوٹ بولنے والا اپنے اس مرض کا علاج جلد نہیں کرتا تو یہ مرض اسے جہنم تک پہنچا دے گا اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ہمارے معاشرے میں جھوٹ کی بیماری عام ہو گئی ہے، اور یہ شریعت کی کھلم کھلا مخالفت ہے، چنانچہ جھوٹ ہر چیز میں سما گیا ہے، خرید و فروخت میں، عہد و پیمان میں، ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ لوگ جھوٹ بولنے میں بے پروائی کا شکار ہیں، یہاں تک کہ چھوٹے بچے اس بری عادت پر پروان چڑھ رہے ہیں، اور بڑی عمر کے لوگ بھی اس سے پرہیز نہیں کرتے۔ جھوٹ کا معاملہ انجام کے اعتبار سے بہت ہی برا ہے، کیونکہ یہ انہی حرام چیزوں میں سے ایک ہے جو اپنے مرتکب کو جہنم تک پہنچا

دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”.... بیشک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتے ہیں آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا پیچھا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے یہاں پر لے درجے کا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“⁽¹⁾

دوسرا یہ کہ جھوٹا اپنے آپ کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کرے، لیکن اللہ تعالیٰ دیر سویر اس کا پول ضرور کھول دیتا ہے اور اس کا گناہ اسے رسوا کر کے رکھ دیتا ہے۔

10- جھوٹ کے نتائج:

جھوٹ کے نتائج نہایت ہی برے ہیں، اگر جھوٹ بولنے والے اس سے آگاہ ہو جائیں اور حقیقت سمجھ لیں تو اپنے جھوٹ سے فوراً باز آجائیں اور اللہ کی طرف رجوع کر لیں، ان میں سے چند نتائج ہم مثال کے طور پر ذکر کر رہے ہیں:

11- شک و شبہ کو جنم دینا:

میری بہنو اور بھائیو! جھوٹا ہمیشہ تہمت اور شک کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور بلاشبہ جو اطمینان سچائی کا لازمی نتیجہ ہے، یعنی سچ بولنے پر جو دل کو سکون ملتا ہے جھوٹا اس سے محروم رہتا اور مسلسل تکلیف میں رہتا ہے۔ حضرت ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنے ہوئے یہ الفاظ یاد ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے اور اس کو اختیار کر جس کی بابت تجھے شک و شبہ نہ ہو، اس لیے کہ سچ اطمینان (کا باعث) ہے اور جھوٹ شک اور بے چینی ہے۔“⁽²⁾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”یقیناً سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں صدیق، یعنی سچ بولنے والا لکھ دیا جاتا ہے۔“⁽³⁾

(1) سنن أبي داود، رقم الحديث (4989) سنن الترمذي، رقم الحديث (1972)

(2) سنن الترمذي، رقم الحديث (2442) مسند أحمد، رقم الحديث (1630) وقال المحقق: حديث صحيح

(3) صحيح البخاري، رقم الحديث (5629) صحيح مسلم، رقم الحديث (4720)

12- باہمی اعتماد کا ختم ہونا:

جھوٹ جب سوسائٹی میں سرایت کرنے لگتا ہے تو مسلمانوں کے باہمی اعتماد اور بھائی چارے کو ٹھیس پہنچتی ہے اور یہ چیز نیکی کے بہترین مواقع کو ضائع کر دیتی ہے اور اسی وجہ سے کبھی کبھی بھلائی حقدار تک نہیں پہنچ پاتی۔ خاندانوں اور قرابت داروں میں، دوست و احباب اور محلہ داروں میں ایک دوسرے پر جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں جن سے اختلافات جنم لیتے ہیں، اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں جو بہت بڑا گناہ ہے۔ جھوٹ دراصل موجودہ دور کا بدترین گناہ ہے جس کے ذریعے بہت سے دوسرے گناہ اور جرائم جنم لے رہے ہیں۔ لہذا گناہ اور جرائم کی زندگی سے بچنے کی کوشش کریں۔

13- جھوٹ حقیقت کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے:

یہ بھی جھوٹ کے برے نتائج میں سے ہے، کیوں کہ جھوٹا (اپنی چرب زبانی سے) حق کو باطل اور باطل کو حق، بھلے کو برا اور برے کو بھلا بنا کر پیش کرتا ہے، اور جھوٹا آدمی بری چیزوں کو اس طرح بنا سنوار کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور حقائق کا حلیہ اس طرح بگاڑ کر پیش کرے گا کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور یہی جھوٹوں کی پونجی ہے۔

آہ! افسوس کہ کیا ہی بری پونجی ہے ان کی جس کے نتائج اور اثرات سوسائٹی کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتے ہیں، لہذا پڑھے جانے والے، یعنی جھوٹے قصے کہانیاں (اور دیکھے جانے والے) یعنی ٹی وی انٹرنٹ وغیرہ کے پروگرام جو جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، اور ایسے ہی سنے جانے والے تمام ذرائع ابلاغ میں جھوٹ سے بچنے کی کوشش کریں، کیوں کہ یہی ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔

14- جھوٹ کی کئی قسمیں ہیں:

جھوٹ پورے کا پورا ہی گھٹیا ہے، لیکن اس کی چند صورتیں ہیں جن کے گھٹیا پن کی انتہا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت سزا کی وعید ودھسکی ہے۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم سے پوچھا گیا کہ کون سی کمائی پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر قسم کی تجارت جو دھوکا اور فریب سے پاک ہو۔“^①

① مسند أحمد، رقم الحدیث (۱۶۶۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج کا ڈھیر دیکھا، آپ نے اپنا ہاتھ اس کے اندر ڈالا تو انگلیوں پر تری آگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج کے مالک سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس پر بارش کا پانی گر گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”پھر تم نے اس بھیگے اناج کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے؟ پھر فرمایا: جو شخص ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔“⁽¹⁾

خرید و فروخت کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے، اسی میں ہمارے لیے خیر و برکت ہے۔ تجارت کرنے والوں کے لیے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے عمل کو بطور مثال بتانا چاہتی ہوں کہ انھوں نے ایک بار اپنے غلام کے ہاتھوں بازار میں کپڑا بیچنے کے لیے بھیجا۔ لیکن کپڑے کے تھانوں میں سے ایک تھان خراب تھا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ غلام کو بتانا بھول گئے کہ اس میں سے ایک تھان خراب ہے۔ جب کپڑا بیچ کر غلام واپس آیا تو پتا چلا کہ خراب تھان بھی دوسرے تھانوں کے ساتھ فروخت کر دیا گیا ہے۔ امام صاحب نے کسٹمر کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکا۔ لہذا امام صاحب نے اس سفر کا سارا پیسہ صدقہ کر دیا۔ بعض تاریخی روایات سے پتا چلتا ہے کہ تلاش کرنے پر کسٹمر مل گیا جو کہ یہودی تھا۔ جب اسے خرابی کا پتا بتایا تو وہ یہ صدق و امانت دیکھ کر مسلمان ہو گیا، (سبحان اللہ!) دیکھا صدق بیانی میں کتنی برکت ہے۔

لہذا آپ بھی خریداری کرتے وقت ان باتوں کا خاص خیال رکھیں، کیوں کہ خرید و فروخت کے لیے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول بتائے ہیں، اور ایک مسلمان کو خرید و فروخت کرتے وقت ان اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ میرے اور آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”خرید و فروخت کرنے والے کو سودا پکا کرنے یا چھوڑنے کا اختیار ہے، اگر سچائی اور وضاحت سے کام لیتے ہیں تو دونوں کے لیے خرید و فروخت میں برکت ہوتی ہے اور اگر (سامان کے عیوب کی) پردہ پوشی اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں تو ان کے لین دین سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔“⁽²⁾

(1) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، رقم الحدیث (۱۰۲)

(2) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۱۱۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۳۲)

15- جھوٹ کی ایک اور قسم:

جھوٹ ہی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جس سے کسی دوسرے کو تو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا، لیکن آدمی کی اپنی ذات بے وزن ہو جاتی ہے مثلاً اپنی بہادری ظاہر کرنے کے لیے الٹے سیدھے قصے بیان کیے جائیں اور حاضرین مجلس پر اپنی خوش طبعی کا سکہ جمانے کے لیے اور انہیں ہنسانے کے لیے خواہ مخواہ جھوٹ پہ جھوٹ بولتے جائیں۔ یہ جھوٹ وہ قسم ہے جو کفر یا کبیرہ گناہوں میں سے تو نہیں، البتہ معصیت اور گناہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس جھوٹ کا عادی ہو جائے تو پھر یہی کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔^①

ایسے لوگوں کے بارے میں بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے:

”اگر کوئی شخص محض دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے تو اس کے لیے بھی ویل

اور بربادی ہے۔“^②

ویل ایک وادی کا نام ہے، یعنی دوزخ کا ایک گڑھا ہے جس میں جہنمی لوگوں کے جسموں کے جلنے کی وجہ سے خون اور پیپ گرتی ہے۔

ذرا ان احادیث پر غور کیجیے اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجیے کہ جب دوست لوگوں کی آپس میں مجلسیں جمتی ہیں تو ہنسی مذاق کے طور پر جھوٹے لطیفے گھڑے جاتے ہیں اور گپ شپ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ حدود کا بھی خیال نہیں کرتے۔ جو سب سے بڑا جھوٹ بولتا ہے وہ میر محفل قرار پاتا ہے۔ اس وقت سب ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتے ہیں اور شیطان اس وقت خوب تالیاں بجاتا ہوگا اور کہتا ہوگا کہ میں نے امت محمدی کو جہنم کی راہ پر ڈال دیا ہے۔

اے لوگو! دنیا کے لیے اپنی آخرت برباد نہ کرو، کسی انسان کو خوش کرنے کے لیے اپنے اللہ کو ناراض نہ کرو۔ ویسے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے“، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عموماً کھل کر نہیں ہنستے تھے، البتہ مسکراتے ضرور تھے۔

① قاضی ابن حجر آل بوطامی آف قطر.

② سنن أبي داود، سنن الترمذي، مسند أحمد و سنن الدرمامي عن النواس.

16- کسی کی حق تلفی کرنے کے لیے جھوٹ بولنا:

جھوٹ بولنا تو عام حالات میں بھی گناہ ہے، اگر ایسے امور میں جھوٹ بولا جائے جن کی وجہ سے کسی کے مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچے اور اس کی حق تلفی ہو۔ ایسے موقع پر بولے گئے جھوٹ سے دو گروہوں میں اختلاف کی خلیج بڑھتی ہے، اخلاقی قدریں پامال ہوتی اور باطل کو فروغ ملتا ہے۔ مثلاً کذب بیانی اور چرب لسانی کے بل بوتے پر سرکاری عدالتوں میں ججوں اور مجسٹریٹوں کو اور عوامی پنچائتوں میں حاضرین اور فیصلہ کرنے والے ثالثوں کو متاثر کیا اور بہکایا جاتا ہے۔ اب تو ہمارے معاشرے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ گواہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کیوں کہ شاطر و کیلوں اور کورٹ کچہری میں ہر قسم کی جھوٹی و ناجائز گواہی کے لیے مختلف ریٹوں پر بکنے والے پیشہ ور جھوٹے گواہ موجود ہوتے ہیں جن کے ذریعے دوسروں کے حقوق کو پامال کرتے اور ان لوگوں کے مال و زمین پر ناجائز قبضہ جمالیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

قرآن کریم کی اس آیت پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے متعلق کیا فرما رہے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۗ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدُوا ۗ وَإِنْ تَلَاَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَأَنْ أَللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [النساء: ۱۳۵]

”اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اگرچہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا ماں باپ یا رشتہ دار عزیزوں کے خلاف ہو، وہ شخص اگر مال دار ہو یا فقیر ہو، ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ ہے، اس لیے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہا ہے، چاہے اس کی وجہ سے انہیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے، یہ اس لیے کہ حق سب پر حاکم ہے اور سب پر مقدم ہے، یعنی کسی مال دار کی مال داری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشہ تمہیں سچی بات کہنے سے

روکے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ تمہارے قریب اور مقدم ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے اُس ارشاد کو بھی یاد رکھنا چاہیے جس میں آپ ﷺ نے چالاکی اور چرب زبانی سے غلط فیصلہ کروا لینے والوں کو جہنم کی آگ حاصل کرنے والے قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”تم لوگ اپنا جھگڑا میرے سامنے لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک شخص خوش بیانی کی وجہ سے دوسرے سے بہتر طور پر مجھے اپنی بات بتالے اور میں اس سے سننے کے مطابق فیصلہ اس کے حق میں دے دوں اور اس طرح اس کے بھائی کے حق سے کچھ اس کو کاٹ دوں تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ میں اس کو آگ (نارِ جہنم) کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں۔“^(۱)

اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

”جس شخص نے ایک بالشت بھر زمین کسی سے چھین لی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اتنا حصہ، ساتوں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دے گا۔“^(۲)

میری بہنو اور بھائیو! اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے حق بات آپ تک پہنچ گئی ہے، اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جنت میں گھر چاہیے یا جہنم کا گڑھا۔

دنیا جہاں کے لوگو! سنو! حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہیں، سنو جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی (کبیرہ گناہ ہیں) آپ ﷺ اس بات کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ ﷺ سکوت فرمائیں۔“^(۳)

لہذا جھوٹی گواہی سے بچنے کی کوشش کریں، رحمان اپنے سچے بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ [الفرقان: ۷۲] ”اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔“

(۱) متفق علیہ عن أم سلمة رضی اللہ عنہا۔

(۲) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۲۷۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۰۲۵)

(۳) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۶۵۴) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۷)

17- جھوٹ سے برکت کا ختم ہو جانا:

خرید و فروخت کے وقت جھوٹ بولنے پر مال میں سے برکت ختم ہو جاتی ہے! کیوں کہ شیطان خرید و فروخت کرنے والوں کو سبق پڑھاتا ہے کہ اگر جھوٹ کا سہارا لوگے تو نفع زیادہ ہوگا، اور فی الواقع یہ غلط حرکت بعض ایسے لوگوں میں ہے جن کے دلوں میں اللہ کی نگرانی اور روز حساب کا ڈر نہیں، وہ کہتے ہیں جو چاہیں کریں کون انھیں لکھتا اور محفوظ کرتا ہے، چنانچہ یہ لوگ جھوٹ بول کر سامان کے عیوب کو اس لیے چھپاتے ہیں کہ کہیں گا ہک لوٹ نہ جائے، اور ہاں اس طرح بسا اوقات خریدنے والا بھی جھوٹ بولتا ہے، وہ ایسے کہ کوالٹی جانتے ہوئے بھی سامان کو گھٹیا بتاتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی یا اس سے عمدہ اس سے کم قیمت میں خریدا ہے اور فروخت کرنے والا اس کی بات مان لیتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ سچ کہتا ہو مگر خریدنے والے کو معلوم ہے کہ میں جھوٹ کا سہارا لے رہا ہوں، یعنی دونوں ہی ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہیں، کیوں آخر یہ جھوٹ کیوں؟ کس کے لیے؟ محض دنیا کے مال کی خاطر، جبکہ اسے اپنی زندگی کے متعلق یہ تک نہیں پتا کہ اس کی سانسوں اس کا ساتھ کہاں تک دیں گی؟ اور جو سامان جھوٹ بول کر اس نے خریدا ہے یہ اس کے نصیب میں ہے یا نہیں؟ کیا یہ اپنے گھر سلامت پہنچ پائیں گے؟ کیا فروخت کرنے والے کے مال میں برکت آئے گی؟ ہرگز نہیں۔ لوگوں کو دھوکا دینا اور جھوٹ کا سہارا لینا یہ سب فرمان نبوی ﷺ سے بے پروائی کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا

فرمائے۔ آمین

18- سامان کو مشہور کرنے کے لیے جھوٹ:

امور تجارت میں صدق و امانت سے کام لینے والے تاجر کی بڑی فضیلت ہے۔ نبی ﷺ نے تجارت اور تاجر کا بڑا مقام بیان فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”سچے اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء اور صدیقین کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔“

میری بہنو! آپ کہیں گی کہ یہ کام تو مردوں کا ہے، ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے، کیوں کہ تجارت صرف مرد ہی نہیں، بلکہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں، جیسا کہ ہماری اماں جان حضرت خدیجہ بنت ابی طالبؓ تجارت کیا کرتی تھیں، پھر ان کا مال تجارت نبی ﷺ بھی مکہ سے باہر لے کر گئے

تھے۔ اب بھی عربی عورتیں تجارت کرتی ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں، شرط یہ ہے کہ تجارت کے لیے مال حلال ہو اور اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہ ہو، نہ ہی دھوکا فریب ہو، ورنہ اس میں برکت نہیں ہو گی۔ لہذا تجارت و مزدوری کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان باللہ اور یقین کو قوی، خشیتِ الہی اور تقویٰ کو مضبوط اور زبان کو ذکرِ الہی سے تر رکھیں، یوں آپ یقیناً ان لوگوں کی رفاقت کے مستحق ہو جائیں گے جن پر اللہ نے انعامات کیے ہیں۔^①

تجارت میں صداقت و امانت سے کام لینا چاہیے، جھوٹ بول کر اپنی عیب دار چیز کو بے عیب ظاہر نہ کیا جائے یا اس کے دام بڑھانے یا کم کرنے کے لیے کوئی کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو، تو یہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔

غرض یہ کہ کاروبار میں دھوکا و فریب اور ملاوٹ نہ ہو۔ مگر افسوس.... آج عالم یہ ہے کہ ملاوٹ زوروں پر ہے، بیماریاں بڑھ رہی ہیں، علاج کے لیے دوا لیں تو وہ بھی ملاوٹ اور دھوکے سے پاک نہیں ملتی۔ اسی طرح کھانے پینے کی اشیا میں ملاوٹ، غرض ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ عیوب کو چھپانے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اللہ کے رسول ﷺ کے اُس فرمان کو یاد رکھنا چاہیے جس میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا: (1) جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔ (2) عطیہ دے کر احسان جتلانے والا۔ (3) اور کپڑے ٹخنوں سے نیچے پہننے والا۔“^②

مصادرِ درس

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم

① حلال اور حرام (ص: ۱۸۴-۱۸۵)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۳۴۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۶-۱۰۷)

- ✽ لغزش زبان تالیف: فضیلہ الشیخ: عبداللہ بن جار اللہ الجار اللہ ﷺ
ترجمہ: عبدالعلیم نور العین
- ✽ تزکیہ النفوس تالیف: علامہ ابن رجب حنبلی و علامہ ابن قیم الجوزی و ابو حامد الامام الغزالی رحمہم
ترجمہ: مولانا محبوب احمد قمر زمان اعظمی
- ✽ الآداب: تالیف: حافظ ابو بکر احمد بن حسین الیمہقی رحمہ اللہ۔ ترجمہ: مولانا زبیر احمد سلفی
- ✽ پیارے رسول کے دن رات، تالیف: حافظ عبدالرحمن صدیقی
- ✽ افواہوں کی شرعی حیثیت تالیف: دکتور سعد بن ناصر عبدالعزیز۔ ترجمہ: ابو اسعد قطب محمد اثری
- ✽ کبیرہ گناہ تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن
- ✽ آداب زندگی تالیف: امین الرحمن عمری مدنی رحمہ اللہ، نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر رحمہ اللہ

آفات اللسان میں سے... جھوٹ کی بربادیاں

(2)

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [التوبة: ۱۱۹]

”مسلمانو! اللہ سے ڈرو (اس کے پیغمبر کے خلاف نہ کرو) اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

19- جھوٹے کی بربادی:

- 1 جھوٹے شخص کی ایک بربادی یہ ہے کہ لوگ اس کا اعتبار نہیں کرتے، اگرچہ وہ اپنی بات میں سچا ہی کیوں نہ ہو۔
 - 2 جب جھوٹا اپنی کذب بیانی کی وجہ سے معروف ہو جائے تو پھر وہ ہمیشہ لوگوں کے نزدیک جھوٹا ہی رہتا ہے، چاہے وہ کبھی سچا بھی ہو۔
 - 3 جھوٹے شخص کی بد قسمتی یہ بھی ہے کہ وہ جھوٹ بھول جاتا ہے، جبکہ ذہین و فقیہ آدمی اسے بھانپ لیتا ہے۔
 - 4 جھوٹ کی نحوست یہ بھی ہے کہ جھوٹے کی صحبت سے لوگ بھاگتے ہیں، اس کے قریب بھی بھٹکنا نہیں چاہتے اور اس سے دور رہنے کی تمنا کرتے ہیں۔
 - 5 جھوٹے کا قیامت کے دن بڑا دردناک انجام ہوگا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ﴾ [الزمر: 6۰]
- ”اور (اے پیغمبر!) قیامت کے دن آپ دیکھیں گے جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا تکبر غرور کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے۔“

قیامت کے دن جب یہ لوگ اللہ کے عذاب کی ہولناکیاں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مشاہدہ کریں گے تو ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

20- جھوٹ کی بدترین قسم:

جھوٹ کی بدترین قسم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا ہے جو نہ صرف گناہ ہے، بلکہ سراسر کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا! مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں چیز یا کام اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے اور فلاں کو حرام، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو، یہ محض اپنی بات کو وزنی بنانے کے لیے، اس کا چرچا کرنے یا اپنے کسی باطل طریقے یا نظریے کی ترویج یا اپنا کھوٹ چھپانے کے لیے کہا جائے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یا نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو گویا اس آدمی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھا اور جھوٹ منسوب کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق سورۃ العنکبوت (آیت: ۶۸) میں اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہے ہیں:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔“

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

﴿مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ﴾^①

”جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“

یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انھوں نے تکفیر و تکذیب کا راستہ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی پروا نہیں کی اور اس کے محارم و مناہی کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔ لہذا جب بھی اللہ تعالیٰ کے ارشادات یا نبی ﷺ کے فرمان کے متعلق کوئی بات کریں، صحیح اور ہوش و حواس میں اچھی طرح تحقیق کرنے کے بعد اس پر خود بھی عمل کریں اور لوگوں کو بھی بتائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنت کے بدلے ٹھکانا کسی دوسری جگہ پر ہو، اللہ تعالیٰ نہ کرے۔ آمین

21- جس جھوٹ سے کسی کو تکلیف ہو:

جھوٹ ہی کی ایک قسم یہ ہے جس کے نتیجے میں کسی مسلمان کو ذہنی یا جسمانی تکلیف ہو، یا

① متفق علیہ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ

اس کی عزت و آبرو کو ٹھیس پہنچے، مثلاً: حکام یا افسرانِ بالا کو کسی شخص کے خلاف جھوٹ بول کر بھڑکایا اور اسے قید و بند، جرمانہ اور زد و کوب کرایا جائے۔

واضح رہے کہ دست درازی اور زبان درازی شریعت کی نظر میں حرام اور ممنوع کام اور ظلم ہے، اور انسان جس قدر ان حرام اور ممنوع چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے اسلام میں اسی قدر اس کے مراتب و درجات بلند ہوتے ہیں، نبی اکرم ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ کون مسلمان سب سے اچھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ»^①

” (سب سے اچھا مسلمان وہ ہے) جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

آپ اچھی طرح اپنا محاسبہ کریں کہ آپ کی زبان اور ہاتھوں سے کون کون محفوظ ہے اور کس کو تکلیف پہنچی ہے۔ جس کے ہاتھوں یا زبان سے کسی کو تکلیف پہنچی ہے، اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ ان کی تکلیف اور پریشانی کو دور فرمادے جس کے سبب آپ ہیں، اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زبانوں پر کنٹرول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایسی خوشی سے محفوظ رکھے جو دوسروں کو دکھ دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ (آمین)

22- جھوٹی قسم کے ذریعے لوگوں کا مال ہتھیانا:

اللہ تعالیٰ نے ایسے دین فروش لوگوں اور ایمان فروش ظالموں پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا ہے، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۷۷) میں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، ان کے

لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی اللہ ان سے بات چیت کرے گا اور نہ ان کی

طرف قیامت کے دن دیکھے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۴۲)

عذاب ہے۔“

نبی ﷺ نے بھی اپنی زبان صدق ترجمان سے جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں اللہ کے غضب کی ہی خبر دی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

”جو لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملیں گے کہ اللہ ان پر غضب ناک ہوگا۔“^①

مزید ارشاد فرمایا:

”جس نے جھوٹی قسم کے ذریعے اپنے مسلمان بھائی کا حق مارا تو اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی ہے۔“

ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگرچہ کوئی حقیر و معمولی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اگرچہ پیلو کی مسواک کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔“^②

جھوٹی قسم کے متعلق درجنوں حدیثیں ہیں مگر عمل کے لیے تو مومن کو ایک ہی کافی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

23- جھوٹا خواب بیان کرنا:

اسی طرح جھوٹا خواب بیان کرنے والے کے متعلق اللہ رب العزت نے بڑی سخت و عمید بیان فرمائی ہے۔ وہ ایسے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے ایسا اور ایسا خواب دیکھا ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہ ہو، یعنی جھوٹی کہانی تیار کر کے لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہو، ایسے شخص کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی وہ خواب بیان کرے جو اس کی آنکھوں نے نہ دیکھا ہو۔“

ایسے شخص کے بارے میں نبی رحمت ﷺ نے مزید فرمایا:

”جس نے ایسا خواب بیان کیا جس کو اس کی آنکھوں نے دیکھا نہیں تو ایسے انسان کو سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجبور کر دے گا کہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے اور

① صحیح البخاری، رقم الحدیث (۲۳۵۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۰-۱۳۸)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۷)

وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکے گا۔ اور اس کی وجہ سے اسے مسلسل فرشتوں کی مار پڑتی رہے گی۔⁽¹⁾

میری بہنو اور بھائیو! اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، خواب تو ویسے ہی سارے دن کے حالات و خیالات مل کر رات کو خواب بن کر سامنے آجاتے ہیں اور اگر کبھی کبار خواب سچا ہو جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا ہر خواب سچا ہو، کیوں کہ سب خواب انبیاء علیہم السلام کے سچے ہوتے ہیں، میرے اور آپ کے نہیں، لہذا خواب کے لفظوں کو خوب صورت بنانے کے لیے جھوٹ کا سہارا نہ لیجیے، کیوں کہ اس کی سزا کو میں نے آپ تک پہنچا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

24- جھوٹ کی بنیاد پر ایک خطرناک رسم:

اسی طرح اپریل فول کی رسم بھی جھوٹی ہے۔ یہ ایک طوفانِ بدتمیزی، بلکہ مہلک و جان لیوا رسم ہے، احساسِ کمتری میں مبتلا لوگ مغرب کی ہر چھوٹے بڑے معاملے میں تقلید و نقالی کو اپنے لیے ترقی و کامیابی کا راز سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج اگر امتِ اسلامیہ کے حالات پر ذرا سی نظر ڈالی جائے تو بے شمار بیماریاں ایسی نظر آئیں گی جن کا اسلامی تہذیب و معاشرت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ شریعتِ اسلامیہ میں ان کے خلاف واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس کے باوجود مسلمان ان عادات و اطوار اور رسوم و رواج کو اپناتا جا رہا ہے اور یوں آہستہ آہستہ اپنے اسلامی تشخص اور مسلم آئیڈنٹی کو کھوتا جا رہا ہے۔

نتیجہ یہ کہ شکل و شبہت، اندازِ خورد و نوش، خوراک و پوشاک، چال ڈھال اور کام کاج غرض ہر معاملے میں اغیار کی نقل کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسی ہی بیشارِ رسوم و عادات میں سے ایک ”اپریل فول“ منانے کی رسم بھی ہے۔ فرنگیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اُلٹو بنانے کے لیے اور دوسرے کو پریشانی میں مبتلا کر کے خود خوش ہونے کے لیے اس اپریل فول نامی رسم کو رواج دیا اور ہماری قوم نے اسے ہاتھوں ہاتھ قبول کیا۔

اس کی اسلامی شریعت میں تو کیا حیثیت ہوگی؟ اسلامی تہذیب و ثقافت کے بھی منافی اس مہلک و جان لیوا رسم ”اپریل فول“ کے بارے میں قرآن و سنت میں کئی ایسے واضح اشارات موجود ہیں جو اس کی قباحت و شاعت کے ساتھ ساتھ اس کی حرمت کا پتا دیتے ہیں: مثلاً

❶ جھوٹ کا عنصر: اس رسم کی ادائیگی تب تک ممکن ہی نہیں جب تک جی بھر کر جھوٹ نہ بولا

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۵۲۱، ۷۰۲۲)

جائے۔ کسی کو کہا کہ تمہارا فلاں رشتہ دار فوت ہو گیا ہے۔ فلاں کا ایک سیڈنٹ ہو گیا ہے، فلاں کو یہ ہو گیا ہے اور فلاں کو وہ، اور یہ سب دوسروں کا مذاق اڑانے کے لیے جھوٹ بولا جاتا ہے، جبکہ جھوٹ کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔ سورت آل عمران (آیت: ۶۱) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔“

2 **دھوکا دہی:** اپریل فول کی رسم ادا کرنے کے لیے صرف جھوٹ ہی نہیں، بلکہ اس میں دھوکا دہی بھی کی جاتی ہے جو کہ اس کی ادائیگی کا ایک لازمی عنصر ہے، جبکہ دھوکا دہی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، حتیٰ کہ صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ ہم میں سے ہی نہیں ہے۔“¹

اس رسم کی ادائیگی کا سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ دوسروں کو اٹو بنانے کے نام سے عارضی طور پر ہی سہی مگر ذہنی طور پر پریشان کیا جائے اور اسے پریشانی کے عالم میں دیکھ کر خود اس کا تماشا دیکھا جائے۔ اسلام نے اس اور دیگر ہر قسم کی ایذا رسانی و پریشان کنی کو سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور اس رسم کی قباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس کا ارتکاب کسی کمزور دل مسلمان بہن بھائی سے کیا جائے، کیوں کہ پریشانی کے اچانک جھٹکے سے وہ بے ہوش بھی ہو سکتا ہے اور امراضِ قلب میں مبتلا لوگوں کا ایسے میں ہارٹ فیمل ہو جانا اور وفات پا جانا بھی کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔

یہ کفار کی مشابہت ہے اور یہ انہی کی ایجاد کردہ رسم ہے، لہذا اس قسم کی جھوٹی رسم منانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔ یہ جھوٹ کی فبیح ترین اور خطرناک قسم ہے، اللہ ہمیں اس قسم کی فضول رسموں سے محفوظ رکھے، آمین۔ آپ ہر قسم کے جھوٹ سے مکمل پرہیز کریں اگرچہ مذاق کے طور پر ہی کیوں نہ ہو، نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

”میں اس شخص کے لیے جنت کے اطراف (یعنی وسط) میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا نہیں کرتا اور اس شخص کے لیے بھی درمیانِ جنت میں گھر کا ضامن ہوں جو بطور مذاق بھی جھوٹ نہیں بولتا۔“²

¹ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۱، ۱۰۲)

² سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، رقم الحدیث (۴۸۰۰)

اگر کسی وجہ سے آدمی جھوٹ کے لیے مجبور ہی ہو جائے تو اس کا بہترین راستہ اور حل تعریض ہے، تعریض یہ ہے کہ گفتگو اس طرح کی جائے کہ اس کے متعدد معانی لیے جاسکتے ہوں جس کی وجہ سے سننے والے کا ذہن اس طرف جائے جو گفتگو کرنے والے کا مقصود نہ ہو، لیکن اس کو جھٹلایا بھی نہ جاسکے۔ اس کی مثال کے لیے امام نخعی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان سے کوئی ایسا شخص ملاقات کرنا چاہتا جس سے وہ ملنا نہیں چاہتے تو لونڈی۔ یعنی خادمہ کو حکم دیتے کہ کہو مسجد میں دیکھ لے، یہ مت کہنا کہ گھر پر نہیں ہیں کہ مبادا جھوٹ ہو جائے۔

آپ معمولی جھوٹ کو بھی ہرگز حقیر نہ جانیں اور نہ ہی یہ کہیں کہ فلاں جھوٹ نقصان دہ نہیں ہے۔ یا یہ خیال کریں کہ چھوٹا بچہ ہے اس کے سامنے جھوٹ بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ایسا ہرگز نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے کو بلارہی تھی اور کہہ رہی تھی: آؤ میں تجھے کچھ دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے کہا: اس کو تو کیا دے گی؟ عورت نے جواب دیا: فلاں چیز دوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تو نے اس کو کچھ نہ دیا تو تیرے ذمے ایک جھوٹ لکھ دیا جائے گا۔“⁽¹⁾

اب آپ اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کریں کہ کیا کبھی ہم سے ایسی غلطی ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو دن میں کتنی بار ہوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

25- جھوٹی افواہیں:

جھوٹ کے متعلق ایک اور بات یہ ہے کہ گمراہ کن خبریں اور افواہیں پھیلانا حقیقت اور واقع کے خلاف باتوں کو گھڑنا وغیرہ بھی شریعت کی نظر میں جھوٹ اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر اس طرح کی ہے: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ [النور: ۱۵] ”جبکہ تم اسے زبانوں سے نقل درنقل کرنے لگے۔“ جب کہ آدمی خبریں کان سے سنتا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں غور و فکر کیے بغیر فوراً زبان سے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، تو گویا کہ وہ ان کے کانوں پر گزرے بغیر کہ وہ سنتے یا عقل پر گزرے بغیر کہ وہ غور کرتے، ایسا نہیں بلکہ وہ براہ راست ان کی زبانوں کو ہی پہنچی ہیں۔ اسی لیے اسلام نے بے ہودہ اور لایعنی باتوں کے سننے سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(1) سنن أبي داود، رقم الحديث (4991) مسند أحمد (3/447)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ

فَتُصِيبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ بِنُدْمِينٍ﴾ [الحجرات: ٦]

”اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ

ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔“

امام ضحاک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب کوئی آدمی تمہارے پاس آ کر یہ کہے کہ فلاں اور فلانی ایسے ایسے برے کام کرتے ہیں تو اس کی تصدیق نہ کرو۔^①

علمائے دین نے اسی منہج کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مدعی سے دعوے کے ثبوت میں دلیل طلب کی جائے گی، کیوں کہ ہر بات لائق قبول نہیں ہوتی، اور نہ ہی ہر بات قابل تردید ہوتی ہے۔ شریعت نے افواہوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ صورتِ حال کے تقاضا کے مطابق اس کے سلسلے میں مناسب موقف اور رویہ اختیار کریں۔ ایک صحیح مسلمان غلط افواہوں کو اپنی ذات سے دور کرنے کا حریص اور متمنی ہوتا ہے اور وہ اس طرح سے کہ شکوک و شبہات کی جگہوں سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ﴾^②

”پھر جو کوئی شبہے کی چیزوں سے بچ گیا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی افواہوں اور جھوٹ بولنے اور شبہات سے محفوظ رکھے، آمین۔

26- جھوٹ کے انسانی جسم پر اثرات:

جھوٹ کا سب سے پہلا اثر زبان پر ہوتا ہے اور وہ اسے بگاڑ دیتا ہے، پھر دوسرے اعضا و جوارح کا رخ کرتا ہے اور ان کے ذریعے انجام پانے والے کاموں میں فساد برپا کرتا ہے، پھر نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ جھوٹ گفتار و کردار میں عام ہو جاتا ہے اور یوں فساد کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں، اور پھر ہر فاسد اور غلط عمل چاہے ظاہر ہو یا مخفی جھوٹ ہی کی پیداوار ہوتا ہے۔ اگر آپ نے جھوٹ کا

① الدر المنثور (۷/ ۵۵۸)

② صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۹۹)

علاج دوائے صدق سے نہ کیا تو اس کی بیماری اس کو ہلاکت کی طرف دھکیل دیتی ہے۔^①
دینی اعتبار سے بھی اسے راہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی، جیسا کہ سورۃ المؤمن (آیت: ۲۸) میں
ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾

”بے شک جو حد سے گزر جانے والا جھوٹا ہوتا ہے اللہ اس کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔“
قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جھوٹوں اور ناشکروں کو راہ ہدایت
نصیب نہیں ہوتی گویا کہ جھوٹ انسان کو راہ ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ بے شک ہدایت اللہ کی
سب سے بڑی نعمت ہے، ہم دن میں اللہ تعالیٰ سے کئی مرتبہ ہدایت کی دعا مانگتے ہیں۔

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [الفاتحة: ۴]

یقیناً ہدایت سے محرومی سب سے بڑی بد نصیبی ہے۔ یہ بد نصیبی اس کا مقدر ہے جو جھوٹ بولنا
نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ ہمارے لیے آسانیاں فرمادے، آمین۔

27- جھوٹ کی اجازت کہاں تک ہے؟

مسلمان بہنو اور بھائیو! یہ واضح رہے کہ آپ کے لیے چند مخصوص حالات میں جھوٹ بولنے کی
اجازت ہے اور وہ حالات کیا ہیں؟ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ تین مواقع پر خلاف واقعہ بات
کرنے میں کوئی حرج نہیں:

① جنگ کے موقع پر جھوٹ بولنا تاکہ دشمن دھوکے میں آجائے۔

② لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے، جیسا کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت
ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جو شخص دو آدمیوں
کے درمیان صلح کرادے اور اس میں کوئی اچھی بات منسوب کر دے یا اچھی بات کہہ دے تو وہ
جھوٹا نہیں ہے۔“^②

① ویکس: الفوائد لابن القیم (ص: ۱۷۸)

② صحیح البخاری (۳/ ۲۶۹۲)

3 میاں بیوی کے باہمی معاملات میں، یعنی ان کا رشتہ جوڑنے کے لیے جھوٹ بولنا۔
یہ وہ تین مواقع ہیں جہاں پر جھوٹ کی گنجائش نکلتی ہے، ان کی علاوہ جھوٹ بولنا باعثِ لعنت^①
اور ناجائز ہے۔

28- موت کے بعد جھوٹے کا انجام:

جھوٹے لوگوں کو قیامت کے دن ایسا عذاب دیا جائے گا جس کو سن کر بدن کانپ جاتا ہے،
سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے بہت سارے
گناہوں کی سزا کے متعلق فرمایا، جس میں یہ بھی ہے:

”جھوٹ بولنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد لوہے کے ایک نوکیلے ہتھیار
(آنکڑے) سے پہلے اس کی ایک باچھ گدی تک چیری جائے گی، پھر دوسری باچھ بھی اسی
طرح چیری جائے گی، اتنے میں پہلی والی دوبارہ اپنی جگہ پر آچکی ہوگی اور اسے پھر چیرا
جائے گا اور یہ سلسلہ اور دردناک عذاب قیامت تک جاری رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں: میں نے فرشتے سے کہا: سبحان اللہ! یہ کس شخص کا حال ہے؟ فرشتے نے کہا کہ یہ وہ
شخص ہے جو گھر سے نکلتا تو ایسا جھوٹ بولتا جو آفا فافا پوری دنیا میں دور دور تک پھیل جاتا۔“^②

جس کام کا اتنا برا انجام ہے اسے جتنی جلدی ہو سکے چھوڑ دینا چاہیے:

اے ابن آدم! مت کیا کرتے گناہ تو بہ کی آس پہ
بے اعتبار سی زندگی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں!

29- جھوٹ سے نجات:

جھوٹ ان چار کاموں میں سے ایک ہے جن سے انسان کے چہرے کی تروتازگی و جمال
درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ہم نے جھوٹ کے بعض برے نتائج اور اس کے انجام بد کو آپ کے سامنے رکھا
ہے، اب اگر کسی کے اندر نہی مذاق کے طور پر ہی اس قسم کی عادات ہیں تو اسے جلد از جلد توبہ کرنی
چاہیے اور اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یعنی اپنے نفس کو ایسی بری عادت سے کیسے باز رکھیں؟ یہ

① فتح الباری (۵/۳۶۹) سنن الترمذی، رقم الحدیث (۱۹۴۰) مسند أحمد (۶/۵۴)

② صحیح البخاری عن سمرۃ بن جندب فی حدیث منام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۰۷)

کوئی مشکل کام نہیں، ان شاء اللہ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب ہمارے پاس ہے، جس کی سورۃ النور (آیت: ۳۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَبِيعًا إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

”اے ایمان والو! اللہ کے آگے سب مل کر توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ۔“

توبہ کا مقصد ہے بندے کا اپنے اللہ کی طرف رجوع کرنا اور گمراہی کے راستے کو چھوڑنا۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق سورۃ التحریم (آیت: ۸) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً تَصَوحًا ۗ عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنْ يَكْفُرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی اور خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔“

ایسی جنتوں کو پانے کے لیے سب سے پہلے سچے دل سے اپنے رب کریم سے اپنی اس بری عادت کی سچی اور دائمی توبہ کریں، توبہ کے بعد میرے ان مشوروں پر غور کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں جو میں آپ کے سامنے بیان کرنے لگی ہوں، ان شاء اللہ مفید ہوں گے:

- ① یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال ہمیشہ ذہن میں رکھیں، اور پھر خلوص دل سے اس پر بھروسا کریں۔
- ② خیالی چیزوں کے ڈر سے اپنے آپ کو دور رکھیں جو شیطان پیش کرتا ہے، کیوں کہ یہ اکثر جھوٹ کا سبب ہوتا ہے۔ اللہ پر اعتماد اور اس پر بھروسا اس قسم کے ڈر کو ختم کرنے کا ضامن ہے، ان شاء اللہ۔
- ③ اپنے ایمان کو پختہ کریں اور اس پر یقین رکھیں کہ جو چیزیں آپ کے لیے لکھ دی گئی ہیں وہ بہر حال آپ کو ملیں گی اور عموماً اکثر لوگ دنیاوی فوائد اور دولت جمع کرنے کی لالچ میں جھوٹ بولتے ہیں، لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ (تقدیر میں جو لکھا ہے وہی ہوگا) جب اس بات پر مکمل بھروسا ہو جائے تو پھر انسان سکون حاصل کرتا ہے اور یوں گفتگو میں جھوٹ کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

- ④ تربیتِ نفس، یعنی نفس کو ایسے اعمال پر ابھارنے کی کوشش کریں جو معیاری و اخلاق کے مطابق ہوں، کیوں کہ انسان کا نفس ایک بچے کی مانند ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اسے بے لگام چھوڑ دیا تو

آپ کو پریشان کرے گا، لہذا اپنے نفس کو بار بار ایسے اخلاقی حمیدہ پر جمانے کی کوشش کریں کہ بالآخر یہ اخلاق نفس کی عادتِ ثانیہ بن جائے، ابتدائی مرحلے میں کچھ مشکل ہوگی مگر مایوس نہ ہوں، کیوں کہ فرمانِ الہی ہے:

﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ [الزمر: ۵۳] ”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔“

کیوں کہ مایوسی کفر ہے۔ اور نہ ہی اس کام کو ناممکن خیال کریں، کیوں کہ یہ معاملہ ثابت قدمی چاہتا ہے، لہذا جھوٹ جیسی بری عادت پر اس نئے کو آزما کر دیکھیں، کچھ مدت کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ اس بری عادت سے جان چھوٹ گئی ہے اور ان شاء اللہ سچ بولنے والوں کی جماعت میں شمار ہوگا۔

اللہ کی بارگاہ کی طرف آجائیں اور مستقل مزاجی سے سچائی اختیار کر لیں اگرچہ آپ کو اس میں ہلاکت دکھائی دے، مگر نجات اسی میں ہے۔ اور جھوٹ سے بچیں! اگرچہ تمہیں اس میں نجات نظر آئے مگر ہلاکت اسی میں ہے۔ اور جو لوگ سچائی کا راستہ تلاش کرتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ الطلاق (آیت: ۲) میں اللہ تعالیٰ نے یوں اعلان فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾

”جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے نجات کا راستہ نکال دیتا ہے۔“

سورۃ العنکبوت (آیت: ۶۹) میں مزید فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

”اور جو لوگ ہمارے راستے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ یقیناً اللہ نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔“

میری مسلمان بہنو اور بھائیو! اللہ کا کلام قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ارشادات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سچائی میں ہی خیر و برکت ہے اور غیر محتاط زبان انسان کو کس قدر ہلاکت میں مبتلا کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے ساتھ ہمیں زبان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں گفتار و کردار میں سچائی کی توفیق بخشے۔ آمین

آخر میں میں آپ سب سے امید کرتی ہوں کہ آپ ہمارے اندر صدق و اخلاص اور یقین

پیدا ہونے اور آخرت اور دنیا میں عفو و عافیت کے لیے کی جانے والی اپنی دعاؤں میں مجھے فراموش نہیں فرمائیں گے۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۗ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۗ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴾ [البقرة: ۲۸۶]

”اے ہمارے رب! بھول چوک پر ہم کو مت پکڑ۔ اے پروردگار! ہمارے جیسے اگلے لوگوں پر تو نے بھاری بوجھ ڈالا تھا ویسا ہم پر مت ڈال۔ اے ہمارے رب! جس بوجھ کے اٹھانے کی ہمارے اندر طاقت نہیں وہ ہم سے مت اٹھوا۔ اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا حامی اور مددگار اور آقا و مالک ہے تو ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔“

اے اللہ! میں دست بستہ سوال کرتی ہوں کہ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرما لیجئے جن کی آخری یہ دعائی تھی:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ.

مصادرِ درس

- ✽ تفسیر ابن کثیر
- ✽ تفسیر احسن البیان
- ✽ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ✽ صحیح بخاری
- ✽ صحیح مسلم
- ✽ لغزش زبان تالیف: فضیلہ الشیخ: عبداللہ بن جار اللہ الجار اللہ رحمۃ اللہ علیہ
- ترجمہ: عبدالعلیم نور العین

- ✽ تزکیہ النفوس تالیف: علامہ ابن رجب حنبلی و علامہ ابن قیم الجوزی و ابو حامد الامام الغزالی رحمہم اللہ
- ترجمہ: مولانا محبوب احمد قمر زمان اعظمی
- ✽ الآداب تالیف: حافظ ابو بکر احمد بن حسین البیہقی رحمہم اللہ۔ ترجمہ: مولانا زبیر احمد سلفی
- ✽ پیارے رسول کے دن رات، تالیف: حافظ عبد الرحمن صدیقی
- ✽ افواہوں کی شرعی حیثیت تالیف: دکتور سعد بن ناصر عبد العزیز۔ ترجمہ: ابو اسعد قطب محمد اثری
- ✽ کبیرہ گناہ تالیف: ڈاکٹر سید شفیق الرحمن
- ✽ آداب زندگی تالیف: امین الرحمن عمری مدنی رحمہم اللہ، نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر





مکتبہ کتاب و سنت و سچان جامعہ
ڈسکہ